فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر

بقیة کتاب الوقف

الفصل الثالث عشر فی مکبّر الصوت

(مسجد میں لاؤڈ اسپیکر اور اس کے استعمال کا بیان)

الفصل الرابع عشر فی صرف مال المسجد فی غیرہ

(مسجد کے پیسے کا دوسری جگہ استعمال کرنے کا بیان)

الفصل الخامس عشر فی صرف المال الحرام فی المسجد

(مسجد میں حرام مال صَرف کرنے کا بیان)

الفصل السادس عشر فی صرف مال الکافر فی المسجد

(مسجد میں کافر کے مال کو صرف کرنے کا بیان)

الفصل السابع عشر فی جمع التبرعات للمسجد بطریق الاکتتاب

(مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کا بیان)

الفصل الثامن عشر فی بناء المسجد فی ملک الغیر

(غیر کی زمین میں مسجد تعمیر کرنے کا بیان)

باب آداب المسجد

الفصل الأول فيما يستحب في المسجد و مايكره

(مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان)

الفصل الثانی فی النیام والقیام فی المسجد

(مسجد میں سونے اور ٹھہرنے کا بیان)

الفصل الثالث فی دخول الجنب والحائض فی المسجد

(مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخل ہونے کا بیان)

الفصل الرابع فی دخول الکافر فی المسجد

(غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونے کا بیان)

الفصل الخامس فی إدخال الأشیاء المنتنة فی المسجد

(مسجد میں بدبودار چیزوں کے داخل کرنے کا بیان)

الفصل السادس فی زخرفة المساجد والکتابة علیها

(مسجد کے نقش ونگار اور اس پر لکھنے کا بیان)

الفصل السابع فی البیع والشراء فی المسجد

(مسجد میں خرید وفروخت کرنے کا بیان)

الفصل الثامن فی الاکتتاب فی المسجد

(مسجد میں چندہ کرنے کا بیان)

الفصل التاسع فی الحفلات للوعظ والأناشید فی المسجد

(مسجد میں وعظ ونظم کی محفلوں کا بیان)

الفصل العاشر فی المزامیر عند المسجد

(مسجد کے قریب موسیقی وغیرہ کا بیان)

باب المتفرقات

باب المصلّٰی

(عیدگاہ کا بیان)

بابٌ فی أحكام المقابر

(قبرستان کے احکام کا بیان)

باب مایتعلق بالمدارس

الفصل الأول فی تولیة المدارس ونظمها

(مدارس کے نظم ونسق اور اہتمام کا بیان)

الفصل الثانی فی مصارف المدرسة واستبدالها

(مدرسہ کے مصارف اور اس کو بدلنے کا بیان)

الفصل الثالث فی بیع وقف المدرسة والتصرف فيه

(مدرسہ کا وقف فروخت کرنے اور اس میں تصرف کرنے کا بیان)

الفصل الرابع فی بیع وقف المدرسة وإجارته

(مدرسہ کے وقف کو بیچنے اور کرایہ پر دینے کا بیان)

الفصل الخامس فی وظائف المدرّسین

(مدرسین کی تنخواہوں کا بیان)

الفصل السادس فی المبعوثین والتبرعات

(مدارس کے سُفراء اور چندہ کے احکام)

الفصل السابع فی صرف المال الحرام ومال الکافر فی المدارس

(مدارس میں مالِ حرام اور مالِ کافر کے صَرف کرنے کا بیان)

باب المتفرقات

☆......☆......☆

بقية كتاب الوقف

الفصل الثالث عشر فی مكبّر الصوت

(مسجد میں لاؤڈ اسپیکر اور اس کے اِستعمال کا بیان)

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے حدیث پاک سنانا

سوال[۷۲۰۱]: حدیث پاک صبح کو لاؤڈ اسپیکر سے بیان کرنا کہ دین کی باتیں معلوم ہوں اور نماز روزہ کا شوق بڑھے، خصوصاً عورتوں کو کہ وہ گھر میں رہتی ہیں کہ انہیں یہ مسائل معلوم ہو جائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں یہ فائدہ بھی ہے اور بہت سے آدمی اپنے مشاغل میں لگے رہتے ہیں، اس طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے، نیز خود طلب اور شوق سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں کہ گھر بیٹھے آواز آتی ہے، حدیث پاک اور دینی مسائل سے یہ بے توجہی کہ آواز آنے کے باوجود اپنے مشاغل میں لگے رہیں اور توجہ نہ کریں بڑی ناقدری ہے(۱)۔ اگر

---

(۱) مجلسِ نبوی علی صاحبہ الف الف صلوۃ وسلام کی صفت اور قدر دانی یہ تھی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس طرح توجہ اور سکینت کے ساتھ بیٹھتے تھے کہ گویا کہ اگر ان کے سروں کے اوپر پرندے بیٹھ جائیں تو ان کو یہ پتہ نہ چلے کہ ہم کسی جامد چیز پر بیٹھے ہیں یا انسانوں کے سروں پر، یہی قدر دانی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے اونچے مقامات سے سرفراز فرمایا تھا:

"عن البراء بن عازب رضی الله تعالیٰ عنه قال: خرجنا مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی جنازة فانتهينا إلى القبر فجلس وجلسنا كأن على رؤسهم الطير".

وقال الشيخ عبدالغنی المجددی تحت هذا الحديث: "كأن على رؤسهم الطير" قال الطيبی: هو كناية عن إطراقهم رؤسهم وسكوتهم وعدم التفاتهم يميناً وشمالاً: أی على رأس كل واحد الطير =

سننے ہی کے لئے جمع ہوں اور آواز نہ پہونچنے کی وجہ سے لاؤڈ اسپیکر استعمال کیا جائے تو دوسری بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۵ھ۔

غفلت کے وقت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر حدیث سنانا

سوال[۷۲۰۲]: ۱…… صبح کے وقت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر میں کوئی حدیث پڑھی جائے درآنحالیکہ مسجد میں کوئی شخص نہیں ہوتا اور گھروں میں مرد وعورتیں دھیان وتوجہ سے نہیں سنتے۔ ایسی صورت میں پڑھنا کیسا ہے؟

تبلیغ اور گم شدہ بچے کا اعلان مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے

سوال[۷۲۰۳]: ۲…… محلّہ کے گھروں میں جو تبلیغ ہوتی ہے اس کا اعلان اور گم شدہ بچے کا اعلان کرانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱…… جب کہ مسجد میں کوئی آدمی موجود نہیں اور اپنے اپنے مکانوں میں مرد وعورت اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں، کوئی متوجہ نہیں تو ایسی حالت میں لاؤڈ اسپیکر پر حدیث شریف سنانا بے محل ہے، اس سے پرہیز کیا جائے (۱)۔

= يريد صيدها ولا يتحرك. وهذه كانت صفة مجلس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا تكلم، طرق جلساؤه كأنهم على رؤسهم الطير". (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ماجاء في جلوس في المقابر، (رقم الحاشية: ٢)، ص: ١١١)

(۱) جب کہ سب نمازی اپنی اپنی ضرورتوں اور کاموں میں مصروف ہوں تو اس وقت مسجد کی اشیائے موقوفہ کا استعمال کرنا بے محل ہونے کی بنیاد پر جائز نہیں ہوتا، اس طرح صورتِ مذکورہ میں بھی چونکہ اس وقت لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت نہیں، لہٰذا لاؤڈ اسپیکر پر اس وقت حدیث وغیرہ سنانا مناسب نہیں۔

"ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلوة فيه، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الأول: ٢/٤٥٩، رشيدية) =

۲.....محلّہ کے گھروں میں جو تبلیغ ہوتی ہے اس کا اعلان درست ہے، گم شدہ بچے کا اعلان خارجِ مسجد کیا جاسکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۱/۱۲/۹۵ھ۔

وعظ میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا

سوال[۷۲۰۴]: لاؤڈ اسپیکر مسجد میں رکھ کر اس میں وعظ ونصیحت اس نیت سے کرنا کہ جو لوگ مسجد میں نہیں آتے ان کے کانوں میں بھی دین کی باتیں پہونچ جائیں، جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بھی جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وکذا فی خلاصة الفتاویٰ، کتاب الوقف، الرابع فی المسجد وأوقافه ومسائله: ۴۲۲/۴، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۰/۵، رشیدیه)

(۱) یہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی احتیاطی رائے ہے جس میں مسجد کے ادب کا لحاظ رکھا گیا ہے، لیکن بعض دیگر حضرات گم شدہ بچہ کا اعلان انسانی جان کی اہمیت اور ضرورت کی بناء پر مسجد میں جائز قرار دیتے ہیں، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''البتہ گم شدہ بچہ کا اعلان انسانی جان کی اہمیت کے پیش نظر جائز ہے''۔ ایک اور سوال کے جواب میں فرمایا: ''اور گمشدہ بچے کا اعلان بھی ضرورت کی بناء پر جائز ہے''۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۴۴/۲، مکتبہ بینات)

(وکذا فی فتاویٰ حقانیه: ۹۵/۵، دار العلوم حقانیه)

(۲) جو لوگ مسجد میں نہیں آتے ہیں، ان کے کانوں میں بھی دین کی باتیں پہونچانے کی غرض سے لاؤڈ اسپیکر کو بھی دوسرے اشیائے موقوفہ کی طرح بقدر حاجت استعمال کرنا جائز ہے:

''ولو وقف علی دهن السراج للمسجد، لا یجوز وضعه جمیع اللیل بل بقدر حاجة المصلین، ویجوز إلی ثلث اللیل أو نصفه إذا احتیج إلیه للصلوة فیه، کذا فی السراج الوهاج''. (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، ومایتعلق به، الفصل الأول: ۴۵۹/۲، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ، کتاب الوقف، الرابع فی المسجد وأوقافه ومسائله: ۴۲۲/۴، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد. ۴۲۰/۵، رشیدیه)

ماہ مبارک میں رات کو مسجد کے مائک پر نظم وغیرہ پڑھنا

سوال[۷۲۰۵]: گاؤں میں کئی سال سے رمضان شریف کی رات میں مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر گانا شروع کردیتے ہیں، کبھی تقریر کرتے ہیں، کبھی نظم پڑھتے ہیں، ٹائم کا اعلان کرتے ہیں، اس وقت گھر میں بہت سے لوگ تہجد اور قرآن شریف پڑھتے ہیں، ان کی نماز اور قرآن میں کافی خلل پڑتا ہے۔ شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اعلان کرنے سے نماز وتلاوت پر تشویش ہوتی ہے، مگر اعلان کرنے والے بھی اپنے اعلان کو تہجد اور تلاوت سے کم نہیں سمجھتے، بلکہ زیادہ ہی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کا تہجد تنہا تنہا کا تہجد ہے اور ہمارے اعلان کی بدولت سب بستی والے بیدار ہوتے ہیں، بہت سے تہجد وغیرہ پڑھتے ہیں اور سحری کی اطلاع سب کو ہوجاتی ہے جس سے سب کے روزے سنت کے مطابق اور آسان ہوجاتے ہیں۔ اعلان کرنے والے حضرات مانتے نہیں، اپنا کام برابر کئے جاتے ہیں، ان کو سمجھایا ہی جاسکتا ہے، لڑائی ہرگز نہ کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تبلیغی نصاب مسجد کے مائیک میں پڑھنا

سوال[۷۲۰۶]: مسجد میں اذان اور کسی عالم کی تقریر کے لئے لاؤڈ اسپیکر لگایا گیا، اب اگر اس پر قرآن کریم، نعت یا نظم یا تبلیغی نصاب، یا کوئی تعلیمی کتاب پڑھی جائے تو جائز ہے یا نہیں، جب کہ اس وقت کچھ لوگ نماز بھی پڑھتے رہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغی نصاب ان لوگوں کو سنانا مقصود ہوتا ہے جو وہاں موجود ہوں، بغیر لاؤڈ اسپیکر کے آواز ان کو پہونچ جاتی ہے، پھر کیوں لاؤڈ اسپیکر پر ان کو سنایا جاتا ہے، اس لئے اس مقصد کے لئے لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کریں،

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة، وجادلهم بالتی هی أحسن﴾. (سورة النحل: ۱۲۵)

خاص کر جب کہ نمازیوں کو اس سے پریشانی ہوتی ہے(۱)۔ زور زور سے نعت بھی لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر اذان کے علاوہ حمد ونعت پڑھنا

سوال[۷۲۰۷]: محلّہ حسنو کٹرہ فیض آباد میں ایک مسجد ہے، جس میں محلّہ کے تمام لوگ باجماعت نماز ادا کرتے ہیں، مسجد میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان ہوتی ہے، بعد نماز اکثر لوگ حمدیہ اور نعتیہ کلام بھی پڑھ لیا کرتے ہیں جس کی وجہ سے مسجد کے پڑوس میں بسے ہوئے ایک مسلمان کو بظاہر لاؤڈ اسپیکر کی آواز سے بڑی تکلیف ہوتی ہے، جس کے خلاف وہ برابر زبانی یا تحریری شکایتوں کو حاکموں تک پہونچایا کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اہل محلّہ کو پولیس نے مارا بھی ہے۔ اس واقعہ کے بعد اہل محلّہ کو اندازہ ہوا کہ شاید یہ بات بڑھ جائے اس لئے خاموش ہوگئے۔

خازنِ مسجد نے ان کے پاس کہلایا کہ معلوم ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر کے خلاف آپ نے حاکموں تک شکایت کی ہے تو انہوں نے جوش میں آکر کہا کہ اگر یہ بات میرے اوپر ثابت ہوجائے تو مجھے پچاس جوتے ماریں، ورنہ نہ ثابت کرنے والے کو سو جوتے ماروں گا۔ دوبارہ خازن نے کہلا بھیجا کہ میں سو جوتے کھانے کو تیار ہوں اس شرط پر کہ وہ مسجد میں آکر قسم کھالیں کہ ہم نے کوئی شکایت نہیں کی ہے اور نہ کرائی ہے۔ بہر حال پڑوسی موصوف نے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں حلف نہیں اٹھاؤں گا۔

اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ جملہ مسلمانانِ شہران کے ساتھ کیا رویہ برتیں، بول چال کھانا پینا اور رسم وراہ رکھیں یا نہیں؟ ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمائیں کہ آیا مسجد میں مائیک پر حمد ونعت واذان دی جائے یا نہیں؟

---

(۱) "وأجمع العلماء سلفاً و خلفاً علی استحباب ذکر اللہ تعالیٰ جماعةً فی المساجد وغیرها من غیر نکیر، إلا أن یشوش جهرهم بالذکر علی نائم أو مصل أو قارئ، کما هو مقرر فی کتب الفقه". (شرح الأشباه والنظائر للحموی، (رقم القاعدة: ۲۹)، القول فی أحکام المسجد: ۶۱/۴، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی مرقاة المفاتیح، باب المساجد و مواضع الصلاة، الفصل الثانی: ۴۴۰/۲، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلياً:

ان پڑوسی سے کہا جائے کہ ہم کو ایسی ہی خبر ملی تھی، اگر یہ خبر غلط ہے، نہ آپ نے شکایت کی اور نہ کسی سے شکایت کرائی تو اس بات میں ہمارا دل آپ کی طرف سے صاف ہے، اب یہ معاملہ ختم کر دیا جائے، نہ ان سے قسم لیں، نہ سلام وکلام ترک کریں، بلکہ اخلاق ومحبت سے پیش آئیں۔ لاؤڈ اسپیکر پر صرف پانچ وقت کی اذان کہیں جس سے مقصود لوگوں کو نماز کے لئے بلانا ہو، بقیہ دوسری چیزوں کے لئے لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کریں، ہاں! کوئی جلسہ کرنا ہو تو اس وقت حمد ونعت اور تقریر ووعظ کے لئے لاؤڈ اسپیکر استعمال کرلیں۔ پڑوسی کا خیال رکھنا بھی شرعاً لازم ہے(۱)، بلاوجہ ایسا کام نہ کیا جائے جس سے اذیت پہونچے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۴/۲۶ھ۔

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر نعت وغزل پڑھنا

سوال[۷۲۰۸]: یہاں مقامی مسجد میں اذان کے لئے لاؤڈ اسپیکر لگایا گیا، لیکن عشاء کے بعد روزانہ تین چار گھنٹے لوگ نعت، قصیدہ، غزل پڑھتے ہیں اور اسے نیک فعل بتلاتے ہیں، اس کی وجہ سے نماز پڑھنے والوں کو کافی دقت ہوتی ہے۔ کیا ان کو ایسا کرنا چاہئے، ان کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وأجمع العلماء سلفاً و خلفاً على استحباب ذكر الله تعالىٰ جماعةً في المساجد وغيرها من غير نكير، إلا أن يشوش جهرهم بالذكر على نائم أو مصل أو قارئ، كما هو مقرر في كتب الفقه". (شرح الأشباه والنظائر للحموي، القول في أحكام المسجد، (رقم القاعدة: ۲۹) : ۶۱/۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الثاني : ۱۶۱/۲، رشيديه)

(وكذا في أوجز المسالك: ۲۲۷/۲)

(۲) "عن أبي موسىٰ رضي الله تعالىٰ عنه قال: قالوا: يارسول الله! أيّ الإسلام أفضل؟ قال: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، الخ". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۶/۱، قديمي)

"فيه (أي في الحديث المذكور) الحث على ترك أذى المسلمين بكل مايؤذى". (عمدة القاري، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۲۱۴/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ طریقہ صحیح نہیں، اس کو بند کیا جائے، اس میں مسجد کی بھی حق تلفی ہے اور نمازیوں کی بھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۸/۱/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک مائیک کی آواز پورا گاؤں سنے تو کیا دوسری مسجدوں میں مائیک کی ضرورت ہے؟

سوال[۷۲۰۵]: ایک گاؤں میں کئی مسجدیں ہیں جن میں سے صرف ایک مسجد میں لاؤڈ اسپیکر (مائک) ہے، جب مائک میں اذان ہوتی ہے تو آواز تقریباً پورے ہی گاؤں میں پہونچ جاتی ہے، پھر بھی دوسرے محلّہ کی مسجد والے مائک لانا چاہتے ہیں۔ یہ اسراف ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب ایک مسجد کے مائک سے سب گاؤں میں اذان کی آواز پہونچ جاتی ہے اور نمازوں کے اوقات قریب ہی قریب ہیں تو دوسری مسجد میں مائک لگانا بے ضرورت ہے، اس کے لئے مسجد کا پیسہ صرف نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۱ھ۔

---

(۱) "ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح، هذا إذا لم يكن معيناً، فإن كان الوقف معيناً على شيء يصرف إليه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۶۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۱۸/۵، رشيديه)

"ولا تجوز إعارة أدواته لمسجد آخر، ولا يشغل المسجد بالمتاع". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۶۳/۴، إدارة القرآن كراچی)

"وأجمع العلماء سلفاً و خلفاً على استحباب ذكر الله تعالىٰ جماعةً في المساجد وغيرها من غير نكير، إلا أن يشوش جهرهم بالذكر على نائم أو مصل أو قارئ، كما هو مقرر في كتب الفقه".

(شرح الأشباه والنظائر للحموی: ۶۱/۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، باب المساجد و مواضع الصلاة، الفصل الثاني: ۴۴۰/۲، رشيديه)

مسجد کے مائیک پر اعلان جب کہ اس کے پھول مسجد کے مناروں پر لگے ہوں

سوال[۷۲۱۰]: مسجد کا مائیک لوگوں کے چندہ سے خریدا گیا ہے اور خریدنے والوں کی نیت یہ تھی کہ اعلان کیا کریں گے، مائیک مسجد کے حجرے میں رکھا ہوا ہے اور اس کے لاؤڈ اسپیکر کے پھول مسجد کے میناروں پر ہے۔ تو کیا اعلان کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اذان کے علاوہ کوئی اَور اعلان کرنا چاہتے ہیں تو اس جگہ اعلان نہ کریں، مثلاً: کسی گم شدہ چیز کو تلاش کرنا ہو، یا کسی اَور بات کی خبر دینی ہو، جس کا تعلق نماز اور مسجد سے نہ ہو تو خارج مسجد یہ کام کریں (۱)۔ مینارہ پر مائیک کے پھول اس کے لئے استعمال نہ کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۱ھ۔

روپیہ لیکر مسجد کے مائک پر اعلان کرنا

سوال[۷۲۱۱]: مسجد کے مائک پر جو اعلان کیا جاتا ہے اس کے لئے جو ایک روپیہ لیا جاتا ہے، وہ اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(وعرف): أى نادى عليها حيث وجدها وفى المجامع". (الدرالمختار). "(قوله: نادى عليها) إنى وجدت لقطةً لا أدرى مالكها. (قوله: حيث وجدها وفى المجامع): أى مجامع الناس كالمساجد والأسواق والشوارع، إلا أنه ينادى على أبواب المساجد لافيها". (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب اللقطة: ۲/۵۰۱، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح، هذا إذا لم يكن معيناً، فإن كان الوقف معيناً على شئ، يصرف إليه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۴/۳۶۷، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع فى المسجد ومايتصل به: ۶/۲۷۰، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۵/۴۱۸، رشيديه)

"ولا تجوز إعارة أدواته لمسجد آخر". (الأشباه والنظائر، القول فى أحكام المسجد: ۴/۶۳، إدارة القرآن كراچى)

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد میں مائک پر اعلان کرنے کا روپیہ لینا درست نہیں (۱)۔فقط۔

املاہ العبد محمود غفرلہ ۱۳/۹/۹۹ھ۔

مسجد کے مائک سے مسجد میں پیسہ دینے والے کا اعلان

سوال[۷۲۱۲]: ۱......مسجد میں چندہ دینے والوں کا نام اگر لاؤڈ اسپیکر پر لیا جائے تاکہ دوسروں کو بھی رغبت ہو اور مسجد کو پیسہ کی سخت ضرورت بھی ہو تو جائز ہے یا نہیں؟

فیس دیکر مسجد کے مائک سے اپنا اعلان کرانا

سوال[۷۲۱۳]: ۲......گاؤں کے لوگ اگر اپنی کسی چیز کی بابت مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کرائیں جب کہ مسجد کی کمیٹی اعلان کرانے کی فیس لیتی ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......اہل مسجد کو اس کے استعمال پر معاوضہ لینا درست ہے، دینے والا رضامندی سے معاوضہ دیتا ہے تو نفسِ استعمال لاؤڈ اسپیکر کے معاوضہ میں مضائقہ نہیں (۲)، لیکن اعلان کرانے والے کا اگر مقصد یہ ہے کہ میرا نام سب کو معلوم ہو جائے کہ اس نے اتنا پیسہ دیا ہے تو یہ مقصد غلط ہے، شہرت اور ناموری کی نیت سے مسجد میں

---

(۱) "و لا یجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن یجعل شیئاً منه مستغلاً ولا سکنی. بزازیة". (الدرالمختار). "لو احتاج المسجد إلی نفقة، تؤجر قطعةٌ منه بقدر ما ینفق علیه، بأنه غیر صحیح". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۳۹/۵، رشیدیه)

(۲) "رجل استأجر حجرةً موقوفةً من أوقاف المسجد، فکسر فیها الحطب بالقدوم، والجیرانُ لا یرضون بذلک، والمتولی یرضی به، قالوا: إن کان من ذلک ضرر بین بالحجرة مثل ضرر القصار والحداد، والمتولی یجد من یستأجرها بتلک الأجرة، کان علی المتولی أن یمنعه من ذلک، فإن لم یمتنع أخرجه من الحجرة یؤاجرها من غیره". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، فصل فی إجارة الوقف: ۳۱۳/۲، رشیدیه)

پیسہ دینا اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں (۱)۔

۲......درست ہے۔

تنبیہ: اس کا خیال رہے کہ مسجد کو کمائی کی جگہ اور کمائی کا ذریعہ نہ بنائیں، مسجد سے علیحدہ اس کا انتظام کرلیا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۹۵ھ۔

مسجد کے مائک سے ترغیب کے لئے چندہ دینے والے کے ناموں کا اعلان

سوال[۷۲۱۴]: ایک شخص نے مسجد میں مائک وقف کیا، اور اس کی نیت یہ ہے کہ اس سے مسجد کی ضروریات پوری کی جائیں۔اب مسجد کے اندر ایک بڑا کام شروع کیا جا رہا ہے، مثلاً: فرش بنوانا، یا بوسیدہ دیوار کا صحیح کرانا۔ظاہر ہے کہ ایسے کاموں کے لئے کافی رقم کی ضرورت پڑتی ہے، لہٰذا ہم کارکنان کے مشورہ سے یہ اسکیم جاری کی ہے کہ مائک سے یہ اعلان کردیا جائے اور جس کی جتنی ہمت ہو وہ آ کر دیتا رہے، اس میں بچے اور عورتیں اور بڑے آدمی سبھی دیتے ہیں اور دینے والوں کے نام مائیک سے بول دیئے جاتے ہیں، فقط اس نیت سے کہ دوسروں کو رغبت پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دینے کی توفیق ہو، مثلاً: اس طرح بول دیتے ہیں کہ:

"زید نے پانچ روپے، یا عمر نے دس روپے دیئے، یا فاطمہ نے اپنے والد ماجد کی طرف سے بیس روپے دیئے، یا کسی نے اپنے مرحوم والد کی طرف سے دس روپے دیئے"۔

---

(۱) "عن أبي سعيد بن أبي فضالة رضي الله تعالىٰ عنه عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا جمع الله الناس يوم القيامة ليومٍ لاريب فيه، نادىٰ منادٍ: من كان أشرك في عمل عمله لله أحداً، فليطلب ثوابه من عند غير الله، فإن الله أغنىٰ الشركاء عن الشرك". رواه أحمد". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، ص: ۴۵۴، قديمي)

"عن سلمة قال: سمعت جندباً رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولم أسمع أحداً يقول: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "من سمّع سمّع الله به، ومن يراء ي يراء ي الله به". (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۲/۹۶۲، قديمي)

اس طریقہ پر نام بولنا اور اعلان کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح اعلان کرنے میں ترغیب بھی اور مفسدہ بھی ہے۔ ترغیب تو ظاہر ہے، مفسدہ دو طرح ہے: ایک اس طرح کہ اس نام بنام اعلان کی وجہ سے لوگ تعریف کریں گے، اس تعریف کی وجہ سے بعض لوگ چندہ دیں گے تاکہ ہمارا نام بھی بولا جائے اور لوگ سن کر ہماری بھی تعریف کریں گے، سو یہ نیت اخلاص کے خلاف ہے جس سے ثواب ضائع ہوجاتا ہے (۱)۔ دوسرے اس طرح مفسدہ ہے کہ جس نے چندہ کم دیا ہے اس کو شرمندگی ہوگی اور لوگ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے، عار دلائیں گے، یہ ناجائز ہے، اس لئے اعلان کی یہ صورت قابلِ احتراز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۱/۱۶ھ۔

---

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين﴾: أی جاعلين أنفسهم خالصةً له تعالىٰ في الدين". (روح المعانی، سورة البينة: ۲۰۴/۳۰، دارإحياء التراث العربی، بيروت)

اور ریا ونمود مذموم ہے: "عن أبی سعيد بن أبی فضالة رضی الله تعالىٰ عنه، عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا جمع الله الناس يوم القيامة ليومٍ لاريب فيه، نادىٰ منادٍ: من كان أشرک فی عمل عمله لله أحداً، فليطالب ثوابه من عند غير الله، فإن الله أغنىٰ الشركاء عن الشرک". رواه أحمد". (مشكوة المصابيح، باب الرياء والسمعة، ص: ۴۵۴، قديمی)

"عن سلمة قال: سمعت جندباً رضی الله تعالىٰ عنه يقول: قال النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم -ولم أسمع أحداً يقول: قال النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- "من سمّع سمّع الله به، ومن يراء ی يراء ی الله به". (صحيح البخاری، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۹۶۲/۲، قديمی)

(۲) "عن أبی وائل عن أبی مسعود قال: أمرنا بالصدقة، قال: كنا نحامل، قال: فتصدق أبو عقيل بنصف صاع، قال: وجاء إنسان بشئ أكثر منه، فقال المنافقون: إن الله لغنی عن صدقة هذا، ومافعل هذا الأخر إلارياء، فنزلت: ﴿الذين يلمزون المطوعين من المؤمنين فی الصدقات والذين لايجدون إلا جهدهم﴾ وهم يلفظ بشر بالمطوعين". (الصحيح لمسلم، كتاب الزكوة، باب الحمل بأجرة يتصدق بها والنهی الشديد عن تنقيص التصدق بقليل: ۳۲۷/۱، قديمی)

مسجد کے مائک سے دوسرے اعلان

سوال[۷۲۱۵]: ا...... مسجد کے حجرے میں حدودِ مسجد سے باہر بغرضِ اذان مائک ہے، بعض اشخاص آ کر یہ اعلان کراتے ہیں کہ ہمارا بچہ گم ہوگیا ہے اس کا اعلان کرو۔ کیا یہ جائز ہے؟ اور ان سے کچھ معاوضہ لے کر مسجد میں جمع کر دیا جائے۔

۲...... یا یہ اعلان کیا جائے کہ فلاں شخص کا انتقال ہوگیا ہے، فلاں جگہ اور فلاں وقت نماز جنازہ ہوگی۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲...... جو مائک اذان کے لئے ہے اس میں دوسرے اعلانات نہ کئے جائیں، نہ معاوضہ لیکر، نہ بلا معاوضہ(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح، هذا إذا لم يكن معيناً، فإن كان الوقف معيناً على شيء يصرف إليه". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۴/۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۱۸، رشيديه)

"ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى، بزازية". (الدر المختار).

"لو احتاج المسجد إلى نفقة، تؤجر قطعةٌ منه بقدر ما ينفق عليه، بأنه غير صحيح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

"ولا تجوز إعارة أدواته لمسجد آخر، ولا يشتغل المسجد بالمتاع". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/۶۳، إدارة القرآن كراچي)

الفصل الرابع عشر فی صرف مال المسجد فی غیرہ

(مسجد کے پیسے کا دوسری جگہ استعمال کرنے کا بیان)

مسجد کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا

سوال[۷۲۱۶]: ایک کثیر الاوقاف جامع مسجد ہو اور واقف سے کچھ شرائط منقول نہ ہوں، آمد مصارف سے بہت زیادہ ہو اور شکست وریخت مسجد کے لئے روپیہ جمع و موجود ہو اور زیادہ روپیہ جمع رہتے ہیں تو کیا ان اوقاف مسجد کی زائد آمدنی کو تعلیمِ دین اور تبلیغِ اسلام اور تدریسِ علوم شرعیہ پر صرف کر سکتے ہیں؟

از دار العلوم پشاور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں اگر مسجد کی آمدنی کا روپیہ زیادہ، صرف کم اور اتنا روپیہ ہر وقت موجود رہتا ہے کہ شکست وریخت وغیرہ بسہولت پوری ہو سکے اور روپیہ جمع رہنے میں خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس روپے سے مسجد کے لئے جائیداد، دوکانیں، زمین وغیرہ خرید لی جائیں، اگر اس میں دشواری ہو اور یا روپیہ جائیداد خریدنے کے بعد بھی زائد بچ رہے تو پھر اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کرلیا جائے تا کہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو، کیونکہ آبادی کو ترقی دینا مسجد کی بڑی مصلحت ہے:

"الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لا يصرف، وإنه صحيح، ولكن يشترى به مستغلاً للمسجد، كذا في المحيط". عالمگیری: ۲/۱۰۳۶(۱)۔

"الذى يبدأ من ارتفاع الوقف عمارته، شَرَطَ الواقف أم لا، ثم إلى ماهو أقرب إلى

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم، الخ: ۲/۴۶۳، رشيديه)

العمارة أعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة". عالمگیری :۲/ ۵٦۷(۱)۔

اگر یہ بھی دشوار ہوتو اقرب مسجد میں صرف کیا جاسکتا ہے(۲)۔

محمود گنگوہی، ۱۶/۴/۵۳ھ۔

صحیح :عبداللطیف، ۲۹/ ربیع الثانی/۵۳ھ۔

مسجد کی آمدنی سے مدرسہ بنانا

سوال[۷۲۱۷]: مسجد کی آمدنی سے مدرسہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی آمدنی سے مدرسہ بنانا جائز نہیں (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۲/ ۳٦۸، رشيديه)

"ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته، كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳٦٦، ۳٦۷، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۵٦، رشيديه)

(۲) "الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب المسجد أو رباط أو بئر أوحوض". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۹، سعيد)

"وفي شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها". (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليهما أو قافاً، لايجوز له ذلك". (الدرالمختار). "أي الصرف المذكور .... ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوىٰ، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه : ۴/ ۳٦۰، ۳٦۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳٦۲، رشيديه)

مسجد کی آمدنی سے مدرسہ میں چندہ دینا

سوال[۷۲۱۸]: یہاں ایک مسجد کی عمارت میں اس محلّہ کا ایک مدرسہ قائم ہے جس کے اخراجات اہلِ محلّہ اور منتظمینِ مدرسہ ہر سال ڈیڑھ ہزار دو ہزار روپیہ کا چندہ کرکے پورا کرتے ہیں، محلّہ کی مذکورہ مسجد کی آمدنی تقریباً نو دس ہزار روپے بینک میں جمع ہیں جو مسجد کے حالیہ اور مستقبل کے متوقع ضروریات سے فاضل ہے، اس لئے مسجد کے منتظمین اس مسجد کی عمارت میں جاری محلّہ کے مذکورہ مدرسہ میں امداد کے طور پر سالانہ تین سو روپیہ کی رقم اس مسجد کی آمدنی سے دیتے ہیں۔ اگر یہ تین سو روپیہ کی رقم بند کردی جائے تو ڈیڑھ دو ہزار سے زیادہ چندہ نہ ہونے کی وجہ سے مدرسہ کے اخراجات پورے نہیں ہو سکتے اور مدرسہ کا نظم لازمی طور پر متأثر ہوگا، لہٰذا ایسی صورت پر مسجد کی فاضل رقم سے مدرسہ کی اس امداد کی شرعاً اجازت وگنجائش ہے کہ نہیں؟ فقط۔
مصلح الدین بڑودہ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اوقاف مسجد میں مدرسہ چلانے کے لئے کوئی مد مقرر نہیں کیا، بلکہ محض مسجد کے مصالح کے لئے وہ اوقاف ہیں تو اس کی آمدنی سے مدرسہ میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں (۱) "لأن شرط الواقف کنص الشارع". کذا فی کتب الفقه (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدین أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف علیها أوقافاً، لایجوز له ذلک". (الدرالمختار) "(قوله: لایجوز له ذلک): أی الصرف المذکور ....قال الخیر الرملی: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا کان الوقف منزلین: أحدهما للسکنی والآخر للاستغلال، فلایصرف أحدهما للآخر، وهی واقعة الفتوی، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعید)

(۲) (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"شرط الواقف کنص الشارع: أی فی وجوب العمل به، وفی المفهوم والدلالة". (الأشباه =

مسجد کا روپیہ مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۷۲۱۹]: زید ایک زمین کا مالک تھا، لیکن وہ زمین مسجد کے نام وقف تھی، اس کا کرایہ ایک مدت تک مسجد کو ملتا رہا ہے، لیکن موقع پر آکر کرایہ دار سے وہ مکان خالی کرایا گیا ہے۔ کارکنانِ مسجد جو اس مکان کا کرایہ وصول کر کے مصارف مسجد میں صرف کیا کرتے تھے انہوں نے زید سے خالی کرا کے زمین مدرسہ تعمیر کرنے کے لئے کارکنانِ مسجد کو بلا کسی معاوضہ کے دیدی، اب کارکنانِ مسجد نے اس زمین پر کچھ چندہ وصول کر کے اور زیادہ تر مسجد کی دیگر آمدنی سے مدرسہ تعمیر کیا ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید نے جو زمین مدرسہ کے لئے وقف کی ہے اس پر مسجد کی دیگر آمدنی کا پیسہ مدرسہ کی تعمیر میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مسجد کی تعمیر کا پیسہ مدرسہ کی تعمیر میں صرف کر دیا ہو تو کارکنانِ مسجد کا کہنا ہے کہ یہ مدرسہ بھی تو مسجد ہی کا ہے، آیا ایسا کوئی مدرسہ ہے جس کی تعمیر یا مصارف میں کسی مسجد کی وقف شدہ زمین کا پیسہ صرف کیا جا رہا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی آمدنی کا پیسہ مسجد ہی میں خرچ کرنا لازم ہے(۱)، مدرسہ وغیرہ کی تعمیر، یا دیگر ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، جنہوں نے وہ پیسہ مدرسہ میں خرچ کیا ہے وہ ذمہ دار ہیں۔ مسجد بھی خدا کی ہے اور مدرسہ بھی خدا کا ہے، مگر ایک کی آمدنی دوسرے کی آمدنی میں خرچ کرنا جائز نہیں، جس طرح ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں خرچ

= والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثانی، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۶۰۸/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الوقف: ۱۲۶/۱، مکتبه میمنیه مصر)

(۱) "والذی یبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلی العمارة وأعم للمصلحة کالإمام للمسجد". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الوقف: ۳۲۲/۳، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف: ۳۶۸/۲، رشیدیه)

کرنا جائز نہیں، ایک مدرسہ کی آمدنی دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، ورنہ سب نظام گڑبڑ ہوجائے گا:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "اتحد الواقف والجهة، وقلّ مرسوم بعض الموقوف عليه، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذٍ كشيئ واحد. وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً، لايجوزله ذلك، الخ". درمختار (۱)۔

لیکن اگر مدرسہ اصل ہو اور اس کے ہی لئے مسجد بنائی جائے تو مسجد کے اخراجات مدرسہ سے پورے کئے جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۹۰ھ۔

مسجد کی آمدنی مدرسہ پر صَرف کرنا

سوال [۷۲۲۰]: مسجد کی آمدنی تقریباً دو ہزار روپے سالانہ ہے، مگر اس رقم کو منتظمینِ مدرسہ کے اخراجات یا دیگر اخراجات میں صَرف کردیتے ہیں، مسجد کی مرمت، روشنی کا بل اور دوسرے کام چندہ وغیرہ اور چرم قربانی سے کرتے ہیں۔ اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ صورت جائز نہیں، مسجد کی آمدنی مدرسہ میں خرچ نہ کی جائے، قیمت چرم قربانی، تنخواہ یا مرمت یا مسجد کی لائٹ میں خرچ کرنا درست نہیں (۲)، ایسا کرنے سے اتنی مقدار کا ضمان لازم ہوگا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۳/۹۵ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۶۰/۴، سعید)

"قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلايصرف أحدهما للآخر، ، هي واقعة الفتوى، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۱/۴، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں "صورت مسئولہ میں قربانی تو جائز ہوگئی لیکن کھال کو بیچنے کے بعد اس =

ورکنگ کمیٹی کا مسجد کے فنڈ سے قرض لے کر مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۷۲۲۱]: مذکورہ بالا ادارہ کی ورکنگ کمیٹی میں ایک ایسی جامع مسجد جو مدرسے کا انتظام کرتی ہے جو مدرسہ سے متصل ہے، اوراس مسجد کی آمدنی کچھ وقف سی ہے، اور کچھ مسجد کی دوکانوں کے کرایہ سے۔ تو کیا یہ کمیٹی مُجاز ہے کہ اگر مدرسہ کے فنڈ میں روپیہ نہ ہوتو مسجد سے قرض لے کر مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں صَرف کرے، نیز جو رقم قرض کے نام سے مسجد سے لی جائے وہ واجب الادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے روپے سے قرض لے کر مدرسہ میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں، مسجد کا روپیہ امانت ہے، اس میں تصرف کا حق نہیں، جو رقم اس طرح لے گئی ہو اس کو جلد از جلد واپس کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد و مدرسہ کی رقوم بطورِ قرض ایک دوسرے میں صرف کرنا

سوال[۷۲۲۲]: ضرورت ہو تو مسجد کی رقم مدرسہ میں اور مدرسہ کی رقم مسجد میں بطورِ قرض لے کر استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

= کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے اوراس کے مصرف وہی لوگ ہیں جو زکوۃ کے مصرف ہیں، جن لوگوں نے کھال کی قیمت کا اپنا حصہ غیر مصرف میں صرف کیا ہے گناہ گار ہوں گے"۔ (کفایت المفتی، چرمِ قربانی کے مصارف: ۲۱۹/۸، دارالاشاعت)

(۱) "والوديعة لاتودع ولاتعار ولاتواجر ولا ترهن، وإن فعل شيئاً منها، ضمن". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول: ۳۳۸/۴، رشيديه)

"مع أن القيّم ليس له إقراض مال .... فلو أقرضه ضمن، وكذا المستقرض". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۱/۵، رشيديه)

"ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوىٰ، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۱/۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قرض وصول ہونے پر اعتماد ہو، ضائع ہونے کا احتمال نہ ہو تو منتظمہ کمیٹی کے مشورہ سے درست ہے:

"للمتولی إقراض مال المسجد بأمر القاضی، اھ". شامی: ٤/٤٠٣ (١)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد ومدرسہ کی زائد آمدنی دوسری مسجد ومدرسہ میں خرچ کرنا

سوال [۷۲۲۳]: ایک مسجد اور اس سے متعلق مدرسہ کے لئے بہت سی جائیداد وقف ہے جن سے کافی آمدنی ہوتی ہے، وہ آمدنی ان کے اخراجات سے بہت زیادہ ہے تو کیا اس آمدنی کو کسی اَور مصرفِ خیر میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آمدنی زائد جس کی نہ فی الحال ضرورت ہے، نہ مستقبل میں ضرورت کا اندازہ ہے اور تحفظ کی کوئی قابلِ اطمینان صورت نہیں، تو دوسری مسجد اور دوسرے دینی مدرسہ میں حسبِ ضرورت ووسعت صرف کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۹ھ۔

---

(۱) لم أجد

"لایملک استدانة إلابأمر القاضی". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی إنفاق الناظر الخ: ۴/۴۴۰، سعید)

"مع أن القیم لیس له إقراض مال المسجد". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۰۱، رشیدیه)

"وأما إقراض ما فضل من الوقف، قال فی وصایا النوازل: رجوت أن یکون ذلک واسعاً إذاکان ذلک أحرز للغلة من إمساکه، فإن فضل من غلته، فصرف الفضل إلی حوائجه علی أن یرده إذا احتاج إلی العمارة، قال: لایفعل ذلک وینزه غایة التنزه، فإن فعل مع ذلک، ثم أنفق فیه، رجوتُ أن ذلک یبرأه عما وجب علیه". (خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد وأوقافه، الخ: ۴/۴۲۳، رشیدیه)

(۲) "والذی ینبغی متابعة المشایخ المذکورین فی جواز النقل بلافرق بین مسجد أو حوض، کما أفتی به =

ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں صرف کرنا

سوال[۷۲۲۴]: ایک گاؤں میں جامع مسجد ہے اور اس کی آمدنی مسجد کے خرچ کے علاوہ ہے، اس کو کون سی کون سی جگہ خرچ کر سکتے ہیں؟ اور اس مسجد کے کئی لاکھ روپے بینک میں فضول پڑے ہوئے ہیں۔ عرض یہ ہے کہ اس روپیہ میں سے کسی غریب کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں، یا دوسری مسجد کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں، یا صرف اسی مسجد میں صرف کرے، یا اَور کارِ خیر میں صرف کر سکتے ہیں؟ کتاب کے حوالہ کے ساتھ مہربانی کر کے مسئلہ کا جواب عنایت فرمادیں۔ یا اگر مسلمان بچوں کو اس مسجد کی آمدنی میں دنیوی یا دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم میں انگریزی، گجراتی، اردو کی تعلیم میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس وقف کی وہ آمدنی ہے، اس کا وقف نامہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ واقف نے کس کس کام میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے، ایک مسجد کے لئے مخصوص طور پر جو وقف ہو اس کی آمدنی دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں (۱)، لیکن مسجد کی آبادی کے لئے مسجد سے متعلق مدرسہ دینی قائم کرنا شرعاً درست ہے کہ یہ بھی مصالحِ مسجد میں سے ہے، هکذا يفهم مما في البحر الرائق: ۵/۲۱۵ (۲)۔

= الإمام أبو شجاع والإمام الحلواني —وكفى بهما قدوةً—، ولاسيما في زماننا، فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل، يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد، وكذلك أوقافه يأكلها النظار أو غيرهم، ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج إلى النقل إليه".
(ردالمحتار، كتاب الوقف مطلب في أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)
(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلاة، مطلب كلمةً لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(۱) "فإن كان الوقف معيناً على شئ، يصرف إليه بعدعمارة البناء، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بماهو أقرب إليها: ۴/۳۶۷، سعيد)
(وكذا في منحة الخالق على البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۷، رشيديه)

(۲) "أي مصالح المسجد، فيدخل المؤذن والناظر؛ لأنا قدمنا أنهم من المصالح، وقدمنا أن الخطيب داخل تحت الإمام؛ لأنه إمام الجامع، فتحصل أن الشعائر التي تقدم في الصرف مطلقاً بعد العمارة: =

دینوی تعلیم مصالح مسجد میں سے نہیں اس میں خرچ کرنا درست نہیں (۱)، دینی تعلیم خواہ قرآن کریم کی تعلیم ہو خواہ مسائلِ شرعیہ کی تعلیم ہو اور پھر چاہے عربی زبان میں ہو، چاہے اردو میں، چاہے گجراتی زبان میں ہو سب کا حکم ایک ہے۔

تنبیہ (☆): چھوٹے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ درست نہیں بلکہ ظہر کی نماز فرض ہے (۲)، جو گاؤں بڑا ہو اور اپنی آبادی اور دیگر ضروریاتِ روزمرہ کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہو جس میں تین چار ہزار آدمی رہتے ہوں وہاں جمعہ درست ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد، الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں لگانا

سوال [۷۲۲۵]: ایک گاؤں میں دو مسجدیں ہیں: ایک امیر ہے دوسری غریب۔ امیر مسجد میں برسوں تک کوئی ضروری کام تعمیری بھی نہیں، اس کے برعکس دوسری غریب مسجد کا پلاستر بھی ہونا باقی ہے، فرش بھی نامکمل ہے، تو کیا امیر مسجد کا روپیہ دوسری غریب مسجد میں لگا سکتے ہیں؟

= الإمام والخطيب والمدرس والوقاد والفراش والمؤذن والناظر وثمن القناديل والزيت والحصر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۹/۵، رشيديه)

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليها أوقافاً، لايجوز له ذلك". (الدرالمختار). "(قوله: لايجوز له ذلك): أى الصرف المذكور". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعيد)

(☆) "تنبیہ" کے اس عنوان کا تعلق بظاہر نہ تو سوال سے ہے اور نہ ہی جواب سے، اصل نسخہ کی مراجعت کے بعد سیاق وسباق میں بھی کوئی اس قسم کا مسئلہ نہیں ہے، ممکن ہے اصل استفتاء میں کئی سوالات ہوں، ان میں سے ایک سوال میں جمعہ فی القریٰ سے متعلق کچھ اشارہ ہو، حضرت نے آخر میں بطورِ تنبیہ ارشاد فرمایا ہو، یہ سوال اصل نسخہ کے مطابق: ۱۸۵/۱ پر ہے۔ (مصحح)۔

(۲) "وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما في المضمرات". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(۳) "تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق". (ردالمحتار، المصدر السابق)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ روپیہ چندہ کا ہے تو چندہ دینے والوں کی رائے واجازت سے غریب مسجد میں صَرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۹ھ۔

مسجد قدیم کی آمدنی مسجد جدید پر خرچ کرنا

سوال[۷۲۲۶]: پہلی مسجد کی آمدنی منقولہ مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

پہلی مسجد جب غیر آباد ہوگئی تو اس جگہ کی حفاظت کر دی جائے اور اس کی آمدنی کو دوسری منقولہ مسجد میں صرف کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۸/۵/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۸/۵/۲۱ھ۔

---

(۱) "وعن الثاني: ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي .... حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعيد)

"وسئل شمس الأئمة الحلواني عن مسجد أوحوض خرب، ولايحتاج إليه لتفرق الناس: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقات التي يستغني عنهما : ۸۷۷/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها، الخ: ۴۷۸/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(۲) "عن شمس الأئمةالحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولايحتاج إليه لتفرق الناس عنه: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، =

ایک مسجد کی رقم دوسری مسجد میں صَرف کرنا

سوال[۷۲۲۷]: کسی نے روپیہ کسی مسجد میں لگانے کا ارادہ کیا پھر وہ دوسری مسجد میں اس روپیہ کو لگانے کا ارادہ کرتا ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوسری مسجد میں زیادہ احتیاج ہے تو لگا سکتا ہے، اگر دوسری مسجد میں زیادہ احتیاج نہیں ہے تو بہتر یہ ہے کہ پہلی ہی مسجد میں لگائے، گو جائز دوسری مسجد میں لگانا بھی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

صحیح: عبداللطیف، ۸/محرم الحرام/۵۴ھ۔

ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد کے لئے قرض دینا

سوال[۷۲۲۸]: ہمارے گاؤں کی مساجد کے ٹرسٹ الگ الگ ہیں، ایک مسجد میں بالکل پیسہ نہیں

= مطلب فيما لو خرب المسجد أوغيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها، الخ: ۴۷۸/۲، رشيديه)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاک: ۶۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لأن الملک مامن شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک والمتقوم: ۵۰۲/۴، سعيد)

"سئل أبو القاسم عمن اشترى الدهن أو الحصير للمسجد: أيهما أفضل؟ قال: هما سواء، فقال الفقيه أبو الليث: إن كان المسجد محتاجاً إلى أحدهما فشراؤه أفضل، وإن كان سواء في الحاجة إليهما، كانا في الثواب والأجر سواء أيضاً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۵۱/۵، إدارة القرآن كراچی)

ہے تو دوسری مسجد کے وقف سے اس کا خرچ چلا سکتے ہیں یا قرض لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی باہمی مشورہ سے ایک وقف سے دوسرے وقف کو بطورِ قرض حسبِ ضرورت رقم دے سکتے ہیں، پھر اس کی واپسی ضروری ہے:

"یجب علیہ أن یجعل لکل نوع منها بیتاً یخصه ولا یخلط بعضه ببعض، وأنه إذا احتاج إلی مصرف خزانة، ولیس فیها ما یفی به، یستقرض من خزانة غیرها، ثم إذا حصل التی استقرض بها مال، یؤدی إلی المستقرض". ردالمحتار: ۲/۵۷(۱)۔

یہ اس وقت ہے جب کہ متولی مشترک ہو، یا کوئی منتظمہ کمیٹی مشترک ہو کہ وہ سب اوقاف کا انتظام کرتی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۵ھ۔

ایک مسجد کی آمدنی دیگر مساجد پر صَرف کرنا

سوال[۷۲۲۹]: ہمارے شہر میں ایک مسجد شاہی وقت کی ہے اور عرصہ سے ایک رجسٹرڈ انتظامیہ کمیٹی کے زیرِ نگرانی ہے اور شہر کی چھ مسجدیں اور ایک مسجد دیہات کی بھی اسی کمیٹی کے زیرِ انتظام ہے، ان مساجد کی آمدنی میں تین قسم کی جائیدادیں ہیں:

۱-مسجد سے ملحق کوٹھریاں اور دوکانیں ۔۲-موقوفہ مکانات ۔۳-مسجد کی آمدنی سے خرید کردہ مکانات۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الزکوة، باب العشر، مطلب فی بیان بیوت المال ومصارفها: ۲/۳۳۷، سعید)

"وعلی الإمام أن یجعل لکل نوع من هذه الأنواع بیتاً لیخصه ولا یخلط بعضه ببعض؛ لأن لکل نوع حکماً یختص به، فإن لم یکن فی بعضها شیئ، فللإمام أن یستقرض علیه من النوع الآخر ویصرفه إلی أهل ذلک، ثم إذا حصل من ذلک النوع شیئ، رده فی المستقرض منه". (تبیین الحقائق، کتاب السیر، باب العشر والخراج والجزیة: ۴/۱۷۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب السیر، باب العشر والخراج والجزیة: ۵/۲۰۰، ۲۰۱، رشیدیه)

انتظامی عملہ کی تنخواہ جامع مسجد سے دی جاتی ہے، اس کے علاوہ دیگر اخراجات وآمدنی کا حساب ہر مسجد کا الگ الگ رہتا ہے۔ اورحتی الوسع یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ہر مسجد کا آمد وخرچ متوازن ہو، مگر سب ہی مسجدوں میں مستقل آمدنی سے زائدخرچ ہوجاتا ہے جوکہ جامع مسجد کی آمدنی سے پورا کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا حالات میں ایک مسجد کی ضرورت کے تحت دوسری مسجد کی آمدنی صَرف کی جاسکتی ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی اجازت نہیں: "اتحد الواقف والجهة، وقلّ مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذٍ كشيء واحدٍ. وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أورجل مسجداً و مدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً، لايجوز له ذلك". ردالمحتار: ۳/۳۷۲(۱)۔

ہاں! اگر بالکل فاضل ہو، حفاظت دشوار ہو، ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتو اس کی اجازت ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۹۲/۳/۱۸ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعيد)

"أما إذا اختلف الواقف، أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسةً ومسجداً، وعين لكل وقفاً، وفضل من غلة أحدهما، لا يبدل شرط الواقف. وكذا إذا اختلف الواقف لاالجهة، يتبع شرط الواقف، وقد علم بهذا التقرير إعمال الغلتين إحياءً للوقف ورعاية شرط الواقف. هذا هو الحاصل من الفتاویٰ، اهـ. وقد علم أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

(۲) "حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعيد) .... =

مسجد کے لئے چندہ جمع کرکے مدرسہ بنانا

سوال[۷۲۳۰]: عمر مسجد بنوانے کی فکر میں تھا، برابر اس کے جدوجہد بھی کرتا رہا، کچھ حصہ مسجد کا تعمیر بھی ہوگیا، لیکن ابھی پایۂ تکمیل کو نہ پہونچی تھی کہ اس نے اسی مسجد میں مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اور الحمدللہ ۳۶/ طلبہ بھی داخل ہوگئے جس میں کچھ مستطیع اور غیر مستطیع طلبہ بھی شامل ہیں، یعنی کچھ تعلیم کی فیس ادا کرسکتے ہیں کچھ نہیں۔ اور اس رمضان المبارک میں عمر نے مدرسہ کے لئے چندہ بھی کیا جس میں زکوۃ، صدقات، اعانت کی رقم شامل ہے، لیکن مدِ زکوۃ کی رقم زیادہ ہے تو خیال یہ ہے کہ مسجد پوری تعمیر ہوجائے اور اس میں فی الحال مدرسہ قائم رہے۔ اور اس کے بعد انشاء اللہ مسجد کے سامنے ایک پلاٹ ہے، اس کی تعمیر ہوجانے کے بعد مدرسہ اس میں منتقل ہوجائے گا۔

آیا مسجد کی تعمیر میں مدِ زکوۃ، صدقات، اعانت وغیرہ کی رقم تملیک کے ذریعہ لگائی جاسکتی ہے یا نہیں، اگر تملیک کرکے لگائی جاسکتی ہے تو تملیک کی کہاں ضرورت ہے؟ اگر نہیں لگ سکتی تو اس کے مصرف واضح فرمائیں، مدرسہ کی تعمیر کے لئے اس رقم کو کیسے لگایا جاسکتا ہے؟ اور طلبہ کی پڑھائی پر کس طرح صرف کیا جاسکتا ہے؟ کیا مدزکوۃ، صدقات، چرمِ قربانی سے غیر مستطیع طلبہ کی تعلیمی فیس ادا کی جاسکتی ہے؟ ایک صاحب بینک اور بیمہ کا سود اسکول اور طلبہ کے لئے دینا چاہتے ہیں، کیا لیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے لئے جو چندہ کیا جائے اس کو مدرسہ میں صَرف کرنا جائز نہیں، مدرسہ کے لئے جو چندہ کیا جائے اس کو مسجد پر صَرف کرنا جائز نہیں (۱)۔ جو جگہ نماز کے لئے مقرر ہوجائے وہاں مدرسہ بنانا اور تعلیمی کام کے

= "سئل عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولايحتاج إليه لتفرق الناس عنه: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجدأو حوض آخر؟ فقال: نعم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغني عنها، الخ: ۴۷۸/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغني عنها، الخ: ۸۷۷/۵، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(۱) "وإن اختلف أحد هما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليها أوقافاً، =

لئے اس جگہ کو متعین کردینا جائز نہیں (۱)۔ اس جگہ ایسے چھوٹوں کو بھی تعلیم نہ دی جائے جو مسجد کا احترام باقی نہ رکھ سکیں (۲)۔

زکوۃ، صدقۃ الفطر، قیمتِ چرم قربانی کو مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں دینا جائز نہیں، وہ صرف غریبوں کا حق ہے، جو نادار مستحقِ زکوۃ طلبہ تعلیم پاتے ہوں ان کے کھانے، کپڑے پر یہ رقوم خرچ کی جاسکتی ہے (۳)، ان رقوم

= لایجوز له ذلک". (الدرالمختار). "(قوله: لایجوز له ذلک): أی الصرف المذکور ....قال الخیر الرملی: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا کان الوقف منزلین: أحدهما للسکنی والآخر للاستغلال، فلایصرف أحدهما للآخر، وهی واقعة الفتوی، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشیدیه)

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع: أی فی وجوب العمل به، وفی المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲۰۸/۶، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "عن واثلة بن الأسقع رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "جنّبوا مساجدکم صبیانکم، ومجانینکم، وشراء کم، وبیعکم". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب مایکره فی المساجد، ص: ۵۴، قدیمی)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمسٰکین والعٰملین علیها﴾ الآیة (سورة التوبة: ۶۰)

"ویتصدق بجلدها أو یعمل منه نحو غربال وجراب .... لا بمستهلک کنحل ولحم ونحوه کدراهم، فإن بیع اللحم أو الجلد به: أی بمستهلک أو بدراهم، تصدق بثمنه". (تنویر الأبصار مع ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۳۲۸/۶، سعید)

"ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً کما مر، لایصرف إلی بناء نحو مسجد ولا إلی کفن میت". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۳۴۴/۲، سعید)

"أی مصرف الزکاة والعشر .... هو فقیر، وهو من له أدنی شئ". (الدرالمختار). "وهو مصرف أیضاً لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبة، کما فی القهستانی". =

سے ان کو نقد وظیفہ بھی دینا درست ہے، پھر وہ چاہیں تو ان رقوم سے مدرسہ کی فیس بھی ادا کر دیں۔قربانی کرنے والے حضرات اگر چرمِ قربانی مدرسہ کے مہتمم ومتولی کو بطورِ ہبہ (گوشت قربانی کی طرح) دے دیں اور وہ اس کو فروخت کر کے تعمیر یا تنخواہ میں حسبِ صوابدید لگا دیں تو یہ درست ہے(۱)۔

سود کا لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی حرام ہے، خواہ بینک کا ہو یا بیمہ کا(۲)۔ایسا پیسہ جو کچھ ملے اس کو غریبوں، محتاجوں کو بلانیتِ ثواب صدقہ کر دیں(۳)۔پھر وہ لوگ مالکانہ قبضہ کرنے کے بعد بغیر کسی دباؤ کے دے دیں تو تعمیر وغیرہ میں لگانا بھی درست ہوگا(۴)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۹ھ۔

= (ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب المصرف: ۳۳۹/۲، سعید)

(۱) "ویستحب أن یأکل من أضحیته ویطعم منها غیره .... ویطعم الغنی والفقیر جمیعاً، کذا فی البدائع. ویهب منها ماشاء للغنی والفقیر والمسلم والذمی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب: ۳۰۰/۵، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الأضحیة، فصل فیما یستحب قبل الأضحیة، الخ: ۳۳۱/۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

"واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح حتی یبیعه بما لا ینتفع به إلا بعد الاستهلاک". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة: ۳۰۱/۵، رشیدیه)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل اللہ البیع وحرم الربوا﴾ الآیة (البقرة: ۲۷۵)

"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اٰکل الربوا ومؤکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: "هم سواء". (مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الأول، ص: ۲۴۴، قدیمی)

(۳) "ویردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۸۵/۶، سعید)

(۴) "وقدمناه أن الحیلة أن یتصدق علی الفقیر، ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء". (الدرالمختار). "(قوله: أن الحیلة): أی فی الدفع إلی هذه الأشیاء مع صحة الزکاة .... ویکون له ثواب الزکاة، وللفقیر ثواب هذه القرب". (ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب المصرف: ۳۴۵/۲، سعید) =

مسجد کے روپے سے عیدگاہ بنانا یا بالعکس

سوال[۷۲۳۱]: مسجد کے روپیہ سے عیدگاہ بنانا، یا عیدگاہ کے روپیہ سے مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقفِ مسجد سے حاصل شدہ روپیہ سے عیدگاہ بنانا اور وقفِ عیدگاہ سے حاصل شدہ روپیہ سے مسجد بنانا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۹/۶۶ھ۔

مسجد کی آمدنی سے تنخواہ میں تقلیل اور اسکول میں خرچ کرنا

سوال[۷۲۳۲]: مساجد کے اماموں کی تنخواہ ۵۰، ۶۰، ۷۰/ روپے ماہانہ دی جاتی ہے جو بہت ہی قلیل ہے، حالانکہ آمدنی بہت کافی ہے، لیکن اس آمدنی کو مسجد کے لئے اور اماموں کی تنخواہ میں اضافہ کرنے کے بجائے اسکول میں دنیوی تعلیم میں زیادہ خرچ کیا جاتا ہے اور دنیوی تعلیم بھی بہت ناقص ہے۔ تو مساجد کی اَسّی ۸۰/ فیصد آمدنی اسکول میں دنیوی تعلیم پر خرچ کرنا جائز ہے؟ دینی تعلیم نہیں دیجاتی ہے۔

= "(والحيلة في ذلك) أن يتصدق السلطان بذلك على الفقراء، ثم الفقراء يدفعون ذلك إلى المتولي، ثم المتولي يصرف ذلك إلى الرباط، كذا في الذخيرة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحيل، الفصل الثالث في مسائل الزكوة: ۳۹۲/۶، رشيديه)

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليها أوقافاً، لايجوز له ذلك". (الدرالمختار). "(قوله: لايجوز له ذلك): أي الصرف المذكور ....قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلايصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعيد)

"وقد علم منه أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

واقف نے جو جائیداد جس مسجد کے لئے جداگانہ وقف کی ہے اس کی آمدنی اس مسجد میں صرف کی جائے، دوسری مسجد میں صرف نہ کی جائے (۱)، جب ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں تو پھر مسجد کی آمدنی اسکول میں خرچ کرنا کیسے جائز ہوگا؟ جو لوگ خرچ کرتے ہیں وہ گناہ گار ہیں، ان کے ذمہ ضمان لازم ہے، ایسے لوگوں کو اوقاف کا منتظم بنانا بھی درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۹۲ھ۔

مسجد کی آمدنی سے امام صاحب کا حجرہ وغیرہ بنانا

سوال [۷۲۳۳]: مسجد کے لئے ہمارے گاؤں کی کچھ زمین مسجد بن جانے کے بعد متفرق کاموں کے لئے وقف ہوئی ہے، کسی میں مسجد بنانے کا ذکر ہے، کسی میں مرمت کرانے کا ذکر ہے، کسی میں روزمرہ ضروریات کا ذکر ہے، کسی میں مسجد کی زیبائش وآرائش کا ذکر ہے۔ اب ان زمینوں کی مخلوط آمدنی سے نمازیوں کی سہولت کے لئے غسل خانہ، بیت الخلاء، امام صاحب کی قیام گاہ وغیرہ وغیرہ بنانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد سے متعلق زمینوں کی آمدنی سے مذکورہ ضروریات بنانا اوران میں حسبِ مصالح وہ روپیہ خرچ

---

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدین أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف علیها أوقافاً، لایجوز له ذلک". (الدرالمختار). "(قوله :لایجوز له ذلک): أی الصرف المذکور ....قال الخیر الرملی:أقول:ومن اختلاف الجهة ماإذا کان الوقف منزلین: أحدهما للسکنی والآخر للاستغلال، فلایصرف أحدهما للأخر، وهی واقعة الفتوی، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعید)

(۲) "وینزع وجوباً، لو غیر مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق". (الدرالمختار). "مقتضاه إثم القاضی بترکه والإثم بتولیة الخائن، ولاشک فیه .... القیّم إذا لم یراع الوقف، یعزله القاضی". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: یأثم بتولیة الخائن: ۴/۳۸۰، سعید)

کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۸/۹۰ھ۔

مسجد کی آمدنی سے امامِ مسجد کا حجرہ واستنجا خانہ بنوانا

سوال[۷۲۳۴]: مسجد کی دوکان کے کرایہ سے یا وقف کے روپے سے امام کے لئے حجرہ بنانا یا استنجا خانہ بنانا کیسا ہے؟ اور امام کے لئے حجرہ بنانا کیا متولی مسجد کے ذمہ ضروری ہے؟ اور نہ بنانے کی صورت میں امام مسجد میں ظہر سے عشاء تک رہے اور ریح وغیرہ اس میں خارج ہو تو کیسا ہے، کیونکہ ریح تو اپنے قابو میں نہیں اور جس شخص کو ابتلاء زیادہ ہو تو کیا کرے، مسجد میں ریح خارج کرنا کیسا ہے؟ نیز متولی امام کے لئے پنکھا وبجلی لگواسکتا ہے یا نہیں اگرچہ وقف ہی کا پیسہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حجرۂ امام اور استنجا خانہ مسجد کی دوکانوں کے کرائے سے بنانا درست ہے(۲)، وقف کے روپے سے

(۱) "(قوله: اتحد الواقف والجهة) بأن وقف وقفين على المسجد: أحدهما على العمارة والآخر إلى إمامه أو مؤذنه، والإمام والمؤذن لايستقر لقلة المرسوم، للحاكم الدين أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳٦۰، سعيد)

"والذي يبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرّس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵٦، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳٦٦، ۳٦۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۲/۳٦۸، رشيديه)

(۲) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس". (الدرالمختار). "والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف: أي من غلته عمارته شَرَطَ الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلى العمارة وأعم لمصلحة كإمام للمسجد، والمدرس للمدرسه يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط =

بھی بنانا درست ہے۔ حجرہ نہ ہو اور امام شب وروز مسجد میں رہائش اختیار کرے اس سے مسجد کا احترام باقی نہیں رہتا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

مسجد کے پیسہ سے بیت الخلاء اور غسل خانہ بنانا، لہو ولعب کی تقریب میں شرکت

سوال[۷۲۳۵]: مسجد کے پیسہ سے مسجد کے امام کے لئے پائخانہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور نمازیوں کے لئے پانی کے انتظام کی بابت خرچ کرنا کیسا ہے؟ اور شادی وغیرہ میں اگر محلّہ کی چند عورتیں جمع ہوکر گیت گاتی ہیں تو اس شادی میں شرکت کرنا کیسا ہے، یعنی کھانا وغیرہ خصوصاً علماء کے لئے کیا حکم ہے؟ شادی وغیرہ میں ہم اپنے رشتہ داروں کو دعوت وغیرہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مسجد کی زمین پر ٹھیکہ دینا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں اس شرط پر ہوتا ہے کہ تمہاری زمین سال بھر تک رہے گی تم ہمیں اتنے من اناج دینا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح غسل خانہ، وضوخانہ مسجد کے پیسہ سے بنایا جاتا ہے، اسی طرح مؤذن وامام کے لئے پاخانہ بنانے کی ضرورت ہوتو وہ بھی درست ہے(۲)۔ وضو، استنجا، غسل کے لئے پانی کا انتظام بھی مسجد کے پیسہ سے

= كذلك إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۳۶۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۹/۵، رشيديه)

(۱) "ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد: ۶۶۱/۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدرالمختار). "أي فإن انتهت عمارته وفضل من الغلة شيء .... والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف: أي من غلته عمارته شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلى =

درست ہے۔گانا باجہ بجانا جائز نہیں (۱)،جس محفل میں گانا بجانا ہو اس میں شرکت کرنا اور کھانا درست نہیں،خاص کر علماء وصلحاء کے لئے (۲)۔مسجد کی ضروریات ومصالح کے لئے جو زمین وقف ہو اس کی آمدنی اس میں خرچ کی جائے اس کو ٹھیکہ پر دینا درست ہے(۳)۔

= آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارته بما هو أقرب إليها: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشيديه)

(۱) "وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام، لقوله عليه الصلوة والسلام: "استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۹، سعيد)

(۲) "وعن سفينة أن رجلاً ضاف عليَّ بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، فصنع له طعاماً، فقالت فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها: لو دعونا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فأكل معنا، فدعوه، فجاء، فوضع يديه على عضادتي الباب، فرأى القرام قد ضرب في ناحية البيت، فرجع، قالت فاطمة: فتبعته فقلت: يارسول الله! ما ردّك؟ قال: "إنه ليس لي أو لنبيّ أن يدخل بيتاً مزوّقاً". رواه أحمد وابن ماجة". (مشكوة المصابيح، باب الوليمة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۸، قديمي)

قال الملا على القاري تحته: "وفيه تصريح بأنه لايُجاب دعوة فيها منكر، اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب الوليمة: ۶/۳۴۷، رشيديه)

"ولو دعي إلى دعوة فالواجب أن يجيبه إلى ذلك، و إنما يجب عليه أن يجيبه إذا لم يكن هناك معصية ولا بدعة .... من دعي إلى وليمة فوجد ثمة لعباً أو غناء، فلا بأس أن يقعد ويأكل، فإن قدر على المنع يمنعهم، وإن لم يقدر يصبر. وهذا إذا لم يكن مقتدى به، أما إذا كان ولم يقدر على منعهم، فإنه يخرج ولايقعد. ولوكان ذلك على المائدة، لاينبغي أن يقعد وإن لم يكن مقتدى به. وهذا كله بعد الحضور، وأما إذا علم قبل الحضور، فلا يحضر؛ لأنه لايلزمه حق الدعوة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

(۳) "ولا يجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل، كذا في محيط السرخسي .... وإذا استأجر أرض وقف ثلاث سنين بأجرة معلومة هي أجر المثل حتى جازت الأجرة فرخصت أجرتها، لاتفسخ الإجارة، =

سال بھر کا کرایہ نقد روپیہ تجویز کیا جائے، یا غلہ مثلاً اتنی مقدار فلاں قسم کا اناج ہم کو ایک سال میں دینا اور جو تمہارا دل چاہے زمین میں کاشت کرنا سب طرح درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۷ھ۔

مسجد کا چندہ عمومی کام میں خرچ کرنا

سوال[۷۲۳۶]: چند حضرات نے مسجد کے لئے روپیہ جمع کیا تھا، لیکن وہ روپیہ عمومی کام میں صرف کرنا چاہتے ہیں، اگر چہ با قاعدہ حساب مع رسیدوں کے موجود ہے، لیکن سب چندہ دہندگان کا موجود ہونا ان کے گھروں پر جا کر دریافت کرنا ایک امرِ مشکل ہے۔ ایسی حالت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس طرح چندہ جمع کیا ہے (ان کو جمع کر کے یا گھروں پر جا کر) اس طرح ان سے اجازت لے لی جائے، یا ان کا چندہ واپس کر دیا جائے (۲)، جب رسیدیں بھی موجود ہیں تو اس میں کیا مشکل ہے۔ یا اعلان کیا

= كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۱۹، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۵۲، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "إنما يجوز في الوقف عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ ماتعارفه الناس أجرةً وثمناً في الإجارات والبياعات مثل الحنطة والشعير". (التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۵۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، الخ: ۲/۴۲۱، رشيديه)

(۲) "سئل عن وقف انهدم ولم يكن له شيء يعمر منه، ولا أمكن إجارته ولاتعميره: هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب؟ أجاب: إذا كان الأمر كذلك، صح بيعه بأمر الحاكم، ويشترى بثمنه وقف مكانه، فإذا لم يكن، رده إلى ورثة الواقف إن وجدوا، ولايصرف للفقراء". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته: ۴/۳۷۶، سعيد)

"الوكيل إذا خالف، إن خلافاً إلى خير في الجنس كبيع بألف درهم فباعه بألف ،ومأة، نفذ،ولو بمأة دينار لا،ولو خيراً". (الدر المختار، باب الوكالة بالبيع والشراء: ۵/۵۲۱، سعيد)

جائے کہ اس چندے کو فلاں کام میں خرچ کیا جائے گا، جس کو نا منظور ہو وہ اپنا چندہ واپس لے لے۔ اور یہ اعلان اس طرح کیا جائے کہ چندہ دہندگان تک بالواسطہ یا بلا واسطہ کسی نہ کسی طرح پہنچ جائے، مثلاً ایک اشتہار چھپ کر تقسیم کیا جائے، یا محلوں اور مساجد میں کہہ دیا جائے، غرض اپنی وسعت کے مطابق اعلان کردیں یا واپس کردیں، اس سے زائد ذمہ داری نہیں۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۸۹ھ۔

مسجد قدیم کی آمدنی کا مصرف

سوال[۷۲۳۷]: ۱...... پہلی مسجد کے علاوہ مسجد کی زمین موقوفہ ہے، موضع کے معتبر لوگوں کی رائے یا بغیر رائے کے موقوفہ جگہ میں کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

۲... موقوفہ زمین کی آمدنی کہاں خرچ کی جائے اور کیسے خرچ کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲...... خلافِ غرضِ واقف کا استعمال ناجائز ہے، بلکہ اس کی شرطوں کے موافق استعمال کرنا چاہئے (۱)، اگر وہ مسجد کے منافع کے لئے وقف ہے تو اس کو کرایہ پر دیکر اس کا کرایہ مصالحِ مسجد پر صرف کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۸ھ۔

---

(۱) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين، الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه، لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثانى، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(۲) "مسجد له مستغلات وأوقاف، أراد المتولي أن يشترى من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو =

مسجد کی فاضل رقم کا مصرف

سوال[۷۲۳۸]: مساجد کی لاکھوں روپیہ کی غیر سودی رقم جو بینک میں جمع ہے جس پر خواہ مخواہ سود چڑھتا رہتا ہے اور حکومت اس میں سے لون لیا کرتی ہے تو کیا ان مساجد کی وہ غیر سودی رقم جبکہ ان مساجد کی حالیہ ضروریات نیز مستقبل کی متوقع ضروریات سے بھی فاضل ہے، تو اس رقم کو مالی اعتبار سے نہایت کمزور، ضرورت مند مساجد کی تعمیر اور مرمت میں اس رقم کا کچھ حصہ استعمال کرنا یا مؤذن اور اماموں کی تنخواہوں میں دینا یا مکاتب و مدارس دینیہ کی امداد یا جدید مکاتب دینیہ قائم کرنا یا غریب بچوں کو وظیفہ دینا، یہ روپیہ ان مذکورہ مدوں میں صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہر مسجد کی رقم اصالۃً اسی مسجد میں صرف کی جائے اگر اس مسجد میں ضرورت نہ ہو اور آئندہ بھی ضرورت متوقع نہ ہو یا رقم کی حفاظت دشوار ہو اور ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو پھر قریب کی مسجد میں اس کے بعد بعید کی مسجد میں حسبِ ضرورت ومصالحِ مسجد کی تعمیر، صرفہ پانی، روشنی، تنخواہ امام و مؤذن میں صرف کرنا درست ہے(۱) جب تک یہ مصارف موجود ہوں تو مسجد کے علاوہ دیگر مواقع مثلاً مدارس ومکاتب کی تعمیر یا وہاں کے

= حشیشاً .... قالوا: إن وسع الواقف ذلک للقیم وقال: تفعل ماتری من مصلحة المسجد، کان له أن یشتری للمسجد ماشاء". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد الخ، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، الخ: ۲/۴۶۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/۲۹۷، رشیدیه)

(۱) "ولابأس بنقشه خلامحرابه بجص وماء ذهب لوبماله، لامن مال الوقف فإنه حرام، وضمن متولیه لو فعل النقش أو البیاض، إلا إذا خیف طمع الظلمة، فلابأس به، کافی". (الدرالمختار).

"(قوله: إلا إذا خیف): أی بأن اجتمعت عنده أموال المسجد وهو مستغن عن العمارة، وإلا فیضمنها، کما فی القهستانی". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب: کلمة لابأس دلیل علی أن المستحب غیره الخ: ۱/۶۵۸، سعید)

(وأیضاً ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعید)

ملازمین کی تنخواہوں یا تعلیم پانے والے طلبہ کے وظیفوں میں ہرگز صرف نہ کریں، اگر مساجد میں صرف کرنے کی دور نزدیک کی کوئی صورت نہ رہے تو پھر دینی مدارس ومکاتب کے مواقع مذکورہ میں صرف کرنا درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۸۷ھ۔

مسجد کی آمدنی سے مسجد میں لائبریری چلانا

سوال [۷۲۳۹]: یہاں پر مسجد کے ایک کمرہ میں ایک لائبریری قائم ہے جس میں کچھ مذہبی کتابوں کا ذخیرہ ہے اور کچھ سیاسی اخبار "تجلی" اور "نشیمن" وغیرہ بھی پڑھے جاتے ہیں اور ایک ملازم مقرر ہے۔ استفتاء یہ ہے کہ مسجد کے روپیہ سے اخباروں کی قیمت ادا کی جاتی ہے اور مسجد ہی کے روپے سے ملازم کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ یہ لائبریری کے اخراجات مسجد کے روپیہ سے دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین جائیداد دوکان کے لئے وقف ہو، یا جو چندہ مسجد کے نام سے وصول کیا گیا ہو، اس سے کوئی لائبریری قائم کرنا، رسائل واخبار منگانا اور لائبریری کے ملازم کو تنخواہ دینا شرعاً درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وإذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين، فيجوز ذلك؛ لأن جنس هذه القربة ممالا ينقطع ويبقى مابقى الإسلام". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۸/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۷۴۹/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر في المسجد، الفصل الثانی: ۴۶۴/۲، رشيديه)

(۲) "إذا ذكر للوقف مصرفاً، لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة حقيقةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: متى ذكر للوقف مصرفاً لابد أن يكون، الخ: ۳۶۵/۴، سعيد)

مسجد کے روپیہ سے قبرستان کی زمین خریدنا

سوال[۷۲۴۰]: ایک پڑی ہوئی زمین جس کا مالک ایک ہندو تھا، اس زمین کے کچھ کچھ حصے میں تقریباً سو سال سے مسلمانوں نے قبرستان بنا رکھا ہے، اب وہ زمین اس ہندو سے ایک مسلمان نے خرید لی، لیکن قبرستان اسی طرح برقرار ہے۔ پھر اس زمین کو مسجد کے قریب ہونے کی وجہ سے مسجد کے متولی صاحب نے گاؤں کے دو چار آدمیوں کے مشورہ سے مسجد کے روپے سے مسجد کے نام پر خرید لیا اس نیت سے کہ وہ قبرستان رہے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ جس حصے میں قبرستان ہے وہ حصہ قبرستان رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مسجد کی کمیٹی (قبرستان رکھا جائے یا نہ رکھا جائے) اس بارے میں کچھ فیصلہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ یا قبرستان باقی رکھنے کے لئے اور کوئی صورت ہے؟ اگر قبرستان کو باقی نہ کھا جائے تو فتنہ ضرور ہوگا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس زمین کو خریدنے میں جتنا روپیہ مسجد کا خرچ ہوا ہے وہ روپیہ سب مسلمان چندہ کر کے مسجد کو دیدیں اور اس زمین کو قبرستان ہی رکھیں، مسجد کے روپے سے قبرستان کے لئے زمین خریدنے کا حق نہیں (۱) لہٰذا مسجد کا روپیہ وصول ہونا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۶/۵/۸۹ھ۔

مسجد کی رقم تحفظِ مسجد کے لئے لڑے جانے والے مقدمہ کے مصارف میں صَرف کرنا

سوال[۷۲۴۱]: ایک مسجد ہے اس کے اردگرد کی زمین مسجد ھذا کے نام وقف ہے، جس کا اندراج سنی سینٹرل وقف بورڈ لکھنؤ میں ہے۔ وقف بورڈ کی طرف سے مسجد ہٰذا کے ایک رجسٹرڈ متولی ہیں۔ متعلقہ مسجد کے کچھ لوگ مسجد کے اردگرد کی زمین میں مدرسہ بنانا چاہتے تھے، متولی نے اس میں رکاوٹ کی، کیونکہ اس زمین

---

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليها أوقافاً، لايجوز له ذلك". (الدر المختار). "(قوله: لايجوز له ذلك): أى الصرف المذكور ....قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ماإذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلايصرف أحدهما للآخر، وهى واقعة الفتوى، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعيد)

کی گھاس پھونس کی آمدنی میں مدرسہ بننے سے وقف مسجد کو کافی مالی نقصان پہونچا تھا اور شرعی اعتبار سے بھی مسجد کی وقف جائیداد میں مدرسہ تعمیر کرنا جائز نہیں۔

ایسی شکل میں آپس میں جھگڑا ہوگیا اور خلاف لوگوں نے متولی کے خلاف دوسری پارٹی بنالی اور اپنا ایک نام نہاد متولی بھی بنالیا اور یہ لوگ اسی کے پاس متعلقہ مسجد کا پیسہ جمع کرنے لگے۔ ان لوگوں نے متولی کو الگ کرانے کے لئے وقف بورڈ کو متولی کے خلاف شکایتی درخواستیں بھی بھیجی جو انکوائری پر جھوٹی ثابت ہوئی اور متولی الگ نہ ہوسکے۔ اس خصوصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان لوگوں نے فوجداری جھگڑا کیا جس پر مقدمہ چالو ہوگیا۔

ایسی صورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے نیچے لکھے گئے سوالات کے جوابات درکار ہیں:

۱......اس مقدمہ میں رجسٹرڈ متولی مسجد کا پیسہ خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

۲......نام نہاد متولی مسجد کا پیسہ اس مقدمہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

۳......ایسی شکل میں خلاف پارٹی کے لوگوں کو الگ پیسہ جمع کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی وقف شدہ زمین میں زبردستی مدرسہ بنانے کا حق نہیں (۱)، اگرچہ دینی مدرسہ بنانا اور دینی تعلیم کو عام کرنا بہت بڑے اجر وثواب کی چیز ہے، مگر ناحق طریقہ کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے، اور اس کے لئے متولی سے جھگڑا کرنا اور اس کو تولیت سے الگ کرانا اور مقدمہ لڑانا بہت مذموم اور گناہ ہے (۲)۔

۱......اگر اس مقدمہ کی کامیابی میں مسجد کا تحفظ ہے اور اس کی جائیداد کا تحفظ ہے تو رجسٹرڈ متولی کو اس میں مسجد کا روپیہ خرچ کرنا درست ہے کہ یہ درحقیقت مسجد ہی کے لئے ہے (۳)۔

---

(۱) "قال الخیر الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا کان الوقف منزلین: أحدهما للسکنی والآخر للاستغلال، فلا یصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتویٰ". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۱/۴، سعید)

(۲) "لایعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته، ولایخرجه إلا بخیانة ظاهرة بینة". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشیدیه)

(۳) "لو استولی علیه الظالم، ولم یمکنه دفعه عنه إلا بصرف ماله فصرف، لایضمن". (منحة الخالق علی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۰۲/۵، رشیدیه) .... =

۲......سوال میں تحریر کردہ حالات کے تحت اس کو مسجد کا روپیہ خرچ کرنا جائز نہیں (۱)۔

۳...... نہ جھگڑالو آدمی کا ساتھ دیا جائے، نہ اس کے لئے چندہ کیا جائے، بلکہ جھگڑا ختم کرا کے صلح کی کوشش کی جائے، اسی میں خیر ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۴/۳۰ھ۔

مساجد کا روپیہ حکومت کو دینا

سوال [۲۴۲]: کیا مساجد کا روپیہ حکومت کو ہنگامی حالات میں دینا جائز ہے؟ نیز مساجد کا روپیہ کہاں کہاں خرچ کرنے کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مساجد کا روپیہ، وقف کا روپیہ جو کہ امانت ہے، متولی کو مسجد کے علاوہ کسی بھی جگہ خرچ کرنے کی اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۰/۱۳ھ۔

= "والذی یبدأ به من ارتفاع الوقف: أی من غلته عمارته شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلی العمارة وأعم للمصلحة .... ثم السراج والبساط کذلک إلی آخر المصالح". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: یبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إلیها: ۴/۳۶۷، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف: ۲/۳۶۸، رشیدیه)

(۱) "فاستفید منه أنه إذا لم یمنع من یتلف شیئاً للوقف، کان خائناً ویعزل .... فاستفید منه أنه إذا تصرف بما لایجوز، کان خائناً یستحق العزل، ولیقس مالم یقل". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۹۲، رشیدیه)

(۲) "إذا ذکر للوقف مصرفاً، لابد أن یکون فیهم تنصیص علی الحاجة حقیقةً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: متی ذکر للوقف مصرفاً لابد أن یکون، الخ: ۴/۳۶۵، سعید)

"إذا قصر المتولی فی شئ من مصالح الوقف هل یضمن؟ قلت: إن کان فی عینٍ، ضمنها، وإن کان فیما فی الذمة، لایضمن". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۰۱، رشیدیه)

"ولو اشتری بغلته ثوباً ودفعه إلی المساکین، یضمن مانقد من مال الوقف لوقوع الشراء له".

(البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۰۶، رشیدیه)

مسجد کا روپیہ مسجد کی رؤیتِ ہلال کمیٹی میں خرچ ہوسکتا ہے یانہیں؟

سوال[۷۲۴۳]: گورکھپور شہر میں جامع مسجد کمیٹی کی طرف سے ایک رؤیتِ ہلال کمیٹی قائم ہوئی، اس سلسلے میں کچھ روپے خرچ ہوئے اور روپے مذکورہ بالا جامع مسجد کے پیسے سے خرچ ہوئے۔ سوال صرف یہ ہے کہ مسجد کا پیسہ رؤیتِ ہلال کے سلسلے میں از روئے شریعت خرچ ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ جب کہ وقف نامہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ اس موقوفہ یا نذر کی آمدنی مصلّیوں کے مفاد میں خرچ کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رؤیتِ ہلال کا تعلق اس مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں، لہذا اس مسجد کے وقف کا پیسہ اس سلسلہ میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں، لأن شرط الواقف کنص الشارع (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی آمدنی سے جنازہ کی چارپائی خریدنا

سوال[۷۲۴۴]: رواجاً مسجد میں جو سریر اور چارپائی مُردوں کے نہلانے اور قبرستان لے جانے کے واسطے مہیا کی جاتی ہے تو وہ مساجد کی موقوفہ جائیداد کی آمدنی میں سے بنانا جائز ہے یانہیں؟ ظاہر ہے کہ وقف مساجد کے مصارف کے لئے ہوتا ہے اور یہ چیزیں اہلِ محلہ اور عام مسلمانوں کی سہولت کے لئے ہوتی ہیں تو مسجدوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا، لہذا دلائل کے ساتھ مسئلہ کی شرعی صورت تحریر فرمائیں کہ ان امور میں

---

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع: أی فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، سعید)

"شرط الواقف کنص الشارع: أی فی المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۱/۱۲۶، مکتبه میمنیه مصر)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، کتاب الوقف الفن الثانی، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

"قال الخیر الرملی: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا کان الوقف منزلین: أحدهما للسکنی والآخر للاستغلال، فلایصرف أحدهما للآخر، وهی واقعة الفتوی، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۱، سعید)

وقف کی آمدنی کا صرف کرنا جائز ہوگا یا ناجائز؟ وقف ناموں میں بالعموم جزئیات نہیں ہوتیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے:"لیس لقیّم المسجد أن یشتری جنازةً، وإن ذکر الواقف أن یشتری جنازةً، کذا فی السراجیة". فتاوی عالمگیری: ۲/ ٤٦٢ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد کے پیسے سے مسجد کے غسل خانہ کے لئے بالٹی خریدنا

سوال[۷۲۴۵]: مسجد کے وقف مال میں سے مسجد کے غسل خانوں میں غسل کے واسطے بالٹی خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ یا کوئی شخص بالٹی خرید کر مسجد کو وقف کرتا ہے تو کیا اس بالٹی کو عوام الناس کے غسل کے واسطے غسل خانہ میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصالحِ مسجد کے لئے جو وقف ہو اس کی آمدنی سے غسل کے لئے بالٹی خریدنا اور غسل خانۂ مسجد میں رکھ دینا تاکہ نمازی وقتِ ضرورت اس سے غسل کرلیا کریں جائز ہے(۲)، اسی طرح کوئی شخص بالٹی ہی خرید کر اس

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی: ۲/ ۴۶۲، رشیدیه)

"ذکر الواقف فی کتاب الوقف أن القیم یشتری جنازةً، لایجوز للقیم أن یشتری جنازةً من غلة الوقف، ولو اشتری ونقد الثمن من غلة الوقف، یکون ضامناً .... وشراء الجنازة لیس من مصالح المسجد". (فتاویٰ قاضی خان علی ها مش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۷، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الرابع فی المسجد وما یتصل به: ۶/ ۲۶۹، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد وأوقافه، الخ: ۴/ ۴۲۲، رشیدیه)

(۲) "والذی یبدأ به من ارتفاع الوقف: أی من غلته عمارته، شرط الواقف أولاً، ثم ماهو أقرب إلی العمارة، =

مقصد کے لئے وہاں رکھ دے تب بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۱ھ۔

مسجد کی رقم سے وضو کا پانی گرم کرنا

سوال[۷۲۴۶]: جو روپیہ مسجد میں جمع ہو اس سے پانی گرم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو روپیہ مسجد کی مصالح کے لئے جمع ہو اس روپیہ سے نمازیوں کے لئے سردی کے زمانہ میں پانی گرم کرنا درست ہے، تاکہ وہ باآسانی وضو کرلیا کریں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد.......... ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۳۶۷/۴، سعيد)

(۱) "والأصح ماقال الإمام ظهيرالدين: إن الوقف على عمارة المسجد وعلى مصالح المسجد سواء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الثانى: ۴۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول فى المتولى: ۲۴۱/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع فى المسجد وأوقافه، الخ: ۴۲۲/۴، رشيديه)

(وكذا فى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع فى المسجد وما يتصل به: ۲۶۹/۶، رشيديه)

(۲) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجدو مدرس مدرسة". (الدرالمختار).

"(قوله: ثم ماهو أقرب لعمارته) والذى يبدأ به من ارتفاع الوقف: أى من غلته عمارته، شَرَط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة .... ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة الخ: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه) .... =

مسجد کی آمدنی سے تعلیم دینا

سوال[۷۲۴۷]: مسجد کی آمدنی سے قرآن شریف کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مدرسہ اس مسجد کے تابع ہے یعنی بانی نے مسجد بنائی اور اس کے تابع ہی مدرسہ بنایا اور ہدایت کی کہ یہ مدرسہ مسجد کے تابع رہے گا اور مسجد کی آمدنی سے مدرسہ چلایا جائے گا تو شرعاً یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی رقم سے بیٹری بھروانا

سوال[۷۲۴۸]: مسجدوں میں اسپیکر رکھے جاتے ہیں تو اس کی بیٹری بھرواتے ہیں، اس میں جو صَرفہ ہوتا ہے۔ کیا اس کو مسجد کے جمع شدہ روپیہ سے ادا کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد کی ضرورت کے لئے یہ صرفہ ہے تو مسجد کے لئے جمع شدہ روپیہ سے ان کو پورا کرنا درست ہے(۲) ورنہ اس کا انتظام علیحدہ سے کیا جائے۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۷/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "اتحد الواقف والجهة، وقلّ مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب، وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشيء واحد". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۶۰/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشيديه)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامديه: ۱۲۶/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف عمارته ....ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح". =

عیدین و جمعہ کے موقعہ پر مسجد کی آمدنی سے عام شاہراہ پر فرش بچھوانا

سوال[۷۲۴۹]: جمعۃ الوداع اور عیدین کے موقعہ پر اندر صحن اور کوٹھے کی جگہ بھر جاتی ہے، اور مسجد کے باہر پورب، اتر، دکھن پختہ سرکاری سڑک ہے(۱)، اس پر لوگ صف قائم کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جامع مسجد کی آمدنی سے کرایہ پر شامیانے اور دریاں بچھوائی جاتی ہیں، جس پر سالانہ پانچ سو روپے خرچہ آتا ہے۔ کیا حدودِ مسجد کے باہر مسجد کی انتظامیہ کمیٹی پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ شامیانے اور دریوں کا انتظام مسجد کی آمدنی سے کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ انتظام بھی اسی مسجد کے نمازیوں کے لئے ہے، اس لئے کوئی حرج نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۱۸ھ۔

مسجد کے روپے سے کسی غریب کی حالت کو سدھارنا

سوال[۷۲۵۰]: جن مساجد کے پاس کافی روپیہ جمع ہے، وہ غرباء کو قرض دے کر ان کی حالت

= (كنز الدقائق). "(قوله: إلى آخر المصالح): أي مصالح المسجد، فيدخل المؤذن .... وثمن القناديل والزيت والحصر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۲/۵، ۳۵۸، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۳۶۷/۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۳/۲، ۵۸۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱)"پورب: مشرق"۔(فيروز اللغات، ص: ۳۰۸، فيروز سنز، لاهور)

"اُتر: شمال، جواب"۔(فيروز اللغات، ص: ۲۳، فيروز سنز لاهور)

"دکھن: جنوب کی سمت"۔(فيروز اللغات، ص: ۶۴۲، فيروز سنز، لاهور)

(۲) "والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف .... ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح .... والبساط: أي الحصير، ويلحق بهما معلوم خادمها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، ۳۵۹، رشيديه)

سدھار سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۵ھ۔

مسجد کی آمدنی سے افطار کرانا

سوال [۷۲۵۱]: جامع مسجد اور دیگر مساجد متعلقہ میں رمضان شریف میں اسی آمدنی (مسجد کی ملحقہ دوکانوں اور موقوفہ مکانات) سے نمازیوں کو افطار کرایا جاتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس پر جو دوکان وقف ہے اور واقف نے افطار کی اجازت دی ہے اس کی آمدنی سے اسی مسجد میں افطار کے لئے صَرف کرنے کی اجازت ہے، واقف کی اجازت نہ ہو تو درست نہیں (۲)۔ ہاں! اگر واقف کے زمانہ سے یہ دستور برابر چلا آرہا ہو تو بھی درست رہے گا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) "الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لايصرف، وإنه صحيح، ولكن يشترى به مستغلاً للمسجد، كذا في المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الثانى: ۲/۴۶۳، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قيم المسجد: ۵/۸۶۱، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلى إمام المسجد أو إلى مؤذن المسجد، فليس له ذلك، إلا إن كان الواقف شَرَط ذلك فى الوقف، كذا فى الذخيرة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الثانى: ۲/۴۶۳، رشيديه)

(۳) "بعث شمعاً فى شهر رمضان إلى مسجد، فاحترق، وبقى منه ثلثه أو دونه، ليس للإمام ولا للمؤذن=

افطار کے لئے دیا ہوا روپیہ مسجد کے دوسرے کاموں میں صَرف کرنا

سوال[۷۲۵۲]: ہمارے قصبہ میں دوتین مسجدیں ہیں، رمضان شریف میں افریقہ سے ہمارے یہاں کے اشخاص افطار کے واسطے چند روپے روانہ کرتے ہیں اور یہاں مسجد کے متولی صاحب ان روپوں میں سے بعض روپے افطار میں خرچ کرتے ہیں اور اکثر روپے مسجد کے اَور کام میں خرچ کرتے ہیں۔ اور کبھی ان روپوں میں سے اکثر افطار کے لئے خرچ کرتے ہیں اور بعض مسجد کے اَور کام کے لئے خرچ کرتے ہیں، دونوں طرف مساوی خرچ ہوتا ہے۔

ان تینوں صورتوں میں کیا یہ شرعاً جائز ہے کہ جو روپے صرف افطار کے لئے وصول ہوں اس میں سے مسجد کے لئے بھی خرچ کئے جائیں؟ صحیح جواب مع حوالہ کتب کے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دینے والے محض افطار کے لئے دیتے ہیں تو بغیر ان کی اجازت کے دوسرے کام میں صَرف کرنا جائز نہیں، کیونکہ متولی ایسی حالت میں معطی کا وکیل ہے اور وکیل کو مؤکل کے امر کے خلاف صَرف کرنا درست نہیں، ھکذا فی کتب الفقه(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ رجب/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

امام کی تنخواہ وقف زمین کی آمدنی سے

سوال[۷۲۵۳]: ایک امام صاحب کی تنخواہ کم ہے، متولی اوقاف میں خیانت کررہے ہیں، ایک شخص نے کچھ زمین مسجد کے لئے وقف کررکھی ہے، خود کاشت کاری کرتے ہیں اور آمدنی مسجد میں دیتے ہیں۔ اگر یہ

= أن یأخذ بغیر إذن الدافع. ولو کان العرف فی ذلک الموضع أن الإمام والمؤذن یأخذه من غیر صریح الإذن فی ذلک، فله ذلک، اهـ". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۵/ ۴۱۹، رشیدیه)

(۱) "وهنا الوکیل إنما یستفید التصرف من المؤکل، وقد أمره بالدفع إلی فلان، فلا یملک الدفع إلی غیره". (ردالمحتار، کتاب الزکوة: ۲/ ۲۶۹، سعید)

شخص کچھ غلہ اپنی زمین سے امام صاحب کو بغیر متولی کی اطلاع کے دے دیں تو دے سکتے ہیں اور امام اس کو لے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام کی تنخواہ متولی نہیں دیتا تو بقدرِ تنخواہ مسجد کی زمین کی پیداوار سے وصول کرنے کا حق ہے(۱)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کی آمدنی سے حافظِ تراویح کو انعام دینا

سوال[۷۲۵۴]: ختمِ تراویح اور شبینہ کے موقع پر اُسی آمدنی سے حفاظ کو انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں، حالانکہ وقف کنندگان میں سے کسی کی تحریر میں ان مدات میں خرچ کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تراویح میں قرآن کریم سنانے والوں کو روپیہ دینا درست نہیں (۲)، ہاں! اگر وہ ہمیشہ کا امام بھی ہو اور اس کو رمضان المبارک میں اصل تنخواہ سے زائد کچھ دیا جائے تو اسی مسجد کے اوقاف سے دینے کی

---

(۱) "لو وقف على مصالح المسجد، يجوز دفع غلته إلى الإمام والمؤذن والقيم، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۴/۵، رشيديه)

"ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب بعمارته، كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۳۶۸/۲، رشيديه)

(۲) "(قوله: ولا لأجل الطاعات) الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لايجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه الصلوة والسلام: "اقرأوا القرآن ولاتأكلوا به". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستيجار على الطاعات: ۵۵/۶، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الإجارة: ۱۳۷/۲، مكتبه ميمنيه مصر)

اجازت ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۹۲ھ۔

رقمِ مسجد تراویح کے حافظ پر خرچ کرنا

سوال[۷۲۵۵]: آیا مسجد کی رقم سے تراویح سنانے والے حافظ کا خرچ طعام دیا جاسکتا ہے؟ صرف دووقت کھانا یا اس کی قیمت دینا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں دینا چاہیے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

عیدگاہ اور مسجد کا روپیہ قرض دینا

سوال[۷۲۵۶]: عیدگاہ یا مسجد کے لئے لوگوں نے چندہ کیا۔اس روپیہ سے قرض دینا اور لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں، وہ امانت ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۹/۶۶ھ۔

---

(۱) "لو وقف على مصالح المسجد، يجوز دفع غلته إلى الإمام والمؤذن والقيم، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۴/۵، رشيديه)

"ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ من غلة الوقف بعمارته: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۹/۵، رشيديه)

(۲) "وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلى إمام المسجد أو إلى مؤذن المسجد، فليس له ذلك، إلا إن كان الواقف شَرَط ذلك". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الثانى فى الوقف على المسجد: ۴۶۳/۲، رشيديه)

(۳) "مع أن القيم ليس له إقراض مال المسجد. قال فى جامع الفصولين: ليس للمتولى إيداع مال =

مسجد کا دھان ادھار دینا

سوال[۷۲۵۷]: مسجد کا کچھ دھان اس کی زمین میں کھیتی کرنے والوں کو ادھار دے دیا اور پیداوار کے موسم میں ادھار کیا تھا تو اس وقت بھاؤ سستا ہوا ہے اور جس وقت دھان دیا تھا اس وقت مہنگا ہوتا ہے۔ اس طرح دو تین سو روپیہ مسجد کا نقصان ہوتا ہے۔ لہٰذا اس طریقہ پر مسجد کا دھان قرض دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً یہ درست نہیں، مسجد کا جس قدر نقصان ہو رہا ہے اس کا ضمان لازم ہے(۱)، جتنا دھان دیا تھا، اگر اتنا ہی وزن کر کے واپس مل گیا تو ضمان لازم نہیں اگرچہ قیمت میں فرق ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۸/۹۰ھ۔

مسجد کے پیسہ سے تجارت

سوال[۷۲۵۸]: مسجد کے پیسہ سے مسجد کے لئے تجارت کرسکتا ہے یا نہیں؟

= الوقف والمسجد إلا ممن فی عیاله، ولا إقراضه فلو أقرضه ضمن، وكذا المستقرض". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۱/۵، رشيديه)

(۱) "مع أن القيم ليس له إقراض مال المسجد .... فلو أقرضه، ضمن، وكذا المستقرض". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۱/۵، رشيديه)

(۲) چونکہ یہ معاملہ قرض ہے اور قرض میں قاعدہ یہی ہے کہ ذوات الامثال میں اس چیز کی مثل دینا ضروری ہے، اور اتنا ہی واپس کرنا ضروری ہے جتنا لیا تھا:

"(والقرض) شرعاً عقد مخصوص: أی بلفظ القرض ونحوه (يَرِد على دفع مال مثلی) خرج القيمی (لآخر ليردّ مثله)". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، فصل فی القرض: ۱۶۱/۵، سعيد)

"الديون تقضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، باب اليمين فی الضرب والقتل وغير ذلك مطلب: الديون تقضى الخ: ۸۳۸/۳، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا پیسہ متولی کے پاس امانت ہوتا ہے، اس میں اَور کسی قسم کا تصرف کرنا روزگار وغیرہ میں لگانا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کا روپیہ تجارت کے لئے دینا

سوال[۷۲۵۹]: مسجد کی جو رقم جمع تھی اس رقم کو متولیٔ مسجد نے اپنے ایک رشتہ دار کو بیوپار کرنے کے لئے دے دی، اس شخص نے مسجد کا کوئی حصہ طے نہیں کیا۔ اس تجارت میں کافی نفع ہوا، اس نے مسجد کی رقم واپس کرتے ہوئے مبلغ ۲۲۵/ روپے زائد دے دیئے۔ یہ زائد رقم جو اس نے دی ہے، یہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور آئندہ یہ رقم مسجد کا متولی کسی صورت سے اپنے رشتہ دار کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی رقم متولی کے پاس امانت ہے، کسی کو بیوپار کے لئے دینے کا اس کو حق نہیں، ہرگز کسی کو نہ دی جائے (۲)۔ جو رقم دی تھی وہ بطورِ قرض تھی، قرض میں یہ شرط کرنا کہ واپسی کے وقت اتنی رقم زائد لی جائے گی جائز نہیں کہ یہ سود ہے (۳)، لیکن بغیر شرط کے اگر قرض لینے والا یہ کہہ کر قرض واپس کردے کہ اتنی رقم تو قرض تھی، یہ واجب الادا ہے، اور اتنی رقم میں بلا کسی التزام کے اپنی طرف سے زائد دیتا ہوں تو یہ شرعاً درست ہے اور حدیثِ

---

(۱) "وفي القنية: ولايجوز للقيم شراء شئ من مال المسجد لنفسه ولا البيع له وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۱، رشيديه)

"والوديعة لاتودع ولاتعار ولاتواجر ولا ترهن، وإن فعل شيئاً منها، ضمن". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول: ۴/۳۳۸، رشيديه)

(۲) "والوديعه لاتودع ولاتعار ولاتواجر ولا ترهن، وإن فعل شيئاً منها، ضمن". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول: ۴/۳۳۸، رشيديه)

(۳) "عن عليّ أمير المومنين رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعةً فهو ربا". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب: كل قرض جرمنفعةً فهو ربا: ۱۴/۴۹۸، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فيض القدير: ۹/۴۴۸۷، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز، رياض)

پاک سے ثابت ہے، اس کا استعمال کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

مسجد کا روپیہ کسی کے ذمہ ہو تو اس کو معاف نہیں کیا جا سکتا

سوال[۷۲۶۰]: مسجد کے متولی، امام، یا مسجد کے کسی خدمتی مؤذن وغیرہ کو مسجد کی بقایا رقم جب کہ مجبوری ہو ادا نہ کرسکتا ہو، معاف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کو معاف کرنے کا حق کسی کو نہیں (۲)، جو لوگ معاف کرنا چاہتے ہیں وہ چندہ کر کے اس کی طرف سے ادا کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کی آمدنی کو ختم کر دینے کا کسی کو بھی حق نہیں

سوال[۷۲۶۱]: جامع مسجد دہلی کے چاروں طرف جو دوکانیں بنی ہوئی ہیں وہ جامع مسجد کی زمین پر بنی ہوئی ہیں اور جامع مسجد ہی کی ملکیت ہیں، مسجد کو ان دوکانوں سے تقریباً ۲/۷ ہزار روپے سالانہ کی آمدنی

---

(۱) "وعن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان لي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دينٌ، فقضاني إليّ وزادني". رواه أبوداؤد". (مشكوة المصابيح، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، ص: ۲۵۳، قديمي)

(۲) "أكار تناول من مال الوقف فصالح المتولي على شيء، فهذا على وجهين: إما أن يكون الأكار غنياً أو فقيراً، ففي الوجه الأول لايجوز الحط من مال الوقف". (التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۶۰، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، الخ: ۲/۴۲۲، رشيديه)

"وأما إذا كان على أرباب معلومين ومستحقين مخصوصين، لاتجوز المسامحة والحط بالصلح مطلقاً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۶، رشيديه)

ہے۔ گورنمنٹ کا محکمہ ''ڈی-ڈی-اے'' ان تمام دوکانوں کو ہٹا کر باغیچہ وغیرہ بنانا چاہتے ہیں، اگر ایسا ہوگا تو مسجد کی آمدنی ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گی۔ انہیں حالات کے پیشِ نظر مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

۱...... کیا گورنمنٹ کو حق ہے کہ وہ زبردستی مسجد کی آمدنی کو ختم کردے؟

۲...... کیا مسجد کے منتظمین کو حق ہے کہ وہ مسجد کی ملکیت اور آمدنی کو اس کام کے لئے ختم کردیں؟

۳...... اگر گورنمنٹ کی اس خواہش کو پورا کیا جائے تو کن صورتوں میں اس خواہش کو پورا کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد سے متعلق وقف کی آمدنی کو ختم کرنے کا کسی کو حق نہیں (۱)، ایسی خواہش پوری کرنے کے قابل نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۶ھ۔

مسجد کی دوکانوں کے کرایہ اور شادی کی آمدنی سے امام کی تنخواہ

سوال[۷۲۶۲]: مسجد کا پیسہ جو دوکانوں کے کرایہ اور شادی کے موقع پر حاصل ہوتا ہے اس سے

---

(۱) "ففی فتاویٰ قاری الهداية: سئل: إذا استأجر شخص داراً وقفاً ثم إنه هدمها وجعلها طاحوناً أو فرناً أو غيره مايلزمه؟ أجاب: ينظر القاضی إن كان ماغيّرها إليه أنفع لجهة الوقف، أخذ منه الأجرة وبقی ماعمّر لجهة الوقف، وهو متبرع بما أنفقه فی العمارة ولا يحسب له الأجرة. وإن لم يكن أنفع ولا أكثر ريعاً، ألزم بهدم ماصنع وإعادة الوقف إلى الصفة التی كان عليها بعد تعزيره بما يليق بحاله".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: إذا هدم المشتری أو المستأجر دارالوقف ضمن: ۴/۴۴۷، سعيد)

"لايجوز لأحد أن يتصرف فی ملک غيره بلا إذنه أو وكالةٍ منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، الفن الثانی، الفوائد: ۲/۴۴۴، (رقم القاعدة: ۱۱۷۱)، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعيد)

(وكذا فی شرح المجلة: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

امام کی تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز غسل خانہ وغیرہ کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے روپیہ کو تنخواہ امام میں دینا اور مسجد کے حمام اور غسل خانہ میں صَرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۸۹ھ۔

(۱) "لو وقف علی مصالح المسجد، یجوز دفع غلته إلی الإمام والمؤذن والقیم، اهـ" (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۴/۵، رشیدیه)

"والذی یبدأ به من ارتفاع الوقف: أی من غلته عمارته، شَرَط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلی العمارة، وأعم للمصلحة کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة، یصرف إلیهم إلی قدر کفایتهم".

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: یبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إلیها: ۳۶۷/۴، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف: ۳۶۸/۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

الفصل الخامس عشر فی صرف المال الحرام فی المسجد

(مسجد میں حرام مال صَرف کرنے کا بیان)

مالِ حرام مسجد میں صرف کرنا

سوال[۷۲۶۳]: حیدرآباد سے ایک پرچہ بنام ''اطلاع'' نکلتا ہے جس میں ''پوچھئے اور سنیئے'' کی سرخی کے تحت ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے جس میں پوری طاقت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''حرام مال بطور چندہ کے مسجد ومدرسہ میں لے سکتے ہیں، اس میں شرعی کوئی قباحت نہیں ہے''۔ وہ مضمون دو قسط بنا کر آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا، پہلی قسط اب روانہ کررہا ہوں اور مختصر اقتباس بنا کرارسال کررہا ہوں۔

امید ہے کہ حضرت والا اپنی مصروفیتوں میں تھوڑا وقت ضرور بالضرور فارغ فرماکر جواب روانہ فرمائیں تو عین کرم ہوگا، کیونکہ دکن کا اکثر حصہ مشائخ پرست اور بدعات کے تابع ہے اور خود ایڈیٹر صاحب مستقل حیدرآباد کے مشہور واعظ حسام الدین صاحب جن کا مشائخ میں شمار ہے، ان کے صاحبزادے کے بیٹے ہیں یعنی پوتے ہیں، ان کے قلم سے نکلنے کے بعد خصوصاً جب کہ آیات واحادیث سے مشید کیا گیا ہے تو کافی لوگ مغالطہ میں پڑ گئے ہیں۔

اس فاسد عقیدہ وعمل سے نجات دلانے کے لئے آنجناب مبرہن ومدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں اور اس کو چھاپ کر شائع کردیا جائے تاکہ عوام الناس غلط فہمی کے شکار نہ رہیں۔

سوال: ''جس کی آمدنی کا کل حصہ یا کل کی کل آمدنی حرام ہو جیسے سود خور ہو، یا مسکرات کی آمدنی رکھتا ہو، اس کے پاس دعوت میں جانا، یا اس سے کسی کارِ خیر میں چندہ لینا، یا ایسے سے مسجد کے لئے روپیہ حاصل کرنا کیسا ہے؟ کیونکہ اکثر علماء ناجائز بتاتے ہیں براہ کرم آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں تشفی بخش جواب دیجئے۔

جواب: ''شرع محمدی میں جس قدر معقولیت ہے وہ دنیا کے کسی مذہب میں

نہیں اور جو اصول مقرر ہیں ان سے کسی مسئلہ میں ٹکراؤ نہیں پایا جاتا ہے۔ روپیہ استعمال صرف دو ہی طریقوں سے ہوا کرتا ہے:

۱- آمدنی کے لحاظ سے، ۲- خرچ کرنے کے لحاظ سے۔

چنانچہ اسلام میں بھی ان ہی دو طریقوں سے امر و نہی فرمائی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ روپیہ کمانا ہو تو ان ذرائع سے کمایا جائے جسے حلال کیا گیا ہے، جیسے: تجارت، زراعت یا ملازمت وغیرہ، یعنی اس سلسلہ میں وہ طریقے نہ رہیں جو حرام کئے گئے ہیں، جیسے: سود، جھوٹ، رشوت، چوری وغیرہ۔

ایسا ہی خرچ کرنے کے جو مدات ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک تو حرام جیسے: شراب اور دیگر مسکرات خریدنا، سود دینا، یا ناجائز کام پر خرچ کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ بُرائی کی مدد کے لئے روپیہ خرچ کرنا ناجائز ہے، چاہے وہ وجہِ حلال سے کمایا ہوا روپیہ کیوں نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (۱) اس لحاظ سے غیر مسلموں کو چندہ دینا بھی قرآن مجید کے حکم سے ممنوع ہے، الخ۔

جب غیر مسلموں سے چندہ لیں گے تو ان کو بھی چندہ دینا پڑے گا، اس لئے غیر مسلموں سے چندہ نہ لیا جائے۔

دعوی: جائز کام کے لئے خرچ کرنے کے واسطے ناجائز طریقہ سے کمایا ہوا مال خرچ کیا جا سکتا ہے۔

دلیل اول: اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کے اوصاف میں فرمایا ہے کہ: ﴿وأنفقوا مما رزقناهم سراً وعلانيةً يرجون تجارةً لن تبور﴾ الآية(۲)۔ اس میں وجہِ حلال کی تخصیص نہیں ہے، بلکہ فرمایا گیا ہے "جو کچھ بھی ہم نے ان کو دیا ہے" تو وجہ حرام کی کمائی بھی جب کہ غیر اللہ سے ملی ہوئی نہیں ہوتی، بلکہ حقیقی دینے والا ہر چیز کا وہی

(۱) (سورۃ المائدۃ: ۲)

(۲) (سورۃ فاطر: ۲۹)

اللہ تعالیٰ ہی ہے تو حرام کمائی بھی خرچ ہوسکتی ہے اور اس طرح پر خرچ کی جاسکتی ہے جس کا اجر ملے، چونکہ اس آیت میں مندجہ بالا آیت کے ساتھ ہی فرمایا گیا ہے: ﴿لیوفیهم أجورهم و یزیدهم من فضله، إنه غفور شکور﴾(۱)۔

اس آیت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ''غفور'' فرما کر اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ جو اچھے کاموں پر خرچ کرے گا، وہ اگر روپیہ کو ناجائز طریقہ سے کمایا ہو تو اس کا اس طرح پر خرچ کرنا بخشے جانے کا موجب ہوگا۔

دلیل دوم: اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا جہاں ذکر فرمایا ہے، وہاں اچھی کمائی کی تخصیص نہیں فرمائی ہے، مگر کمائی کا جہان ذکر ہے، یا اپنے استعمال میں لانے کا جہاں ذکر ہے، وہاں پاک طریقہ اور اچھی چیزوں کو مخصوص فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿یا أیها الذین امنوا کلوا من طیبت ما رزقناکم﴾ الآیة(۲)۔

تو کھانا چونکہ اسی کا ہوتا ہے جسے کمایا جاتا ہے اس لئے اچھے طریقہ سے کمانے کا حکم سمجھا جانا چاہئے اور ہے ہی یہی، لہذا کمانے کے لئے وجہ حلال کی صراحت کی گئی ہے، مگر خرچ کرنے کے لئے خواہ وہ نیک کام ہی کیوں نہ ہوں حلال وحرام کی صراحت نہیں کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اچھے کام پر خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے، خواہ آمدنی کیسی ہی ہو، چنانچہ:

سوم: حج کے لئے استطاعت کو مشروط فرمایا گیا ہے، مگر روپیہ کے لئے تخصیص نہیں کی گئی ہے کہ حلال کمائی ہی کی ہو اور اس حلال کمائی کی وجہ سے حج کو جانے کی استطاعت ہونی چاہئے تو پھر جب حج جو اسلام کا ایک رکن ہے حرام روپیہ سے کیا جاسکتا ہے تو حرام کمائی والے کے پاس سے جائز دعوت میں کھانا کیسے حرام ہوسکتا ہے اور اس سے نیک کام میں چندہ لینا کیسے نادرست ہوسکتا ہے؟

---

(۱) (سورة فاطر: ۳۰)

(۲) (سورة البقرة: ۱۷۲)

چہارم: یہ معلوم رہے کہ ناجائز کمائی اس کمانے والے کی حد تک ناجائز ہے، نہ کہ حلال نوعیت سے روپیہ اس سے لینا بھی دوسرے کے لئے ناجائز ہو، اگر ایسا ہی ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے لئے نذرانہ وغیرہ لینے کا حکم ان سے دیتا جن کی حلال کمائی ہو، بلکہ فرمایا گیا ہے: ﴿خذ من أموالهم صدقةً تطهرهم و تزكيهم بها، وصل عليهم﴾ الآية(۱)۔

تو جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نذرانہ لیتے وقت اسے معلوم کرنے کی تاکید نہیں ہے کہ یہ تمہارا روپیہ حلال طریقہ سے کمایا ہوا ہے یا حرام؟ تو پھر کسی کو اسی طرح دعوت کے موقعہ پر یا دیگر موقعوں پر یہ سمجھنے کی کیا ضرورت ہے کہ یہ روپیہ دینے والے کی کمائی حرام ہے یا حلال؟

پنجم: علاوہ ازیں جب زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ صرف اس کمائی کا اڑھائی فی صد زکوٰۃ میں دیں جسے حلال طور پر کمایا ہے، بلکہ حلال وحرام سب کے مجموعہ پر اڑھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے تو اسلام کے ایک رکن زکوٰۃ میں جو خرچ کے مدات سے ہے، حرام روپیہ بھی خرچ ہوسکتا ہے اور اسے زکوۃ ادا کرنے کا ثواب بھی ملتا ہے تو حرام کمائی میں سے حرام کمانے والا اگر نیک کام پر روپیہ دے، تو اسے لینے سے انکار کسی مسئلۂ شرعی کی بناء پر درست نہیں ہوسکتا، ورنہ حرام روپیہ کمانے والے حج وزکوٰۃ وغیرہ سے مستثنیٰ ہوجائیں گے جو غلط ہے۔

ضروری وضاحت:

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ کسی حرام کمائی کرنے والے سے نیک کام میں روپیہ لینے کو جائز کہنے کا یہ مطلب نہیں لینا چاہئے کہ مثلاً مسجد کے لئے لاٹری ڈالی جائے، کیونکہ اس صورت میں مسجد کی طرف سے حرام روپیہ فراہم کرنا پایا جائے گا، جو ویسا ہی حرام جیسا کہ کوئی شخص خود لاٹری ڈالے، ہاں! لاٹری جو کھلم کھلا جوا ہے،

(۱) (سورة التوبة : ۱۰۳)

کوئی مسلمان روپیہ حاصل کر کے اس میں سے مسجد کو چندہ دے تو وہ رقم چندہ کی قرار پائی ہے جو جائز ہے، جوے سے مسجد کے لئے روپیہ فراہم کرنا نہیں رہا، اس لئے جوے میں روپیہ کمانے والے سے چندہ لینے اور مسجد کے لئے فنڈ کو جمع کرنے کے لئے لاٹری ڈالے اس فرق کو تمیز کرنے کی ضرورت ہے تاکہ حلال وحرام میں فرق معلوم ہو سکے۔ جو علماء اس کے خلاف کہتے ہیں ان کو میرے پیش کردہ دلائل پر غور کرنا چاہئے اور نظرِ ثانی کے بعد اپنے قول سے رجوع فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ا..... حرام مال مسجد میں لگانا درست نہیں، بلکہ مکروہ تحریمی (بمنزلۂ حرام) ہے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "لا بأس بنقشه خلا محرابه بجص و ماء ذهب بماله الحلال، اهـ". درمختار. وقال ابن عابدينؒ: "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ، شرنبلالية". رد المحتار: ١/٤٤٢(١).

حرام اور حرام مال نہ اپنے اوپر خرچ کرنا جائز ہے، نہ اپنے اہل وعیال پر، اپنے پاس رکھنا بھی درست نہیں، بنیتِ ثواب صدقہ کرنا بھی جائز نہیں، ایسے مال میں ثواب کی نیت کرنا بہت خطرناک ہے، جس مال پر ملک ہی حاصل نہ ہو اس پر زکوۃ بھی فرض نہیں:

"ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله، ملكه، فتجب الزكوٰة فيه، ويورث عنه؛ لأن الخلط استهلاك إذا لم يمكن تمييزه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ ، وقوله أوفق؛ إذ قلّما يخلو مال عن غصب. وهذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط، مفصل عنه، يوفي دينه،

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس الشدة: ١/٦٥٨، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ١/٢٧٨، دارالمعرفة بيروت)

وإلا فلا زكوٰة، كما لو كان الكل خبيثاً، كما في النهر عن الحواشي السعيدية. و في شرح الوهبانية عن البزازية: إنما يكفر إذا تصدق بالحرام القطعي، اهـ". درمختار(۱)۔

"في القنية: لو كان الخبيث نصاباً، لا يلزمه الزكوٰة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، اهـ........... ما وجب التصدق بكله، لا يفيد التصدق ببعضه؛ لأن المغصوب إن عُلمت أصحابه أو ورثتهم، وجب رده عليهم، وإلاوجب التصدق به، اهـ"(۲)۔

"رجل دفع على فقير من المال الحرام شيئاً، يرجو به الثواب، يكفر. ولو علم الفقير بذلك، فدعا له وأمّن المعطي، كفرا جميعاً .... ينبغي أن يكون كذلك لو كان المؤمن أجنبياً غير المعطي والقابض، وكثير من الناس عنه غافلون، ومن الجهال فيه واقعون. قلت: الدفع إلى الفقير غير قيد، بل مثله فيما يظهر: لو بنىٰ من الحرام بعينه مسجداً ونحوه مما يرجو به التقرب؛ لأن العلة رجاء الثواب فيما فيه العقاب، ولايكون ذلك إلا باعتقاد حله.......... أي مع رجاء الثواب الناشئ عن استحلاله، كما مر، فافهم، الخ". ردالمحتار: ۲/۲۵، ۲۹(۳)۔

حج میں مالِ حرام کا خرچ کرنا حرام ہے، اس سے حج قبول نہیں ہوتا:

"و قد يتصف (الحج) بالحرمة كالحج بمال حرام". درمختار۔ "وإنما يحرم من حيث الإنفاق، وكأنه أطلق عليه الحرمة؛ لأن للمال دخلاً فيه. قال في البحر: ويجتهد في تحصيل

(۱) (الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثاني في المصرف: ۴/۸۶، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب فيما لو صادر السلطان جائراً، فنوى بذلك أداء الزكاة إليه: ۲/۲۹۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب في التصدق من المال الحرام: ۲/۲۹۲، سعيد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۲/۳۲، (رقم الحديث: ۳۰۱)، رشيديه)

نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كماورد في الحديث، اهـ". ردالمحتار: ۲/۱٤ (۱)۔

اگر کسی وارث کو معلوم ہو کہ مورث کے پاس فلاں مال حرام ہے، تو اس کو وراثۃً لینا وارث کے لئے جائز نہیں، بلکہ اصل مالک معلوم ہو تو اسے واپس کردے، ورنہ صدقہ کردے:

قال ابن عابدینؒ: "لا يحل إذا علم عين الغصب مثلاً وإن لم يعلم مالكه. في البزازية: أخذ مورثه رشوةً أو ظلماً، إن علم ذلك بعينه، لا يحل له أخذه. والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل، ويتصدق به بنية صاحبه، اهـ". ردالمحتار: ۱/۱۸۰ (۲)۔

فقہاء کے بیان کردہ مسائل، کتاب، سنت، اجماع، قیاس سے ثابت ہیں۔ایک صحابی کو ایک شخص نے کمان ہدیۃً دی تھی جس میں عدمِ مشروعیت کی شان تھی، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ آگ کی کمان ہے" (۳)۔کسی نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کی اور مالک کی اجازت کے بغیر بکری ذبح کرلی (کہ قیمت پھر دیدیں گے) حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ کھینچ لیا اور نوش فرمانے سے انکار فرمادیا (۴)۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵٦، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳٦۹، رشيديه)

(۳) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: علّمتُ ناساً من أهل الصفة القرآن والكتاب، فأهدى إليّ رجل منهم قوساً، فقلت: ليست بمال، وأرمي عليها في سبيل الله، لأتينّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلأسألنّه. فأتيته، فقلت: يا رسول الله! رجل أهدى إليّ قوساً .... قال: "إن كنت تحب أن تطوّق طوقاً من نار فاقبلها" (سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في كسب المعلم: ۲/۱۲۹، إمداديه ملتان)

(۴) "و عن عاصم بن كليب عن أبيه عن رجل من الأنصار رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في جنازة، فرأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وهو على القبر =

﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے لئے نذرانہ وصول کرنے کا حکم نہیں، بلکہ وہ صدقہ ہے، جیسا کہ صراحۃً اس کو صدقہ ہی فرمایا گیا ہے، صدقہ تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حرام تھا، بلکہ آپ کے اہلِ بیت کے لئے بھی حرام تھا، آپ کے نواسہ نے بہت ہی بچپن میں ایک کھجور منہ میں دے لی تھی اور وہ زکوٰۃ کی تھی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوراً اس کے منہ میں انگلی دے کر وہ کھجور نکال لی اور بچے کو اس سے روک کر اس کی زبان میں سمجھایا کہ صدقہ ہمارے لئے جائز نہیں (۱)۔ کتب حدیث وفقہ میں بہت صاف صاف اس کو بیان کیا گیا ہے۔ پس اس صدقہ کو نذرانہ قرار دینا علم وفہم کے افلاس کی بنا پر ہے۔

جس طرح ﴿کلوا من طیّبات﴾ الخ میں "أکلِ طیب" کا حکم ہے، جس کا مآل یہ ہے کہ اکل حرام

= یوصی الحافر، یقول: "أوسع من قبل رجلیه، أوسع من قبل رأسه". فلما رجع استقبله داعی امرأته، فأجاب، و نحن معه، فجیئ بالطعام، فوضع یده، ثم وضع القوم، فأکلوا فنظرنا إلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یلوک لقمةً فی فیه، ثم قال: "أجد لحم شاة أخذت بغیر إذن أهلها". فأرسلت المرأة تقول: یارسول اللہ! إنی أرسلت إلی النقیع –وهو موضع یباع فیه الغنم– لیشتری لی شاةً، فلم توجد، فأرسلت إلی جار لی قد اشتری شاةً أن یرسل بها إلیّ بثمنها، فلم یوجد، فأرسلت إلی امرأته، فأرسلت إلیّ بها، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "أطعمی هذا الطعام الأساریٰ" (مشکوة المصابیح، باب المعجزات، الفصل الثالث، ص: ۵۴۴، قدیمی)

(وسنن أبي داؤد، کتاب البیوع، باب فی اجتناب الشبهات، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الغصب: ۱۵۳/۷، سعید)

(۱) "حدثنا محمد بن زیاد قال: سمعت أبا هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: أخذ الحسن بن علیّ تمرةً من تمر الصدقة، فجعلها فی فیه، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "کخ، کخ". لیطرحها. ثم قال: "أما شعرت أنا لا نأکل الصدقة". (صحیح البخاری، کتاب الزکوة، باب ما یذکر فی الصدقة للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ۲۰۲/۱، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الزکوة، باب تحریم الزکوة علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وعلی آله وهم بنو هاشم، الخ: ۳۴۳/۱، قدیمی)

(ومشکوة المصابیح، کتاب الزکوة، باب من تحل له الصدقة، ص: ۱۶۱، قدیمی)

کی ممانعت ہے، اسی طرح دوسری آیت میں انفاق کے لئے بھی طیب کو ضروری قرار دیا ہے: ﴿یا أیها الذین امنوا أنفقوا من طیّبات ما کسبتم﴾ الخ(۱)۔ جب کہ کسبِ خبیث خبیث ہے، اس کی اجازت نہیں تو کسبِ طیب لازم ہے اور اسی سے انفاق کا حکم ہے، پھر کسبِ خبیث سے انفاق کیسے موجبِ قربت ہوگا، اس کی صراحت بھی آگے فرما دی گئی ہے: ﴿ولا تیمّموا الخبیث منه تنفقون﴾ الآیة(۲)۔

حافظ ابن کثیر اس کی تفسیر ۲/۴۰ میں لکھتے ہیں: "أی لا تعدلوا عن المال الحلال، وتقصدوا إلی الحرام، فتجعلوا نفقتکم منه، اهـ"(۳)۔

تفسیر میں دیگر اقوال بھی مذکور ہیں(۴)، مگر یہ کہنا کہ "اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا جہاں ذکر فرمایا ہے وہاں اچھی کمائی کی تخصیص نہیں فرمائی" قرآن کریم سے عدمِ واقفیت پر مبنی ہے، ورنہ علم کے باوجود کوئی مسلمان انکارِ نصِ قرآنی کی جرأت نہیں کرسکتا۔

ایک عجیب بات فاضل مجیب نے لکھی ہے کہ:

"وجہ، حرام کی کمائی بھی جب کہ غیر اللہ سے ملی ہوئی نہیں ہوتی، بلکہ حقیقی دینے والا ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس بنا پر حرام کمائی خدا کی راہ میں خرچ کرنا درست، بلکہ موجبِ اجر ہے"۔

تو اس کے ذریعہ حرام کمانے والوں کے واسطے بہت بڑا باب کھول دیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جب حرام کا بھی دینے والا خدا ہی ہے اور اس کے خرچ کرنے پر بھی اجر وفضل ومغفرت ہے تو پھر زیادہ سے زیادہ اس

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۶۷)

(۲) (سورة البقرة: ۲۶۷)

(۳) (تفسیر ابن کثیر، (سورة البقرة: ۲۶۷): ۱/۳۲۰، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۴) "﴿ولا تیمموا الخبیث﴾: أی تقصدوا الخبیث ﴿منه تنفقون ولستم بآخذیه﴾: أی لو أعطیتموه ما أخذتموه إلا أن تتغاضوا فیه، فالله أغنی عنه منکم، فلا تجعلوا لله ماتکرهون"۔

"عن عبدالله بن مغفل فی هذه الآیة: ﴿ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون﴾ قال: کسب المسلم لایکون خبیثاً، ولکن لایصدق بالحشف والدرهم الزیف وما لاخیر فیه". (تفسیر ابن کثیر، (سورة البقرة: ۲۶۷): ۱/۳۲۰، ۳۲۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

راہ سے کما کر خدا کے راستہ میں خرچ کیا جائے، کچھ گناہ اگر حرمت کی وجہ سے ہوگا بھی تو وہ خرچ کرنے سے اجر وثواب بلکہ حصولِ جنت کا ذریعہ بن جائے گا۔ مقامِ غور ہے کہ یہ کس قدر فتنے اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

قرآن، حدیث، فقہ کو باقاعدہ اساتذہ سے حاصل کئے بغیر آیات، روایات، احکام کو تختۂ مشق نہ بنایا جائے، اور جولانیٔ قلم کے لئے کوئی دوسرا میدان تجویز کیا جائے، جس میں آخرت کی بازپرس کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ:

﴿ولا تقولوا لما تصف ألسنتكم الكذب هذا حلال و هذا حرام، لتفتروا على الله الكذب، إن الذين يفترون على الله الكذب لا يفلحون﴾(۱)، اور ﴿ومن أظلم ممن افترىٰ على الله كذباً﴾(۲)، اور "من قال فى القرآن برأيه" (۳)، اور "من كذب عليَّ متعمداً فليتبوأ"(٤) کی سخت وعیدیں سامنے۔ اور ایسے مضامین کی وجہ سے جو مخلوق گمراہ ہوئی اس کا وبال مستقل ہے: ﴿وليحملن أثقالهم و أثقالاً مع أثقالهم، و ليسئلن يوم القيامة عما كانوا يفترون﴾(٥)۔ فقط واللہ الهادى إلى صراط مستقيم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی سے جبراً مال لے کر مسجد میں صرف کرنا

سوال[۷۲۶۴]: ۱......گاؤں شاملات منجد کی تعمیر ومرمت کے لئے ایک شخص لگان، یا رقم معین بطور چندہ نہیں دیتا، دوسرے فریق جبراً اور حقہ پانی ترک کر کے لگان لینا چاہتے ہیں۔ اس طریقہ سے لینا جائز ہے یا

---

(۱) (سورۃ النحل: ۱۱۶)

(۲) (سورۃ الأنعام: ۲۱)

(۳) الحدیث بتمامہ: "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قال فى القرآن برأيه، فليتبوأ مقعده من النار". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثانى: ۱/۳۵، قديمى)

(۴) الحدیث بتمامہ: "عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اتقوا الحديث عنى إلا ما علمتم، فمن كذب عليّ متعمداً، فليتبوأ مقعده من النار". رواه الترمذى". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثانى: ۱/۳۵، قديمى)

(۵) (سورۃ العنکبوت: ۱۳)

نہیں؟ اگر نہ ہوتو جبراً لیکر مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر نا جائز ہوتو ایسے روپے کو حمام یا حجرہ وغیرہ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

۲...... سودی لین دین کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

۳...... ایک بھینسہ موضع چونری سے موضع منڈی میں آکر بھینسوں میں رہنے لگ گیا، چند روز میں اس کو مارنے کا عیب ہوگیا، اس عیب کی وجہ سے اہل گاؤں موضع چونری والوں سے اجازت لیکر فروخت کر دیا۔ اس روپیہ کا مسجد، حمام وغیرہ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جبراً لینا جائز نہیں، نہ مسجد کے لئے، نہ حجرہ، حمام وغیرہ کے لئے (۱)۔

۲...... ناجائز آمدنی خواہ سود کے ذریعہ سے حاصل کی ہو خواہ اور کسی ذریعہ سے، مسجد میں لگانا درست نہیں (۲)۔

۳...... مالک کی اجازت سے فروخت کر کے مسجد میں قیمت کو لگانا شرعاً درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قدیمي)

(وسنن البیهقي، (رقم الحدیث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإیمان: ۳۸۷/۴، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من کسب طیب، ولا یقبل الله إلا الطیب. الخ". (صحیح البخاري، باب الصدقة، من کسب طیب: ۱۸۹/۱، قدیمي)

"أما لو أنفق في ذلک مالاً خبیثاً، أو مالاً سببه الخبیث والطیب، فیکره". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب: کلمة "لا بأس" دلیل علی أن المستحب غیره، الخ: ۶۵۸/۱، سعید)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار: ۲۷۸/۱، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلوة، دار المعرفة بیروت)

(۳) "لأن الملک ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب =

مسجد میں مالِ حرام صَرف کرنے سے متعلق شامی کی عبارت

سوال [۷۲۶۵]: فتاوی دار العلوم، امداد المفتیین وعزیز الفتاوی جلد پنجم و ششم، ص: ۲۸۸، میں شامی کی یہ عبارت منقول ہے:

"قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً مخلوطاً من الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله"۔

بندہ نے شامی کی کتاب الوقف و دیگر ابواب میں تلاش کیا، مگر بندہ کی کوتاہ نظری کی بنا پر نہ مل سکی، حضرت والا برائے کرم جلدی سے صفحہ وابواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شامی ۴۴۲/۱، مکروهات الصلوة، مطلب في أحكام المساجد میں قولِ درمختار: "ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لو بماله الحلال" ہے، اس لفظ "الحلال" کے ذیل میں عبارتِ مسئولہ بحوالہ شرنبلالیہ مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مالِ حرام سے مسجد، کنواں اور مکان کی تعمیر

سوال [۷۲۶۶]: زید افریقہ میں دوکان کرتا ہے اور دوکان پر ناجائز چیزیں: شراب خنزیر وغیرہ رکھتا ہے، اس نے کاروبار سے رقم جمع کرکے اپنے وطن کے قبرستان میں کنواں تعمیر کرایا، ایک مسجد افریقہ میں تعمیر کرائی، ایک مکان تعمیر کراکے اپنی قوم پنچایت کے نام کر دیا ہے۔ ان سب کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

چودھری عبدالرحمٰن، محمد یوسف آڑھتی، سبزی منڈی شملہ۔

= في تعريف المال والملك والمتقوم: ۵۰۲/۴، سعيد)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(تنبیه): عبارتِ مذکورہ: "مطلب في أحكام المساجد" میں نہیں، بلکہ حوالہ مذکورہ بالا میں ہے، لیکن اس کے بعد: "مطلب في أفضل المساجد" ہے، شاید اس سے التباس ہوا۔ (مخرج)

الجواب حامداًو مصلیاً:

زید کی دوکان میں کوئی چیز جائز بھی ہے یا تمام اشیاء خمر وخنزیر کی طرح حرام ہی ہیں، اگر کوئی جائز چیز بھی ہے تب تو اس کی آمدنی حرام وحلال سے مرکب ہوئی اور حرام وحلال کے خلط سے آدمی تمام کا مالک ہوجاتا ہے اگر چہ حرام کا ضمان اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے، لہٰذا مسجد، کنواں، مکان تینوں اشیاء کا استعمال شرعاً درست ہے اور جس قدر مال حرام طریقہ پر خمر وخنزیر وغیرہ حرام اشیاء سے حاصل کیا ہے اس کا ضمان واجب ہے:

"لما خلطها: أی أموالاً غیر طیبة ملکها، و صار مثلها دیناً فی ذمته لا عیناً". ردالمحتار ۳۸/۲(۱)۔

اور اگر اس کی دوکان میں جائز چیز تجارت کے لئے کوئی نہیں، بلکہ تمام مال حرام ہے اور تمام آمدنی حرام طریقہ سے حاصل کرتا ہے، تب یہ حکم ہے کہ اگر وہ حرام مال اولاً بائع کو دیدیا اور اس کے بعد اس کے عوض میں زمین خریدی ہے پھر اس سے تعمیر کی ہے، یا حرام مال کو متعین کر کے مخصوص طور پر اس کے عوض میں زمین خرید کر تعمیر کی ہے تو شرعاً وہ مسجد، مسجد نہیں، اس میں نماز پڑھنا منع ہے (۲)۔

اسی طرح اس مکان کا استعمال بھی ناجائز ہے۔ لیکن کنویں کے پانی میں کوئی خرابی نہیں، کیونکہ حرام مال سے پانی پیدا نہیں ہوا، صرف حرام مال سے تعمیر کردہ کنویں کی دیواروں سے متصل ہے، اس اتصال سے پانی میں حرمت نہ ہوگی۔ اور اگر حرام مال کے عوض میں زمین خریدی ہے، مگر قیمت ادا کی ہے کسی حلال مال سے مثلاً: قرض لے کر، یا اَور کسی طرح، یا حلال مال کے عوض میں خریدی، پھر دیا حرام مال، یا زمین خریدی ہے بلاتعیینِ حرام وحلال، اور قیمت ادا کی حرام سے تو ان سب صورتوں میں اس مکان کا استعمال درست ہے، نیز مسجد مذکور میں نماز بھی جائز ہے اور کنویں کے پانی میں تو کوئی اشکال ہی نہیں:

فی ردالمحتار: "رجل اکتسب مالاً من حرام، ثم اشتری، فهذا علی خمسة أوجه:

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم مطلب فیما لو صادر السلطان جائراً فنوی بذلک أداء الزکاة إلیه: ۲۹۱/۲، سعید)

(۲) "کل مسجد بني مباهاةً، أو ریاءً، أو سمعةً، أو لغرض سوی ابتغاء وجه الله، أو بمال غیر طیب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (المدارک علی هامش تفسیر الخازن: ۲۸۱/۲، حافظ کتب خانه)

إما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولاً، ثم اشترى منه بها، أو اشترىٰ قبل الدفع بها و دفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترىٰ مطلقاً و دفع تلك الدراهم، أو اشترىٰ بدراهم اٰخر و دفع تلك الدراهم، قال أبو نصر: يطيب له و لا يجب عليه أن يتصدق إلا في الوجه الأول. وقال أبوبكر: لا يطيب في الكل، لكن الفتوىٰ الاٰن على قول الكرخي"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۳۰/محرم/۵۵ھ۔

مالِ حرام سے بنائی ہوئی مسجد

سوال[۷۲۶۷]: عرصہ ۳۵/سال کا گزرا ایک زانیہ عورت (رنڈی) جو زنا کا پیشہ کرتی تھی، ایک ہندو کے پاس رہتی تھی، اس کے پاس اس کمائی ناجائز سے دس پندرہ ہزار روپیہ تھا۔ اس نے خیال کیا کہ اگر اس روپیہ سے ایک جامع مسجد قصبہ متھرا کے اندر تعمیر کرادی جائے تو بہت ثواب ملے گا، اس خیال سے اس نے قصبہ کے اندر ایک جامع مسجد بڑی شاندار بنوادی، مسجد تیار ہوگئی۔ مسلمانوں سے نماز پڑھنے کے لئے کہا گیا تو مسلمانوں نے اور مولویوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ مسجد رنڈی کے سرمایہ سے بنی ہے، لہذا ہماری نماز اس میں

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، فصل: إذا اكتسب حراماً، ثم اشترى، الخ: ۵/۲۳۵، سعيد)

"وأما الثاني. وهو ما إذا تصرف في المغصوب أو الوديعة و ربح، فهو على وجوه .... فقد قال الكرخي رحمه الله تعالىٰ: إنه على أربعة أوجه: إما إن أشار و نقد منه، أو أشار إليه و نقد من غيره، أو أشار إلى غيره و نقد منه، أو أطلق إطلاقاً و نقد منه، و في كل ذلك يطيب له، إلا في الوجه الأول: وهو ما إذا أشار إليه و نقد منه؛ لأن الإشارة إليه لا تفيد التعين، فيستوي وجودها و عدمها، إلا إذا تأكدت بالنقد منهما .... و اختار بعضهم الفتوى على قول الكرخي في زماننا، لكثرة الحرام".

(البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، ۳۷۴، إمداديه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۸۹، سعيد)

نہیں ہوگی اور سب مسلمانوں نے اس مسجد میں نماز پڑھنے سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد اس رنڈی نے مسلمانوں کو یہ دھمکی دی کہ اگر تم لوگ اس مسجد میں نماز نہیں پڑھو گے تو میں اس مسجد میں ٹھاکر جی کا بت رکھوا دونگی اور اس کو مندر بنوا دوں گی۔ اس حکم کے سننے کے ساتھ ہی چند پیر صاحبان اور مولوی صاحبان نے فوراً یہ فتوی دے دیا کہ بت خانہ سے مسجد ہزار درجہ بہتر ہے اور سب مسلمان اس مسجد میں نماز پڑھنے لگے۔ جب سے اب تک ۳۰، ۳۵/ سال کا زمانہ گزرا ہوگا، برابر اس مسجد میں عیدین و جمعہ پنجوقتہ نمازیں پڑھی جا رہی ہیں، لیکن اتنا عرصہ نکل جانے کے بعد اب کچھ مولوی صاحبان اس مسجد میں نماز پڑھنے کو ناجائز بتلاتے ہیں۔

تو اب ہم مسلمانان قصبہ متھرا آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں کہ اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اس مسجد میں ہماری نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور جب ہم لوگ اس مسجد میں نماز نہ پڑھیں گے تو مسجد بغیر اذان و چراغ بتی کے ویران ہو جاوے گی تو اس حالت میں ہم گناہگار رہوں گے یا نہیں؟ یا اب عالیشان مسجد کو تالا لگا کر بند کر دیا جائے یا کیا کرنا چاہئے؟ فقط۔

۲۶/شوال/۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرام روپیہ سے کوئی شئ خریدنے میں تفصیل ہے: بعض صورتوں میں بیع بالکل ناجائز ہے، اور اس شئ میں حرمت آجاتی ہے۔ اور بعض صورتوں میں اس شئ میں حرمت نہیں آتی اور بیع درست ہوتی ہے۔ اگر حرام روپیہ کو پہلے متعین کر کے اور اس کی جانب اشارہ کر کے اس کے عوض زمین وغیرہ خریدی اور مسجد وغیرہ بنوائی ہے تب تو وہ زمین اس کی ملک میں نہیں آئی اور وہ مسجد، مسجد ہی نہیں ہوئی۔ اور اگر بلا تعین و اشارہ کے زمین خریدی ہے اور پھر وہ حرام روپیہ قیمت میں ادا کر دیا، یا کسی دوسرے حلال روپیہ کو متعین کر کے زمین وغیرہ خریدی، لیکن قیمت میں حرام روپیہ ادا کیا، یا حرام روپیہ متعین کر کے خریدی لیکن پھر قیمت میں کوئی حلال روپیہ دیدیا تو ان سب صورتوں میں بیع درست ہوگی۔ اور پھر باقاعدہ اس کو وقف کر دیا ہے تو وہ مسجد ہوگئی، اس میں نماز درست ہے،

هکذا یفهم مما فی رد المحتار: ۵/۱۳۳(۱)۔

اور پہلی صورت میں جب کہ بیع درست نہیں ہوئی تب بھی اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا جو کہ احترامِ مسجد کے خلاف ہے جائز نہیں (۲)، البتہ وہاں نماز مکروہ ہے (۳)۔ اور تاوقتیکہ پوری تحقیق نہ ہو، اس کو مسجد ہی کہا جاوے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱۱/۳ھ۔

---

(۱) "(کما لو تصرف فی المغصوب والودیعة) بأن باعه (وربح) فیه (إذا کان) ذلک (متعیناً بالإشارة، أو بالشراء بدراهم الودیعة، أو الغصب و نقدها): یعنی یتصدق بربح حصل فیهما إذا کانا مما یتعین بالإشارة. وإن کان مما لا یتعین، فعلی أربعة أوجه: فإن أشار إلیها و نقدها، فکذلک یتصدق (وإن أشار إلیها و نقد غیرها، أو) أشار (إلی غیرها) و نقدها (أو أطلق) و لم یشر (ونقدها، لا) یتصدق فی الصور الثلاث عند الکرخی. قیل: (و به یفتی). والمختار أنه لا یحل مطلقاً –کذا فی الملتقی– ولو بعد الضمان.......... واختار بعضهم الفتویٰ علی قول الکرخی فی زماننا، لکثرة الحرام، و هذا کله علی قولهما". (الدر المختار).

"(قوله: فکذلک یتصدق)؛ لأن الإشارة إلیه لا تفید التعیین، فیستوی وجودها و عدمها، إلا إذا تأکد بالنقد منها، زیلعی. (قوله: أو أطلق) بأن قال: اشتریت بألف درهم و نقد من دراهم الغصب، أو الودیعة، عزمیة. وفی التاتارخانیة عن الذخیرة: أنه إذا أطلق و لم یشر، فإن نوی النقد منها، فلا یخلو: إن حقق نیته، فنقد منها، فالأصح أنه لا یطیب، وإن لم یحقق نیته، یطیب؛ لأن مجرد العزم لا أثر له. وإن لم ینو، ثم نقد منها، طاب. قال الحلوانی: إنما یطیب إذا نوی أن لا ینقد منها، ثم بدا له، فنقد. أما إذا نوی النقد منها مع علمه أنه ینقد، لا یطیب، ملخصاً. و فی البزازیة: وقول الکرخی علیه الفتوی، ولا تعتبر النیة فی الفتوی، ثم حمل ما مر علی حکم الدیانة". (ردالمحتار: ۶/۱۸۹، کتاب الغصب، سعید)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب: فیمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الغصب: ۸/۲۰۷، رشیدیه)

(۲) (راجع الحاشیة المتقدمة)

(۳) (راجع، ص: ۱۰۱، رقم الحاشیة: ۱)

مالِ حرام سے مسجد و مدرسہ وغیرہ بنانا

سوال[۷۲۶۸]: بعض لوگوں کی کمائی سینما، یا سٹہ، یا جوا، یا شراب کی ہوتی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ہم دینی مدرسہ یا مسجد میں دیں تو کیا طریقہ اختیار کریں؟ بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ کسی شخص سے روپیہ بطور قرض لے کر دینی مدرسہ، یا تعمیر مسجد میں دیدیں اور اپنی اس کمائی کی رقم سے اس قرض کو ادا کریں۔ تو کیا یہ طریقہ جائز ہے، اس طریقہ سے وہ رقم دینی مدرسہ یا مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں؟ سارے جواب حدیث وفقہ کی روشنی میں دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جن کے پاس ناجائز کمائی کا روپیہ ہے، وہ اگر کسی سے جائز روپیہ قرض لے کر مدرسہ یا مسجد کے لئے دیں تو یہ درست ہے(۱)، ناجائز دیں تو مدرسہ یا مسجد کی تعمیر کے واسطے نہ لیا جائے:

"ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجصٍّ و ماء ذهب لو بماله الحلال، اهـ". درمختار. "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً و مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالیٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ. شرنبلالية". شامی: ۴۲۲/۱ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۴ھ۔

---

(۱) "إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج، ويقضي دينه من ماله". (الفتاویٰ العالمكرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۲۲۰/۱، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحج، فصل في المقطعات: ۳۱۳/۱، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب كلمة: "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس الشدة: ۶۵۸/۱، سعيد)

"و قيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (الكشاف: ۳۱۰/۲، (سورة التوبة: ۱۰۷) دارالكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۲۱/۱۱، (سورة التوبة: ۱۰۷) مكتبه دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في التفسير الأحمدي، ص: ۴۷۸، مكتبه حقانيه پشاور) .... =

حلال وحرام روپے سے بنی ہوئی مسجد میں نماز

سوال[۷۲۶۹]: ۱...... حلال وحرام مال سے مسجد بنائی جائے، اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... اگر وہی مسجد حلال مال سے خریدی جائے، اس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ پھر مشتری کو اس وقت اگر لوگ واپس کردیں تو وہ روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... مالِ حرام مسجد میں لگانا ناجائز ہے، اگر حرام مال سے خرید کر زمین پر مسجد بنائی جائے تو اس میں نماز مکروہ ہے(۱)۔

۲...... اگر حرام مال سے خرید کر بیع فسخ کرکے پھر حلال مال سے خرید کر مسجد بنائی جائے تو اس میں نماز درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۹/۶۶ھ۔

= (وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۷۸، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلوة، دار المعرفة بیروت)

(۱) "کل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غيرطيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (مدارک التنزیل علی هامش تفسیر الخازن: ۲/۲۸۱، حافظ کتب خانه)

قال ابن عابدين: قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب: کلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۷۸، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلوة، دار المعرفة بیروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (امداد الفتاویٰ، کتاب الوقف، حکم مسجد بناکردہ بمال حرام: ۲/۶۷۲)

(وأحسن الفتاویٰ، باب المساجد، حرام مال سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم: ۶/۴۳۱)

(وامداد الأحکام، فصل فی احکام المسجد و آدابه، طوائف کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز کا حکم: ۱/۴۴۰)

(و امداد المفتین، کتاب الوقف، أحکام المساجد، رسالة نیل المدام فی حکم المسجد النبی بالمال الحرام، ص: ۶۶۲)

(۲) "رجل اكتسب مالاً من حرام، ثم اشترىٰ، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع تلك الدراهم إلى =

وصیت اورخواب کہ سود کا روپیہ مسجد میں دیا جائے

سوال[۷۲۷۰]: جومسجد بالکل ویران بےامام وبےمؤذن کے ہے، ایک حاجی صاب جن کے پاس بیاج(۱) کے پیسے تھے، انہوں نے ایک صاحب سے وعدہ کیا کہ میں مسجد کے جملہ تعمیری اخراجات کو پورا کردوں گا، مگر چند دن بعد حاجی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اب وہ خواب میں اس شخص کے پاس آئے اور کہا کہ ہم کئی دن سے سخت عذاب میں مبتلا ہیں، لہذا میرے سود بیاج کے تمام کے تمام روپے میری بیوی سے لے کر مسجد میں لگادو، تاکہ اس دردناک عذاب سے چھٹکارا پالوں۔ اب وہ شخص حاجی صاحب کے ورثاء اوران کی بیوی کے پاس گیا، انہوں نے کہا کہ اگر سود کا روپیہ مسجد میں لگ سکتا ہوتو ہم بخوشی دینے کو تیار ہیں۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ سود کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سود کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز نہیں، مرنے والا اگر خواب میں آکر بتائے تب بھی جائز نہیں (۲)۔ جو

= البائع أولاً، ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها و دفع غيرها، أو اشترى مطلقاً و دفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أخر و دفع تلك الدراهم، قال أبو نصر: يطيب له و لا يجب عليه أن يتصدق إلا في الوجه الأول، وإليه ذهب الفقيه أبو الليث، لكن هذا خلاف ظاهر الرواية، فإنه نص في الجامع الصغير: إذاغصب ألفاً، فاشترى بها جاريةً، وباعها بألفين، تصدق بالربح. وقال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لا يطيب، و في الثلاث الأخيرة: يطيب. و قال أبوبكر: لا يطيب في الكل، لكن الفتوى الآن على قول الكرخي، دفعاً للحرج عن الناس .... وقال بعضهم: لا يطيب في الوجوه كلها، ولكن الفتوىٰ اليوم على قول الكرخي، دفعاً للحرج عن الناس، لكثرة الحرام". (ردالمحتار: ۲۳۵/۵، كتاب البيوع، باب المتفرقات، فصل: إذا اكتسب حراماً ثم اشترىٰ، سعيد)

(و كذا في الهداية: ۳۷۳/۳، ۳۷۴، كتاب الغصب، مكتبه شركت علميه ملتان)

(و كذا في البحر الرائق: ۲۰۶/۸، كتاب الغصب، رشيديه)

(۱) "بیاج: سود، ربا، نفع، بڑھوتری، زیادتی"۔(فیروز اللغات، ص: ۲۵۰، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، شرنبلالية". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" =

وعدہ زندگی میں کیا تھا مرنے کے بعد ورثاء کے ذمہ اس کا پورا کرنا واجب نہیں (۱)، نہ ان کے ترکہ سے کسی کو زبردستی لینے کا حق ہے (۲)۔ ہاں! میت کے لئے دعائے مغفرت کی جائے، قرآن پاک کی تلاوت کر کے نفل نماز پڑھ کر ثواب پہونچایا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۹۰ھ۔

= دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲۷۸/۱، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

"كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (التفسير الأحمدي، ص: ۴۷۸، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في روح المعاني: ۲۱/۱۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، مكتبه دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في مدارك التنزيل: ۵۱۹/۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمي)

(۱) "(قوله: أما دين الله تعالىٰ، الخ) محترز قوله: من جهة العباد، وذلك كالزكاة والكفارات و نحوها. قال الزيلعي: فإنها تسقط بالموت، فلا يلزم الورثة أداؤها إلا إذا أوصى بها، أوتبرعوا بها من عندهم". (ردالمحتار: ۷۶۰/۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) "وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعيٍّ". (شرح المجلة لسليم رستم: ۶۲/۱، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في القواعد، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها، كذا في الهداية". (ردالمحتار: ۲۴۳/۲، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء الثواب للميت، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۰۵/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، رشيديه)

سودی قرضہ کا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال[۷۲۷۱]: سودی رقم قرض پر لیکر مسجد تعمیر کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو رقم سود پر قرض لی گئی ہے وہ رقم حرام نہیں (۱)، اس کا مسجد کی تعمیر میں لگانا بھی درست ہے (۲)، لیکن سود پر رقم لینا، سود دینا گناہ ہے، اس سے باز آنا ضروری ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۸ھ۔

---

(۱) "وأما القرض المشروط بالفضل والمنفعة، فلم يقل أحد: إنه من باب الإرفاق، بل اتفقوا على كونه مثل البيع. ثم اختلفوا .... وقال الحنفية: يبطل الشرط لكونه منافياً للعقد، ويبقى القرض صحيحاً، .... ومرادهم بكون القرض صحيحاً والشرط باطلاً: أن المستقرض إذا قبض الدراهم التي استقرضها بالشرط، يصير ديناً عليه، ولاتكون أمانة غير مضمونة". (إعلاء السنن، رسالة كشف الدجىٰ عن وجه الربا: ۱۴/۵۳۳، ۵۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "غالب مال المهدى إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۶۰، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۳۴۳، الفن الأول، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۳، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضٰعفةً﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله، و ذروا ما بقي من الربوا، إن كنتم مؤمنين، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله و رسوله﴾. (سورة البقرة: ۲۷۹)

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الربا و موكله و شاهده و كاتبه". (سنن أبي داؤد: ۲/۱۱۷، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، إمداديه ملتان)

مسجد کی تعمیر کے لئے سود پر قرض لینا

سوال[۷۲۷۲]: مسجد کی تعمیر کے لئے سود پر روپیہ قرض لے کر خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سود پر روپیہ لینا حرام ہے(۱)، خاص کر مسجد کی تعمیر کے لئے حرام فعل کا ارتکاب ہرگز نہ کیا جائے (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے لئے سودی قرض

سوال[۷۲۷۳]: علاقہ گنگوہ کے ایک قریہ بہادرنگر میں ایک مسجد تعمیر ہورہی ہے، اس کی تعمیر کے صرفہ کی صورت یہ ہے کہ اہل قریہ نے تعمیر مسجد کے لئے فی ہل کچھ غلہ معین کر کے بطور چندہ غلہ فراہم کیا تھا کہ اس کو بیچ کر مسجد کی تعمیر کریں گے۔ کچھ دنوں غلہ جمع رہا، جب قریہ کے بعض لوگوں کو خورد ونوش کی تنگی ہوگئی اور بھوکے مرنے لگے، ان کو وہ غلہ ادھار دیدیا وعدہ پر کہ موجودہ فصل میں ادا کردینا۔

چونکہ مسجد کے لئے اینٹیں خریدی ہوئیں موجود تھیں، گاؤں والوں نے تعمیر شروع کرادی، جب معمار اور مزدوروں نے مزدوری مانگی تو لوگوں نے کہا کہ مسجد کا پیسہ نہیں ہے، فصل کٹانے کے بعد لوگوں سے وصول

---

(۱) (راجع، ص: ۱۰۴، رقم الحاشية: ۴)

(۲) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

"ولما نقل النوويّ: قول الإحياء: لو سقف المسجد بحرام، حرم الجلوس تحته؛ لأنه انتفاع بالحرام .... والمختار أنه لا يحرم القعود". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۲/۳۴۹، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الثالث، رشيديه)

کر کے دیں گے۔ معمار اور مزدوروں نے نہ مانا۔ پس گاؤں والوں نے جہالت کے سبب سودی قرضہ لیکر معماروں کو بھی دیدیا اور چونہ لکڑی وغیرہ بھی خرید کر تعمیر مسجد میں لگا رہے ہیں۔

اب تحقیق طلب امر یہ ہے کہ سودی قرضہ سے مسجد میں صرف کرنا، یا مزدوری میں دینا کچھ نقصان شرعاً ہوتا ہے یا نہیں، اگر نقصان ہے تو اس مسجد میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سودی قرض تو شرعاً ناجائز ہے (۱)، لیکن اس طرح قرض لے کر جو معماروں اور مزدوروں کی اجرت ادا کی گئی ہے اور اس قرضہ سے مسجد کے لئے چونہ وغیرہ خریدا گیا، اس سے اس مسجد کی نماز ممنوع نہ ہوگی، بلکہ نماز اس میں درست ہے (۲)۔ سودی قرض لینے سے آئندہ اجتناب کریں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۵/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

سود کا پیسہ مسجد کی روشنی وغیرہ میں لگانا

سوال [۷۲۷۴]: ۱...... تقریباً پندرہ سال ہوئے ہیں ہماری مسجد میں سودخواروں کے پیسہ سے بجلی

---

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۲) اس لئے کہ مسجد کی تعمیر اور مزدور کی اجرت میں قرض کی رقم خرچ ہوئی ہے، نہ کہ حرام پیسہ، اس لئے درست ہے، البتہ قرض پر زائد رقم وصول کرنے کے لئے وہ زائد رقم حرام ہے:

"أخرج الحارث بن أسامة في مسنده عن علي رضي الله تعالىٰ عنه: "كل قرض جر منفعةً فهو ربا". ذكره السيوطي في الجامع الصغير". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الربا: ۱/۵٦۸، دار العلوم كراچي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضٰعفةً﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿أحل الله البيع و حرّم الربوا﴾. (سورة البقرة: ۲۷۵)

"عن عبد الله بن مسعود عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الرباء، وموكله، و شاهده، وكاتبه". (سنن أبي داؤد: ۲/۱۱۷، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، إمداديه ملتان)

کی فٹنگ وپنکھا لگا ہوا ہے۔شرعاً یہ حرام ہے یا نہیں،اس بجلی کی روشنی اور پنکھے کے نیچے نماز ہوگی یا نہیں؟

۲......آج تک جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائز آمدنی کا پیسہ مسجد میں لگانا درست نہیں (۱)،اگر بجلی کی فٹنگ اور پنکھے میں ناجائز پیسہ لگایا گیا ہے تو جس نے لگایا ہے وہ پنکھا یہاں سے لے جائے اور حلال کمائی سے لگایا جائے،بجلی کی فٹنگ میں میٹریل اور تار، بلب جو کچھ بھی وہاں موجود ہے اس کو نکال کر جائز آمدنی سے لگایا جائے۔اگر ایسا کرنے میں فتنہ ہو تو مجبوراً یہ صورت کرلی جائے کہ جتنا پیسہ اس میں خرچ ہوا ہے وہ پیسہ سود کا تھا تو اتنا پیسہ اصل مالک کو (جس سے سود لیا تھا) اسی کو واپس کردیا جائے،اگر اصل مالک معلوم نہ ہو تو اتنا پیسہ غریبوں کو صدقہ کردیا جائے (۲)،لیکن پہلے اس کی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب، فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربّيها لصاحبه كما يربي أحدكم فلوّه، حتى تكون مثل الجبل". (صحيح البخاري، باب الصدقة من كسب طيب: ۱/۱۸۹، قديمی)

قال الحافظ عماد الدين إسماعيل بن كثير القرشي: "قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: أمرهم بالإنفاق من أطيب المال و أجوده و أنفسه، و نهاهم عن التصدق برذالة المال أو دنيئه، وهو خبيثه، فإن الله لا يقبل إلاّ طيباً". (تفسير ابن كثير: ۱/۳۲۰، (سورة البقره: ۲۶۷)، سهيل اكيڈمی لاهور)

و قال العلامة ابن عابدين: "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

(۲) "ولو مات مسلم وترك ثمن خمر، لا يحل لورثته أن يأخذوا ذلك؛ لأنه كالمغصوب .... وعلى هذا لو مات رجل و كسبه من ثمن الباذق والظلم أو أخذ الرشوة، تعود الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً .... و يردّونه على أربابه إن عرفوهم، و إلا يتصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحرا لرائق: ۸/۳۶۹، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه) =

تحقیق بھی کرلی جائے کہ اس میں سودی رقم بھی صرف کی گئی ہے۔ جو نمازیں اس روشنی وہوا میں پڑھی گئی ہیں وہ درست ہوگئیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۹۰ھ۔

سودخور کو ترکہ میں ملی ہوئی رقم مسجد میں لگانا

سوال[۷۲۷۵]: ایک سودخور کو اپنے والدین سے جو ترکہ ملا ہے وہ اس سے خاص کرکے مسجد کے کاموں میں لگانا چاہتے ہیں، کیا اس کے روپے کو مسجد میں لگایا جاسکتا ہے؟ واضح رہے کہ اس سودخور کے روپے کا حساب نہیں ہے کہ اصل کتنا ہے اور سودی کتنا ہے، اور وہ اس روپے سے کھیتی باڑی کرتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

والدین کے ترکہ سے جو حلال روپیہ ملا ہے، اگر وہ روپیہ مسجد میں دے تو اس کا مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۶ھ۔

تعمیرِ مکان کے لئے مسجد کمیٹی کا سُود پر رقم لینا

سوال[۷۲۷۶]: سابقہ مسجد کمیٹی نے مکان تعمیر بابت بدرجۂ مجبوری کچھ رقم ریزویشن کرکے باقاعدہ

= (وكذا فى تبيين الحقائق: ۷/ ۶۰، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى رد المحتار: ۶/ ۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

(۱) "كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (مدارك التنزيل على هامش تفسير الخازن، (سورة التوبة: ۱۰۷) : ۲/ ۲۸۱، حافظ كتب خانه)

(۲) "غالب مال المهدى إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته و أكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام، وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها و لا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الفصل الرابع فى الهدية والميراث: ۶/ ۳۶۰، رشيديه)

(وكذا فى الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية: ۱/ ۳۴۳، إدارة القرآن كراچى)

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات: ۵/ ۳۴۳، رشيديه)

قانونی لکھا پڑھی کر کے ایک ساہوکار سے بیاج پر اٹھالی تھی (۱)۔ اور نہ وہ رقم اور نہ ہی وہ سود ادا کر پائی تھی کہ نیا الیکشن ہوا اور کمیٹی بدل گئی اور برسرِ اقتدار کمیٹی میں دوسرے لوگ آگئے تو ساہوکار اب اپنی رقم مع سود موجودہ کمیٹی سے طلب کررہا ہے۔ تو کیا مع سود وہ رقم موجودہ کمیٹی ادا کرے، جب کہ شرعی حکم ہے کہ سودی لین دین دونوں ناجائز ہے؟ تو اب اگر ہم ساہوکار کی رقم مع سود ادا کردیں تو خدا کی گرفت میں آئیں گے یا بچ سکیں گے، اس بارے میں ہمارے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی ذمہ داری سابقہ کمیٹی پر ہے جس نے سود پر مسجد کے لئے رقم لی ہے، اگر یہ صورت کسی طرح ممکن ہو کہ مسجد کی طرف سے اصل رقم موجودہ کمیٹی دے اور سود سابقہ کمیٹی اپنے پاس سے دے دے، یا معاف کرالے تو آپ لوگ بالکل بچ جائیں گے، یہ نہ ہوسکے تو موجودہ کمیٹی مجبور ہے۔ پھر اعلیٰ بات یہ ہے کہ سود مسجد کی طرف سے نہ دیا جائے، بلکہ کمیٹی آپس میں چندہ کر کے اس مصیبت کو برداشت کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۱۵ھ۔

بلیک مارکیٹنگ کرنے والے کا روپیہ مسجد میں

سوال [۷۲۷۷]: جو تاجر بلیک مارکیٹنگ کا کام کرتے ہیں وہ اگر مسجد کے لئے چندہ دیں تو ان کے روپے کو مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ملکیت تو اس صورت میں بھی حاصل ہوجاتی ہے اور اس کو مسجد میں صَرف کرنا بھی درست ہے (۲)،

---

(۱) ''ساہوکار: سود پر پیسے چلانے والا، صراف''۔ (فيروز اللغات، ص: ۷۷۰، فيروز سنز، لاهور)

''بیاج: سود، ربا، نفع، بڑھوتری، زیادتی''۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۵۰، فيروز سنز، لاهور)

(۲) ''غالب مال المهدى إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته و أكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها و لا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه''. (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الفصل الرابع فى الهدية والميراث: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(وكذا فى الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية: ۳۴۳/۱، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات: ۳۴۳/۵، رشيديه)

مگر خود یہ طریقہ ایسا ہے جس میں عزت کا بھی خطرہ ہے، مال کا بھی خطرہ ہے، جان کا بھی خطرہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۶ھ۔

مسجد کی رقم خرچ کر کے سودی قرض لے کر مسجد میں دینا

سوال [۷۲۷۸]: ایک آدمی کے پاس مسجد کی امانت کا روپیہ جمع تھا انہوں نے اس کو خرچ کر ڈالا، اس امین صاحب نے ایک دوسرے آدمی سے سودی قرض لے کر مسجد کی امانت کے روپے کو واپس کر دیا۔ کیا اس روپے کو مسجد میں خرچ کرنا جائز ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود پر جو قرض لیا گیا ہے وہ قرض کا روپیہ حرام نہیں، اس کو مسجد کے روپے کے ضمان میں دینا درست ہے (۱)، البتہ قرض کے ساتھ جو روپیہ سود کا دیا جائے اس کا دینا ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۶ھ۔

قیمتِ شراب سے بنی ہوئی مسجد میں نماز

الاستفتاء [۷۲۷۹]: زید مسلمان شراب کی بیع کرتا ہے اور بہت دولتمند ہو گیا ہے، پنجگانہ نماز پڑھتا

---

(۱) "وأما القرض المشروط بالفضل والمنفعة، فلم يقل أحد: إنه من باب الإرفاق، بل اتفقوا على كونه مثل البيع. ثم اختلفوا .... وقال الحنفية: يبطل الشرط لكونه منافياً للعقد، ويبقى القرض صحيحاً، .... ومرادهم بكون القرض صحيحاً والشرط باطلاً: أن المستقرض إذا قبض الدراهم التي استقرضها بالشرط، يصير ديناً عليه، ولاتكون أمانة غير مضمونة". (إعلاء السنن، رسالة كشف الدجىٰ عن وجه الربا: ۱۴/۵۳۳، ۵۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضٰعفةً﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿أحل الله البيع و حرّم الربوا﴾. (سورة البقرة: ۲۷۵)

"عن عبد الله ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اٰكل الرباء و موكله و شاهده و كاتبه". (سنن أبي داؤد: ۲/۱۱۷، كتاب البيوع، باب في آكل الربا و مؤكله، سعيد)

ہے، مگر فی الحال زید خود نہیں کرتا، نوکر واقرباء کرتے ہیں، مگر زید ہی کے حکم سے کرتے ہیں۔ کیا اس کی مسجد میں ہم مسلمانوں کی نماز ہوگی؟ اور مسجد میں جو روپیہ صرف ہوا ہے وہ شراب کا روپیہ ہے، ہمارے یہاں کے علماء فرماتے ہیں کہ اس کی عبادت قبول بھی نہیں ہوگی، اس کی مسجد میں نماز پڑھنے سے نماز بھی نہیں ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ مسجد شراب کی آمدنی سے بنائی گئی ہے تو اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے(۱)، جو نمازیں وہاں پڑھی گئیں وہ بکراہت ادا ہو گئیں، آئندہ احتیاط کی جائے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

شراب کی آمدنی سے مسجد میں چندہ

سوال[۷۲۸۰]: ہمیں برطانیہ کے ایک شہر ریڈ ممبرا میں ایک عمارت خریدنا ہے تاکہ ہماری مذہبی

---

(۱) "كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (مدارك التنزيل على هامش تفسير الخازن: ۲/۲۸۱، (رقم الآية: ۱۰۷)، حافظ كتب خانه)

"قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: (إمداد الفتاویٰ، کتاب الوقف، احکام المسجد، حکم مسجد بنا کردہ بمال حرام: ۲/۶۷۲)

(وأحسن الفتاویٰ، کتاب الوقف، باب المساجد، حرام مال سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم: ۶/۴۳۱)

(وإمداد الأحكام، كتاب الصلوة، فصل في احكام المسجد وآدابه: ۱/۴۴۰)

(وإمداد المفتيين، كتاب الوقف، أحكام المساجد، رسالة نيل المرام في حكم المسجد المبني بالمال الحرام، ص: ۶۶۶)

ضروریات (مسجد، بچوں کی تعلیم کے لئے کمرے، مسجد کمیٹی کا دفتر اور چند کمرے جو مسجد کا خرچہ پورا کرنے کے لئے کرایہ پر دیئے جائیں گے) اس بلڈنگ سے پوری کی جائیں، اس کے حصول کے لئے چند مسائل درپیش ہیں، جواب سے نوازیں:

(الف) زید شراب کا کاروبار کرتا ہے اور اس عمارت کے لئے چندہ بھی دیتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

شراب کے کاروبار والے کی جائز آمدنی سے چندہ

سوال[۷۲۸۱]: (ب) زید شراب کا کاروبار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کاروبار سے پہلے کے میرے دو تین مکانات ہیں، ان کا حساب الگ رکھا ہوا ہے۔ ان مکانوں کی آمدنی کرایہ سے رقم مسجد میں دینا چاہتا ہے۔

مخلوط آمدنی سے مسجد میں چندہ

سوال[۷۲۸۲]: (ج) زید کی ایک دوکان ہے جس میں کچھ حلال اشیاء ہیں، اور کچھ ٹین کے ڈبوں میں بند عیسائیوں اور یہودیوں کا ذبح شدہ (بغیر تکبیر کے) گوشت ہے۔ کیا ایسی آمدنی لے سکتے ہیں؟

ایضاً

سوال[۷۲۸۳]: (د) زید کی دوکان میں چند حلال چیزیں ہیں، اور کھلا ہوا سور کا گوشت بھی ہے اور بند ڈبوں میں بھی۔

چوری کے مال سے چندہ

سوال[۷۲۸۴]: (ہ) زید کی سبزی کی دوکان ہے اور دوسری کپڑے کی، مگر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ چوری شدہ مال سستا خرید کر فروخت کرتا ہے۔ کیا اس سے چندہ لینا جائز ہے؟

شراب کی آمدنی سے مسجد میں چندہ

سوال[۷۲۸۵]: (و) زید کی اشیائے خوردنی کی ایک دوکان ہے، مگر ایک طرف اس میں شراب بھی فروخت کرتا ہے۔

غیر مسلم سے مسجد کے لئے چندہ لینا

سوال[۷۲۸۶]: (ز) ایک غیر مسلم ایسی عمارت کے لئے چندہ دے تو کیا قبول کیا جاوے؟

براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جلد جواب عنایت فرمائیں۔

حافظ عبدالکریم، روکس برک اسٹریٹ، اے ڈن برگ، اسکاٹ لینڈ (یوکے)

الجواب حامداًومصلیاً:

(الف) شراب کی آمدنی سے مسجد کے لئے چندہ قبول نہ کیا جائے (۱)، اگر جائز آمدنی سے مثلاً قرض لے کر دے تو درست ہے (۲)۔

(ب) یہ درست ہے (۳)۔

---

(۱) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلک مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۲۷۸، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة الحلواني: أن الشيخ الإمام أبا القاسم الحكيم كان ممن يأخذ جائزة السلطان، وكان يستقرض بجميع حوائجه، وما يأخذ من الجائزة كان يقضي به دينه. والحيلة في مثل هذه المسائل أن يشتري شيئاً، ثم ينقد ثمنه من أيّ مال أحب". (خلاصة الفتاویٰ، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في المال من الإهداء والميراث: ۴/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

"إذا أراد أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج، ويقضي دينه من ماله". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحج، فصل في المقطعات: ۱/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسک، باب المتفرقات: ۲/۵۷۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب المناسک، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "من تصدق =

(ج) حلال چیزوں کی آمدنی سے دیدے تو درست ہے، اگر مخلوط آمدنی سے دے اور حلال غالب ہو تب بھی درست ہے(۱)۔

(د) جواب ''ج'' سے اس کا جواب بھی ظاہر ہے۔

(ھ) اگر زید کو اس کا اقرار ہے، یا اس پر شرعی شہادت موجود ہے تو چوری سے خریدے ہوئے مال کی آمدنی سے چندہ نہ لیا جائے (۲) اور بغیر ثبوت کے شبہ نہ کیا جائے۔

(و) جواب ''الف، ج'' سے اس کا جواب معلوم ہوسکتا ہے۔

(ز) اگر وہ ثواب سمجھ کر دے اور یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ اس کے نتیجہ میں کوئی غلط مقصد حاصل کرے گا، تو لینا درست ہے (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۲۴ھ۔

= بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب". الحديث (صحيح البخاري، باب الصدقة من كسب طيبه: ۱/۱۸۹، قديمي)

"قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: أمرهم بالإنفاق من أطيب المال وأجوده وأنفسه، ونهاهم عن التصدق برذالة المال ودنيئته، وهو خبيثة، فإن الله لا يقبل إلا طيباً". (تفسير ابن كثير، (سورة البقرة: ۲۶۷): ۱/۳۲۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "غالب مال المهدى إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۳۴۳، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۲) (راجع حاشية رقم: ۱)

(۳) "و أما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا، وعندهم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۸، غفاريه كوئٹه)

چوری کا سیمنٹ مسجد میں لگانا

سوال[۷۲۸۷]: سرکاری کام کرنے والے ٹھیکدار جو سرکاری چوری سے سیمنٹ فروخت کرتے ہیں، اس کو مسجد کے غسل خانوں، یا نالی وغیرہ، یا مسجد کی ذاتی عمارت میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ شکل اس کی یہ ہوتی ہے کہ سرکاری انجینئر بل منظور کرتے ہیں کہ اس عمارت میں مثلاً دوسو کٹہ سیمنٹ کے لگ جائیں گے، اسی حساب سے ٹھیکدار کا لائسنس منظور کرتے ہیں، مگر اس کام کو ٹھیکدار پورا کر کے سیمنٹ بچالیتے ہیں اور اس سیمنٹ کو ٹھیکدار سرکاری چوری سے فروخت کرتے ہیں۔ اس شکل میں یہ سیمنٹ کیا ہم خرید کر مسجد کے غسلخانوں یا مدرسہ کی عمارت میں لگوا سکتے ہیں، یا نہیں؟ مع حوالہ کتب احادیث تحریر فرما کر خادم کو ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر تحقیق سے ثابت ہو جائے کہ یہ سیمنٹ چوری کا ہے تو اس کا خریدنا اور مسجد کی عمارت یا اس کے غسل خانہ وغیرہ میں لگانا جائز نہیں، چور کی اس پر ملکیت بھی حاصل نہیں، پھر اس سے خریدنا ہی بے محل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے گھر میں پاک مال لگایا جائے، وہ پاک ہی کو قبول کرتا ہے، ناپاک (حرام) مال نہ لگایا جائے، کما فی ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۲ھ۔

---

(۱) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ. ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد و مواضع الصلوة، الفصل الثالث ۲/۴۴۹، رشيديه)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: (إمداد الفتاویٰ، کتاب الوقف، احکام المسجد، حکم مسجد بنا کردہ بمال حرام: ۲/۶۷۲)

(وأحسن الفتاویٰ، کتاب الوقف، باب المساجد، حرام مال سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم: ۶/۴۳۱) =

مخلوط آمدنی والے کا چندہ مسجد و مدرسہ میں

سوال[۷۲۸۸]: ایک صاحب ہیں جن کی آمدنی جائز نہیں، مگر آمدنی کے ذرائع ان کے پاس ایسے بھی ہیں جو بالکل حلال ہیں۔ کیا ان سے چندہ کا روپیہ مسجد و مدرسہ میں لیا جاسکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں اپنی پاک کمائی سے یہ چندہ دے رہا ہوں، میں یہ پوری ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ حرام آمدنی کو کارِ خیر میں لگانا بہت بڑا گناہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں اس کا چندہ لیا جاسکتا ہے۔

مصطفیٰ علی لاری، نیپال۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسے شخص کا چندہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ناجائز آمدنی کا پیسہ مسجد میں

سوال[۷۲۸۹]: شرابی اور تاش والے کا پیسہ مسجد میں لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائز آمدنی کا پیسہ مسجد میں لگانا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۸۹ھ۔

= (وإمداد الأحکام، کتاب الصلوة، فصل فی احکام المسجد وآدابه: ۱/۴۴۰)

وإمداد المفتيين، کتاب الوقف، أحکام المساجد، رسالة نيل المرام فی حکم المسجد المبنی بالمال الحرام، ص: ۲۶۶)

(۱) "فی البزازية: غالب مال المهدی إن حلالاً، لابأس بقبول هديته وأکل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأکل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ ورثه أواستقرضه". (البزازية علی هامش الفتاویٰ العالمکيرية، کتاب الکراهية، الفصل الرابع فی الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وکذا فی الأشباه والنظائر: ۱/۳۴۳، القاعدة الثانية، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکيرية، کتاب الکراهية، الباب الثانی عشر فی الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۲) قال ابن عابدين: قال تاج الشريعة: أما لو أنفق فی ذلک مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، =

مالِ غیر طیب سے تعمیر شدہ مسجد کا حکم

سوال[۷۲۹۰]: ایک شخص زمیندار جس کی آمدنی کی چار صورتیں ہیں: کاشت زمین، سوداگری، رشوت، سود۔ آمدنی زیادہ سود کی ہے، اس منجملہ آمدنی سے اس نے ایک مسجد بنوائی جس کی تعمیر کو آج چالیس سال ہو چکے ہیں، بعض اشخاص اس میں نماز پڑھتے ہیں، بعض نہیں پڑھتے۔ آیا اس میں نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

خادم: خدا بخش خان، از تنگھتھلہ، ضلع حصار، ۱۴/فروری/۳۶ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن حضرات کے نزدیک ہندوستان دار الحرب ہے وہ کفار سے سود لینے کو جائز فرماتے ہیں، پس اگر سود کفار سے حاصل کیا ہوا ہے تو وہ ان علماء کے نزدیک درست ہے اور اس سے بنائی ہوئی مسجد میں نماز شرعاً جائز اور صحیح ہے(۱)۔ اگر وہ سود مسلمان سے حاصل کیا ہے اور دوسری تمام آمدنی سے غالب ہے، یا کفار و مسلمین ہر دو سے حاصل کیا ہے اور مسلمانوں سے حاصل کیا ہوا زیادہ ہے، غرض غلبہ ناجائز آمدنی کو ہے اور جائز آمدنی بھی اس میں شامل ہے تب بھی سب کو مخلوط کرنے سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملکیت متحقق ہوگئی (اگرچہ جن لوگوں سے ناجائز طریقہ سے مال لیا، اس کا اصل مالک کو واپس کرنا، یا گلوخلاصی کے لئے صدقہ کرنا واجب ہے)، لہذا اس مسجد میں نماز ادا کرنا درست ہے:

= فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "و لا ربا بين حربي و مسلم مستأمن و لو بعقد فاسد، أو قمار ثمه؛ لأن ماله ثمة مباح، فيحل برضاه". (الدر المختار: ۵/۱۸۶، كتاب البيوع، باب الربوا، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳/۸۷، كتاب البيوع، باب الربوا، مكتبه امداديه ملتان)

"من ملك أموالاً غیر طیبة، أو غصب أموالاً وخلطها، ملکها بالخلط، ویصیر ضامناً".

شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۱۴۰۵ھ۔

خنزیر کے بالوں سے برش بنانے کی اجرت کا پیسہ مسجد میں لگانا

سوال[۷۲۹۱]: ۱...... سور کے بالوں کے برش بنانے والوں کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اوران کے یہاں کھانا کیسا ہے؟

ایضاً

سوال[۷۲۹۲]: ۲...... جولوگ برشوں کے کارخانے میں ملازم ہیں اور برش بناتے ہیں ان کا پیسہ مسجد میں لگانا اوران کا کھانا بھی جائز ہے یا نہیں؟

خنزیر کے بالوں کے برش کی اجرت کا پیسہ مسجد میں دیا ہو تو کیا واپس کیا جائے گا؟

سوال[۷۲۹۳]: ۳...... جو روپیہ ہم نے سور کے بالوں کے برش والا مسجد میں لگایا ہے وہ واپس کرنا چاہئے یا نہیں؟

جس مسجد میں خنزیر کے بالوں کی اجرت کا روپیہ لگا ہو اس میں نماز

سوال[۷۲۹۴]: ۴...... کیا اس مسجد میں نماز پڑھنا اللہ کے نزدیک مقبول ہے یا نہیں؟ دو عالم یہ

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۹۱، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۴۰۴، ۴۰۵، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، دار المعرفة بیروت)

"آکل الربا وکاسب الحرام أهدی إلیه أو أضافه، وغالب ماله حرام، لا یقبل ولا یأکل مالم یخبره أن ذلک المال أصله حلالٌ ورثه أو استقرضه. وإن کان غالب ماله حلالاً، لا بأس به". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۳۴۳، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات، رشیدیه)

"لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق، إذا تعذر الرد". (البحرالرائق: ۸/۳۶۹، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، رشیدیه)

کہتے ہیں کہ اس مسجد میں عبادت قابلِ قبول نہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱،۲...... محض برش بنانے کی اجرت اس طرح کہ اتنی دیر کام کرو، اس کا معاوضہ یہ ہوگا، درست ہے حرام نہیں (۱)، اس کا پیسہ مسجد میں بھی لگایا جا سکتا ہے، مگر فی نفسہ یہ معاملہ نہیں چاہیئے کہ سور کے بال سے انتفاع امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز نہیں (۲)۔

۳...... اس کا جواب نمبر ۱،۲ سے ظاہر ہے۔

۴...... جب وہ نماز حسبِ قواعدِ شرعیہ ادا کی جائے گی تو فریضہ بھی ادا ہو جائے گا اور اخلاص ہوگا تو قبول بھی ہوگی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۱ھ۔

ساہوکار کا روپیہ مسجد میں

سوال[۷۲۹۵]: ایک مسجد بہت شکستہ ہے اس کو نئے سرے سے بنوانے کے لئے ایک صاحب جن

---

(۱) "وإن استأجره لينحت له طنبوراً أو بربطاً، ففعل، طاب له الأجر إلا أنه يأثم به". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۰، كتاب الإجارة ، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة و ما لا يجوز، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۲۴، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۲) "وشعر الخنزير بنجاسة عينه، فيبطل بيعه، وإن جاز الانتفاع به لضرورة .... و كره البيع، فلا يطيب ثمنه، ويفسد الماء على الصحيح، خلافاً لمحمد رحمه الله تعالىٰ .... وعند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ : يكره الخرز به؛ لأنه نجس". (الدرالمختار: ۵/۷۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳/۵۸، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، شركت علميه ملتان)

(۳) "عن عبد الله الصنابحي قال: زعم أبو محمد أن الوتر واجب، فقال عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه: كذب أبو محمد، أشهد أني سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "خمس صلوات افترضهن الله عزوجل، مَن أحسن و ضوء هن، وصلاهن لوقتهن، وأتم ركوعهن، وخشوعهن، كان له على الله عهداً أن يغفرله، و من لم يفعل، فليس له على الله عهد، إن شاء غفرله، و إن شاء عذبه".

(سنن أبي داؤد: ۱/۶۱ ، كتاب الصلوة، باب المحافظة على الصلوات، سعيد)

کا پیشہ ساہوکاری کا ہے(۱)، وہ پانچ ہزار روپے مسجد کو دینا چاہتے ہیں، بلکہ انہوں نے ایک صاحب کو اس کا مالک بنادیا ہے کہ وہ اس کو مسجد میں خرچ کردیں۔ تو اس کو خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ رقم سود کی نہیں ہے تو مسجد کی تعمیر میں اس کا صرف کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۸ھ۔

طوائف کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز

سوال[۷۲۹۲]: اگر کوئی طوائف، یا زنخہ(۳) وغیرہ کوئی مسجد تعمیر کرائے تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں مسافر کو؟ نیز اگر اس محلّہ میں کوئی دوسری مسجد نہ ہو تو اہلِ محلّہ بھی اس مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مکروہ ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) ”ساہوکار: سود پر پیسے چلانے والا، صراف“۔(فیروز اللغات، ص: ۷۷۰، فیروز سنز لاهور)

(۲) ”غالب مال المهدى إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها، ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ، ورثه أو استقرضه“. (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۶۰/۶، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۳۴۳/۱، الفن الأول، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۳/۵، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

(۳) ”زنخہ: وہ مرد جو عورتوں کی طرح بات چیت یا حرکات کرے“۔(فیروز اللغات، ص: ۷۵۲، فیروز سنز، لاهور)

(۴) ”عن رافع بن خديج رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”ثمن الكلب خبيث، و مهر البغي خبيث، و كسب الحجام خبيث“. رواه مسلم“. (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب و طلب الحلال، ص: ۲۴۱، قديمي)

”والمعنى مهر الزانية خبيث: أي حرام إجماعاً؛ لأنها تأخذ عوضاً عن الزنا المحرم، و وسيلة=

رنڈی کا زمین کو مسجد کے لئے وقف کرنا

سوال[۷۲۹۷]: نجمہ رنڈی کی زمین جو تقریباً سات سال سے ہے منتقل ہو کر اس کے پاس پہونچی، نجمہ کا ارادہ اس زمین کو مسجد میں وقف کرنے کا ہے تو کیا اس زمین کا پیسہ مسجد کے اخراجات میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ حرام آمدنی کی اور فعل حرام کے عوض کی نہیں ہے تو اس کا وقف کرنا اور اس کی آمدنی کو مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۲/۸۹ھ۔

رنڈی کا مسجد میں ٹین ڈلوانا

سوال[۷۲۹۸]: ایک زمین ایک بزرگ کے مزار کے نام وقف تھی، چونکہ وہ زمین لبِ سڑک ہے

= الحرام حرام. وسماه مهراً؛ لأنه في مقابلة البضع". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب و طلب الحلال، (رقم الحديث: ۲۷۶۳): ۱۶/٦، رشيديه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنّ الله طيّبٌ لا يقبل إلا الطيب". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

"كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (مدارک التنزيل على هامش تفسير الخازن: ۲۸۱/۲، حافظ كتب خانه)

(وكذا في مجموعة الفتاوىٰ لعبد الحيّ اللكنويّ: ۱۸۵/۱، كتاب المساجد، زانیہ یا گانے والی نے اپنی ناجائز آمدنی سے جو مسجد بنائی، اس پر مسجد کا حکم نہیں، سعید)

(۱) "غالب مال المهدى إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته و أكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث: ۳٦۰/٦، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۳۴۳/۱، الفن الأول، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

اور کنواں بھی اس کے اندر موجود ہے، ایک شخص نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے نمازیوں کے لئے اس زمین میں ایک چبوترہ اور ایک دیوار برابر قد آدم اور اس میں محراب بنوادیا ہے، اس شخص کے اندر زیادہ گنجائش نہیں تھی کہ اس کے سایہ کا بھی انتظام کرتا، دھوپ اور بارش کے موقع پر نماز پڑھنے میں دقت ہوتی تھی، اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایک رنڈی پیشہ گر عورت نے ایک شخص کو کہا کہ تمہیں میں روپیہ دیتی ہوں، چونکہ میرا روپیہ تو خراب ہے، لہذا تم اپنا روپیہ سے مسجد میں ٹین ڈلوادو(۱)، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس شخص نے ٹین ڈلوادیا تو اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نماز ممنوع نہ ہوئی، خصوصاً جب کہ ٹین دوسرے شخص نے جائز روپیہ سے ڈلوادیا ہے اور پھر روپیہ رنڈی سے لے لیا ہے(۲) اگر چہ اس شخص کو رنڈی سے روپیہ لینا جب کہ قطعی طور پر اس روپیہ کا حرام ہونا اس کو معلوم ہے ناجائز ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) ''ٹین: خیمہ، شامیانہ''۔(فیروز اللغات، ص: ۴۳۵، فیروز سنز، لاهور)

(۲) ''و فی شرح حیل الخصاف لشمس الأئمة الحلوانی رحمه الله تعالیٰ: أن الشيخ الإمام أبا القاسم الحكيم كان يأخذ جائزة السلطان يقضي به ديونه. والحيلة في هذه المسائل أن يشترى نسيئة، ثم ينقد ثمنه من أيّ مال شاء''.(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثانی عشر فی الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۴/۳۴۹، كتاب الكراهية، الفصل الرابع فی المال من الإهداء والميراث، رشيديه)

''إذا أراد أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج، ويقضي دينه من ماله''.

(التاتارخانية، كتاب المناسك، باب المتفرقات: ۲/۵۷۶، إدارة القرآن كراچی)

(۳) ''عن رافع بن خديج رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''ثمن الكلب خبيث، و مهر البغي خبيث، وكسب الحجام خبيث''. رواه مسلم''. (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب و طلب الحلال، ص: ۲۴۱، قديمی)

فاحشہ کی دی ہوئی چیز کا مسجد میں استعمال

سوال[۷۲۹۹]: ۱......ایک بازاری طوائف عورت کا گزراوقات وخورد ونوش حرام کی کمائی پر ہے اور وہ عورت سوت کات کر(۱)، یا چھالیا کتر کر اس پیسہ سے مسجد میں صفیں یا لوٹے دیتی ہے اور کمائی کھاتی ہے۔ حرام کی اس کے صفیں لوٹے مسجد میں لینا جائز ہے یا نہیں؟

۲......ایک بازاری طوائف اپنی حرام کی کمائی سے مکان بنواتی ہے، اس کے مرنے پر اس کے بھائی اس مکان کو فروخت کرتا ہے اور کچھ روپیہ ایک ہندو سے قرض حسنہ لے کر صحنِ مسجد پر سائبان ڈالتا ہے اور ہندو کو روپیہ ادا کرتا ہے۔ اس حرام کمائی کے مکان کو فروخت کر کے تو اس کا یہ سائبان مسجد میں ڈالنا جائز ہے یا ناجائز؟

۳......اسی طرح سے اگر بازاری عورت مسجد میں بجلی لگوادے اور اس کا کرایہ ہندو سے لیکر ادا کیا کرے اور اس ہندو کو اپنی ناجائز کمائی سے ادا کرے تو کیسا ہے؟

نوٹ: لوٹے اور صفیں مسجد میں علیحدہ رکھی ہوئی ہیں، جواب جلد عنایت ہو، تاکہ اس پر عمل ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ایسے لوٹوں اور صفوں کا استعمال مسجد میں درست ہے، کیونکہ یہ عینِ حرام کی کمائی سے خرید کر نہیں دیئے(۲)۔

۲......اس سائبان میں بھی کوئی حرج نہیں (۳)۔

---

(۱)''سوت کاتنا: چرخے پر رُوئی سے سوت بنانا، چرخے کے ذریعے روئی کے تار نکالنا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۶۹، فیروز سنز لاهور)

(۲) "غالب مال المهدی إن حلالاً، لا بأس بقبول هدیته و أکل ماله، مالم یتعین أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا یقبلها ولا یأکل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الفصل الرابع فی الهدیة والمیراث: ۳۶۰/۶، رشیدیه)

(وکذا فی الأشباه والنظائر: ۳۴۳/۱، القاعدة الثانیة، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

(۳) قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری: "وفی شرح حیل الخصاف لشمس الأئمة الحلوانی: أن=

۳...... یہ بھی نمبر ۱، ۲ کی طرح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۴/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۶/ ربیع الاخر/ ۵۸ھ۔

مالی جرمانہ اور اس کو مسجد میں صرف کرنا

سوال[۷۳۰۰]: ایک برادری میں چند قوانین مقرر ہیں اور وہ ان کی خلاف ورزی سے سیاسۃً بطورِ جرمانہ کچھ رقم وصول کرتے ہیں۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ رقم مذکور کو مصارفِ مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سوال تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذہبِ معتمد علیہ یہ ہے کہ ایسا جرمانہ ناجائز ہے، اگر کچھ رقم بطور جرمانہ وصول کر لی ہے تو اس کی واپسی ضروری ہے، مسجد وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں (۱)۔

= الشیخ الإمام أبا القاسم الحکیم کان ممن یأخذ جائزۃ السلطان، وکان یستقرض بجمیع حوائجه، وما یأخذ من الجائزۃ کان یقضی به دیونه. فالحیلة فی مثل هذه المسائل أن یشتری شیئاً، ثم ینقد ثمنه من أیّ مال أحبّ". (خلاصة الفتاویٰ: ۴/ ۳۴۹، کتاب الکراهیة، الفصل الرابع فی المال من الإهداء والمیراث، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات: ۵/ ۳۴۲، رشیدیه)

"إذا أراد أن یحج بمال حلال فیه شبهة، فإنه یستدین للحج، ویقضی دینه من ماله".

(التاتارخانیة، کتاب المناسک، باب المتفرقات: ۲/ ۵۷۶، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشریعة: أما لو أنفق فی ذلک مالاً خبیثاً ومالاً سببه الخبیث والطیب، فیکره؛ لأن الله تعالیٰ لا یقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب: کلمة "لابأس" دلیل علی أن المستحب غیره، الخ: ۱/ ۶۵۸، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/ ۲۷۸، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلوة، دار المعرفة بیروت) .... =

"قال فی الفتح: وعن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ: یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال، وعندهما و باقی الأئمة لا یجوز، ومثله فی المعراج، وظاهره أن ذلك روایة ضعیفة عن أبی یوسف. قال فی الشرنبلالیة: و لا یفتی بهذا لما فیه من تسلیط الظَّلَمة علی أخذ المال للناس فیما یأکلونه، اهـ. و مثله فی شرح الوهبانیة عن ابن وهبان. وأفاد فی البزازیة أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به: إمساك شیئٍ من ماله عنده مدةً لینزجر، ثم یعیده الحاکم إلیه، لا أن یأخذه الحاکم لنفسه، أو لبیت المال کما یتوهمه الظلَمَة. ولا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی.

وفی المجتبی: لم یذکر کیفیة الأخذ، وأری أن یأخذها فیمسکها، فإن أیس من توبته یصرفها إلی ما یری. و فی شرح الآثار: التعزیر بالمال کان فی ابتداء الإسلام، ثم نسخ، اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال، اهـ". ردالمحتار: ۳۷۵/۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۴/ جمادی الثانیہ/ ۶۰ھ۔

قرض لے کر تعمیر مسجد میں رقم دی وہ حلال ہے

سوال[۷۳۰۱]: زید نے ایک مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں بکر سے سو روپے قرض لے کر دیئے، بعد میں جوئے یا سٹے غرض حرام کی کمائی سے اپنا قرض ادا کیا۔ تو موجودہ صورت میں وہ رقم مسجد کے لئے حلال ہے یا حرام؟

= "لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعیّ، وإن أخذه وجب علیه رده". (شرح المجلة: لسلیم رستم: ۶۲/۱، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانیة فی القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۱) (رد المحتار: ۶۱/۴، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فی التعزیر بأخذ المال، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۶۸/۵، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر، رشیدیه)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۶۷/۲، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلياً:

روپیہ قرض لے کر دیا ہے، وہ روپیہ تو سٹے یا جوئے کا نہیں تھا، اس میں یہ حرام مؤثر نہیں ہوگا(۱) اس کی حرمت مستقل علیحدہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۹۶ھ۔

قوالی اور اس کی آمدنی مسجد میں دینا

سوال[۷۳۰۲]: میرا ذریعۂ معاش فنِ قوالی ہے اور خدا کے فضل وکرم سے آمدنی بہت اچھی ہے۔ اس آمدنی سے مساجد وغیرہ اور قرآن خوانی کرا کے قرآن کریم پڑھنے والوں کے ساتھ مالی تعاون کروں تو جائز ہے یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ پیسہ مسجد کے لئے ناجائز ہے اور نہ ہی اس سے کوئی ثواب حاصل ہو سکے گا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ پیشہ شرعاً ممنوع ہے، اس کی آمدنی بھی ممنوع ہے(۳)، اللہ کے گھر میں ایسی آمدنی نہ لگائی

---

(۱) "و في شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة الحلوانيؒ: أن الشيخ الإمام أبا القاسم الحكيم كان ممن يأخذ جائزة السلطان يقضي بها ديونه، فالحيلة في هذه المسائل أن يشتري نسيئةً، ثم ينقد ثمنه من أيّ مال شاء".

(الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۳۴۹/۴، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في المال من الإهداء والميراث، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الحج، باب المتفرقات: ۵۷۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله حرم على أمتي الخمر والميسر والمزر والكوبة والقنين، وزادني صلوة الوتر". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۵۱/۲، (رقم الحديث: ۶۵۱۱)، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"وأن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوج، وقد كان ذلك مباحاً إلى أن ورد تحريمه". (أحكام القرآن للجصاص: ۳۲۹/۱، باب تحريم الميسر، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار". (أحكام القرآن، المصدر السابق)

(۳) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وفي المنتقى: امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمر اكتسبت =

جائے (۱)، اس لئے اگر آپ مسجد کی اعانت کرنا چاہتے ہیں تو کسی سے جائز آمدنی کا روپیہ قرض لے کر مسجد میں دیدیں (۲) اور کہہ دیں کہ یہ میں قرض لے کر دے رہا ہوں، تا کہ کسی کو اشتباہ نہ رہے۔ اور کوئی دوسرا جائز آمدنی کا ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کریں، حق تعالیٰ سے دعاء بھی کریں، اللہ پاک جائز اور پاک آمدنی عطا فرمائے۔

قرآن خوانی کے صلہ میں تو کسی آمدنی سے بھی تعاون درست نہیں کہ یہ اجرت کے مشابہ ہے اور اجرت پر جو قرآن پڑھا جائے اس کا ثواب نہیں ہوتا، ایسی اجرت لینے والا بھی گنہگار ہوتا ہے اور دینے والا بھی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۹ھ۔

= مالاً، ردته على أربابه إن علموا، وإلا تصدق به". (ردالمحتار: ۵۵/۶، كتاب الإجارة، مطلب الاستيجار على المعاصي، سعيد)

"كسب المغنية كالمغصوب لم يحل لأحد أخذه". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۶۹/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

(۱) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذالك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة: ۲۷۸/۱، دارالمعرفة، بيروت)

(۲) "وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة رحمه الله تعالىٰ: أن الشيخ أبا القاسم الحكيم كان ممن يأخذ جائزة السلطان يقضي بها ديونه. والحيلة في هذه المسائل أن يشتري نسيئةً، ثم ينقد ثمنه من أيّ مال شاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في المال من الإهداء والميراث: ۳۴۹/۴، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الحج، الفصل العشرون في المتفرقات، ۵۷۶/۲، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه السلام: "اقرء وا =

بیعانہ مسجد میں لگانا

سوال[۷۳۰۳]: ایک شخص نے ایک مسجد کے متولی سے ایک مکان کا سودا کیا جو کہ مسجد کی ملکیت ہے اور کچھ روپیہ پیشگی بطور بیعانہ متولی کو دیا، ازاں بعد اس شخص کے پاس روپیہ کا انتظام نہ ہوسکا اور متولی مسجد نے وہ مکان دوسرے کو فروخت کردیا۔ اب متولی مسجد اس شخص کی وعدہ خلافی کے باعث وہ روپیہ اس کو نہیں دیتا۔ تو کیا وہ روپیہ مسجد کے مصرف میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وعدہ خلافی خریدار کے باعث مشترین بیعانہ واپس نہیں دیتے تو کیا ان کو رکھنا جائز ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ روپیہ مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں تو اس روپیہ کو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

حافظ عبدالرحیم سہارنپور۔

الجواب حامداً مصلیاً:

اگر کسی وجہ سے بیع کا معاملہ بائع اور مشتری پورا نہ کرسکیں تو بیعانہ کا واپس کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس کا رکھ لینا ہرگز جائز نہیں ہے، لہٰذا متولی کے ذمہ لازم ہے کہ وہ روپیہ اس شخص کو واپس کردے(۱)، ایسے روپیہ کو مسجد

= القرآن و لا تأكلوا به". وفی آخر ما عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إلی عمرو بن العاص: "وإن اتُّخِذتَ مؤذناً، فلا تأخذ علی الأذان أجراً". ولأن القربة متی حصلت وقعت علی العامل، ولهذا تتعین أهلیته، فلا یجوز له أخذ الأجرة من غیره کما فی الصوم والصلوة.......... وقال العینی: ویمنع القاری للدنیا، والآخذ والمعطی آثمان" (ردالمحتار: ۵۵/۲، ۵۶، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

"لأن المعروف کالمشروط، والقرآن بالأجرة لا یستحق الثواب، والآخذ والمعطی آثمان".
(ردالمحتار، المصدر السابق)

(وکذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۱۳۸/۲، مطلب فی حکم الاستیجار علی التلاوة، مکتبه میمنیة مصر)

(۱) "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نهی عن بیع العربان".

"قوله: (نهی عن بیع العربان). أقول: قال الزرقانی فی شرح هذا الحدیث: هو باطل عند =

میں لگانا بھی جائز نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۹/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ۔

صحیح :عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

لقطہ کا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال[۷۳۰۴] : پایا ہوا روپیہ مسجد میں لگ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

وہ لقطہ ہے، مالک کو تلاش کر کے اس کو دیا جائے (۲)، اس کا پتہ نہ چلے تو مایوس ہونے کے بعد غریب کو

= الفقهاء، لمافيه من الشرط والغرر و أكل أموال الناس بالباطل ".(إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع العربان: ۱۶۶/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحرا الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، مكتبه رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، السابع في حد القذف والتعزير، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، سعيد)

(۱) " قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(۲) "و عرّف: أي نادى عليها حيث و جدها وفي المجامع، إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها". (الدرالمختار). "(قوله: إن علم أن صاحبها لا يطلبها) لم يجعل للتعريف مدة اتباعاً للسرخسي، فإنه بنى الحكم على غالب الرأي، فيعرف القليل والكثير إلى أن يغلب على رأيه أن صاحبه لايطلبه، وصححه في الهداية، و عليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۸/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۸۹/۲، رشيديه)

صدقہ کردیا جائے (۱) مسجد میں نہ دیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۱ھ۔

ہبہ شدہ چیز دوبارہ لے کر اس کی قیمت مسجد میں دینا

سوال [۷۳۰۵]: زید عمر بکر نے کچھ جگہ و درخت جو کہ اس جگہ میں اس وقت ایستادہ تھے اور اب بھی ہیں، خالد و عمر کو بطور بخشش کے دیئے تھے اور اس جگہ میں خالد وغیرہ کے قبرستان بھی ہیں۔ اب زید، عمر، بکر وغیرہ کی اولاد خالد وغیرہ کی اولاد سے جبراً درخت لے کر اور اس کو فروخت کر کے وہ رقم مسجد کے اخراجات میں لگانا چاہتے ہیں۔ آیا یہ رقم مسجد میں صرف کرنا جائز ہے؟

العبد محمد حسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین اور درخت باقاعدہ ہبہ کر کے موہوب لہ کا قبضہ کرادیا تو شرعاً یہ ہبہ تام ہوگیا، اب واہب اور موہوب لہ کے انتقال کے بعد اس سے رجوع کرنے کا اولاد کو شرعاً حق حاصل نہیں، نہ ایسی رقم کا شرعاً صرف کرنا درست ہے:

"هبة المشاع فيما يحتمل القسمة من رجلين أو من جماعة صحيحةٌ عندهما، وفاسدة عند الإمام رحمه الله تعالىٰ، وليست بباطلة، حتى تفيد الملك بالقبض، كذا في جواهر

---

(۱) "فينتفع الرافع بها لو فقيراً، وإلا تصدق بها على فقير و لو على أصله و فرعه و عرسه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۹۱/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب اللقطة: ۲۵۷/۵، رشيديه)

(۲) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ. شرنبلالية". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

الأخلاطی". هندية: ٤/٣٧٨(١)۔ "ويمنع منه: أى من الرجوع فى فصل الهبة ياصاحبى حروف "دمع خزقة" .... والميم موت أحد العاقدين، اھ". مجمع الأنهر: ٢/٣٦٠(٢)۔

اگر با قاعدہ ہبہ نہیں کیا، یا موہوب لہ کا قبضہ نہیں کرایا، یا اس ارضِ موہوبہ اور اشجارِ موہوبہ کو تقسیم نہیں کرایا، نہ زید، عمر، بکر وغیرہ کے حصص بتلائے کہ کس کا کتنا حصہ ہے، نہ خالد وغیرہ کو یہ بتایا گیا کہ کس کو کتنا حصہ ملا ہے، بلکہ وہ ارض واشجار واہبین کے درمیان بھی مشاع ہیں اور موہوب لہ کے درمیان بھی مشاع ہی رہے تو یہ ہبہ صحیح نہیں، بلکہ زید، عمر، بکر کی مِلک بدستور باقی رہی، ان کے ورثہ میں حسبِ حصصِ شرعیہ میراث جاری ہوگی:

"لايثبتُ الملك للموهوب له إلا بالقبض، هو المختار، هكذا فى الفصول العمادية. والشيوع من الطرفين فيما يحتمل القسمة مانعٌ من جواز الهبة بالإجماع، اھ". عالمگیری: ٤/٣٧٨(٣)۔

اس صورت میں بعد تقسیمِ میراث ہر وارث کو اختیار ہے کہ اپنا حصہ خواہ مسجد میں صَرف کرے خواہ اَور کسی جگہ (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثانى فيما يجوز من الهبة ومالايجوز: ۴/۳۷۸، رشيديه)

(۲) (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، باب الرجوع عنها: ۳/۵۰۰، ۵۰۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الثانى فيما يجوز من الهبة ومالايجوز: ۴/۳۷۸، رشيديه)

(۴) "كلٌّ يتصرف فى ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الأول فى بعض قواعد فى أحكام الأملاک: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لأن الملک مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب فى تعريف المال والملک، الخ: ۴/۵۰۲، سعيد)

الفصل السادس عشر فی صرف مال الکافر فی المسجد

(مسجد میں کافر کے مال کو صرف کرنے کا بیان)

تعمیرِ مسجد میں غیر مسلم کا روپے لگانا اور ﴿ما کان للمشرکین أن یعمروا مساجد الله﴾ کا مطلب

سوال[۷۳۰۶]: معروض اینکہ مسئلہ مذکورۂ ذیل میں مجھے اختلافِ آراء کی بناء پر شک واقع ہوگیا ہے، اس لئے مہربانی فرما کر فریقین کے مدلل اقوال نقل فرما کر طریقِ تطبیق کو فرماتے ہوئے، قولِ راجح سے مطلع فرمادیں اور حوالجات ضرور نقل فرمادیں، تحریر مفصل ہوتا کہ اشکال زائل ہوجائے۔

مسئلہ: کیا مساجد کی تعمیر جدید یا مرمت میں ہنود کا اور غیر مسلم اقوام کا روپیہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے یا نہیں؟ نیز اگر غیر مسلم کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں جائز ہے تو آیت شریفہ: ﴿ما کان للمشرکین أن یعمروا مساجد الله شاهدین علی أنفسهم بالکفر﴾ الآیة(۱) کا کیا مطلب ہے؟ باوجودیکہ صاحبِ تفسیر احمدی نے تصریح کی ہے اور کہا ہے: "فالمقصود فیه أن الله تعالیٰ منع المشرکین عن تعمیر المساجد حال کونهم علی الشرك، الخ"(۲)۔ اور بعد میں جا کر لکھتے ہیں: "فعلم منه أن البناء الجدید ممنوع لهم، الخ "(۳) میں ممانعت پر تصریح ہے۔ اور اگر غیر مسلم اقوام کو مساجد کی تعمیر نا جائز ہے تو فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت گنگوہیؒ نے اجازت کیوں دی؟ بلکہ آپ نے تصریح فرمائی اور فتویٰ دیا، فتاویٰ رشیدیہ: ۲/۹٤، کتاب الوقف:

سوال: "شیعہ، یا ہندو، یا نصاریٰ، یا یہود مسجد بنادے، یا اس کی مرمت

---

(۱) (سورة التوبة: ۱۷)

(۲) (التفسیرات الأحمدیة، ص: ۴۵۴، سورة التوبة، مکتبه حقانیه پشاور)

(۳) (التفسیرات الأحمدیة، المصدر السابق)

کرے، یا چندہ مسجد وغیرہ میں شریک ہو تو جائز ہے یا نہیں''؟

حضرتؒ جواب میں فرماتے ہیں:

الجواب: ''اس میں کچھ مضائقہ نہیں، مسجد ان لوگوں کی بنائی ہوئی بحکمِ مسجد ہے، اگر یہ لوگ مسجد میں روپیہ لگانا ثواب جانتے ہیں تو ان کا وقف درست ہے۔ ایسے ہی اوپر کی عمارت میں شریک ہوں تو بھی درست ہے''(۱)۔

اس فتویٰ اور ملاجیون کی تفسیر آیت: ﴿ما کان للمشرکین﴾ کے جو مخالف معلوم ہوتا ہے اس کو واضح فرما کر جواب شافی مفصل مدلل تحریر فرما کر مشکور فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

کفار کے وقف اور وصایا کا بیان کتبِ فقہ، ہدایہ، درمختار، فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں مستقل موجود ہے کہ کس صورت میں معتبر ہے، کس میں نہیں (۲)۔ حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ اسی پر مبنی ہے، اسی واسطے قید لگائی ہے کہ:

''اگر یہ لوگ مسجد میں روپیہ لگانا ثواب جانتے ہیں تو ان کا وقف درست ہے، ایسے ہی اوپر کی عمارت میں شریک ہوں تو بھی درست ہے''۔

پس کفار کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز ہے بشرطیکہ یہ ان کے نزدیک ثواب ہو (۳) نیز اَور کوئی مانع موجود

---

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ: ۲/۲۰۸، کتاب الوقف، باب: مساجد کے احکام کا بیان، عنوان: مسجد کے لئے کافر کا چندہ، سعید)

(۲) "شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا وعندهم، كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس".

(ردالمحتار: ۴/۳۴۱، کتاب الوقف، مطلب: قدیثبت الوقف بالضرورة، سعید)

"و أما الإسلام، فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا وعندهم".

(البحر الرائق: ۵/۳۱۶، کتاب الوقف، رشیدیہ)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

(۳) "ثم الحال أن وصايا الذمي على أربعة أقسام .... و منها: إذا أوصىٰ بما يكون قربةً في حقنا وحقهم، كما إذا أوصىٰ بأن يسرج في بيت المقدس، أو يغزى الترك و هو من الروم، وهذا جائز، سواء كان القوم بأعيانهم أو بغير أعيانهم؛ لأنه وصية بما هو قربة حقيقةً في معتقدهم أيضاً". (الهداية: =

نہ ہو، مثلاً: یہ کہ وہ کل کو اپنی ملکیت اور شرکت کا دعویٰ مسجد پر نہ کریں، یا مسلمانوں پر احسان رکھیں، اور ان کو عار دلائیں کہ ہم نے تمہاری مسجد بنوائی اور اس میں چندہ دیا۔ بیت المقدس میں چراغ روشن کرنے کے لئے تیل دینے کی اباحت شامی وغیرہ میں موجود ہے(۱)۔

یہ اصل مسئلہ ہے اور یہی صحیح ہے، باقی ملاجیونؒ کا تفسیر احمدی میں اس کے خلاف فرمانا وہ قرآن کریم کی تفسیر نہیں، کشاف کے بیان کردہ جزئیہ پر نظر کرتے ہوئے ان کا اپنا ذاتی استنباط ہے، کسی نقلِ مذہب کے ساتھ مؤید نہیں (۲)، اس وجہ سے بہت کمزور اور دبے ہوئے الفاظ میں اس کو لکھا ہے اور کوئی نقل نہیں پیش کی، بلکہ نقل کی نفی کی ہے۔ اور یہ استنباط بھی من حیث المنطوق نہیں، بلکہ من حیث المفہوم ہے، چنانچہ اولاً ایک عبارت کشاف کی نقل کی، پھر اس پر متفرع کرتے ہوئے:

"فعلم منه أن البناء الجديد ممنوع لهم بالطريق الأولىٰ، فإن أراد كافر أن يبنىٰ مساجد أو يعمرها، يمنع منه، وهو المفهوم من النص وإن لم يدل عليه رواية، اهـ"(۳).

صاحب کشاف معتزلی ہیں، ان کی تفسیر معتبر نہیں، البتہ صنائع اور بدائع کے نکات جو کچھ وہ بیان کریں معتبر ہیں، لہٰذا اس کی جو کچھ حیثیت مذہب میں ہوگی وہ معلوم ہے، بخلاف فتویٰ حضرت گنگوہیؒ کے کہ وہ کتبِ

= ۶۸۵/۴، کتاب الوصایا، باب وصیة الذمی، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی ردالمحتار: ۶۹۶/۶، کتاب الوصایا، فصل فی وصایا الذمی وغیره، سعید)

(۱) (راجع، ص: ۱۳۳، رقم الحاشیة: ۳)

(۲) "چنانچہ صاحب کشاف کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقال صاحب المدارک: وکذا القاضی الأجل أخذاً من کلام صاحب الکشاف: و عمارتها تتناول رمّ ما سترمّ منها، وقمها، وتنظيفها، وتنويرها بالمصابيح، وصيانتها مما لم تبن له المساجد من أحاديث الدنيا؛ لأنها بنيت للعبادة والذكر، والمراد من الذكر درس العلم، انتهىٰ كلامه. فعلم منه أن البناء الجديد ممنوع لهم بالطريق الأولىٰ". (التفسيرات الأحمدية، ص: ۴۵۴، سورة التوبة، مكتبه حقانيه)

(۳) (التفسيرات الأحمدية، المصدر السابق)

مذہب: متون، شروح وفتاویٰ سب میں موجود ہے، كما لا يخفىٰ على من له ممارسة بالفقه(۱)۔

علاوہ ازیں کتنی ہی ہندوریاستیں ہیں جہاں ان راجاؤں نے مسلمان رعایا کے لئے مسجدیں بنوارکھی ہیں جن میں بغیر نکیر صدیوں سے نماز ہوتی ہے۔ اورسب سے بڑھ کر یہ کہ خانہ کعبہ خود کفار کا تعمیر کیا ہوا تھا جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی اور زمانۂ فتوحات میں آپ کے بعد خلفائے راشدین نے اس کی تعمیر کو تعمیرِ کفار ہونے کی وجہ سے بدلوانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اب رہی یہ بات کہ آیت کا مطلب کیا ہے، سو مطلب یہ ہے:

"خص الله سبحانه عمارة المسجد بالمؤمنين، فإنهم هم الجامعون هذه الكمالات العلمية والعملية، والمراد بعمارة المسجد أو مرمته العبادةُ والذكر فيه، و درس العلم والقرآن. عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم الرجل يعتاد المسجد، -وفي رواية-: يتعاهد المسجد، فاشهدوا له بالإيمان، فإن الله تعالىٰ قال: ﴿إنما يعمر مساجد الله من امن بالله واليوم الاٰخر﴾، اهـ". رواه الترمذي و ابن ماجة والدارمي والبغوي، اهـ". تفسير مظهري، سورة التوبة(۲)۔

اگر تفسیر بیان القرآن آپ کے پاس موجود ہو تو اس کو دیکھئے اس میں اس مسئلہ سے تعرض کیا ہے(۳) اور اصولی بحث احکام القرآن میں ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۸/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۳۴، رقم الحاشية: ۳)

(۲) (التفسير المظهري: ۴/۱۴۷، ۱۴۸، سورة التوبة، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۳) "مطلب یہ ہے کہ عمارتِ مساجد گو عملِ محمود ہے، لیکن باوجود شرک کے کہ اُس کا منافی ہے اس عمل کی اہلیت ہی مفقود ہے اور اس لئے وہ محض غیر معتدبہ ہے پھر فخر کی کیا گنجائش ہے"۔ (بيان القرآن: ۴/۱۰۰، سورة التوبة، سعيد)

(۴) "عمارة المسجد بمعنيين: أحدهما: زيارته والكون فيه. والآخر: بنائه و تجديد ما استرم منه، =

مسجد میں اہلِ ہنود کا روپیہ

سوال[۷۳۰۷]: عمارتِ مسجد میں اہل ہنود، یا اہل تشیع کا روپیہ خرچ کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ اگر خرچ کرنا جائز ہے تو اس آیت کا کیا مطلب ہوگا﴿ما کان للمشرکین أن یعمروا مساجد اللّٰہ شاھدین علی أنفسھم بالکفر﴾الآیة(۱)؟ اگر ناجائز ہے تو بیت اللہ شریف کی عمارت کی کیا توجیہ ہوگی، جو زر مشرکین سے بنی تھی، اور عہدِ نبوی کے بعد تک قائم رہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کے نزدیک مسجد بنانا عبادت وثواب ہے اور کوئی دوسرا مانع بھی نہیں، تو ان کا روپیہ تعمیر مسجد میں لگانا شرعاً درست ہے(۲)۔ آیت میں ''عمارت'' سے مراد مسجد کی آبادی، تولیت، انتظام ہے(۳) جیسے کہ پہلے

= وذلک لأنه یقال: اعتمر إذا زار، و منه العمرة؛ لأنها زیارة البیت، و فلان من عمار المساجد إذا کان کثیر المضی إلیها والسکون فیها، وفلان یعمر مجلس فلان إذا أکثر غشیانه له، فاقتضت الآیة منع الکفار من دخول المساجد ومن بنائها، وتولّی مصالحها، والقیام بها لانتظام لفظ الأمرین". (أحکام القرآن للجصاص: ۱۲۹/۳، ۱۳۰، سورة التوبة، قدیمی)

(۱) (سورة التوبة: ۱۷)

(۲) قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "شرط وقف الذمی أن یکون قربةً عندنا وعندهم کالوقف علی الفقراء أو علی القدس". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: قد یثبت الوقف بالضرورة: ۳۴۱/۴، سعید)

"أما الإسلام، فلیس من شرطه، فصح وقف الذمی بشرط کونه قربةً عندنا وعندهم". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۱۶/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۲/۲، ۳۵۳، رشیدیه)

(۳) "عمارة المسجد بمعنیین: أحدهما: زیارته والکون فیه، والآخر: بنائه، وتجدید ما استرم منه .... فاقتضت الآیة منع الکفار من دخول المساجد ومن بنائها وتولی مصالحها والقیام فیها لانتظام لفظ الأمرین". (أحکام القرآن للجصاص: ۱۲۹/۳-۱۳۰، سورة التوبة، قدیمی)

"خص الله سبحانه عمارة المسجد بالمؤمنین، فإنهم هم الجامعون هذه الکمالات العلمیة=

سے بیت اللہ پر مشرکین کا تسلط وقبضہ تھا جس کا ظہور خاص طور پر ایامِ حج میں ہوتا تھا، کعبہ شریف کی چابی بھی انہی لوگوں کے پاس رہتی تھی، جس کو چاہتے داخل ہونے دیتے، جس کو چاہتے روک دیتے، چنانچہ قبل ہجرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روکا اور حدیبیہ کے موقعہ پر مستقل ہنگامہ برپا کیا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم کا روپیہ تعمیر مسجد میں لگانا

سوال [۷۳۰۸]: کسی غیر مسلم کا روپیہ مسجد کی عمارت میں صرف کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی غیر مسلم مسجد میں روپیہ وغیرہ دے اور بنیتِ حصولِ ثواب یعنی اس کو عبادت سمجھ کر تو شرعاً اس کا

= والعملية. والمراد بعمارة المسجد أو مرمته العبادةُ والذكر فيه ودرس العمم والقرآن. عن أبي سعيد الخدري رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم الرجل يعتاد المسجد". وفي رواية: "يتعاهد المسجد، فاشهداو له بالإيمان، فإن الله تعالىٰ قال: ﴿إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر﴾ اهـ". رواه الترمذي وابن ماجة والدارمي والبغوي". (التفسير المظهري: ۱۴۷/۴، ۱۴۸، سورة التوبة، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۱) "عن عروة بن الزبير عن المسور بن مخرمة ومروان بن الحكم -يزيد أحدهما على صاحبه- قالا: خرج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عام الحديبية في بضع عشرة مأة من أصحابه، فلما أتى ذا الحليفة قلد الهدي وأشعره وأحرم منها بعمرة وبعث عيناً له من خزاعة، وسار النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، حتى إذا كان بغدير الأشطاط أتاه عينه، قال: إن قريشاً جمعوا لك جموعاً وقد جمعوا لك الأحابيش الأشطاط، وهم مقاتلوك وصادوك عن البيت ومانعوك. فقال: "أشيروا أيها الناس عليّ أترون أن أميل إلى عيالهم وذراريّ هولاء الذين يريدون أن يصدونا عن البيت، فإن يأتونا كان الله قد قطع عيناً من المشركين وإلا تركناهم محروبين". قال أبوبكر: يارسول الله! خرجت عامداً لهذا البيت لاتريد قتل أحد ولا حرب أحد، فتوجّه له فمن صدنا عنه، قاتلناه. قال: "امضوا على اسم الله". (صحيح البخاري: ۵۹۷/۲، ۶۰۱، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، قديمي)

(وكذا في تاريخ الطبري: ۲۷۰/۲، ۲۷۲، باب ذكر الخبر عن عمرة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم التي صده المشركون فيها عن البيت، و هي قصة الحديبية، مؤسسة الأعلمي بيروت لبنان)

مسجد میں لینا درست ہے(۱)۔اور اگر کوئی اَور مانع ہو مثلاً: اس روپیہ کی وجہ کسی فتنہ کا اندیشہ ہو، یا اہلِ اسلام اور اہلِ مسجد پر احسان سمجھ کردے، یا احسان کا اظہار کرے وغیرہ وغیرہ تو اَمرِ آخر ہے(۲)،اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ وہ روپیہ کسی مسلم کو دیدے اور پھر وہ مقروض یا دیگر مسلم اس روپیہ کو مسجد میں دیدے اور اس روپیہ کو تعمیر مسجد میں خرچ کرنا درست ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۲/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۲۶/ جمادی الثانی/۵۵ھ۔

---

(۱) "شرط وقف الذمی أن یکون قربةً عندنا وعندهم، کالوقف علی الفقراء أو علی مسجد القدس".

(ردالمحتار: ۴/ ۳۴۱، کتاب الوقف، مطلب: قدیثبت الوقف بالضرورة، سعید)

"و أما الإسلام، فلیس من شرطه، فصح وقف الذمی بشرط کونه قربةً عندنا وعندهم".

(البحر الرائق: ۵/ ۳۱۶، کتاب الوقف، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/ ۳۵۲، ۳۵۳، کتاب الوقف، الباب الأول، رشیدیه)

(۲) "درء المفاسد أولیٰ من جلب المنافع: أی إذا تعارض مفسدة ومصلحة، قدم رفع المفسدة".

(شرح المجلة لسلیم رستم، باب: ۱/ ۳۲، (رقم المادة: ۳۰)، المقالة الثانیة فی القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الأشباه والنظائر: ۱/ ۲۹۰، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "و فی شرح حیل الخصاف لشمس الأئمة الحلوانی رحمه الله تعالیٰ: أن الشیخ الإمام أبا القاسم الحکیم کان ممن یأخذ جائزة السلطان یقضی به دیونه، فالحیلة فی هذه المسائل أن یشتری نسیئةً، ثم ینقد ثمنه من أیّ مال شاء". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا: ۵/ ۳۴۲، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۴/ ۳۴۹، کتاب الکراهیة، الفصل الرابع فی المال من الإهداء والمیراث، رشیدیه)

"إذا أراد أن یحج بمال حلال فیه شبهة، فإنه یستدین للحج و یقضی دینه من ماله".

(التاتارخانیة، کتاب المناسک، باب المتفرقات: ۲/ ۵۷۶، إدارة القرآن کراچی)

غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرنے کا حکم

سوال[۷۳۰۹]: کوئی غیر مسلم مسجد کی تعمیر میں اپنا ذاتی روپیہ خرچ کر کے اس پر چھت ڈال دے، اور اس کے فرش کو پختہ کرادے۔ چاروں طرف اس کے دیواریں بنوادے شرعاً ایسی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

معرفت مولانا عبدالرحمٰن صاحب صدر مدرس مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرانا وصیت للمسجد کے حکم میں ہے، پس اگر وہ اپنے عقیدہ میں اس کو قربت اور ثواب سمجھتا ہے تو یہ جائز ہے اور مسجد میں اس سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی، اس میں نماز پڑھنا درست ہے۔ اور اگر وہ اس کو اپنے عقیدہ میں قربت اور ثواب کا کام نہیں سمجھتا تو یہ اس کے لئے جائز نہیں، مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم اس قسم کے کام قربت ہی سمجھ کر کرتے ہیں، ان کی کوئی اور غرض اس سے نہیں ہوتی، لہٰذا صورت مسئولہ میں اس مسجد میں مسلمانوں کو نماز پڑھنا جائز ہے، کوئی حرج نہیں:

"ولو أن ذمیاً أوصی بأن یشتری بثلث ماله رقاباً، وتعتق عنه بأعیانهم أو بغیر أعیانهم، أو أوصیٰ بأن یتصدق بثلث ماله علی الفقراء والمساکین، أو أن یسرج به فی بیت المقدس، أو یبنیٰ فیه، أو یغزی به الترک أو الدیلم، والموصی من النصاریٰ، فالوصیة صحیحة .... ولو أوصیٰ بثلث ماله بأن یحج عنه قوم من المسلمین، أو یبنیٰ به مسجد للمسلمین، إن کان ذلك لقوم بأعیانهم، صحت الوصیة، وتعتبر تملیکاً لهم، وکانوا بالخیار: إن شاؤا، أحجوا به، و بنوا المسجد، وإن شاؤا، لا. وإن کان ذلك لقوم غیر معینین، فالوصیة باطلة". فتاوی عالمگیری: ٤/٥٣٧(١)۔

"وجملة الکلام فی وصایا أهل الذمة أنها لاتخلو: إما إن کان الموصی به أمراً هو قربة

---

(١) (الفتاویٰ العالمکیریة: ٦/١٣١، ١٣٢، کتاب الوصایا، الباب الثامن فی وصیة الذمی والحربی، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوصایا، باب وصیة الذمی: ٩/٣٠٣، ٣٠٤، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوصایا، باب وصیة الذمی: ١٠/٤٩٣، ٤٩٤، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

عندنا وعندهم، أو كان أمراً هو قربة عندنا لا عندهم، وإما إن كان أمراً هو قربة عندهم لا عندنا، فإن كان الموصى به شيئاً هو قربة عندنا وعندهم بأن أوصى بثلث ماله أن يتصدق به على الفقراء المسلمين، أو على فقراء أهل الذمة، أو بعتق الرقاب، وبعمارة المسجد الأقصى ونحو ذلك، جاز في قولهم جميعاً؛ لأن هذا مما يقرب به المسلمون وأهل الذمة، الخ". بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۷/۳۴۱(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۵/۱۲/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۶/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

مسجد کے لئے غیر مسلم سے چندہ لینا

سوال[۷۳۱۰]: ہم ایسی جگہ پر رہتے ہیں جہاں پر مسلمان پورے شہر میں ۱۲/ ہیں، یہاں پر ۴۷ء سے پہلے مسجد ہے اور وہ ویران ہے یعنی گری پڑی ہے جس کی مرمت بہت ضروری ہے اور ہم لوگوں میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اس میں خاص رقم لگا کر مرمت کریں۔ تو ہم شہر میں ہندوؤں سے چندہ لے سکتے ہیں، اور زکوۃ، فطرہ کی رقم لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی مسجد تعمیر کرنے کے لئے ہندوؤں سے چندہ نہ مانگیں کہ بڑی بے غیرتی ہے(۲)، زکوۃ اور صدقۃ

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الوصايا: ۱۰/۵۰۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ۶/۶۹۲، سعيد)

وكذا في البحر الرائق، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۹/۳۰۳، ۳۰۴، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً﴾ (سورة النسآء: ۱۴۱)

"الإسلام يعلو و لا يعلى". (فيض القدير: ۵/۲۵۴۶، (رقم الحديث: ۳۰۶۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

"وقال: ﴿لاتتخذوا اليهود والنصارى أولياء، بعضهم أولياء بعض، ومن يتولهم منكم فإنه منهم﴾. فنهى في هذه الآية من موالاة الكفار و إكرامهم .... و نهىٰ عن الاستعانة بهم في أمور المسلمين، =

الفطر کا پیسہ بھی مسجد کی تعمیر میں صرف نہ کریں کہ وہ غریبوں کا حق ہے(۱)، بہت معمولی سے مسجد چھپر ڈال کر ذاتی پیسہ سے بنالیں، اللہ تعالیٰ اس کے پختہ کردینے کا بھی انتظام فرمادے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غیر مسلم سے مسجد کے لئے چندہ لینا

سوال[۷۳۱۱]: ہمیں برطانیہ کے ایک شہر ''ریڈممبرا'' میں مذہبی ضروریات (مسجد، بچوں کی تعلیم کے لئے کمرے، مسجد کمیٹی کا دفتر اور چند کمرے کا جو مسجد کا خرچہ پورا کرنے کرایہ پر دیئے جائیں) کے لئے ایک مکان خریدنا ہے، تاکہ یہ ضروریات اس بلڈنگ سے پوری کی جائیں تو اگر کوئی ایک غیر مسلم ایسی عمارت کے چندہ دے تو کیا قبول کیا جاوے؟

براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جلد جواب عنایت فرمائیں۔

حافظ عبدالکریم، روکس برک اسٹریٹ، اے ڈن برگ، اسکاٹ لینڈ (یوکے)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ ثواب سمجھ کر دے اور یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ اس کے نتیجہ میں کوئی غلط مقصد حاصل کرے گا، تو لینا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۲۴ھ۔

= لما فیہ من العز وعلو الید، وکذلک کتب عمر إلی أبی موسیٰ ینھاہ أن یستعین بأحد من أھل الشرک فی کتابتہ". (أحکام القرآن، سورۃ براءۃ، مطلب فی تمیز الطبقات: ۹۹/۳، دارالکتاب العربی، بیروت)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفة قلوبھم و فی الرقاب والغارمین و فی سبیل اللہ وابن السبیل﴾ (سورۃ التوبة: ۶۰)

"لا یصرف إلی بناء نحومسجد، ولا إلی کفن میت و قضاء دینہ، ولا إلی ثمن ما یعتق، لعدم التملیک، و ھو الرکن". (الدرالمختار: ۳۴۴/۲، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۴۲۱/۲، ۴۲۳، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، رشیدیہ)

(۲) "و أما الإسلام، فلیس من شرطہ، فصح وقف الذمي بشرط کونہ قربةً عندنا وعندھم".

(البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۱۶/۵، رشیدیہ) .... =

کفار کا روپیہ مسجد وعیدگاہ میں صرف کرنا

سوال[۷۳۱۲]: کفار کا روپیہ وغیرہ مسجد یا عیدگاہ میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟ تیل جلانے کے واسطے مسجد میں دیں تو مسلمانوں کو لینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کے نزدیک یہ روپیہ تیل وغیرہ مسجد میں دینا ثواب کا کام ہے تو درست ہے ورنہ نہیں، پہلی صورت میں اگر کوئی خارجی امر مانع ہو، مثلاً: کسی فتنہ کا اندیشہ ہو، یا وہ لوگ بعد میں ملکیت کا دعویٰ کریں، یا مسلمانوں پر احسان رکھیں، یا دباؤ ڈالیں تو پھر براہ راست روپیہ وغیرہ ان سے نہ لیا جائے، اگر وہ دینا چاہیں تو کسی مسلمان کی ملک کردیں اور پھر وہ مسلمان مسجد میں دیدے، هكذا يفهم من وقف الذمي و وصيته (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

کافر بے دین کا روپیہ جدید مسجد میں

سوال[۷۳۱۳]: کافر بے دین کا روپیہ مدد لے کرنئی مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور بے دین مشرک کا روپیہ امداد لے کر مدرسہ میں لگانا، یا مدرسہ تیار کرنا اور طلباء کے کھانے کے خرچ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے دین (کافر ومشرک) سے مسجد یا دینی مدرسہ کے لئے مدد طلب کرنا بے محل ہے، ہرگز طلب نہ

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۶۸/۲، غفاريه كوئٹه)

(۱) "أن شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس".

(ردالمحتار: ۳۴۱/۴، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد)

"وأما الإسلام، فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا وعندهم".

(البحر الرائق: ۳۱۶/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه: ۳۵۲/۲، ۳۵۳، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

کریں(۱)، اگر وہ خود مدد کرے اور اس مدد سے کسی غلط اثر کا اندیشہ نہ ہو تو قبول کرلینا درست ہے(۲)۔ غلط اثر یہ ہے کہ مثلاً: وہ ملکیت کا دعویٰ کرے، یا احسان جتائے، یا اپنے مندر وغیرہ کے لئے چندہ طلب کرے، یا ووٹ وغیرہ کا مطالبہ کرے، ایسی حالت میں مدد قبول نہ کی جائے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۶ھ۔

ہندو مسلم کا مخلوط پیسہ تعمیر مسجد میں صرف کرنا

سوال[۷۳۱۴]: تعمیر مسجد کے واسطے ہم لوگوں نے ایک بکس مسجد کے کنارے عام راستہ پر لٹکا یا دیا، اس بکس میں مسلمان، ہندو، عیسائی وغیرہ سب ہی لوگ پیسہ ڈالتے ہیں۔ کیا یہ مشترکہ پیسہ مسجد کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے؟ اگر غیر مسلموں کے اس صندوق میں پیسہ ڈالنے سے پیسہ مشتبہ ہو جائے تو اس پیسہ کو کس جگہ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا بطانةً من دونکم لا یألونکم خبالاً﴾ (سورة آل عمران: ۱۱۸)

"فنهی اللہ تعالیٰ المؤمنین أن یتخذوا أهل الکفر بطانةً من دون المؤمنین، وأن یستعینوا فی خواص أمورهم. و أخبر عن ضمائر هؤلاء الکفار للمؤمنین، فقال: ﴿لا یألونکم خبالاً﴾ یعنی لا یقصرون فیما یجدون السبیل إلیه من إفساد أمورکم؛ لأن الخبال هو الفساد". (أحکام القرآن للجصاص: ۲/۳۶، ۳۷، دارالکتاب العربی بیروت)

"فنهی فی هذه الآیة عن موالات الکفار وإکرامهم .... و نهیٰ عن الاستعانة بهم فی أمور المسلمین، لما فیه من العز وعلو الید، و کذالک کتب عمر إلیٰ أبی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنهما ینهاه أن یستعین بأحد من أهل الشرک فی کتابته". (أحکام القرآن للجصاص: ۳/۹۹، دار الکتاب العربی بیروت)

(۲) "شرط وقف الذمی أن یکون قربةً عندنا وعندهم، کالوقف علی الفقراء أو علی مسجد القدس". (ردالمحتار: ۴/۳۴۱، کتاب الوقف، مطلب: قد یثبت الوقف بالضرورة، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۵/۳۱۶، کتاب الوقف، رشیدیه)

(۳) "درءُ المفاسد أولیٰ من جلب المنافع: أی إذا تعارض مفسدة و مصلحة، قدم رفع المفسدة".

(شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۳۲، (رقم المادة: ۳۰)، المقالة الثانیة فی القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الأشباه والنظائر: ۱/۲۹۰، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن کراچی)

لگایا جائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر تعمیر مسجد کے لئے راستہ کے کنارے کوئی صندوق لٹکا دیا گیا اور رہ گزر اس میں پیسے ڈالتے ہیں تو وہ پیسہ اس تعمیر میں لگانا درست ہے، خواہ ڈالنے والے مسلم ہوں یا غیر مسلم، سب کا پیسہ اس صورت میں لگا سکتے ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۴/۲۰ھ۔

ہندو کا مسجد میں لوٹے دینا

سوال[۷۳۱۵]: ایک ہندو کمہار مسجد میں وضو کے لئے مٹی کے لوٹے بنا کر مفت دینا چاہتا ہے، مسجد کے لئے اس سے لوٹے بلا قیمت دیئے لیکر مسجد میں وضو کے لئے رکھے جا سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر کمہار کسی ثواب کی نیت سے دیتا ہے اور مصلحت کے خلاف بھی نہیں تو وضو کے لئے ان کا لینا درست ہے: "شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا وعندهم، كالوقف علىٰ الفقراء أو على مسجد القدس". شامي: ۳/۵۵۶(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۵/۵/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ جمادی الاولی/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا وعندهم، كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس".

(ردالمحتار: ۴/۳۴۱، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد)

"وأما الإسلام، فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا وعندهم".

(البحر الرائق: ۵/۳۱۶، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار: ۴/۳۴۱، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد)

"وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا وعندهم".

(البحر الرائق: ۵/۳۱۶، كتاب الوقف، رشيديه) .... =

غیر مسلم کی زمین سے مٹی لیکر مسجد میں لگانا

سوال[۷۳۱۶]: ایک غیر مسلم کی زمین ہے، اس کے بغل میں مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ جو غیر مسلم کی زمین ہے اس کی ایک مسلم دیکھ ریکھ کرتے ہیں، لیکن محلّہ کے لوگ اس غیر مسلم کی زمین سے مٹی کاٹ کر مسجد میں لگاتے ہیں، اور جس شخص کی نگرانی میں وہ زمین ہے اس کے منع کرنے پر اس کا بائیکاٹ کردیا ہے تو ایسا کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم کی زمین سے بغیر مالک کی اجازت کے مٹی لینا اور مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے، ایسا کرنے سے یہ لوگ ظالم اور گنہگار ہیں (۱)۔ اللہ پاک کے گھر میں پاک مال لگایا جاوے، حرام مال اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہے (۲)۔ ان لوگوں کو اپنی اس حرکت سے باز آنا چاہئے اور جس قدر مٹی لی ہے وہ واپس کردیں، یا پھر اصل مالک سے اس کو خرید لیں اور قیمت ادا کردیں تب مسجد میں لگائیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيريه: ۳۵۲/۲، ۳۵۳، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح: ۲۵۵/۱، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، قديمي)

(۲) "(قوله: لو بمال حلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲۷۸/۱، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله طيب، لا يقبل إلا الطيب" (مشكوة المصابيح: ۲۴۱/۱، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، رشيديه)

(۳) "ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه .... وجب عليه رده عيناً إن كان قائماً، وإلا فيضمن قيمته إن كان قيمياً، ومثله إن كان مثلياً". (شرح المجلة لسليم رستم: ۶۲/۱، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الفصل السابع عشر فی جمع التبرعات للمسجد بطریق الاکتتاب

(مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کا بیان)

چندۂ مسجد کا حکم

سوال[۷۳۱۷]: زید نے کچھ روپیہ اپنے پاس سے اور کچھ چندہ سے جمع کیا مسجد کے حصہ کو بڑھانے کے واسطے، مگر وہ روپیہ ابھی تک کسی خرچ میں نہیں آیا تھا کہ زید کا انتقال ہوگیا، اب وہ حصہ داران اس شخص سے جس کے قبضہ میں وہ روپیہ ہے لیکر مہتمم مسجد کو ادا کردیں تاکہ وہ مسجد میں لگادیں۔ اگر وہ روپیہ دینے سے انکار کرے تو اس شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی شخص کو وہ روپیہ خود رکھنا جائز نہیں (۱)۔ اگر زید نے اس کے خرچ کرنے کے متعلق اس شخص کو وصیت کی ہے تب تو مہتمم اور اہل محلّہ کے مشورہ کے موافق مسجد میں صرف کردے، ورنہ مہتمم مسجد کو دیدے، یا جن سے زید نے بطور چندہ وصول کیا ہے (ان کو دیدے)، خود رکھنے اور اپنے خرچ میں لانے سے یہ شخص خائن اور غاصب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "رجل جمع مالاً من الناس، لینفقه فی بناء المسجد، وأنفق من تلک الدراهم فی حاجة نفسه، ثم رد بدلها فی نفقة المسجد، لایسعه أن یفعل ذلک. وإذا فعل إن کان یعرف صاحب المال، رد الضمان علیه، أو یسئله لیأذن له بإنفاق الضمان فی المسجد". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۹/۳، رشیدیه)

(۲) "فإن طلبها ربها حبسها، وهو قادر علی تسلیمها: أی الودیعة، صار غاصباً، فیضمن إن ضاعت، لوجود التعدی بمنعه". (مجمع الأنهر، کتاب الودیعة: ۴۷۰/۳، غفاریه کوئٹه) .... =

مسجد کا خرچ ذاتی پیسہ سے ہو یا چندہ سے؟

سوال[۷۳۱۸]: میں ضلع بلندشہر میں رہتا ہوں، اس کے ایک محلّہ میں مسجد شیشہ والی موجود ہے جس کی تعمیر اپنی معرفت شیخ خیراتی صاحب نے اپنے آباء واجداد والی زمین میں اپنے ذاتی پیسے سے کرائی تھی اور تاحیات برابر مسجد مذکور کا کل اہتمام، انتظام، مرمت وغیرہ اپنی ہی ذاتی پیسہ سے کرتے رہے۔ اس مسجد میں کبھی کسی کا چندہ کا پیسہ نہ شیخ خیراتی صاحب نے لگایا۔ ان کی وفات پر ان کی تجہیز وتکفین بھی اسی مسجد کے ایک حصہ میں ہوئی، جہاں ان کی تولیت تک ان کا قیام رہا تھا۔

بعد وفات شیخ خیراتی صاحب مرحوم ان کی اولاد در اولاد مسجد کی نگہداشت، مرمت وغیرہ کا کام خود انجام دیتی رہی اور اب تک وہی انجام دے رہے ہیں اور کسی کا کوئی چندہ کا پیسہ اس مسجد میں نہیں لگایا گیا ہے اور اپنے ذاتی پیسہ سے ہی کل کام انجام دیتے ہیں۔ اس مسجد میں کتبہ بھی ہمارے مورث اعلی شیخ مرحوم صاحب کا لگا ہوا ہے۔

اب شیخ املی، محمد ولی شیخ املی وغیرہ اس قصبہ کے لوگ ہم کارکنان کے کام میں رخنہ انداز ہیں، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس مسجد میں عام مسلمانوں کا ہی چندہ کا پیسہ لگایا جائے، صرف شیخ خیراتی کی اولاد در اولاد کا کوئی حق نہ رکھا جائے۔

قبلہ مولانا صاحب! ان لوگوں کے اس خیال سے چندہ کی رقم مسجد میں لگانے سے ہم اور ہمارے دیگر برادران خاندان کو سخت اعتراض ہے جب کہ ہم لوگ اپنے ذاتی پیسہ لگا کر کام انجام دے رہے ہیں اور آئندہ لگانے پر تیار ہیں، کسی شخص سے کوئی حاجت چندہ مانگ کر پیسہ لگانے کی نہیں ہے۔ لہذا اس صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

۱...... مسجد مذکورہ کا کل اہتمام، انتظام اولاد در اولاد شیخ مرحوم پر لازم ہے یا نہیں؟

۲...... اگر کچھ اشخاص بغیر ہماری مرضی واجازت اپنی کوشش سے چندہ کریں تو ان لوگوں کا یہ فعل یعنی چندہ کر کے مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۷/۴۶۷، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة: ۱/۴۴۰، (رقم المادة: ۷۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ بانیٔ مسجد کی اولاد اپنے ذاتی پیسہ سے مسجد کی ضروریات پوری کرتی اور انتظام درست رکھتی ہے اور کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں ہے تو دوسرے لوگوں کا دخل دینے اور انتظام سنبھالنے اور چندہ کر کے تعمیر وغیرہ وہاں بنانے کا حق نہیں (۱)، ان لوگوں کا یہ اقدام غلط ہے، نہ کسی اَور تصرف کا حق ہے۔ اگر کوئی انتظامی شکایت ہو تو متولی ومنتظم سے کہہ کے اس کا انتظام کرالیں۔ ہاں! اگر ان کے پاس پیسہ نہ ہوتو پھر ضروریاتِ مسجد کے لئے چندہ کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۹۰ھ۔

بجائے متولی کے چندہ فنڈ میں جمع کرنا

سوال [۷۳۱۹]: یہاں قصبہ میں متولیانِ مساجد کی طرف سے اکثر لوگ شاکی رہتے ہیں، چونکہ بعض متولی آمد وصرف مسجد کی حساب فہمی اہل محلّہ کونہیں کراتے، حتی کہ بعض متولی سے خیانت ثابت ہوتی ہے۔ اور یہاں قصبہ میں ایک اسلامی فنڈ ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانانِ قصبہ سے حسبِ حیثیت چندہ

---

(۱) "وفی الأصل: الحاکم لا یجعل القیم من الأجانب ما دام من أهل بیت الواقف من یصلح لذلک". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی ولایة الوقف و تصرف القیم فی الأوقاف، الخ: ۲/ ۴۱۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۷۹، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، الولایة فی الوقف: ۵/ ۷۴۳، إدارة القرآن کراچی)

"رجل بنی مسجداً لله تعالیٰ، فهو أحق الناس بمرمته و عمارته و بسط البواری والحصر والقنادیل والأذان والإقامة والإمامة إن کان أهلاً لذلک، فإن لم یکن فالرأی فی ذلک إلیه". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، فصل: کره غلق المسجد، الخ: ۱/ ۱۱۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۷، رشیدیه)

قرض لیا جاتا ہے اور غریب مسلمانوں کو بالخصوص زیور لے کر بلاسودی قرضہ دیا جاتا ہے، اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ متولیانِ مساجد بھی سرمایۂ مساجد کو اسلامی فنڈ میں اپنی ذمہ داری پر بطورِ قرض کے داخل کردیں اور جس وقت صرف کے لئے ضرورت ہوا کرے فنڈ سے واپس لے کر صرف کردیا کریں، کیونکہ فنڈ کا یہ قاعدہ ہے کہ قرض دہندہ اپنا قرضہ کل یا جزاً اپنی ضروریات پر جس وقت واپس لینا چاہتا ہے، اس وقت اس کو واپس دیدیا جاتا ہے۔

خیال ہے کہ اس صورت میں رقم مساجد محفوظ ہوجاوے گی اور ہر شخص کو حساب فہمی میں آسانی ہوگی۔ آیا اس صورت میں رقم مساجد کو فنڈ میں بطور قرض کے داخل کر کے اس پر تصرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر متولیٔ مسجد سے خیانت ثابت ہوجائے تو باقاعدہ حاکمِ وقت کے ذریعہ اس کا ثبوت دے کر تولیت سے علیحدہ کردیا جائے۔ اور اگر محض شبہ وظن ہے ثبوت نہیں تو علیحدہ نہ کیا جائے، البتہ متولی کو لازم ہے کہ جملہ حساب کتاب صاف رکھے، یا اربابِ حل وعقد کی ایک کمیٹی بنادی جائے تا کہ کسی کو شبہ واعتراض کی گنجائش نہ ہو:

"فإن طعن في الوالي طاعنٌ، لم يخرجه القاضي عن الولاية إلا بخيانة ظاهرة". عالمگیری: ۲/ ۴۲۰ (۱)۔

سرمایۂ مساجد متولی کے پاس امانت ہوتا ہے، اس کو اپنے کام میں لانا، یا کسی کو قرض دینا درست نہیں، اس کو صرف مسجد کے کام میں خرچ کرنے کا حق ہے، ناحق اگر تصرف کرے گا تو ضامن ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور ۲۲/۱/۶۰ ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف و تصرف القیم فی الأوقاف، الخ: ۲/ ۴۱۲، رشیدیه)

"وقدمناه أنه لا یعزله القاضی بمجرد الطعن فی أمانته، و لا یخرجه إلا بخیانة ظاهرة بینة".

(البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۴۱۱، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: یأثم بتولیة الخائن: ۴/ ۳۸۰، سعید)

(۲) "لیس للمتولی إیداع مال الوقف والمسجد إلا ممن فی عیاله، لا إقراضه، فلو أقرضه ضمن، وکذا =

مسجد و مدرسہ کے نام سے مشترکہ چندہ کرنا

سوال[۷۳۲۰]: ایک بستی والے مسجد و مدرسہ کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس کا چندہ ایک جگہ کرنا چاہتے ہیں۔کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اگر چندہ یکجا کرلیا جائے اور چندہ دہندہ سے کہہ دیا جائے کہ ہم مسجد و مدرسہ دونوں تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔اور چندہ دینے والا یہ کہہ دے کہ دونوں میں سے کسی میں استعمال کرلو۔تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا دونوں کا علیحدہ علیحدہ چندہ ہونا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد اور مدرسہ دونوں کے لئے مشترکہ چندہ کرنا درست ہے(۱) اور جب یہ اعلان کردیا کہ دونوں کی تعمیر ہوگی اور دونوں کے لئے لوگ چندہ دے رہے ہیں تو پھر کیا تردد ہے۔علیحدہ علیحدہ کرنا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے، پھر جو چندہ جس کے لئے وصول کیا ہے اس کو اسی میں صَرف کرنا چاہیے، ایک کا چندہ دوسرے مصرف میں صرف نہ کرے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۹ھ۔

= المستقرض". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۰۱/۵، رشیدیه)

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف، الخ: ۴۱۳/۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۹/۳، رشیدیه)

(۱) "رجل أعطی درهماً فی عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد، صح".
(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به، الفصل الثانی: ۴۶۰/۲، رشیدیه)

(۲) "أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلفت الجهة بأن بنی مدرسةً ومسجداً، وعین لکل وقفاً، وفضل من غلة أحدهما، لا یبدل شرط الواقف ، وکذا إذا اختلف الواقف والجهة، یتبع شرط الواقف .... هذا هو الحاصل من الفتاویٰ، وقد علم منه أنه لایجوز لمتولی الشیخونیة بالقاهرة =

مسجد و مدرسہ کے مشترکہ چندہ سے مسجد کی توسیع اور مدرسہ کے لئے دوکان بنانا

سوال[۷۳۲۱]: مسجد سے ملحق ایک جگہ نئے مدرسہ کی تعمیر کے لئے چندہ کرکے مشترک پیسہ سے خریدی گئی اور ضرورت کے مطابق مسجد میں اضافہ کردیا گیا اور چار دکانیں بنوائی گئیں، دکانوں کے کرایہ کی آمدنی سے لاگت وصول ہوکر مسجد کے حساب میں فریب قریب پوری جمع ہوچکی ہے۔ مدرسہ کی تعمیر کا سلسلہ آیا تو چاروں دوکانیں مدرسہ کی ملکیت مان کر اوپر مدرسہ کی تعمیر کرادی گئی جو کہ دوکانیں اور مدرسہ کی عمارت مسجد کے ایک سائڈ میں واقع ہے، مسجد اور مدرسہ ایک ہی بنایا گیا ہے۔

ایک مسجد کے خرچہ سے فاضل آمدنی مدرسہ میں لگائی جاسکتی ہے یا نہیں، کیا خریدی ہوئی زمین کی تقسیم مدرسہ اور مسجد میں کردینی درست ہے یا نہیں؟ کیا یہ تقسیم جائز ہوئی یا نہیں، جب کہ دونوں ادارے قومی ہیں؟ اس تقسیم کی کاروائی باضابطہ تحریر میں ہے جس میں ہے کہ یہ دکانیں مدرسہ کی ملکیت ہیں اور رہیں گی، مسجد کی ملکیت کاغذات سرکاری میں غلط درج ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ تعمیر مدرسہ اور توسیعِ مسجد کے لئے مشترک چندہ کیا گیا اور اس مشترک رقم سے زمین خریدی گئی اور حسبِ ضرورت مسجد میں اضافہ کرلیا گیا اور ایک جانب میں دکانیں بنوائی گئیں تو جس طرح مسجد میں جس قدر اضافہ کیا گیا وہ زمین مخصوص طور پر مسجد کی ہوگئی، بلکہ مسجد بن گئی، اس میں کوئی دوسرا کام مستقل کرنا مثلاً مدرسہ بنانا صحیح اور درست نہیں ہے(۱)۔

= صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۱، سعيد)

(۱) "أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع .... ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، حاوي القدسي". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۲/۴۵۸، رشيديه)

اس طرح اگرار بابِ مدرسہ کے نزدیک مناسب ہوکہ دوکانیں مدرسہ کے لئے مخصوص کردی جائیں اور ان کے کرایہ کی آمدنی مدرسہ میں صرف ہواوران کے اوپر مدرسہ تعمیر کرلیا جائے تو یہ بھی درست ہے، ان کا جوکرایہ مسجد میں جمع کردیا گیا ہے اس کو مسجد سے واپس نہ لیا جائے، کیونکہ اس وقت مدرسہ کی تعمیر کا سلسلہ نہ تھا اوران میں صَرف شدہ رقم مشترک تھی، جس کا حاصل یہ تھا کہ حسبِ ضرورت مسجد و مدرسہ میں صرف کیا جائے۔ کاغذی اندراجات صحیح کرائے جائیں تاکہ آئندہ نزاع نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۵ھ۔

اذان خانہ کے لئے چندہ کیا گیا اس سے مسافر خانہ بنانا

سوال[۷۳۲۲]: ہمارے گاؤں کے دوآدمیوں نے مسجد میں اذان خانہ بنوایا ہے، اس غرض سے باہر دیہات میں جاکر رقم چندہ جمع کیا ہے اوراس رقم کو اہل کاراور پنچ لوگوں نے قبضہ میں لیکر مسجد کا اذان خانہ تو درکنار مسجد کے کسی بھی کام میں نہ لاتے ہوئے مسافر خانہ وغیرہ کی درستی میں صرف کردیا، جس کی وجہ سے جن صاحبوں نے چندہ جمع کیا ہے وہ بہت ناراض ہیں اور ہر وقت کہتے ہیں اہل کارپنچوں سے کہ ہماری رقم جوخرچ کردی واپس کردو، ہم ایک وضوخانہ بنانا چاہتے ہیں، مگر پنچ کہتے ہیں کہ مسجداور مسافر خانہ ایک ہی ہے، مسجد میں خرچ نہیں ہوا تو کیا ہوا، اپنی جماعت کا مکان تو درست ہوگیا۔ اب از روئے شرع کیا کریں، کیا مسجد کی رقم دوسرے کاموں میں خرچ کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ بینواوتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اذان خانہ بنوانے کے لئے چندہ جمع کیا گیا ہے اور چندہ دینے والوں نے یہ کہہ کر چندہ دیا تو پنچ لوگوں کے لئے اس کا کسی دوسرے کام میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے(۱)، ان کے ذمہ ضمان واجب ہے(۲)۔ جو

---

(۱) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموّكل، و قد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/ ۲۶۹، سعيد)

(۲) "(وإن طلبها ربها، فحبسها قادراً على تسليمها، فمنعها): يعني لو منع صاحب الوديعة بعد طلبه، وهو قادر على تسليمها، يكون ضامناً؛ لأنه ظالم بالمنع". (البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۷/ ۴۶۷، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوديعة: ۳/ ۴۷۰، غفاريه كوئٹه) ....=

لوگ اپنا چندہ واپس مانگ رہے ہیں ان کو واپس مانگنے کا حق ہے اور پنچ لوگوں کے ذمہ اس کا واپس کرنا ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۵/۹۰ھ۔

چندۂ مسجد وانجمن سے مٹھائی وغیرہ

سوال[۷۳۲۳]: ایک جگہ نہر کے محکمہ کے مسلمان ملازموں نے ایک مسجد عام چندہ سے بنائی اور اس میں امام مقرر کیا جس کو چندہ اکٹھا کر کے تنخواہ بھی دیتے ہیں۔ ایک انجمن بھی آبادیٔ مسجد کے لئے بنائی گئی ہے، اس کے اکثر ممبر یہی اہل کار ہیں، اپنی اپنی تنخواہوں میں سے حسبِ حیثیت آٹھ آنہ، روپیہ، دوروپیہ، پانچ، دس روپے دیتے ہیں، وہ سب روپیہ جمع کر کے خزانچی کے پاس جمع کر دیا جاتا ہے۔ اس انجمن کے چند ممبر مخصوص عہدوں پر بعد انتخاب ممتاز کئے گئے ہیں، مثلاً: صدر، ناظم، خزانچی، سفیر۔ یہ ممتاز اصحابِ مسجد کی خدمت بلا معاوضہ کرتے ہیں۔

چونکہ ان کی رہائش اس جگہ دائمی نہیں ہوتی، بلکہ تبدیل بھی ہوجاتی ہے، اس تبدیلی کے موقعہ پر اس ممتاز مخصوص صاحب کی اس خدمت کا شکریہ ادا کرنے کے واسطے ''ٹی پارٹی'' کی جاتی ہے، احباب جمع ہوتے ہیں جن میں چندہ نہ دینے والے بھی شامل ہوتے ہیں، اس موقع پر کچھ............رقم اس جمع شدہ چندہ سے خرچ کی جاتی ہے، مثلاً: مٹھائی وغیرہ خرید کر حاضرین کو تقسیم کی جاتی ہے۔ اب دریافت طلب یہ امور ہیں:

۱..... یہ جمع شدہ چندہ مالِ وقف ہے یا نہیں؟

= (وكذا في تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الإيداع: ۵/۶۶۵، سعيد)

(۱) "يلزم رد الوديعة إلى صاحبها إذا طلبها". (شرح المجلة: ۱/۳۴۰، (رقم المادة: ۷۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"رجل جمع مالاً من الناس، لينفقه في بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه، ثم رد بدلها في نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك، وإذا فعل إن كان يعرف صاحب المال رد الضمان عليه، أو يسأله ليأذن له بإنفاق الضمان في المسجد". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۹، رشيديه)

۲......اس ممتاز مخصوص صاحب کی خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی ٹی پارٹی پر اس جمع شدہ چندہ سے مٹھائی وغیرہ خرید کر تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۳......اس مٹھائی کو چندہ نہ دینے والے احباب کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

۴......چندہ دینے والے اصحاب جو اس وقت شریک نہیں ہوئے ان کا حق باقی ہے یا نہیں؟

۵......اس طرح کرنے کے لئے سب چندہ دینے والوں کی اجازت ضروری ہے یا صرف ان ممتاز اصحاب کا فیصلہ کافی ہے؟

۶......اس جمع شدہ رقم میں مدّ عمارت، تیل مسجد، عطیۂ غیر مسلم وغیرہ بھی شامل ہو اور ان کے خرچ کا الگ الگ حساب بھی کوئی نہیں، سب رقم ایک جگہ جمع ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے۔

ان سب امور کا شرعی فیصلہ ارشاد فرمایا جائے تا کہ اس کے موافق عمل کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......یہ جمع شدہ مال وقف نہیں (۱)۔

۲......اگر چندہ دینے والوں کی اجازت ہے اور اس چندہ کا مصرف یہ بھی ہے تو یہ مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً درست ہے، ورنہ نہیں (۲)۔

۳......اگر چندہ دینے والوں کی طرف سے اس مٹھائی کو کھانے کے لئے چندہ دہندہ ہونا شرط نہیں کیا گیا، بلکہ ان کی طرف سے چندہ نہ دینے والوں کو بھی اجازت ہے تو ان کو کھانا بھی جائز ہے (۳)۔

(۱) "ولو وقف دراهم أو مكيلاً أو ثياباً، لم يجز. وقيل: في موضع تعارفوا ذلك، يفتى بالجواز، قيل: كيف؟ قال: الدراهم تقرض للفقراء، ثم يقبضها، أو تدفع مضاربةً ويتصدق بالربح، والحنطة تقرض للفقراء يزرعون، ثم تؤخذ منهم، والثياب والأكسية تعطى للفقراء ليلبسوها عند حاجتهم، ثم تؤخذ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه وما لايجوز: ۲/۳۶۲، ۳۶۳، رشيديه)

(۲) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(۳) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: =

۴......اگران کی طرف سے تاکید ہے کہ ہمارا حق باقی رکھا جائے تب تو حق باقی رکھا جائے، اگران کی طرف سے اجازت ہے کہ ہمارا حق باقی رکھنے کی ضرورت نہیں تو باقی رکھنے کی ضرورت نہیں۔

۵......اگر چندہ دہندگان نے ممتاز ارکان کو فیصلہ کا اختیار دیا ہے تب تو ان ممتاز ارکان کا فیصلہ کافی ہے، اگر اختیار نہیں دیا تو کافی نہیں، بلکہ سب کی رائے اور اجازت ضروری ہے۔

۶......بہتر یہ ہے کہ مسجد کا مدّ اور انجمن کا مدّ علیحدہ علیحدہ رکھا جائے تا کہ ہر ایک کا چندہ صحیح مصرف پر صرف ہو۔ غیر مسلم اگر مسجد میں دے اور اس کے مذہب کے اعتبار سے مسجد میں دینا ثواب ہو تب تو اس کو مسجد میں صرف کیا جائے (۱)، ورنہ انجمن میں۔ اور اب تک چونکہ سب رقم ایک جگہ جمع ہے، لہذا جو کچھ خرچ ہوا وہ سب مشترک خرچ ہوا، اگر چندہ دہندگان کی اجازت ہو تو خرچ شدہ رقم کو انجمن کے حساب میں لگا کر مسجد کی رقم کو برقرار اور موجود تصور کیا جائے اور حساب علیحدہ علیحدہ کرلیا جائے۔ اگر اجازت نہ ہو تو دونوں کے حساب میں شمار کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

جبراً چندہ لینا

سوال [۷۳۲۴]: محرر تھانہ کہتا ہے: میں مسجد شریف کے لئے زمینداروں سے چندہ کروں گا، کیونکہ لوگ ایسے نیک کام میں امداد بالکل نہیں دیتے، اس لئے میں ان سے کہوں گا کہ مسجد کے لئے ضرور چندہ

= "ألا لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۱) "بخلاف ما لو وقف علی مسجد بیت المقدس، فإنه صحیح؛ لأنه قربة عندنا و عندهم". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۱۶، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، مطلب في وقف الذمي، الباب الأول: ۲/۳۵۳، رشيديه)

(وكذا في شرح العيني على كنز الدقائق، كتاب في بيان أحكام الوصايا، باب وصية الذمي، ص: ۲۷۳، إدارة القرآن كراچي)

دو، بہر حال وصول کروں گا کارِ خیر کے لئے، میرا ذاتی نہیں ہے۔ اس پر محرر صاحب سے کہا گیا کہ جو شخص چندہ خوشی سے دے اُن سے بہ سہولت لیا جائے، اس پر انہوں نے فرمایا: جس طرح دیں مسجد کے لئے ہے، ضرور کچھ نہ کچھ لوں گا۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے، اگر اس کے متعلق وہی قرضہ والی صورت مسطورہ بالا لیجائے تو درست ہے یا نہیں؟ جواب سے جلدی مطلع فرماویں، مسجد شریف کا کام شروع ہونے والا ہے تا کہ اس جواب کے آنے سے پہلے شروع نہ ہو جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبراً چندہ وصول کرنا ناجائز ہے، جو اپنی خوشی سے دے اس سے لے لیا جائے جو نہ دے اس سے جبر کرنا گناہ ہے(۱) اور ایسے مال کا مسجد میں لگانا بھی ناجائز ہے:

"لأن الله تبارك و تعالیٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ. شرنبلالية، اهـ". شامی: ۱/۶۸۸(۲)۔

جبراً تو لینا جائز ہی نہیں قرض لیکر دے یا کسی اَور طرح، جس سے جس قدر روپیہ لیا ہے اس کا واپس کرنا ضروری ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۵۷ء۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ جون/ ۱۹۵۷ء۔

---

(۱) "وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمی)

(وسنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس الشدة: ۱/۶۵۸، سعيد)

(۳) "إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه) =

مسجد کے لئے جبراً چندہ لینا

سوال[۷۳۲۵]: جبراً کسی شخص کو دباؤ دے کر ناجائز چندہ وصول کرنا مسجد کے واسطے کیسا ہے؟ مہربانی فرما کر حامل پرچہ ہذا کو جواب دے کر مشکور فرمائیں اور جواب علیحدہ علیحدہ تحریر فرمانا اور صاف صاف یعنی مفصل۔

خادم: انعام اللہ خان، دفتر تعلیم میونسپل بورڈ سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں اگر ایسا کیا ہے تو اس چندہ کی واپسی لازم ہے اس کو مسجد وغیرہ میں خرچ کرنا منع ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ۷/ ۵۷ھ۔

مسجد کی تعمیر کے لئے زبردستی چندہ لینا

سوال[۷۳۲۶]: ایک گاؤں ہے، جس کے باشندے نہایت ہی گمراہی میں مبتلا ہیں، زناکاری، سود خوری، شراب نوشی عام ہے۔ اس گاؤں میں ایک مسجد تعمیر ہوئی ہے جس کا چندہ زبردستی وصول کیا تھا۔ آیا اس صورت میں مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ نیز اس مسجد میں نماز درست ہے یا نہیں، جب کہ گاؤں کے لوگ

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(۱) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، ومالاً سببه الخبيث، والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس الشدة: ۶۵۸/۱، سعيد)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذ ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه ردّه عيناً، وإن كان قائماً، وإلا فيضمن قيمته". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۹۷): ۶۲/۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۵/۳، امداديه ملتان)

نہایت ہی غربت میں مبتلا ہیں؟ نیز کسی غیر مسلم کے چندے سے مسجد کی تعمیر درست ہے یانہیں، اس مسجد میں نماز درست ہوگی یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ اعمال بھی غضبِ خداوندی کے موجب ہیں اور زبردستی چندہ وصول کرنا بھی منع ہے(۱)، جن لوگوں سے زبردستی چندہ لیا گیا وہ اب معاف کردیں اور خدا کے نام پر دیئے ہوئے پیسے کو قبول کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں، اس مسجد میں سب ہی آ کر گناہوں سے توبہ کریں، اعمالِ قبیحہ سے باز آجائیں۔ نماز اس مسجد میں درست ہوگی۔ غیر مسلم سے تعمیرِ مسجد کے لئے چندہ مانگنا بڑی بے غیرتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

مسجد کے لئے چندہ دیکر واپس لینا

سوال[۷۳۲۷]: ۱......مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں بہت سے لوگوں نے چندہ دیا تھا اور امداد کیا تھا، مسجد کی تعمیر کی اجازت ہر محلّہ جات کے سربرآوردہ اصحاب سے لی گئی، تو فرمایا کہ بسم اللہ کرو اور کام شروع کرو۔ پھر کچھ اختلاف ہوگیا جس سے وہ لوگ اپنا چندہ جو اُسی مسجد کے لئے دیا تھا اور مسجد کی تعمیر کے بہت سے سامان بھی خرید لئے گئے تھے۔ ایسی صورت میں شرعاً وہ لوگ کیا اپنی امداد اور زرِ چندہ واپس لے سکتے ہیں یانہیں اور

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وسنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، دارالكتب العلمية بيروت)

"إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۲۱/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

متولی مسجد پر کیا یہ ذمہ داری عائد ہوسکتی ہے کہ وہ ان کا چندہ واپس کردے اور متولی کو شرعاً اس کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟

۲......اس مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں جن اصحاب نے امداد کی تھی اس میں بہت سے حضرات نے اپنے دادا، نانا، نانی ودیگر خویش واقارب مرحومین ونیز اپنی نابالغ اولاد اور آنحضور سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ وخلفائے راشدین مہدیین کی جانب سے کی تھی۔ کیا ان رقوم کو بھی وہ حضرات واپس لے سکتے ہیں، اور متولی ان رقوم کو ان اصحاب کو شرعاً واپس دے سکنے کا اختیار رکھتے ہیں؟ اب اس میں بعض حضرات مسجد ٹیڑھی ہونے کے پردہ میں عوام کو ورغلاتے ہیں کہ اس میں تو نماز ہی صحیح وجائز نہ ہوگی اور دوسری مسجد تعمیر کرا کر جمعہ الگ پڑھا جائے گا۔ اس پر عرض ہے کہ تفریق بین المسلمین وتفریقِ جماعت کا کتنا بڑا ثواب یا عذاب ہے اور دوسری مسجد بنوا کر یا دوسری جگہ جامع مسجد ہذا کو چھوڑ کر جمعہ ادا کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جب کہ وہ چندہ سب کا مخلوط ہے اور اس کا سامان بھی خرید لیا گیا ہے تو اب واپس لینے کا حق نہیں رہا نہ متولی کو واپس دینے کا حق ہے(۱)۔

۲......اس چندہ کا حکم بھی مثل نمبر: ۱ ہے۔ ایسی مسجد کے قبلہ میں اتنے معمولی فرق سے نماز میں نقصان نہیں آتا۔ اتنی اتنی باتوں پر تفریق کرنا اور مسجد کو چھوڑنا شرعاً سخت مذموم وممنوع ہے ویسے ہی جگہ جگہ مسلمان مختلف صورتوں سے تباہ ہورہے ہیں، لہذا ایسی باتوں سے درجہ احتیاط واجتناب لازم ہے۔ اور دوسری مسجد بنوانے سے اگر رضائے خداوندی مقصود نہ ہو، بلکہ اپنی بات کی ضد، یا تفریق بین المسلمین، یا کوئی اَور نام ونمود

---

(۱) "رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد، صح؛ لأنه وإن كان لا يمكن تصحيحه تمليكاً بالهبة للمسجد، فإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح، فيتم بالقبض". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، الخ: ۲/۴۶۰، رشيديه)

"الصدقة كالهبة، لا تصح إلا بالقبض، ولا رجوع في الصدقة؛ لان المقصود هو الثواب، وقد حصل". (الهداية، كتاب الهبة، فصل في الصدقة: ۳/۲۹۳، مكتبه شركت عليمه ملتان)

مقصود ہوتو ایسی مسجد بنانے سے ثواب نہیں ہوتا، بلکہ بہت سے علماء نے اس کو مسجد ضرار کے حکم میں تحریر فرمایا ہے اگر چہ شرعی مسجد بن جانے کے بعد نماز درست ہوگی:

”وقيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً و سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار، اهـ“. مدارك(۱)۔

”قال صاحب الكشاف: وعن عطاء: لمّا فتح الله الأمصار على عمر رضى الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا فى مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه“ –هذا لفظه– فالعجب من المشايخين المتعصبين فى زماننا يبنون فى كل ناحية مساجد، طلباً للاسم والرسم واستعلاءً لشانهم واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما فى هذه الاٰية والقصة من شناعة حالهم و سوء أفعالهم، اهـ“. تفسيرات أحمديه (۲)۔

”وقال فى المنية: ونهى الصلوة فى مسجد الضرار مخصوص به، فلايتعدى إلى ملحقاته“. الإكليل: ۲۸٤/٤ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۳/ ٦۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الاول/ ٦۷ھ۔

چندہ کے ضمان کی ایک صورت، چندہ وقف نہیں ہوتا

سوال[۷۳۲۸]: پبلک نے مسجد بنانے کے واسطے روپیہ چندہ کرکے جمع کیا، اس میں سے کچھ روپیہ

---

(۱) (مدارك التنزيل: ۵۱۹/۱، (التوبة: ۱۰۷)، قديمى)

(وكذا فى روح المعانى: ۲۱/۱۱، دار احياء التراث العربى بيروت)

(۲) (التفسيرات الأحمدية، ص: ٤۷۸، حقانيه پشاور)

”وقيل: كل مسجد بنى مباهاةً أو رياءً أو سمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار .... وعن عطاء: لما فتح الله تعالىٰ الأمصار على يد عمر رضى الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا فى مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه“.

(الكشاف: ۳۱۰/۲، التوبة: ۱۰۷، دار الكتب العربى بيروت)

(۳) لم أظفر عليه

مسجد کا سامان خریدنے کے لئے زید کو دیا، زید عمر کے پاس سے وہ چیز خرید کر لایا، لیکن وہ چیز پبلک کو ناپسند آئی۔ زید اس چیز کو واپس کرنے کے لئے عمر کے پاس گیا، عمر نے کہا کہ اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں ہے، دوسرے وقت آکر روپیہ لے لینا۔ اس وقت زید نے عمر سے کہا کہ تم یہ روپیہ بکر کے ہاتھ دیدو، عمر نے وہ روپیہ بکر کو دے دیا۔ روپیہ نہ پہونچنے پر دوبارہ زید عمر کے پاس آیا، عمر نے کہا کہ میں نے روپیہ بکر کو دے دیا۔ اب زید نے جب بکر سے روپیہ طلب کیا تو بکر نے ٹال مٹول کر کے دھوکہ دیا، اب وہ روپیہ بکر دیتا ہی نہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ روپیہ جائیداد موقوفہ میں شامل ہوگا یا نہیں، اگر جائیدادِ موقوفہ میں شامل ہو تو اس روپیہ کا ذمہ دار زید ہوگا یا بکر، اور کس سے روپیہ وصول کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں وہ روپیہ زید کے ذمہ واجب الادا ہے یعنی پبلک زید سے وصول کر سکتی ہے اور زید بکر سے (۱)۔ چندہ کا روپیہ وقف نہیں ہوتا (۲) اس لئے اس کو جائیدادِ موقوفہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا، البتہ اگر اس روپیہ سے کوئی شی قابلِ وقف خرید کر مسجد میں وقف کر دی جائے تو وہ شئ وقف ہوگی۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۱۲/محرم/۶۰ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) "قال الإمام النسفي: وحكمها كون المال أمانة عنده مع وجوب الحفظ عليه والأداء عند الطلب". (البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۴۶۵/۷، رشيديه)

(۲) "رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد، صح؛ لأنه وإن كان لايمكن تصحيحه تمليكاً بالهبة للمسجد، فإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح، فيتم بالقبض، كذا في الواقعات الحسامية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد: ۴۶۰/۲، رشيديه)

"چندہ وقف نہیں معطیین کا مملوک ہے، چندہ اہل چندہ کی ملک سے خارج نہیں ہوا"۔ (تحفة العلماء: ۳۱۶/۱، فصل نمبر: ۴، ادارۂ تالیفات اشرفیہ)

(وكذا في امداد الفتاویٰ، كتاب الوقف: ۵۷۲/۲، دار العلوم ديوبند)

قوالی کے لئے جمع کیا گیا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال [۷۳۲۹]: کچھ حضرات نے چندہ جمع کیا ایک مزار پر قوالی وغیرہ کرانے کے لئے، اس میں ہندوؤں کا بھی چندہ شامل ہے۔ تاریخِ مقررہ پر جب قوالی کا وقت آیا تو موجودہ متولی وقف بورڈ نے بذریعۂ پولیس رکاوٹ کی اور کہا کہ میں یہ کام نہیں ہونے دوں گا۔ چندہ جو جمع کیا گیا تھا ان میں سے کچھ روپیہ ہندوؤں کے مندر میں دے دیا گیا اور کچھ روپیہ جامع مسجد میں دے دیا گیا۔ سب حضرات کی رضامندی سے یہ روپیہ مسجد میں دیا گیا ہے۔ یہ روپیہ جامع مسجد میں استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب چندہ والوں کی رضامندی واجازت سے جامع مسجد میں یہ روپیہ دیا گیا ہے تو جامع مسجد کی ہر ضرورت میں حسبِ صوابدید اس کو صَرف کرنا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۹۶ھ۔

چندہ حوض کے لئے جمع کیا گیا پھر اس کو دوسرے کام میں خرچ کرنا

سوال [۷۳۳۰]: ۱...... مال یا جائیداد وقف کردینے کے بعد واقف کا کوئی حق رہتا ہے یا نہیں؟

۲...... اگر واقف اس صراحت کے ساتھ کوئی رقم وقف کرے کہ فلاں کام میں صَرف کیا جائے اس کے علاوہ مال کسی دوسرے کام میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۳...... علاوہ متولیانِ اوقاف کے کوئی شخص جس کے پاس رقم موجود ہو، امانت ہو، اپنی مرضی سے اس کام کے علاوہ جس کام کے لئے وہ وقف کی گئی ہے، صَرف کرسکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد، صح". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومايتعلق به، الفصل الثانی: ۲/۴۶۰، رشيديه)

"كل يتصرف فی ملكه كيف شاء". (شرح المجلة: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

سوالاتِ مذکورہ بالا کی وضاحت

حوض جامع مسجد بھرنے کے لئے بستی کے تمام مسلمانان نے چندہ جمع کیا تھا کہ اس رقم سے کوئی موٹر کنویں میں لگوائیں تاکہ حوض بھرائی میں آسانی ہو۔ چندہ میں رقم قلیل جمع ہوئی، اس سے موٹر فٹ نہ ہوسکا، ایک ہاؤس پاور کی موٹر لگوائی تھی اس نے کام نہیں کیا، وہ واپس کردیا گیا اور اس کی رقم واپس لے لی گئی، صرف کنویں میں بجلی فٹنگ کو اس لئے باقی رکھا گیا کہ آئندہ مزید چندہ جمع ہونے پر بڑی موٹر لگوائی جاسکے۔ بجلی کا سامان مسجد کے کنویں میں فٹ موجود ہے۔

بستی کے مسلمانوں نے پھر چندہ جمع نہیں کیا اور جمع شدہ رقم سے کنویں میں مسلمانوں کے مشورہ سے ہینڈ پمپ لگادیا گیا جس سے ایک بار حوض بھی بھرا گیا اور چند روز بعد وہ ہینڈ پمپ خراب ہوگیا۔ چونکہ اس بستی میں کوئی مستری نہیں ہے، بار بار باہر سے مستری بلوانے اور درست کرانے کی وجہ سے پمپ نکلوا کر مسجد کے حجرہ میں رکھوا دیا گیا، اس زمانہ میں موٹر کی فٹنگ کا کام چالو تھا۔ حوض کے خالی ہوجانے اور مسلمانوں کی تکلیف کے باعث جمعہ کے بعد مسلمانوں اور متولیوں کے مشورہ سے اس جمع شدہ رقم سے حوض بھرائی میں پیسہ دے دیا گیا، اور متولیٔ مسجد نے حوض بھرائی میں اوقاف سے کوئی پیسہ نہیں دیا۔

پھر اسی جامع مسجد کی چند دکانات کو تعمیر کرنے کے سلسلہ میں مزید چندہ مسلمانوں کی جانب سے جمع کیا گیا اور تعمیری کام کو شروع کردیا گیا، چندہ ہوتا رہا اور کام کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ لوگوں نے چندہ جمع کرنا بند کردیا اور دینے والے بھی سست پڑ گئے اور لینے والے بھی سست ہوگئے اور مزدوروں کی مزدوری دینے کا فکر تھا اور رقم زیرِ تحویل بالکل موجود نہ تھی، تو جمعہ کے دن تمام مسلمانوں کے سامنے اپیل کی گئی کہ موٹر کے نام سے جو رقم جمع کی گئی تھی جس میں سے کچھ تو ہینڈ پائپ پر صَرف ہوگئی کچھ زیرِ تحویل ہے، سب کی طرف سے اجازت ہو تو اس میں سے کچھ رقم مزدوری دے دی جائے۔

اس پر بعض لوگوں نے اجازت دے دی اور بعض ساکت رہے، لیکن سب کے علم میں یہ بات آچکی تھی، اس پر وہ بقایا رقم جو موٹر کے لئے جمع کی گئی مزدوری میں ادا کردی گئی، لیکن واقف تو ایک شخص ہے نہیں اور

واقف نے کوئی مال یا جائیداد وقف نہیں کی ہے، صرف پیسہ چندہ میں جمع کیا ہے اور تمام بستی کے مسلمان اس کے واقف ہیں، انہیں کے مشورہ سے موٹر کی جگہ ہینڈ پمپ لگا تھا اور پھر بقیہ رقم انہیں کے علم ومشورہ سے اسی جامع مسجد کے تعمیری کام میں صَرف ہوئی۔ اب متولی صاحب کا اعتراض ہے کہ یہ رقم وقف شدہ ہے، متولی کو اس کے صرفہ کا حق ہوتا ہے، کسی دیگر شخص کا حق نہیں، یہ رقم واپس کی جائے۔ تو سامان بجائے موٹر کے ہینڈ پمپ وغیرہ کا ہے وہ بھی متولی لینے کے لئے تیار نہیں۔

جو لوگ اس میں کارکن تھے متولی ان سے جھگڑا کرنے کو تیار ہیں۔ اور اس میں متولی کا جھگڑا کرنا اس وجہ سے ہے کہ کمشنری اوقاف صدر جمہوریہ کی طرف سے متولی کو اس کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ آمدنی سے ایک آنہ فی روپیہ اوقاف میں جمع کریں، اس طرح سولہ سو کچھ روپیہ کا مطالب ہے جس میں سے کچھ رقم جائیداد وقف سے متولی ادا کر چکے ہیں۔ اور گیارہ سوہ روپیہ کا اَور مطالبہ ہے جس میں ادا نہ کرنے کی صورت میں متولی کی جائیداد سے وصول کرنے کے نوٹس آرہے ہیں اور مقامی عدالت کے ذریعہ وصولی ہوگی بذریعۂ جائیداد قرقی۔

۱......اس پر متولی کی جانب سے اس ہینڈ پمپ کی رقم کا مطالبہ، اپنی جائیداد کی حفاظت کے سلسلے میں مطالبہ رقم خرچ شدہ کا کہاں تک درست ہے؟ اور پھر اس رقم کو لے کر کمشنری اوقاف میں بھیجنا کہاں تک درست ہے؟

۲......اگر واقف اس صراحت کے ساتھ رقم وقف کرے کہ فلاں چیز میں صرف کی جائے تو کیا اس کے علاوہ دیگر کام میں صَرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ تو کیا رقم ہینڈ پمپ اور موٹر کی جو تمام مسلمانوں کی جانب سے جمع شدہ ہے اور لوگ اچھی طرح واقف ہیں اور سبھی کے مشورہ سے تیسرا شخص خرچ کر رہا ہے تو کیا متولی کو یہ حق ہے کہ وہ اس موٹر کی رقم کو بطور تاوان جھگڑا کر کے وصول کر کے اپنی جائیداد کا تحفظ کرے؟

۳......علاوہ متولی کے کوئی اَور شخص وقف شدہ رقم امانت کو اپنی مرضی سے اس کام کے علاوہ جس کام کے لئے وہ وقف کی گئی ہے صَرف کرسکتا ہے یا نہیں؟ متولی کے علاوہ وہ شخص موٹر کی فٹنگ میں کوشاں رہے، انہوں نے اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کیا ہے، بلکہ تمام مسلمانوں کے علم ومشورہ سے یہ کام کرتے رہے ہیں۔ ان

تشریحات کے ملاحظہ کے بعد جواب دیں، تاکہ تنازعہ دور ہو۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱،۲،۳......حوض بھرنے کے لئے موٹر لگانے کے لئے جو چندہ کیا گیا ہے وہ وقف نہیں (۱)۔ چندہ دینے والے چاہے خود اس کو خرچ کریں، یا متولی کے سپرد کریں، یا کسی اَور کے سپرد کردیں، سب طرح درست ہے، کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ پھر جب ہینڈ پمپ سب کی مرضی سے لگادیا تو یہ بھی درست ہوا۔ تعمیرات کے سلسلہ میں جو مزدوری باقی رہ گئی، وہ چندہ دہندگان کی اجازت سے دے دی گئی، یہ ٹھیک ہوا، خواہ صراحۃً اجازت دی گئی ہو، یا اعلان پر سکوت کرنے سے اور اس رقم کا ضمان لینے کا حق نہیں (۲)۔ وہ سرکاری مطالبہ کی جواب دہی اس طرح کریں کہ چندہ کی رقم وقف نہیں تھی، چندہ دینے والوں نے جہاں چاہا اپنی مرضی سے اس کو خرچ کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۷/ ۹۱ھ۔

دروازۂ مزار پر صندوق کے چندہ سے مؤذن وامام کی تنخواہ

سوال[۷۳۳۱]: کچھار ضلع میں موضع قولرقل میں ایک مزار ہے جو لنگر شاہ کے مشہور مقام میں ہے، اس احاطہ میں ایک مسجد بھی ہے۔ لوگ آتے جاتے مقام کے سامنے جو صندوق رکھا ہوا ہے اس میں روپے ڈالتے ہیں، ہند، مسلمان وغیرہ ہر قوم کے لوگ ڈالتے ہیں، کسی کی کیا نیت ہے معلوم نہیں۔ کیا مسجد کے مؤذن اور امام کی تنخواہ اس صندوق کے روپے سے دینا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہ ہو تو ان روپے کو کیا کیا جائے؟ یہ آمدنی کبھی بند نہ ہوگی، مقامی کمیٹی کے لوگ کہتے ہیں کہ ہر سال میں بیس سے تیس ہزار روپے وصول ہوتے ہیں۔

---

(۱) "وأما شرائطه، ومنها أن يكون المحل عقاراً أو داراً، فلا يصح وقف المنقول إلا في الكراع والسلاح، كذا في النهاية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الأول: ۲/ ۳۵۷، رشيديه)

(۲) "وفي القنية: أخذ أحد الشريكين حمار صاحبه الخاص، وطحن به فمات، لم يضمن؛ للإذن دلالة قال: عرف بجوا به هذا أنه لايضمن فيما يوجد الإذن دلالةً، وإن لم يوجد صريحاً". (ردالمحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الصغير بدون إذن صريح: ۶/ ۲۰۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر تو یہ ہے کہ یہ روپیہ مسجد ومزار کے تحفظ وضروریات کے لئے اس میں ڈالتے ہیں، پس یہ روپیہ دونوں ہی ضروریات میں صَرف کرنا درست ہے(۱)۔ بلکہ اگر وہاں ایک مکتب قائم کر دیا جائے تو زیادہ مناسب ہے تاکہ مسجد بھی آباد رہے اور صاحبِ مزار کو بھی ثواب ملتا رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

مسجد میں بدعتی کا چندہ

سوال[۷۳۳۲]: کوئی بدعتی مسجد میں چندہ دے تو اس کے روپے کو مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خرچ کیا جاسکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۶ھ۔

بھیک سے مانگا ہوا پیسہ مسجد میں صرف کرنا

سوال[۷۳۳۳]: ہمارے محلّہ میں ایک ضعیف العمر بڑھیا رہتی ہے جس کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں،

---

(۱) "(اتحد الواقف والجهه وقلّ مرسوم بعض الموقوف عليه) بسبب خراب وقف أحدهما، (جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه)؛ لأنهما حينئذ كشئ واحد". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

(۲) "غالب مال المهدى إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته و أكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها و لا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الفصل الرابع فی الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا فی الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية: ۱/۳۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الباب الثانی عشر فی الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

ہے وہ مانگنے کا پیشہ کرتی ہے، محلّہ والے اس کی مدد کرتے ہیں، لہٰذا مانگا ہوا پیسہ کچھ اس کے پاس جمع ہوگیا تو اس نے مسجد کے واسطے ایک جائے نماز اور ایک قرآن شریف اور ایک تسبیح منگوادی ہے۔ لوگوں کو اعتراض ہے وہ کہتے ہیں کہ نہ اس پر نماز جائز ہے اور نہ بڑھیا کو کوئی ثواب ملے گا بڑھیا ابھی زندہ ہے۔ کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاضرورت مانگنا گناہ ہے (۱)، لیکن جب اس نے پیسہ مانگا اور اہلِ محلّہ نے بخوشی اس کو دیا تو وہ بڑھیا مالک ہوگئی اور اس نے جو کچھ مسجد میں دیا ہے وہ دینا صحیح ہے (۲)، اس مصلے پر نماز بلاشبہ جائز ہے۔ بڑھیا کو سمجھا دیا جائے کہ اب تم کو مانگنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

لاوارث میت کے کفن کے لئے جمع شدہ رقم میں سے بچی ہوئی رقم مسجد میں خرچ کرنا

سوال [۷۳۳۴]: ایک لاوارث شخص مرگیا جس کے کفن کے لئے چندہ کیا گیا ہے، بعد کفن دفن کچھ چندہ بچ گیا تو اس کو مسجد میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن لوگوں نے چندہ دیا ہے ان کی اجازت سے مسجد میں بھی خرچ کر سکتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من سأل مسألةً، وهو عنها غنی، جاء ت یوم القیامة کدوحاً فی وجهه". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۵۵/۲، ۵۶، (رقم الحدیث: ۴۲۶۰)، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر: ۴۳۵/۱، (سورة البقرة: ۲۷۳)، دار السلام ریاض)

(۲) "کل یتصرف فی ملکه کیف شاء". (شرح المجلة: ۶۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب فی تعریف المال والملک، الخ: ۵۰۲/۴، سعید)

(۳) "مسجدٌ له مستغلات وأوقافٌ أراد المتولی أن یشتری من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصیراً أو=

لا وارث کا مال مسجد میں

سوال [۷۳۳۵]: نظام الدین نامی ایک شخص تھا، وہ انتقال کر چکا اور کچھ سامان و روپیہ چھوڑ گیا ہے اور کوئی اس کا وارث بھی نہیں ہے کہ جس پر تقسیم کیا جائے اور نہ اس نے کوئی وصیت کی ہے۔ اب محلّہ والوں کی خواہش ہے کہ اس کا مال مسجد میں صَرف کر دیا جائے۔ تو کیا یہ کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے؟ نیز اگر مسجد میں صَرف نہ کیا جا سکے تو اس کی شکل کیا ہوگی، اور کس پر صَرف کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس شخص کا دور نزدیک کوئی وارث نہیں تو موجودہ حالت میں اس کے ترکہ کو مدرسہ و مسجد میں صَرف کیا جائے: كذا في الدر المختار: ۵/۷۴۹۔

"ثم يوضع في بيت المال لا إرثاً بل فيئاً للمسلمين" (۱)۔ كذا في الشامي: ۲/۸۹:

"ورابعها الضوائع مثل مالايكون له أناس وارثون". "(قوله: ورابعها) فمصرفه جهات، الخ. موافق مما نقله ابن الضياء في شرح الغز نويه عن البزدوي من أنه يصرف إلى المرضى والزمنى واللقيط وعمارة القناطر والرباطات والثغور والمساجد وما أشبه ذلك". (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= حشيشا أو آجراً أو جصاً لفرش المسجد أو حصى، قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ماترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشترى للمسجد ماشاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۲/۴۶۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۷، رشيديه)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة أو ولاية عليه، وإن فعل، كان ضامناً". (شرح المجلة لسيم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعيد)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب في بيان بيوت المال ومصارفها: ۲/۳۳۸، سعيد)

رجب کے کونڈے کی قیمت مسجد میں

سوال[۷۳۳۶] : رجب کے کونڈے جس میں پوریاں، شیرینی، کھیر وغیرہ بھرتے ہیں، ان کو تبرک ہوجانے کے خیال سے گھروں میں استعمال نہیں کرتے، اور مسجدوں میں لے جاتے ہیں۔ کیا ان کونڈوں کو فروخت کرکے ان کی قیمت مسجد کے کسی کام میں صرف کرسکتے ہیں، جیسے مرمت، صفائی، تیل، فرش وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کونڈوں کی اصل شرعاً کچھ نہیں (۱)، اگر بہ نیتِ ثواب دیں تو حسبِ نیتِ معطی ان کا استعمال مسجد میں درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

---

(۱) "كان ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما إذا رأى الناس و ما يعدّون لرجب، كره ذلك". (مصنف ابن أبی شيبة: ۲/ ۱۰۲، مكتبة الدار السلفية بمبئی)

(۲) "مسجد له مستغلات و أوقاف أراد المتولی أن يشتری من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً أو جصاً لفرش المسجد أو حصى، قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتری للمسجد ما شاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی فی الوقف على المسجد، الخ: ۲/ ۴۶۱، رشيديه)

(فتاوىٰ قاضی خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۷، رشيديه)

"رجل بسط من ماله حصيراً فی المسجد، فخرب المسجد ووقع الاستغناء عنه، فإن ذلك يكون له .... وإن بلى ذلك، كان له أن يبيع و يشتری بثمنها حصيراً آخر، وكذا لواشترى حشيشاً، أو قنديلاً للمسجد، فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً .... وعند أبی يوسف رحمه الله تعالىٰ يباع و يصرف ثمنه إلى حوائج المسجد، الخ". (فتاوىٰ قاضی خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۳، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فی أحكام المسجد: ۵/ ۴۲۳، رشيديه)

الفصل الثامن عشر فی بناء المسجد فی ملک الغیر

(غیر کی زمین میں مسجد تعمیر کرنے کا بیان)

غیر وقف زمین میں مسجد بنانا

سوال[۷۳۳۷]: ایک قریہ میں مسجد تعمیر ہورہی تھی، ابھی صرف بنیاد بھری تھی کہ تعمیر رُک گئی، دراصل اس کا کچھ حصہ غیر ملک تھا جو اَب گرام سماج کی ملکیت ہے، جس کے متصل ہی ایک مکان بن گیا ہے، جس سے صرف پونے چار فٹ جگہ باقی رہ گئی ہے، جس سے اہل محلّہ کو تکلیف ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسجد کی زمین کے پیچھے بھی مالکِ زمین سے اجازت نہیں لی تھی، اب جب کہ بنجر ہوگیا ہے تو ایسی حالت میں گورنمنٹ سے بھی پٹہ وغیرہ نہیں ملا ہے۔ تو اس حالت میں موجودہ مسجد اس زمین پر رہ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ زمین مالک نے وقف نہیں کی اور اب بھی وقف نہیں تو وہاں مسجد نہ بنائی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۱/۴ھ۔

---

(۱) ”أما إن وقت الأمر بالیوم أو الشهر أو السنة، ففی هذا الوجه لا تصیر الساحة مسجداً، لو مات یورث عنه“. (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الخ: ۲/۴۵۵، رشیدیه)

”وإن أمرهم بالصلاة شهراً أوسنةً، ثم مات، یکون میراثاً عنه؛ لأنه لابد من التأبید، والتوقیت ینافی التأبید“. (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/۲۹۰، ۲۹۱، رشیدیه)

ارضِ مغصوبہ میں مسجد ودوکانیں

سوال[۷۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

اول: تو یہ کہ مسجد دوسرے کی زمین میں بغیر اجازت بنانے کا ارادہ کرنا یا تعمیر شروع کرنا کیسا ہے، نماز ہوجاوے گی یا نہیں؟

دوسرے: کسی شخص کی زمین میں مسجد کے نام سے دوکان بنانی کیسی ہے اور اس کی آمدنی مسجد کے کام میں خرچ کرنی کیسی ہے؟ اور یہ بھی بات ہے کہ زمین مسلمان کی ہے تو تب کیا حکم ہے اور اگر غیر مذہب کی ہو تب کیا حکم ہے؟ اور اگر وہ اجازت نہ دے تو کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسرے کی زمین میں بغیر اجازت مالک کے مسجد بنانا جائز نہیں ہے (۱) اور اس میں نماز مکروہ تحریمی ہے (۲)۔ دوسرے کی زمین میں مسجد کے لئے دوکان بنانا اور اس کی آمدنی کو مسجد میں خرچ کرنا بھی ناجائز ہے،

= "قلت: وهو كذلك، فإن شرط الوقف التأبيد، والأرض إذا كانت ملكاً لغيره، فللمالك استردادها، وأمره بنقض البناء، وكذا لو كانت ملكاً له، فإن لورثته بعده ذلك، فلا يكون الوقف مؤبداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة مع شيخه العلامة قاسم في وقف البناء: ۳۹۰/۴، سعيد)

(۱) "أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لا يكون محجوراً عن التصرف، حتى لو وقف الغاصب المغصوب، لم يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۳۴۰/۴، ۳۴۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۴/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۳/۲، رشيديه)

(۲) "وكذا تكره في أماكن: كفوق كعبة وفي طريق و مزبلة و مجزرة .... وأرض مغصوبة أو للغير". (الدرالمختار). "وفي الواقعات: بنى مسجداً على سور المدينة، لا ينبغي أن يصلي فيه؛ لأنه حق العامة، فلم يخلص لله تعالیٰ كالمبني في أرض مغصوبة، اهـ .... فالصلاة فيها مكروهة تحريماً في قول، و غير صحيحة له في قول آخر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة، الخ: ۳۸۱/۱، سعيد)

خواہ وہ مسلم کی زمین میں ہو یا غیر مسلم کی (۱) بلکہ غیر مسلم کی زمین میں بغیر اجازت تصرف کرنا اَور بھی زیادہ گناہ ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جائیدادِ مغصوبہ میں مسجد بنانا

سوال[۷۳۳۹]: ایک فقیر کی میراث یعنی ایک جائیداد کسی دھوکہ سے، یا جبراً لی گئی۔اب وہ جائیداد جس نے جبراً لی ہے اس کے بیٹے کو، یا کسی اپنی قوم، یا رشتہ دار کو، یا مسجد میں دے سکتا ہے یا نہیں، یا خود استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب وہ بلا حق شرعی لی گئی ہے تو اس کو اصل مالک کو واپس کرنا ضروری ہے، بغیر مالک کی اجازت کے خود خرچ کرنا، یا کسی رشتہ دار کو دینا، یا مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں ہے:

"لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی". هندیه: ۲/۷۷۸(۲)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ذی قعدہ/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشریعة: أما لو أنفق فی ذلک مالاً خبیثاً ومالاً سببه الخبیث والطیب، فیکره؛ لأن الله تعالیٰ لا یقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله، اهـ. شرنبلالیة".

(ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب: کلمة "لابأس" دلیل علی أن المستحب غیره، الخ: ۱/۶۵۸، سعید)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع فی حد القذف، فصل فی التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۶۸، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر ۳/۱۶۵، مکتبه إمدادیه، ملتان)

دوسرے کی زمین کومسجد بنالینا

سوال[۷۳۴۰]: زید نے ایک زمیندار شخص سے ایک زمین خریدی تھی۔ زید پاکستان چلا گیا، محکمہ کسٹوڈین (۱) جوکہ ایسے مکانات اور زمین کو سرکاری طور پر اپنے قبضہ میں کرتی ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو۔ اس محکمہ نے جب یہ دیکھا کہ زید پاکستان چلا گیا تو اس کی زمین اپنے قبضہ میں کرلیا یعنی گورنمنٹ کا ہوگیا۔ یہ محکمہ والے اس زمیندار کے گھر رہتے تھے جس سے زید نے یہ زمین خریدی تھی، محکمہ والوں نے یہ زمین اسی زمیندار کو دیدی یا تو قیمتاً یا رشوتاً یا اس وجہ سے کہ وہ اس کے گھر رہتے تھے، اس لئے بہرکیف مالک پھر بھی زمیندار بن گیا۔

اس کے بعد اس زمیندار سے اس زمین کو اس کے ساتھ کچھ حصہ ملا کر بکر، خالد، عمر، اکبر نے مل کر قبرستان کے لئے خرید لی۔ اس زمین کا لگان اور باقی جو زمین کے لئے ہوتی ہے انہیں کے لئے آنی شروع ہوگئی، جو دلیل ہے اس بات کی کہ زمین کے مالک قانونِ حکومت کے اعتبار سے بکر وغیرہ ہوگئے۔ اس کے بعد ایک پارٹی اور تیار ہوئی: امیر، جمیل، رفیق کی، انہوں نے بغیر اس مذکورہ مالک کی اجازت کے اس میں مسجد تعمیر کرلی۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ زمین بکر، خالد وغیرہ کی نہیں بلکہ یہ یا تو زید کی ہے جو پاکستان چلا گیا، یا کسٹوڈین والوں کی ہے جنھوں نے زید کے پاکستان جانے کے بعد اس پر قبضہ کرلیا۔

اب مقصدِ سوال یہ ہے کہ بکر، خالد اس زمین کا شرعی طور پر مالک ہوا تھا یا نہیں؟ اگر ہوا تھا تو ظاہر ہے کہ یہ مسجد بکر کی بغیر اجازت کے بنی ہے تو بکر زمین ہذا کا مالک بنا ہے یا نہیں؟ نیز اس زمین میں مسجد تعمیر کرنا جائز ہوا یا نہیں؟ پھر اس میں نماز پڑھنا جائز ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن لوگوں نے مسجد بنائی وہ تو کسی جہت سے بھی مالک نہیں، انہوں نے گویا زمین غصب کر کے اس پر مسجد بنادی ہے، وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے (۲)۔ بکر خالد عمر نے جب وہ زمین خرید لی تو ضابطہ میں وہ مالک

---

(۱) ''کسٹوڈین: محافظ، نگران، رکھوالا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "وكذا تكره في أماكن: كفوق كعبة .... وأرض مغصوبة أو للغير لو مزروعةً أو مكروبةً". (الدر المختار). "وفي الواقعات: بنى مسجداً في سور المدينة، لا ينبغي أن يصلي فيه؛ لأنه حق العامة، =

ہوگئے۔ زید کے پاکستان چلے جانے سے جب محکمۂ گورنمنٹ نے اس پر مالکانہ قبضہ کرلیا تھا تو زید کے ملک ختم ہوگئی تھی۔ مسجد بنانے کے لئے زید کی اجازت کی تو ضرورت نہیں تھی، کیونکہ وہ مالک ہی نہیں رہا تھا، البتہ مالک کا وقف کرنا اور مالک سے اجازت لینا ضروری تھا۔ اب اگر مالک خود اجازت دیدے اور اس کو مسجد قرار دیدے تو شرعی مسجد بن جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۴/۹۴ھ۔

دوسرے کا مکان مسجد کو دینے سے وہ مسجد کا نہیں ہوجاتا

سوال [۷۳۴۱]: میرے ایک عزیز کا مکان تھا جو پاکستان چلے گئے تھے، میں ہی اس کی دیکھ بھال کرتا تھا، بعد کو میں نے اس کو مسجد کو دیدیا، مکان بالکل خالی اور گرا ہوا ہے۔ اب مجھے اس کی ضرورت ہے، میں اس میں خود ہی رہنا چاہتا ہوں، مسجد والوں کو صرف زبانی ہی کہہ دیا تھا کہ میرے پاس کافی جگہ ہے، تم ہی اس کو مسجد میں رکھ لینا، لکھا پڑھی کچھ نہیں تھی۔ اب جب کہ مجھے اس کی ضرورت ہے، میں نے ان سے کہا تو وہ منع کرتے ہیں، میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ مسجد کو کچھ پیسہ دیدوں، مگر وہ نہیں مانتے۔ اب آپ لکھیں کہ وہ میرا حق ہے یا نہیں؟

نوٹ: مالکِ مکان جو پاکستان میں موجود ہے اس نے مجھ کو یہ اختیار نہیں دیا تھا کہ تم اس کو فروخت کرو، یا مسجد میں دو، اصل مالک تو وہی ہے، اور یہ کام میری غلطی یا ناسمجھی سے ہوا۔

= فلم یخلص لله تعالیٰ کالمبنی فی أرض مغصوبة .... فالصلوة فیها مکروهة تحریماً فی قول، وغیر صحیحة له فی قول آخر". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب فی الصلوة فی الأرض المغصوبة: ۱/۳۸۱، سعید)

(۱) "أما لو وقف ضیعة غیره علی جهات، فبلغ الغیر فأجازه، جاز بشرط الحکم والتسلیم". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشیدیه)

"ولو أجاز المالک وقف فضولي، جاز". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: قد یثبت الوقف بالضرورة: ۴/۳۴۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول فی تعریفه و رکنه و سببه، الخ: ۲/۳۵۳، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ آپ اس مکان کے مالک نہیں، بلکہ اس کی دیکھ بھال کے فقط ذمہ دار ہیں تو آپ کو یہ بھی حق نہیں کہ اس کو مسجد میں دیدیں، یا کسی کے ہاتھ فروخت کردیں (۱)۔ اپنے ذاتی پیسہ سے مسجد کی جس قدر خدمت واعانت کریں سب موجبِ اجروثواب ہے (۲)، البتہ مالکِ مکان کی اجازت کے تحت آپ کو استعمال کرنے کا صرف حق ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۴ھ۔

کرایہ کا مکان مالک نے مسجد کو وقف کردیا

سوال [۷۳۴۲]: ایک مکان زین الدین صاحب کا ہے، اس میں برکت علی ۱۹۲۲ء سے رہتے تھے، وہ برابر مالکِ مکان کو کرایہ دیتے رہے، ان کے بعد ان کے لڑکے اور پوتے رہے، لیکن ان لوگوں نے کرایہ نہیں دیا، انہوں نے مکان کی مرمت بھی کرائی، توڑ کر چنائی بھی کرائی۔ اب زین الدین کے پوتوں نے اس کی رجسٹری مسجد کے نام کردی ہے۔ یہ فیصلہ کس کے حق میں صحیح ہے؟

---

(۱) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه أو وكالةٍ منه أو ولايةٍ عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۴۴، (رقم القاعدة: ۱۷۱۲)، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعيد)

(۲) "رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد، صح". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به، الفصل الثاني: ۲/۴۶۰، رشيديه)

(۳) "ولو قال: جعلتُ لک سكنى داري هذه شهراً، أو قال: داري لک سكني، أو قال: عمري لک سكنى، كانت عاريةً، هكذا في الظهيرية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب العارية، الباب الثاني في الألفاظ التي تنعقد بها العارية، الخ: ۴/۳۶۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مکان زین الدین کی ملکیت میں تھا، برکت علی اس میں کرایہ پر رہتے تھے، پھر آئندہ چل کر برکت علی کی اولاد نے کرایہ نہیں دیا اور اولاد کی اولاد نے بھی کرایہ نہیں دیا، اور زین الدین کی اولاد نے نہ وہ مکان برکت علی کی اولاد کو ہبہ کیا، نہ بیع کیا۔ اب زین الدین کے بعد جو وارث رہے انہوں نے، یا ان کے بعد جو وارث شرعی رہے انہوں نے یہ مکان مسجد کو دیئے، چاہے وقف کیا ہو، چاہے بیع کیا ہو تو وہ مسجد کا ہو گیا (۱)۔ برکت علی کے پوتے کو چاہئے کہ وہ مسجد کے حق میں اس کو خالی کر دیں، یا اگر مسجد کے متولی و ذمہ دار حضرات کرایہ پر دینا مناسب سمجھیں تو کرایہ کا معاملہ کر لیں (۲)، بلا وجہ غاصبانہ قبضہ کرنا گناہ ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

سرکاری زمین پر مسجد بنانا

سوال [۷۲۴۳]: عرصۂ دراز سے ایک سرکاری زمین پر ایک خاندان قابض ہے، مگر سالانہ کرایہ سرکار کو ادا کرتے رہے۔ کچھ عرصہ پہلے اس خاندان نے اس زمین کا کچھ حصہ برائے مکتب اور مسجد وقف کر دیا،

---

(۱) "و في الحاوي القدسي: و عن محمد يذكر عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالىٰ: لو جعل أرضاً له وقفاً على المسجد، جاز، ولم يكن له أن يرجع". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۵۴/۵، إدارة القرآن كراچی)

"ولو كانت الأرض وقفاً على عمارة المساجد أو على مرمة المقابر، جاز، كذا في فتاوى قاضيخان". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد: ۴۶۰/۲، رشيديه)

(۲) "وإذا علم حرمة إيجار الوقف بأقل من أجر المثل، علم حرمة إعارته بالأولى، و يجب أجر المثل، كما قدمناه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۹/۵، رشيديه)

"ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل، كذا في محيط السرخسي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۴۱۹/۲، رشيديه)

(۳) "عن سالم عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ من الأرض شيئاً بغير حقه خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين". رواه البخاری". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمی)

گورنمنٹ نے اعتراض کیا، مگر جب مسجد کا نام سنا تو اجازت دیدی اور زمین کی ایک حد مقرر کردی۔ اب مسجد بن گئی اور چھ سال سے جماعت ہورہی ہے، اور مکتب میں بچے پڑھ رہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ مسجد شرعی مسجد ہوگی یا نہیں، جب کہ زمین گورنمنٹ واپس نہیں لے گی؟

نوٹ: سائل نے دو نقشے مسجد قدیم وجدید بھی سوال کے ساتھ بھیجے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب زمین ملک سرکار تھی، جن لوگوں کے تصرف میں تھی ان کی مملوک نہیں تھی، وہ اس کا کرایہ ادا کرتے تھے، ان کو وقف کرنے اور مسجد ومکتب بنانے کا حق نہیں تھا، لیکن جب سرکار کی طرف سے مسجد ومکتب بنانے کی اجازت ہے، پھر سرکار اس کو خالی نہ کرائے گی، نہ کرایہ وصول کرے گی، تو اس اجازت کے بعد حسبِ صوابدید مصلحتِ مسجد ومکتب کے لئے جگہ متعین کرکے ہر دو کی تعمیر درست ہے، خواہ نقشہ سابق کے موافق ہو یا ردو بدل کرکے ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۹۷ھ۔

سرکاری زمین پر مسجد بنانا

سوال[۷۳۴۴]: ایک تالاب دھوبیوں کو الاٹ کیا گیا، تالاب کے پاس کچھ افتادہ زمین ہے، ہم نے اس پر چھان ڈال رکھی ہے اور پانچوں وقت اس میں نماز پڑھ لیتے ہیں، حکومت کے کاغذات میں بھی یہ جگہ مسجد ہی لکھی ہے۔ کچھ لوگ اس کو غصب کرنے کی وجہ سے ناجائز بتلاتے ہیں۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد انس نینی تال۔

---

(۱) "سلطان أذن لقوم أن يجعلوا أرضاً من أرض البلد حوانيت موقوفةً على المسجد، وأمرهم أن يزيدوا في مساجدهم، ينظر: إن كانت البلدة فتحت عنوةً، يجوز أمره إذا كان لا يضرّ بالمارة؛ لأن البلدة إذا فتحت عنوةً، صارت ملكاً للغزاة فجاز أمر السلطان فيها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۷، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۱۷، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین کسی خاص شخص کی ملک نہیں، بلکہ افتادہ ملکِ سرکار ہے اور سب کی اجازت ورضامندی سے وہاں اذان و جماعت ہورہی ہے اور سرکار نے اس کو مسجد تسلیم کرلیا ہے، تو اس زمین کو غصب کہنا درست نہیں۔ جو شخص اس کے مسجد ہونے میں رکاوٹ ڈالتا ہے، وہ غلطی پر ہے، اس کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، مسلمان وہاں باقاعدہ مسجد بنالیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/ ۹۵ھ۔

سرکاری زمین میں مسجد بنانا

سوال [۷۳۴۵]: ہمارا مکان لب سڑک ہے، اس کے سامنے ہمارا صحن ہے جو کہ گورنمنٹ کی زمین کہی جاتی ہے اور نشاندہی کی وجہ سے گورنمنٹ کی زمین کہی جاتی ہے، اس زمین پر ہم نے مسجد کی بنیاد ڈالدی ہے جو اَبھی چبوترہ کی شکل میں ہے، جس پر پنج وقتہ نماز باجماعت ہورہی ہے۔ تو اس زمین کو مسجد بنانا کیسا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ زمین گورنمنٹ کی ملک ہے اور اس کی حدود میں ہے تو مسجد بنانے کے لئے گورنمنٹ سے

---

(۱) "حتی أنه إذا بنی مسجداً، و أذن للناس بالصلاة فيه، فصلی فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً".

(التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد: ۵/ ۸۳۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/ ۲۹۰، رشيديه)

(وكذا فی فتح القدير، كتاب الوقف، فصل فی أحكام المسجد: ۶/ ۲۳۳، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"رجل له ساحةٌ لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة .... أما إن أمرهم بالصلاة فيها أبداً نصّ بأن قال: صلّوا فيها أبداً، أو أمرهم بالصلوٰة مطلقاً ونو ی الأبد، ففی هذين الوجهين صارت الساحة مسجداً، لو مات لا يورث عنه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول: ۲/ ۴۵۵، رشيديه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۰، رشيديه)

باقاعدہ اجازت حاصل کرلی جائے، بلااجازت مسجد بنانے میں خطرہ واندیشہ ہے شرعاً بھی قانوناً بھی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۸/۸۷ھ۔

ایضاً

سوال[۷۳۴۶]: ہماری بستی کی آبادی تقریباً ۲۰/ ہزار ہے جس میں ۱/۴ مسلمان ہیں۔بستی میں وضو، طہارت کی سہولتیں مہیا ہیں، عبادت گاہ کے اطراف میں سوگھر کی آبادی ہے، پنجگانہ نماز میں ۳۰، ۴۰/ نمازی ہوتے ہیں، دور سے عبادت گاہ کا حلیہ مسجد کی طرح نظر آتا ہے، لیکن چونکہ یہ عبادت گاہ سرکاری زمین پر بلااجازت حکومت بنائی گئی ہے اس لئے حکومت جب چاہے نابود کرسکتی ہے۔تو ان حالات میں:

۱......یہ عبادت گاہ مسجد کہلائے گی یا نہیں؟

۲......نمازی کو مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

۳......بستی میں دیگر دو مساجد ہیں جن میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے۔تو کیا اس عبادت گاہ میں نماز جمعہ ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

۴......بارش کے ایام میں دیگر دونوں مساجد میں عید کی نماز ہوتی ہے۔تو کیا اس عبادت گاہ میں بھی

---

(۱) "قلت: وهو كذلك، فإن شرط الوقف التأبيد . والأرض إذا كانت ملكاً لغيره، فللمالك استردادها، وأمره بنقض البناء. وكذا لو كانت ملكاً له. فإن لورثته بعده ذلك، فلا يكون الوقف مؤبداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة مع شيخه العلامة قاسم فى وقف البناء: ۴/ ۳۹۰، سعيد)

"أما إن وقّت الأمر باليوم أو الشهر أو سَنَة، ثم مات، يكون ميراثاً عنه؛ لأنه لابد من التأبيد، والتوقتُ ينافي التأبيد". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/ ۲۹۰، ۲۹۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الخ: ۲/ ۴۵۵، رشيديه)

نمازِ عید ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲...... بحالتِ موجودہ اس عبادت گاہ کا احترام مسجد ہی کی طرح کیا جائے گا اور اس میں کوئی کام خلافِ احترام مسجد نہ کیا جائے، ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب بھی مسجد ہی کا ملے گا (۱)۔

۳...... اس عبادت گاہ میں نمازِ جمعہ بھی ادا کر سکتے ہیں، آخر پنجگانہ نمازیں پڑھتے ہی ہیں۔

۴...... یہاں بھی نمازِ عید ادا کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، مسجد چھتہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ذی قعدہ/ ۱۴۰۶ھ۔

ریاست کی حاصل کردہ زمین پر مسجد بنانا

سوال [۷۳۴۷]: ایک زمین کا سالانہ لگان ریاست کو دینا پڑتا ہے جس سے واضح ہے کہ ریاست زمین کی مالک ہے۔ اس حالت میں اس زمین کو وقف علی اللہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریاست سے وہ زمین سالانہ لگان پر جو حاصل کی ہے، اگر اس کو مالکانہ تصرفات کے حق کے ساتھ ملی ہے اگرچہ لگان بھی ادا کرنا پڑتا ہے اور پھر اس کو تملیکاً دے دی ہے تو اس کا وقف کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۶/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "(قوله: لا مصلي عيد و جنازة) فليس لهما حكم المسجد في ذلك وإن كان لهما حكمه في صحة الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف، ومثلهما فناء المسجد". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة: ۱/ ۱۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/ ۳۳۸، رشيديه)

(۲) "أفاد أن الواقف لا بد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لا يكون محجوراً عن التصرف، حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح، وإن ملكه بعد بشراء أو صلح".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۴/ ۳۴۰، ۳۴۱، سعيد) =

افتادہ زمین پر مسجد کے لئے مکانات ودوکانیں بنانا

سوال[۷۳۴۸]: مسجد سے متصل ایک افتادہ زمین پڑی تھی جس میں ملبہ بہت تھا، جب ملبہ صاف کیا گیا تو مکان کی دیواریں نکل آئیں، ۸۰/ سالہ افراد سے معلوم کیا مگر جواب ملا کہ ہماری پیدائش سے یہی حالت تھی۔ اب اس افتادہ زمین پر مسجد کے لئے مکانات یا دوکانیں بنوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین مسجد کی ملک ہے جیسے کہ سائل سے زبانی معلوم ہوا تو وہاں مسجد کے مصالح کے لئے مکان یا دوکان اہل الرائے کے مشورہ سے بنادینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۷ھ۔

مسجد کے قریب غیر مملوکہ زمین میں مصالحِ مسجد کے لئے دوکان وغیرہ بنانا

سوال[۷۳۴۹]: مسجد خمران سیکڑوں سال پرانی ہے، ایک کنواں جو مسجد سے متصل ہے مسجد کا کنواں کہلاتا ہے، مگر وہ مسجد سے باہر تھا، بعد میں کسی صاحبِ خیر نے مسجد کے لئے مسجد میں کنواں بنوادیا اور مسجد سے باہر والا کنواں ویران ہوگیا، پھر محلّہ کی ۹۰/ فیصد رائے سے کنویں کو پاٹ کر کئی مسجد کے پیشاب گھر اور

= "و من شرائطه الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً، فوقفها ثم ملكها، لا يكون وقفاً".

(مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵٦۷، ۵٦۸، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۳، رشيديه)

(۱) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبنى فيها بيوتاً فيؤاجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، الخ: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ٦/۲۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

دوکانیں تعمیر کی گئیں (۱)۔ یہ تعمیر مسجد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ سرکاری ریکارڈ میں یہ جگہ کسی کی ملکیت نہیں ہے، صرف چاہ پختہ لکھا ہے۔

عبدالغنی، پٹھان پورہ، دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے قریب کچھ جگہ عامۂ مصالحِ مسجد کے لئے خالی چھوڑ دی جاتی تھی، ایسا ہی حال اس جگہ کا معلوم ہوتا ہے، خاص کر جب کہ کوئی اس کی ملکیت کا مدعی بھی نہیں تو ایسی حالت میں اس جگہ مصالحِ مسجد کے لئے متفقہ رائے سے دکانیں وغیرہ بنوادینا شرعاً درست ہوا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۹۴ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) ''پاٹ دینا: بھردینا، پُرکردینا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۶۲، فیروز سنز لاهور)

(۲) ''ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها؛ لأن الاستغلال بهذا الوجه يكون أنفع للفقراء''. (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل داره مسجداً، أو خاناً، الخ: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في ولاية الوقف، الخ: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۱، مكتبه مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

باب آداب المسجد

الفصل الأول فيما يستحب فى المسجد ومايكره

(مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان)

آدابِ مسجد

سوال[۷۳۵۰]: عنداللہ وعندالرسول مسلمانوں کے لئے مسجد کا احترام اوراس کے آداب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، یا نہیں؟

خادم العلماء محمد علی، نائب خطیب مسجد شاہی لاہور۔

منجانب انجمن اسلامیہ، لاہور پنجاب۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ضروری ہے:

"اعلم أن مبنى الشرائع على تعظيم شرائع الله تعالىٰ والتقرب بها إليه تعالىٰ . ... و معظم شرائع الله تعالىٰ أربعة: القرآن والكعبة والنبى والصلوة .... وأما الكعبة فكان الناس فى زمن إبراهيم عليه السلام توغلوا فى بناء المعابد والكنائس باسم روحانية الشمس وغيرها من الكواكب، و صار عندهم التوجه إلى المجرد غير المحسوس بدون هيكل يبنى باسمه، يكون الحلول فيه والتلبس به تقرباً منه أمراً محالاً، تدفعه عقولهم بادى الرأى، فاستوجب أهل ذلك الزمان أن تظهر رحمة الله بهم فى صورة بيت يطوفون به ويتقربون به إلى الله، فدعوا إلى البيت وتعظيمه. ثم نشأ قرنٌ بعد قرن على علم أن تعظيمه مساوق لتعظيم الله، والتفريط فى حقه مساوق للتفريط فى حق الله، فعند ذلك وجب

حجه، وأمروا بتعظيمه". حجة الله البالغة، ص: ٦٦(١)۔

"فضل بناء المسجد، وملازمته، وانتظار الصلوة فيه ترجع إلى أنه من شعائر الله، وهو قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم مسجداً أو سمعتم مؤذناً، فلا تقتلوا أحداً". وأنه محل الصلوة، ومعتكف العابدين، ومطرح الرحمة، و شبيه الكعبة من وجه، وهو قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من خرج من بيته متطهراً إلى صلوة مكتوبة، فأجره كأجر الحاج المحرم، و من خرج إلى تسبيح الضحىٰ لا ينصبه إلا إياه، فأجره كأجر المعتمر". و قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا مررتم برياض الجنة، فارتعوا". قيل: و ما رياض الجنة؟ قال: "المساجد". .... وآداب المسجد ترجع إلى معان: منها: تعظيم المسجد،.......... ومنها: تنظيفه مما يستقذر و يتنفر منه، ومنها: الاحتراز عن تشويش العباد و هيشات الأسواق، الخ". حجة الله البالغة مختصراً، ص: ١٩٧، ١٩٨ (٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۳/صفر/۵۶ھ۔

دخولِ مسجد کی دعاء کہاں پڑھی جائے؟

سوال[۷۳۵۱]: ایک شاہی مسجد ہے، اس کا بیرونی احاطہ بہت وسیع ہونے کی وجہ سے اصل مسجد کے حدود سے علیحدہ ہیں۔ ایسی صورت میں مسجد میں داخل ہونے کی دعاء کون سے دروازہ سے داخل ہوتے وقت پڑھی جائے جب کہ بیرونی یعنی احاطہ کے دروازہ سے داخل ہونے کے وقت یا اندرونی دروازہ سے داخل ہوتے وقت جہاں کہ نماز پڑھی جاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو جگہ نماز کے لئے متعین اور وقف ہے کہ وہاں ناپاکی کی حالت میں جانا جائز نہیں (۳)، خواہ مسقف

---

(۱) (حجة الله البالغة، باب تعظيم شعائر الله: ۱/۲۰۶، ۲۰۸، قديمى)

(۲) (حجة الله البالغة، المساجد، من شعائر الله: ۱/۵۴۱-۵۴۴، قديمى)

(۳) "ومنها أنه يحرم عليهما وعلى الجنب الدخول فى المسجد، سواء كان للجلوس أو للعبور". =

ہو یا غیر مسقف ہو وہاں پیر رکھتے وقت دعاء پڑھی جائے (۱)، جو جگہ مسجد کے مسقف، یا غیر مسقف حصہ سے متصل ہے اور وہ نماز کے لئے متعین نہیں اور ناپاکی کی حالت میں وہاں جانا منع نہیں، وہ شرعی مسجد نہیں اگرچہ احاطہ میں داخل ہو (۲)، وہاں داخل ہوتے وقت دعاء نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۶ھ۔

جوتا پہن کر مسجد میں جانا، جوتے میں نماز پڑھنا

سوال [۷۳۵۲]: جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم ہے یا نہیں، اگر نہیں تو وہ لوگ کس امام کی پیروی کرتے ہیں جو جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوتے پہن کر نماز پڑھنا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی منقول ہے (۳)، اب ہماری مساجد کی وہ حالت نہیں جو اس زمانہ میں تھی، اب فقہاء نے لکھا ہے کہ جوتا پہن کر

= (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس، الخ: ۱/۳۸، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الطهارة، فروع، ص: ۶۰، ۶۱، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) "عن جدتها فاطمة الكبرى رضي الله تعالیٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم إذا دخل المسجد صلى على محمد وسلم، وقال: "رب اغفرلي ذنوبي وافتح لي أبواب رحمتك، الخ".

(جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب مايقول عند دخوله المسجد: ۱/۷۱، سعيد)

(۲) "وفناء المسجد ليس له حكم المسجد، حتى لو اقتدى بالإمام منه، يصح .... دون حرمة مرور الجنب ونحوه". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۴، سهيل اكيڈمی، لاهور)

وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱/۱۰۹، رشيديه)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه قال: بينما رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يصلي بأصحابه إذ خلع نعليه، فوضعها عن يساره، فلما رأى القوم ذلك، ألقوا نعالهم، فلما قضى رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم صلاته قال: "ما حملكم على إلقائكم نعالكم"؟ قالوا: رأيناك ألقيت نعليك فألقينا نعالنا، الخ". (سنن أبي داؤد: ۱/۱۰۲، كتاب الصلاة، باب الصلوة في النعل، مكتبه إمداديه ملتان) =

مسجد میں جانا مکروہ ہے، کذا فی عالمگیری(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے متصل فرش پر جوتہ پہن کر جانا

سوال[۷۳۵۳]: ایک جامع مسجد جس کا نقشہ درج ذیل ہے:
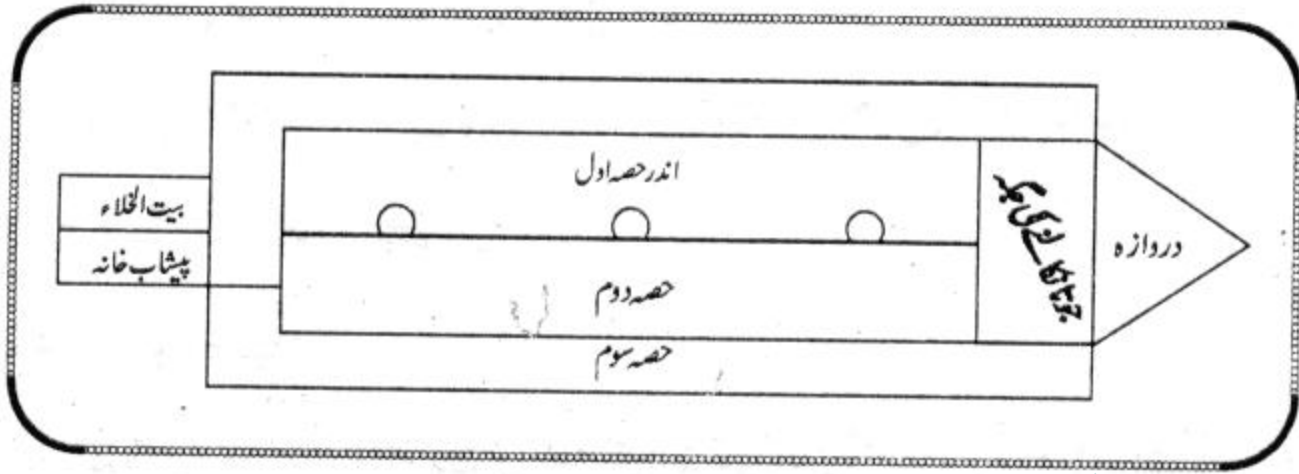
یہ مسجد ڈیڑھ سو برس سے زیادہ کی ہے جب کہ موضع میں اتنی آبادی نہ تھی جتنی اب ہے۔ یہ سرخ نقطہ والی جگہ یہ کسی زمانہ میں پختہ تھی مگر ٹوٹ گئی تھی، اس پر عیدین کی صفیں آتی تھیں۔ چونکہ اس میں گڑھے تھے اور

= "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي حافياً ومتنعلاً". (سنن أبي داؤد، المصدر السابق: ۱/۱۰۳)

"عن النعمان بن سلام عن ابن أبي أوس قال: كان جدي أوس أحياناً يصلي، فيشير إليّ وهو في الصلوة، فأعطيته نعليه، ويقول: رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي في نعليه". (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، أبواب إقامة الصلوات والسنة فيها، باب الصلوة في النعال، ص: ۷۲، قديمي)

(۱) "ودخول المسجد متنعلاً مكروه، كذا في السراجية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

"من أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب: في أحكام المسجد: ۱/۶۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۱، رشيديه)

بیرونی حصہ پرلوگ وضوکرتے تھے جس کی وجہ سے تھوک وغیرہ اس پر رہتا تھا۔کئی سال کا عرصہ ہوا ایک آدمی نے اس جگہ کی یہ حالت دیکھ کراس کو پھر پختہ کردیا اور توسیع کردی جس پرعیدین کی بھی صفیں آجاتی ہیں اور گرمیوں میں اکثر لوگ سنتیں پڑھتے ہیں اور وضوخانے سے وضوکر کے ننگے پیر اندرونِ مسجد تک چلے جاتے ہیں۔اس آبادی میں صرف دوشخص ایسے تھے جوضداً نقشہ والی مسجد پر جوتے پہن کر جاتے ہیں۔

لہٰذا ایسی صورت میں کہ یہ نقطہ والے فرش پرعیدین کی صفیں آتی ہیں لوگ وضوکر کے ننگے پیر اندر مسجد میں جاتے ہیں، نیز جوتہ پہن کر چلنے سے پھر ٹوٹ کر حالت سابقہ پرآجائے گی۔اس پر جوتے پہن کر جانا جائز ہے یانہیں؟ ایسے ہی کنویں کی جگہ پراور جہاں پر وضوکا لوٹا رکھا رہتا ہے، عام مسلمان جب وضوکے لئے جاتے ہیں تو دروازہ پر جوتہ اتارتے ہیں، اوراگرکسی شخص کواستنجا کے لئے جانا ہوتا ہے، یاپشتِ مسجد سے گھوم کرآتا ہے، یا جوتے ہاتھ میں لے کر پیشاب خانے کے دروازہ تک جاتا ہے اور وہاں سے جوتہ پہن کر پیشاب خانے میں جاتا ہے۔

نیز یہ بھی بتلایئے اس طرح جوتہ پہن کر جانے سے توہینِ مسجد لازم آتی ہے یانہیں؟ بینوا توجروا عند اللہ العظیم۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سرخ نقطوں والا حصہ مسجد کا جزءنہیں، لہٰذا اس کے اوپر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے (۱) کہ جس طرح جوتہ پہن کر مسجد میں جانا ممنوع ہے اسی طرح اس حصہ میں بھی ممنوع ہو اور نہ اس سے مسجد کی توہین ہوگی۔لیکن جب کہ یہ حصہ مسجد کے ساتھ بالکل متصل ہے اور نمازی اس جگہ سنتیں

---

(۱) ”لا یکرہ ما ذکر في بیت فیہ .... أو فوقہ في ذلک البیت مسجد، وھو مکان فی البیت أعد للصلاۃ، فإنہ لم یأخذ حکم المسجد“. (البحرالرائق، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیھا، فصل: کرہ استقبال القبلۃ: ۲/۶۴، رشیدیہ)

”وفناء المسجد لیس لہ حکم المسجد، حتی لو اقتدی بالإمام منہ، یصح .... دون حرمۃ مرور الجنب و نحوہ“.(الحلبی الکبیر، فصل فی أحکام المسجد، ص: ۶۱۴، سھیل اکیڈمی لاھور)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الصلاۃ، فصل: کرہ غلق باب المسجد: ۱/۱۰۹، رشیدیہ)

بھی پڑھتے ہیں تو اس جگہ جوتہ پہن کرنہیں جانا چاہئے، بلکہ اس جگہ کوبھی پاک صاف رکھنا چاہئے، جیسے کہ کوئی شخص اپنے مکان میں نماز کے لئے کوئی جگہ یا چبوترہ مخصوص کر لے اس کو بھی پاک صاف رکھتا ہے، حالانکہ وہ جگہ اور چبوترہ بھی مسجد نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/محرم/ ۵۹ھ۔

مسجد کے خام صحن میں جوتا پہن کر جانا

سوال[۷۳۵۴]: ہمارے علاقہ کا عام رواج یہ ہے کہ جب مسجد کی تعمیر ہوتی ہے تو اگر چہ مسجد کے حدود: دالان اور صحن وغیرہ مقرر ہو جاتے ہیں، حواشی اربعہ کی چاروں دیواریں بشکلِ احاطہ بنادی جاتی ہیں یا نہیں بنائی جاتی ہیں، بہر حال جب تک صحن کی زمین خام غیر مفروش رہتی ہے، اس زمین صحن میں جوتے پہن کر چلنا پھرنا عرفِ عام میں بے ادبی نہیں سمجھا جاتا۔ اسی عرف پر مسجد مدرسہ ہٰذا کے صحن میں عمل درآمد تھا۔

بہ تقریبِ جلسہ سالانہ علماء کا وُرود مدرسہ میں ہوا تو ایک جید عالم عارف باللہ بزرگ نے فرمایا:

''ایسا ہرگز نہ چاہیے، بے ادبی اورنا جائز ہے، جہاں تک صحن بنانا بانی کی نیت میں ہے کسی حصہ میں جوتا پہن کر داخل نہیں ہونا چاہیے''۔

اور ایک مقامی عالم کا خیال ہے کہ:

''صحن بایں معنیٰ یقیناً مسجد ہے کہ حائضہ ،نفساء کا داخلہ ممنوع ہے، معتکف کا صحن میں آنا جائز ہے، خواہ فرش پختہ ہو یا خام ،مگر جوتے پہن کر داخلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر فرش پختہ ہے تو بے ادبی ہونے کے سبب ناجائز ہے، اہلِ عرف اس کو بے ادبی سمجھتے ہیں اور ادب کا مدار عرف پر ہے اور کوئی نص اس کے معارض نہیں، بلکہ "ما راہ المسلمون حسناً،

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: "أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تتخذ المساجد في الدور، وأن تطهر و تطيب". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب تطهير المساجد وتطييبها، ص: ۵۵، قديمي)

فھو عندا للہ حسن"(۱) کا مفہوم اس کا مؤید ہے، لیکن صحن کا فرش خام ہو تو نہ تلویثِ مسجد ہے اور نہ عرف۔

اور حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کا عمل تعامل پر تھا کہ جوتے پہن کر مسجد نبوی میں تشریف لے جاتے، چونکہ اس کا فرش حَصا کا تھا، اسی بناء پر فقہائے حنفیہ نے متنعلاً نماز پڑھنا افضل لکھا ہے، جو علامہ شامی کے نزدیک فرشِ خام پر محمول ہے، اور حنابلہ رحمہم اللہ تو سنت پر ہونے کے قائل ہیں، پھر گناہ اور بے ادبی ہونا چہ معنیٰ؟ اور اس کی تصریح ہے کہ وہی جوتے چپل پہن کر مسجد میں تشریف لاتے تھے جس کو پہن کر بازار اور گلی کوچوں میں ٹہلا پھرا کرتے تھے۔ ان دلائل کا تقاضا بلا کراہت جواز کا ہے۔ شامی مطبوعہ مصری: ۱/۶۱۵، پر پوری تفصیل موجود ہے"(۲)۔

مذکورہ اختلاف کی بناء پر اب ہم لوگ متحیر ہیں کہ کس بات پر عمل کریں، لہٰذا گزارش ہے کہ آپ حضرات فیصلہ فرمائیں کہ دونوں قولوں میں سے کون سا قول صحیح اور واجب العمل ہے؟ اور اگر تیسرا قول ہو تو اس کی تصریح

---

(۱) "قال علیہ السلام: "ماراٰہ المسلمون حسناً، فھو عند اللہ حسن".

"قلت: غریب مرفوعاً، ولم أجدہ إلا موقوفاً علی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ. ولہ طرق".

(نصب الرایۃ لأحادیث الھدایۃ، کتاب الإجارات، باب الإجارۃ الفاسدۃ: ۴/۱۳۳، مکتبہ مؤسسۃ الریان، بیروت)

(۲) "وینبغی لداخلہ تعاھد نعلہ وخفہ، وصلاتہ فیھما أفضل". (الدرالمختار). "(قولہ: وصلاتہ فیھما): أی فی النعل والخف الطاھرین أفضل مخالفۃ للیھود، تاتر خانیۃ. وفی الحدیث: "صلوا فی نعالکم، ولا تشبھوا بالیھود". رواہ الطبرانی، کما فی الجامع الصغیر رامزاً لصحتہ. وأخذ جمع من الحنابلۃ أنہ سنۃ ولو کان یمشی بھا فی الشوارع؛ لأن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحبہ کانوا یمشون بھا فی طرق المدینۃ، ثم یصلون بھا. قلت: لکن إذا خشی تلویث فرش المسجد بھا، ینبغی عدمہ وإن کانت طاھرۃً. وأما المسجد النبوی فقد کان مفروشاً بالحصا فی زمنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخلافہ فی زماننا، ولعل ذلک محمل مافی عمدۃ المفتی من أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب، تأمل".

(ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، مطلب فی أحکام المسجد: ۱/۶۵۷، سعید)

فرمائی جائے۔ ہرقول مدلل مع حوالہ کتب ہو۔ جزاکمُ اللّٰہ خیراً۔

افتخار احمد، نائب ناظم مدرسہ عربیہ بیت العلوم، سرائے میر اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض واقف کی نیت کرنے اور صحن ودالان کی جگہ متعین کر لینے سے مسجد کے احکام جاری نہیں ہوجاتے، کیونکہ صرف اتنی بات سے مسجدیّت تام نہیں ہوجاتی، بلکہ جب مسجد میں اذان وجماعت ہونے لگے تب مسجدیت تام ہوکر اس پر پورے احکام جاری ہوتے ہیں (۱)۔ پس دورانِ تعمیر جب وہاں مسجد کا ملبہ، اینٹ، گارہ وغیرہ پڑا ہو تعمیر ہورہی ہو، معمار مزدور آ جارہے ہوں تو اس کا حکم اَور ہے اور جب وہاں نماز وجماعت ہورہی ہو، اس کا حکم اَور ہے۔

جتنا حصہ نماز وجماعت کے لئے متعین کردیا گیا ہے اور وہاں نماز وجماعت ہونے لگی ہے، اس پر پورے احکام مسجد کے جاری ہوں گے (۲)، وہاں جوتا پہن کر جانا بھی احترام کے خلاف ہوگا۔ دَورِ اول میں جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہونا خلافِ احترام نہیں تھا، مگر اب وہ عرف نہیں رہا: "دخول المسجد متنعلاً مکروه، کذا فی السراجیة، اھ". عالمگیری: ۹۳/٤ (۳)۔

---

(۱) "وعندهما لایصیر مسجداً لمجرد البناء مالم یوجد القبض والتسلیم، وبالصلاة بجماعة یقع القبض والتسلیم، وبالصلوة بجماعة یقع القبض والتسلیم بلا خلاف، حتی أنه إذا بنی مسجداً وأذن للناس بالصلاة فیه، فصلی فیه جماعة، فإنه یصیر مسجداً". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد: ۸۳۹/۵، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول: ۴۵۴/۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۰/۳، رشیدیه)

(۲) (راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً)

(۳) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۳۲۱/۵، رشیدیه)

"وینبغی لمن أراد أن یدخل المسجد أن یتعاهد النعل والخف عن النجاسة، ثم یدخل فیه =

عُرف کو دیکھ لیا جائے، اگر جوتے پہن کر مسجد کے خلافِ احترام ہو تو اس سے پرہیز کیا جائے، مسجد مفروش ہو یا غیر مفروش، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر-بحوالہ سوال- نے پختہ غیر پختہ (مفروش غیر مفروش) کا فرق بھی بر بنائے عرف کیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۳/۹۴ھ۔

ٹوپ پہن کر مسجد میں جانا

سوال[۷۳۵۵]: اگر میں ٹوپ (۱) پہن کر مسجد میں بغرضِ ادائے نماز حاضر ہوں تو درست ہے یا نہیں؟ مطلع فرمائیں۔

آپ کا نیاز مند: شجاعت اللہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد دربارِ خداوندی ہے اور نماز عبادت ہے اور عبادت کے لئے دربار میں ایسا لباس پہن کر حاضر ہونا چاہئے کہ خداوند تعالیٰ کو پسند ہو اور وہ لباسِ مسنون ہے، یعنی خدا کے محبوب حضوا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس اور آپ کے متبعین کا لباس۔ ایسا لباس پہن کر حاضر نہیں ہونا چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتے ہیں، یعنی جس سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور ہمارے یہاں وہ خدا کے نافرمانوں یعنی کفار وفساق کا لباس ہے، انگریزی ٹوپ وغیرہ بھی اس میں داخل ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ذیقعدہ/ ۵۶ھ۔

= احترازاً عن تلويث المسجد، وقد قيل: دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب". (البحر الرائق، كتاب لصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۱، رشيديه)

(۱) "ٹوپ: بڑی ٹوپی، انگریزی ٹوپی (ہیٹ)، لوہے کی ٹوپی جو لڑائی کے وقت پہنتے ہیں (خود)"۔ (فيروز اللغات، ص: ۴۲۱، فيروز اينڈ سنز، لاهور)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۲/۲۰۳، مكتبه إمداديه ملتان)

فرشِ مسجد کے متصل کپڑے دھونا

سوال[۷۳۵۶] : مسجد میں نماز کے پڑھنے کا اندرونی حصہ اور بیرونی فرش کے علاوہ جو جگہ ہوتی ہے، مثلاً سہ دری، حجرہ وغیرہ، کیا یہ بھی مسجد کے حکم میں شامل ہے؟ اگر کوئی شخص جس جگہ کنواں، نل وغیرہ لگا ہوا ہو وضو کی جگہ کپڑے دھوئے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد میں رہنے والوں کو مثلاً طالب علم وغیرہ مسجد کے ملاؤں کو اجازت ہے کہ وہاں کپڑے دھولیں، اور کوئی نمازی دیندار ہو دھو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ مسجد نہیں یعنی اس پر نماز نہیں پڑھی جاتی، وہاں اس طرح کپڑے دھونا کہ دوسروں کو اذیت نہ ہو اور مسجد کے فرش پر مستعمل پانی، یا اس کی چھینٹ نہ جائے درست ہے(۱) اور اس میں ملا وغیر ملا سب برابر ہیں۔ مگر جو شخص مسجد ہی میں رہتا ہے اس کو دوسری جگہ کپڑے دھونے کے لئے جانے میں دقت ہے اس لئے اس کے حق میں توسع ہے اور زائد توسع ہے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے کہ وہ بسہولت دوسری جگہ جا سکتے ہیں، یا اپنے گھر میں دھو سکتے ہیں، ان کے کسی دوسری جگہ جانے میں مسجد کی نگرانی یا کسی اہم کام میں خلل نہیں آتا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ذیقعدہ/ ۵۵ھ۔

= (ومشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمى)

"قال القارى: أى من تشبه بالكفار مثلاً فى اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أى فى الإثم أو الخير عند الله تعالىٰ". (بذل المجهود، باب فى لبس الشهرة: ۵/ ۴۱، مكتبه معهد الخليل الاسلامى كراچى)

(وكذا فى مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثانى، (رقم الحديث: ۴۳۴۷) : ۸/۱۵۵، رشيديه)

(۱) "وفناء المسجد ليس له حكم المسجد، حتى لو اقتدى بالإمام منه، يصح .... دون حرمة مرور الجنب و نحوه". (الحلبى الكبير، فصل فى أحكام المسجد: ۲۱۴، سهيل اكيڈمى لاهور)

"و ما اتخذ لصلاة العيد، لا يكون مسجداً مطلقاً، وإنما يعطى له حكم المسجد فى صحة الاقتداء بالإمام ..... وأما فيما سوى ذلك، ليس له حكم المسجد". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۱، رشيديه) =

ناپاک کپڑا مسجد میں رکھنا

سوال[۷۳۵۷]: مسجد میں ناپاک کپڑا رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں:"وإدخال نجاسة فيه. عبارة الأشباه: وإدخال نجاسة فيه، منه التلويث، و مفاده الجواز لو جافةً، لكن في الفتاوى الهندية: لا يدخل المسجد مَن على بدنه نجاسة". شامی: ۱/۶۸۶(۱)۔ قلت: قال الطحطاوی: "وإن لم تصب المسجد، أبوالسعود". (۲)۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نجس کپڑا مسجد میں نہ رکھے، اگر اس وقت کسی کی معرفت باہر بھیجنا یا خود رکھنا دشوار ہو تو مجبوراً مسجد میں اس طرح رکھنا کہ تلویث نہ ہو درست ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ رجب/ ۵۷ھ۔

مسجد میں تولیہ، آئینہ اور منبر پر غلاف

سوال[۷۳۵۸]: مسجد میں تولیہ رکھنا اور آئینہ رکھنا کیسا ہے؟ نیز منبر پر غلاف یعنی منبر پر کپڑا اڑھانا

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۴، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۵۶، سعيد)

"وأشار إلى أنه لا يجوز إدخال النجاسة المسجد، وهو مصرح به". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱،رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة: ۱/۲۷۷، دارالمعرفة بيروت)

کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب تکلفات ہیں، جولوگ اپنے مکانات پر تکلف کے ساتھ رہتے ہیں اپنے انتظام سے مسجد میں بھی یہ چیزیں رکھتے ہیں، فی نفسہ یہ چیزیں نہ ضروری ہیں کہ مسجد کی طرف سے ان کا انتظام کیا جائے، نہ ممنوع ہیں کہ ان کوحرام کہا جائے۔ اصل تو یہ ہے کہ اپنے مکان سے وضوکر کے آدمی مسجد جائے (۱)۔ اگر مسجد ہی میں وضوکرنا ہو تو اپنا تولیہ ساتھ لے جائے۔ وضو کے بعد آئینہ دیکھنا نہ کوئی شرعی چیز ہے نہ عرفی، اس عادت کوچھوڑ دینا بہتر ہے۔ منبر پر غلاف بھی ایک تکلف ہے، درودیوار کوکپڑے پہنانے کی حدیث میں بھی ممانعت آئی ہے (۲)۔ ہاں! اگر گرمی سے تحفظ مقصود ہو تو مضائقہ بھی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۹/۱۰/۱۹ھ۔

مسجد کی صفائی برش سے

سوال [۷۳۵۹]: مسجد میں بجائے جھاڑو کے بالوں کا بنا ہوا برش استعمال کرنا کیسا ہے؟

ہندہ، محلّہ پٹھان پورہ، سہارنپور۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "صلوة الجميع تزيد علی صلوته فی بيته وصلوته فی سوقه خمساً وعشرين درجةً، فإن أحدكم إذا توضأ فأحسن الوضو وأتی المسجد لايريد إلا الصلوة، لم يخط خطوةً، إلا رفع الله بها درجةً وحط بها خطيئةً حتی يدخل المسجد". الحديث. (صحيح البخاری، كتاب الصلوة، باب الصلوة فی مسجد السوق: ۱/ ۶۹، قديمی)

(۲) "وعن سفينة أن رجلاً ضاف علیّ بن أبی طالب رضی الله تعالیٰ عنه، فصنع له طعاماً، فقالت فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها: لو دعونا رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فأكل معنا، فدعوه، فجاء فوضع يديه علی عضادتی الباب، فرأی القرام قد ضرب فی ناحية البيت، فرجع. قالت فاطمة: فتبعتُه، فقلت: يارسول الله! ماردک؟ قال: "إنه ليس لی أولنبی أن يدخل بيتاً مزّوقاً": أی مزيناً منقشاً". (مشكوة المصابيح، باب الوليمة، الفصل الثانی، ص: ۲۷۸، قديمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ خنزیر کے بالوں سے بنا ہے تو وہ ناپاک ہے اور نجاست کو مسجد میں داخل کرنا منع ہے (۱)۔ اور اگر خنزیر کے علاوہ کسی دوسرے جانور کے بالوں سے بنا ہے تو وہ ناپاک نہیں، اس کو مسجد میں داخل کرنا ناجائز نہیں، تاہم اگر اس میں اشتباہ ہو تو اس کو چھوڑ دینا چاہئے:

"و شعر المیتة و غیر الخنزیر طاهر". در مختار مختصراً۔ قال الشامی: "(قوله: علی المذهب): أی علی قول أبی یوسف الذی هو ظاهر الروایة: أن شعره نجس، وصححه فی البدائع، و رجحه فی الاختیار". شامی: ۱/۱۱۲ (۲)۔

"وإدخال نجاسة فیه (أی فی المسجد)". قال الشامی: "فی الفتاویٰ الهندیة: لا یدخل المسجد مَن علی بدنه نجاسة". ۱/۶۸۶ (۳)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۴/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

تالاب کی گیلی مٹی سے مسجد کو لیپنا

سوال [۷۳۲۰]: ایک تالاب کا پانی ناپاک ہے، اس کی گیلی مٹی سے مسجد کو لیپنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تالاب دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو، تو وہ ناپاک نہیں (۴) اس کی گیلی مٹی ناپاک نہیں، اس

---

(۱) "(و) کره تحریماً .... (وإدخال نجاسة فیه)". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلوة و ما یکره فیها: ۱/۶۵۶، سعید)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المیاه، مطلب فی أحکام الدباغة: ۱/۲۰۶، سعید)

(۳) (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها: ۱/۶۶۰، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشیدیه)

"وأشار المصنف إلی أنه لا یجوز إدخال النجاسة المسجدَ، وهو مصرح به". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة: ۲/۲۱، رشیدیه)

(۴) "إن الغدیر العظیم کالجاری لا ینجس إلا بالتغیر من غیر فصل". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب =

سے مسجد کو بھی لیپا جا سکتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۱/۲۷ھ۔

ناک صاف کر کے مسجد سے ہاتھ پونچھنا

سوال[۷۳۶۱]: ناک چھینک کر مسجد کی دیوار سے انگلی پونچھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلافِ تہذیب ہے اور دوسروں کے لئے باعثِ اذیت اور مسجد سے بے اعتنائی ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۹۱/۲/۲۳ھ۔

= الطهارة، باب المياه: ۱/۱۸، رشيديه)

"ولذا قال في الخلاصة: الماء النجس إذا دخل الحوض الكبير، لا ينجس الحوض وإن كان الماء النجس غالباً على ماء الحوض؛ لأنه كلما اتصل الماء بالحوض، صار ماء الحوض غالباً عليه". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب: لو دخل الماء من أعلى الحوض، الخ: ۱/۱۹۱، سعيد)

(۱) "ولا يبزق على حيطان المسجد، ولا بين يديه على الحصى، ولا فوق البواری، ولا تحتها، وكذا المخاط". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد، الخ: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: يكره استقبال القبلة، الخ: ۱/۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"كذا يكره أن يمسح رجله من الطين بأسطوانته أو حائطه". (فتح القدير، المصدر السابق)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد، الخ: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۲۹، الفصل السادس والعشرون في المسجد، الخ: ۱/۲۲۹، رشيديه)

مسجد میں کنگھی کرنا

سوال[۷۳۶۲]: مسجد کے اندر کنگھی کرنا کیسا ہے؟

محبّ علی کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، جب کہ بال مسجد میں نہ گرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

اذان کے وقت مسجد میں بات کرنا

سوال[۷۳۶۳]: دوحدیثوں کا مفہوم ہے کہ اذان کے وقت بات کرنے سے ایمان جاتے رہنے کا خوف ہے، اور مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے سے ۴۰/ برس کی نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اکثر بازاروں میں، یا نماز کے لئے آتے وقت، یا بوقتِ اذان لین دین، یا باتیں کرتے ہیں، اگر کوئی شخص خاموش رہے تو شدید تکلیف ہوگی۔ ایسے مواقع پر کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کے وقت باتیں کرنے سے ایمان جاتے رہنے کا خوف کس حدیث میں ہے، مجھے وہ حدیث محفوظ نہیں، آپ لکھیں تو اس کو دیکھا جائے۔ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے لئے بیٹھنا منع ہے(۲)، اگر نماز

---

(۱) "لأن تنزيه المسجد من القذر واجب". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۵/۲، سعيد)

(۲) "(قوله: بأن يجلس لأجله) فإنه حينئذ لا يباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۶۶۲/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشيديه) .... =

کے لئے مسجد میں جائے اور وہاں کوئی اتفاقیہ تجارت وملازمت وغیرہ کی باتیں بھی کسی سے کرلے تو یہ اس حکم میں نہیں ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا

سوال[۷۳۶۴]: ۱......مسجد کے اندر بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنا۔

۲......مسجد میں اخبارات کا پڑھنا، کیونکہ بعض اوقات اذان کے بعد سنت پڑھتے ہیں، ایسی حالت میں جب کہ دیگر نمازی سنتیں ادا کر رہے ہوں تو اخبارات کا آواز کے ساتھ پڑھنا۔

خاکسار محمد صدیق خان، سہانپور، ۴/ جمادی الاخری/۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲......مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے لئے بیٹھنا ناجائز ہے(۲)، البتہ اگر نماز وغیرہ عبادات کے لئے مسجد میں آنے کے بعد کوئی ضرورت پیش آئے تو مباح کلام کرنا ایسے طریقہ پر کہ دوسرے عبادت کرنے

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۲۳، رشيديه)

(۱) "وصرح في الظهيرية بكراهة الحديث: أي كلام الناس في المسجد، لكن قيده بأن يجلس لأجله .... أما إن جلس للعبادة، ثم بعدها تكلم، فلا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۲۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۲) "(قوله: بأن يجلس لأجله) فإنه حينئذ لا يباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

والوں کو اذیت نہ ہو درست ہے (۱) اور غیر مباح کلام جیسے فحش گفتگو اور جھوٹے قصے کسی طرح درست نہیں، اور ایسی حالت میں اخبار کا بلند آواز سے پڑھنا کہ نمازیوں کو اذیت ہو درست نہیں، کذا فی نفع المفتی والسائل، ص: ۱۲۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ جمادی الثانیہ/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الثانیہ/۵۴ھ۔

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا

سوال [۷۳۶۵]: مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرنا کیسا ہے؟ خزانۃ المفتیین میں جو یہ تحریر ہے کہ جو شخص مسجد میں دنیا کی باتیں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس روز کا عمل برباد کرتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

محمد انس ڈرائی کلینرس، نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز کے لئے متعین کی گئی ہے جہاں بلا غسل جانا ممنوع ہے وہ مسجد ہے (۳)، وہاں نماز

---

(۱) "الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله .... قال في المصفى: الجلوس في المسجد للحديث مأذون شرعاً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/ ۶۶۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/ ۳۲۱، رشيديه)

(۲) "قيل: يجوز الكلام المباح من الدنيا ولا يجوز الكلام المنكر، كالقصص و حكايات الدنيا الكاذبة، فقد نقل في فتاوى عالمگير عن التمرتاشي: أن الكلام المباح يجوز في المساجد وإن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله". (مجموعة رسائل اللكنوى، رسالة نفع المفتي والسائل ما يتعلق بالمساجد: ۴/ ۱۸۱، ادارة القرآن كراچي)

"والسادس: أن لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله تعالىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/ ۳۲۱، رشيديه)

(۳) "المسجد: الموضع الذي يسجد وبيت الصلوة، وهو اصطلاحاً: الأرض التي جعلها المالك مسجداً بقوله: جعلتُه مسجداً، وأُفرز طريقه وأذِن بالصلوة فيه، فإن صلى واحد زال ملكه". (قواعد =

تلاوت ذکر کے لئے جانا چاہیے، دنیا کی باتیں کرنے کے لئے وہاں بیٹھنے پر وعید ہے(۱)۔ جو وعید آپ نے نقل کی ہے وہ محلِ کلام ہے، اگر جانا ہو تو نماز کے لئے اور تبعاً کچھ مباح بات بھی کر لی اس پر وعید نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۴/۲۴ھ۔

مسجد میں بیٹھ کر مشورہ کرنا

سوال[۷۳۶۶]: عرض یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر کچھ آدمی مسجد کی بابت مشورہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاشور وشغب کے اس طرح بیٹھ کر مشورہ کر سکتے ہیں کہ مسجد کا ادب ملحوظ رہے اور کسی کی نماز میں خلل نہ آئے (۳)۔ مسجد کی ضروریات، مثلاً: تقررِ امام، وتعیینِ اوقات نماز وغیرہ کے متعلق مشورہ کرنا دنیا کی بات

= الفقه، التعريفات الفقهية، ص: ۴۸۴، صدف پبلشرز)

(۱) "الكلام المباح في المسجد مكروهٌ يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب .... ولا بأس أن يتحدث بما لا إثم فيه .... ويلازم قراءة القرآن والحديث والعلم والتدريس وسير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقصص الأنبياء وحكايات الصالحين وكتابة أمر الدين". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۱، ۵۳۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۳۹۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله تعالىٰ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

"وصرح في الظهيرية بكراهة الحديث: أي كلام الناس في المسجد، لكن قيده بأن يجلس لأجله .... أما إن جلس للعبادة، ثم بعدها تكلم، فلا". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۳) "الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله .... ="

نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں ٹیپ ریکارڈ سے قرآن سننا

سوال[۷۳۶۷]: ہمارے یہاں جامع مسجد کے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ آج کل باہر سے جو ٹیپ ریکارڈ آرہے ہیں اس میں دینی تقاریر کے علاوہ نماز واذان وغیرہ بھرے ہوئے ہوتے ہیں تو امام صاحب نے رمضان شریف میں اَخیر عشرہ کی طاق راتوں میں مسجد میں رکھ کر عوام کو سنایا۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ مسجد کے باہر رکھ کر سنائیے۔ امام صاحب نے کہا: مسجد میں رکھ کر سنا سکتے ہیں۔ ان کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس میں ایک قوی اندیشہ تو یہ ہے کہ لوگ صرف ٹیپ ریکارڈ سننے پر کفایت کریں گے اور اسی سے شوق پورا کرلیا کریں گے، خود تلاوت کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ اور پھر یہ بھی احتمال ہے کہ دوسرے لوگ غلط قسم کی چیزیں سنانے لگیں اور اس سے استدلال کریں گے، لہٰذا اس طریقہ کو بند کر دیا جائے، کیونکہ یہ چیز بڑھتے بڑھتے دور تک پہونچ جاتی ہے۔ بعض جگہ یہ بھی ہے کہ نماز کا وقت آیا اور اذان کا ریکارڈ بجالیا اور سمجھ لیا کہ اذان ہوگئی، پھر امامت کا ریکارڈ بجادیا اور اس کا بھی اقتداء کرلیا، حالانکہ نہ اس طرح اذان ہوئی، نہ امامت ہوئی، نہ اقتدا صحیح ہوئی، نہ نماز ادا ہوئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= قال في المصفى: الجلوس في المسجد للحديث مأذون شرعاً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۱) "بخلاف السماع من الببغاء والصدى، فإن ذلك ليس بتلاوة، وكذا إذا سمع من المجنون؛ لأن ذلك ليس بتلاوة صحيحة، لعدم أهليته لانعدام التمييز". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: سبب وجوبها و بيان من تجب عليه السجدة: ۱/۴۴۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۸، سعيد)

مسجد میں ٹیپ ریکارڈ سے وعظ سننا

سوال[۷۳۶۸] : ۱......ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ مسجد میں رکھ کر تلاوتِ قرآن یا کسی مقرر کی تقریر سنی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۲......زید جامع مسجد میں اعلان کرتا ہے کہ آج بعد نمازِ عشاء اس مسجد میں فلاں شخص کی تقریر ہوگی، آپ حضرات تشریف لائیں، بچوں کو بھی لاویں، عورتوں کے بیٹھنے کا بھی معقول انتظام ہے۔ لیکن بعد نمازِ عشاء بذریعۂ ٹیپ ریکارڈ تقریر سنوائی جاتی ہے۔ تو زید کے اس بیان یا اعلان پر کیا حکم ہے؟

۳......یہ کہ جملہ مسلمان اس جلسے میں شریک ہوکر بذریعۂ ٹیپ ریکارڈ مسجد میں تقریر سنیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟ از روئے شرع جواب جلد مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-۳......فی نفسہ ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ سے اگر تلاوتِ کلامِ پاک یا وعظ کی آواز آئے تو اس کا سننا مسجد اور غیر مسجد سب جگہ درست ہے(۱)، لیکن اگر مسجد میں یہ طریقہ شروع کردیا جائے تو اندیشہ ہے کہ ہر قسم کی چیزوں کے لئے مکانات کی طرح مسجد میں بھی ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کا استعمال ہونے لگے گا اور جائز و ناجائز کی کوئی تمیز باقی نہ رہے گی، اس لئے مسجد میں ایسی چیزوں سے احتراز کیا جائے (۲)۔ تقریر کا اعلان کر کے ٹیپ ریکارڈ سے تقریر سنوانے میں ایک قسم کا فریب ہے، لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ واقعۃً تقریر ہوگی، حالانکہ وہ تقریر

---

(۱) "الأمور بمقاصدها يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر، يكون على مقتضى ماهو المقصود من ذلك الأمر". (شرح المجلة، المقالة الثانية (رقم المادة: ۲) : ۱/۱۷، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، (رقم القاعده: ۷۸): ۱/۱۰۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في قواعد الفقه (رقم القاعدة: ۵۱)، ص: ۶۲، الصدف پبلشرز)

(۲) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسلّ سيوفكم". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب مايكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمي)

کی نقل ہے۔ جب ان جلسوں اور تقریروں کا حال معلوم ہوگیا، ان کے سننے کا بھی حال خود بخود واضح ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۴ھ۔

مسجد میں بیٹھ کر خط لکھنا

سوال [۷۳۶۹]: مسجد میں دینی کتابیں پڑھنے اور دین کی معلومات حاصل کرنے کے لئے خط لکھنے میں کیا حکم ہے؟ (میں حضرت مولانا علی میاں سے بیعت ہوں)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں دینی کتابیں پڑھنا، دینی معلومات کے لئے خط لکھنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں چہل قدمی کرنا

سوال [۷۳۷۰]: وظیفہ پڑھنے والے بعد نماز فجر وعصر اندرونِ مسجد میں ٹہل ٹہل کر اپنا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ یہ فعل کیسا ہے؟ بعض عالم بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر بعد نماز عصر کے چہل قدمی فرمایا کرتے تھے، اللہ پاک نے اپنے پیارے حبیب کا اس زمین پر چہل قدمی کرنا پسند نہ فرمایا اس لئے جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری عطا فرمائی کہ اس پر میرا محبوب چلے جیسا کہ صحاح ستہ میں ہے کہ مسجد ومنبر کے درمیان جو حصہ ہے وہ اصلی جنت کی کیاریوں میں سے ایک ہے۔

---

(۱) "وكذا الكاتب إذا كان يكتب بأجر يكره، و بغير أجر، لا". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد، الخ: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: يكره استقبال القبلة، الخ: ۴۲۲/۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البزازية، كتاب الصلاة، السادس والعشرون في حكم المسجد: ۸۲/۴، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ٹہلنا وظیفہ کا جز نہیں، افضل وبہتر یہ ہے کہ ایک جگہ تنہائی میں بیٹھ کر یکسوئی سے وظیفہ پڑھا جائے (۱)، اگر جماعت کا وقت قریب ہو اور نیند کا اثر ہو جس سے یہ خیال ہو کہ ایک جگہ بیٹھ کر انتظار کرنے سے نیند آجائے گی، یا اسی قسم کی کوئی اَور ضرورت ہو تو مسجد میں ٹہلنے میں مضائقہ نہیں، لیکن مستقلاً ٹہلنے کے لئے مسجد کو تجویز کرنا بعد فجر ہو یا بعد عصر یا کسی اَور وقت مسجد کی غایت اور وضع کے خلاف ہے (۲)۔ مسجد ومنبر کے درمیان: "روضۃٌ من ریاض الجنۃ" ہونا حدیث سے ثابت ہے (۳)۔ بعد عصر کے علاوہ دیگر اوقات میں اللہ پاک نے اس زمین پر

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادعوا ربکم تضرعاً و خفیةً﴾ الآیة. (سورة الأعراف: ۵۵)

قال العلامة الآلوسی: "﴿تضرعاً﴾: أی ذوتضرع، أو متضرعین .... وهو من الضراعة، وهی الذل والاستکانة .... وقال الزجاج: التضرع التملق وهو قریب مما قالوا: أی ادعوه تذللاً".

(روح المعانی: ۸/۱۴۰، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "وعن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من سمع رجلاً ینشد ضالّةً فی المسجد، فلیقل لا ردها اللہ علیک، فإن المساجد لم تبن لهذا". (مشکوة المصابیح، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص:۶۸، قدیمی)

(وسنن ابن ماجة، کتاب الصلاة، أبواب المساجد والجماعات، باب النهی عن إنشاد الضوال فی المسجد، ص:۵۶، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوة، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد و ما یقول من سمع الناشد: ۱/۲۱۰، قدیمی)

قال الملا علی القاری تحته: "(من سمع رجلاً ینشد ضالّةً فی المسجد) .... ویدخل فی هذا الأمر کل أمرٍ لم یُبنَ له المسجد من البیع والشراء ونحو ذلک، اهـ". (مرقاة المفاتیح، باب المساجد الخ، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۷۰۶): ۲/۴۱۱، رشیدیه)

(۳) "وعن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ما بین بیتی ومنبری روضةٌ من ریاض الجنة، ومنبری علی حوضی". (صحیح البخاری: ۱/۲۵۳، فضائل المدینة، باب بلا ترجمة، قدیمی)

(ومشکوة المصابیح، باب المساجد و مواضع الصلوة، الفصل الأول، ص:۶۸، قدیمی)

اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چلنا کیسے پسند کیا ہے؟ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں ٹہلتے ہوئے تسبیح پڑھنا

سوال[۷۳۷۱]: کیا مسجد میں ٹہل کر تسبیح وغیرہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تسبیح چلتے پھرتے ٹہلتے ہرطرح پڑھنا درست ہے: "أما الذکر فی قوله تعالیٰ: ﴿فإذا قضیتم الصلوة فاذکروا لله قیاماً وقعوداً وعلی جنوبکم﴾ هو الصلوة، ولکنه علی أحد وجهین: إماالذکر بالقلب، وهو الفکر فی عظمة الله تعالیٰ وجلاله وقدرته فی خلقه وصنعه من الدلائل علیه وحکمه وجمیل صنعه. والذکر الثانی الذکر باللسان بالتعظیم والتسبیح والتقدیس. وروی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: لم یعذر أحد فی ترك الذکر إلامغلوباً علی عقله، اه". أحکام القرآن: ۳۲۳/۲(۱).

قال أبو السعود فی قوله تعالیٰ: ﴿فاذکروا الله قیاماً وقعوداً وعلی جنوبکم﴾: "أی فداوموا علی ذکر الله تعالیٰ وحافظوا علی مراقبته ومناجاته ودعائه فی جمیع الأحوال حتی فی حال المسابقة والقتال، کما فی قوله تعالیٰ: ﴿إذا لقیتم فئةً فاثبتوا، واذکروا الله کثیراً، لعلکم تفلحون﴾ اه". تفسیر أبی السعود: ۹/۳(۲).

لیکن بلاضرورت مسجد میں ٹہلنا نہیں چاہیے (۳)۔فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

شاہی مسجد کو تفریح گاہ بنانا

سوال[۷۳۷۲]: شہر برہان پور میں شاہی زمانہ کی بنی ہوئی مسجد ہے جو فنِ تعمیر میں نرالی ہے، مگر

---

(۱) (أحکام القرآن للجصاص: ۳۷۳/۲، سورة النساء، ذکر اختلاف الفقهاء فی الصلوة فی حال القتال، مطلب: الذکر علی وجهین، قدیمی)

(۲) (تفسیر أبی السعود، (سورة النساء: ۱۰۳): ۲۲۸/۱، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) (راجع للتخریج المسئلة المتقدمة آنفاً)

افسوس یہ ہے کہ وہ مسجد تفریح گاہ بن گئی ہے، ہندو و مسلم، مرد وزن، وقت بے وقت مسجد میں گھومتے رہتے ہیں اور مؤذن ان کو مسجد میں گھما کر رہبری کی قیمت وصول کرتا ہے۔ تو کیا مسجد کو تفریح گاہ بنانا اور مرد وزن کا بے خطر اس میں داخل ہونا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورتِ حال مسجد کے منشاء واحترام کے سخت خلاف ہے: "فإن المساجد لم تُبنَ لهذا".

مشکوة شریف، ص:٦٨ (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۲/۴/۱۴۰۶ھ۔

مسجد کی زمین اور قبرستان میں فٹ بال وغیرہ کھیلنا

سوال [۷۳۷۳]: مسجد کی زمین یا قبرستان میں فٹ بال کھیلنا، ہاکی اور والی بال، کرکٹ اور بیڈمنٹن کھیلنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی زمین اور قبرستان کے لئے وقف شدہ زمین کا حکم بحیثیتِ احترام مسجد کا حکم نہیں ہے، ہر جائز کام وہاں درست ہے اور ہر ناجائز کام وہاں ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

---

(١) الحديث بتمامه: "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمع رجلاً ينشد ضالةً في المسجد، فليقل لا ردّها الله عليك، فإن المساجد لم تُبنَ لهذا". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ٦٨، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الصلوة، أبواب المساجد والجماعات، باب النهي عن إنشاد الضوال في المسجد، ص: ٥٦، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلوة، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد ومايقول من سمع الناشد: ١/٢١٠، قديمي)

(٢) "والمختار للفتوى في المسجد الذي اتخذ لصلاة الجنازة والعيد أنه مسجد في حق جواز الاقتداء =

مسجد میں افطاری اور سحری

سوال[۷۳۷۴]: مسجد میں روزہ افطار کرنا ایسے ہی سحری کھانا کیسا ہے؟ اگر مکان پر افطاری کرتا ہے تو جماعت فوت ہو جاتی ہے، لہٰذا کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ ایسی صورت میں اعتکاف کی نیت کرلے(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد میں افطار کرنا یا سحری کھانا درست ہے، لیکن جہاں تک ممکن ہو مسجد کو ملوث نہ کیا جائے، یا جو جگہ قریب مسجد ہو وہاں کھایا پیا جاوے تو بہتر ہے(۲)۔

سعید احمد غفرلہ، ۲۶/ ربیع الاول/ ۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۷/ ربیع الاول/ ۵۳ھ۔

= وإن انفصل الصفوف رفقاً بالناس، وفيما عدا ذلك ليس له حكم المسجد، اهـ. و ظاهر ما في النهاية أنه يجوز الوطء والبول والتخلي في مصلى الجنائز والعيد، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۴، رشيديه)

(و كذا في الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۵۷، سعيد)

(و كذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد، الخ: ۱/۱۰۹، رشيديه)

(۱) "ويحرم فيه السوال .... وأكل، ونوم إلا لمعتكف وغريب". (الدرالمختار) "(قوله: و أكل ونوم، الخ) وإذا أراد أن يفعل ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه و يذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوىٰ، أو يصلي، ثم يفعل ما شاء، كذا في السراجية". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۲) "لأن تنظيف المسجد واجب". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۵، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيديه)

مسجد میں قربانی کرنا

سوال[۷۳۷۵]: مسجد کے اندر قربانی کرنا یعنی مسجد کے صحن میں قربانی کرنا جب کہ مسجد کی دیوار میں خون کی چھینٹیں پڑتی ہیں۔اس کا کیا حکم ہے اور اگر چھینٹیں نہ پڑیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوحصہ مسجد ہے یعنی نماز کے لئے وقف ہے وہاں نماز پڑھتے ہیں،اس جگہ ذبح کرنا حرام ہے کہ ناپاک خون سے مسجد گندی ہوجائے گی (۱)۔احاطۂ مسجد میں جہاں جوتے رکھتے ہیں،وہاں بھی ذبح کرنے کی ممانعت ہے وہ جگہ اس لئے وقف نہیں دوسری جگہ ذبح کیا جائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲/۶/۸۸ھ۔

مسجد میں چھپکلی مارنا

سوال[۷۳۷۶]: مسجد کے اندر چھپکلی کا مارنا کیسا ہے؟

---

(۱) "(قوله: والوضوء)؛ لأن ماء ه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيديه)

"لأن تنزيه المسجد من القذر واجب". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

"لأن تنظيف المسجد واجب". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۵،سعيد)

(۲) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، و في المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"ويكره كل عمل من عمل الدنيا في المسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں مارنا چاہئے، اس کو وہاں سے باہر نکال کر مارا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۸/ ۹۲ھ۔

مسجد کی چھت پر سے چڑیا کا شکار

سوال[۷۳۷۷]: مسجد کی چھت پر بیٹھ کر بندوق سے چڑیا مارنا، یا کسی ایسے درخت سے جس سے گر کر مسجد میں آوے شکار کھیلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی چھت پر شکار کے لئے چڑھنا منع ہے (۲) اور ایسی طرح شکار کھیلنا کہ جانور مسجد میں گرے اور مسجد ملوث ہو یہ بھی منع ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۱۱/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں کبوتر پکڑنا

سوال[۷۳۷۸]: زید کہتا ہے کہ اپنے گاؤں کی مسجد سے کبوتر بغرضِ شکار پکڑنا جائز ہے اور بکر کہتا ہے

---

(۱) (راجع، ص: ۲۰۸، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "والصعود علی سطح کل مسجد مکروہ". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۵/ ۳۲۲، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیها، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۱/ ۶۵۶، سعید)

(۳) "لأن تنزیه المسجد من القذر واجب". (الحلبی الکبیر، فصل فی أحکام المسجد، ص: ۶۱۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

"لأن تنظیف المسجد واجب". (ردالمحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/ ۴۴۵، سعید)

کہنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفسِ شکار کرنا کبوتر کا جائز ہے(۱)، مگر مسجد کا احترام بھی لازم ہے، لہذا ایسی طرح نہ پکڑیں کہ جس سے مسجد کی بے حرمتی ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنا

سوال[۷۳۷۹]: ایک صاحب کا اعتراض ہے کہ مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان حدیث کی رو سے درست نہیں ہے، اس سلسلے میں حدیثوں کا مطالعہ کیا تو ہر جگہ "ضالة" کا لفظ ملا، مثلاً:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمع رجلاً ينشد ضالةً في المسجد، فليقل: لا ردّها الله عليك، فإن المساجد لم تُبنَ

---

(۱) "عن أبي ثعلبة الخشني رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رميت الصيد، فأدركته بعد ثلث ليال وسهمك فيه، فكُلْ ما لم ينتن". (سنن أبي داؤد: ۳۹/۲، باب في اتباع الصيد، إمداديه ملتان)

"وحل اصطياد مايؤكل لحمه ومالايؤكل". (البحرالرائق، كتاب الصيد: ۲۲۶/۸، رشيديه)

"لعل مناسبته أن كلاً منهما مما يورث السرور وهو مباح .... قال المصنف: وإنما زدته تبعاً له، وإلا فالتحقيق عندي إباحة اتخاذه حرفة؛ لأنه نوع من الاكتساب وكل أنواع الكسب في الإباحة سواء على المذهب الصحيح، كما في البزازية وغيرها". (الدرالمختار، كتاب الصيد: ۴۶۱/۶، ۴۶۲، سعيد)

(۲) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "جنّبوا مساجدكم صبيانكم و مجانينكم و شراء كم و بيعكم و خصوماتكم و رفع أصواتكم و إقامة حدودكم". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب ما يكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمي)

"منها: تعظيم المسجد، ومؤاخذة نفسه أن يجمع الخاطر، ولا يسترسل عند دخوله، وهو قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا دخل أحدكم المسجد، فليركع ركعتين قبل أن يجلس". (حجة الله البالغة: ۵۴۳/۱، المساجد وآداب المسجد، قديمي)

لهذا". رواه مسلم". مشكوة(۱)۔

لغات میں "ضـالة" گم شدہ اونٹ یا جانور کو کہتے ہیں، لہذا مطلب کو مخصوص ہی معنی میں لیا جا سکتا ہے کہ کسی گم شدہ اونٹ یا جانور کا اعلان مساجد میں نہ کرنا چاہئے۔ "فإن المساجد لم تُبنَ لهذا" سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کی ساخت اس کے لئے نہیں ہے اور نہ اس کا محل ہے۔ عین الهدايه میں بھی "فوائد" کے ذیل میں مرقوم ہے کہ "منجملہ مکروہات کے گم شدہ جانور کا پتہ ڈھونڈ نا"۔

میرا خیال ہے کہ مساجد کی حدود میں گم ہونے والی چیزوں کا اعلان یا دریافت اس ذیل میں نہیں آتا، لیکن شارحینِ حدیث اور فقہاء نے مطلقاً کسی چیز کے گم ہونے کے اعلان کو نا جائز یا مکروہ لکھا ہے تو سمعنا وأطعنا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"(قوله: وإنشاد ضالة) هي الشيء الضائع، وإنشادها السؤال عنها، وفي الحديث: "إذا رأيتم من ينشد ضالةً في المسجد، فقولوا: لا ردّها الله عليك". اهـ". شامي: ۱/۴۷۳(۲)۔ قال ابن الأثير: "وهي الضالة من كل شيء من الحيوان وغيره، اهـ". نهاية: ۲/۲۶(۳)۔

"وأما إنشاد الضالة، فالمنهي عنه رفع الصوت بذلك؛ إذ فيه الإضرار دون غيره، وفيه سوء تأديب نسبة إلى المسجد، اهـ". الكوكب الدرى: ۱/۱۵۴(۴)۔ "وأما إنشاد الضالة، فله

(۱) (مشكوة المصابيح، باب المساجد و مواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمى)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۶۰، سعيد)

"(قوله: إنشاد ضالة) لقوله عليه السلام: "إذا رأيتم من ينشد ضالةً في المسجد، فقولوا: لاردها الله عليك". (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، باب ما يفسد الصلاة: ۱/۲۷۸، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد: ۶۱۱، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۳) (النهاية لابن الأثير، باب الضاد مع اللام: ۲/۹۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في مجمع بحار الأنوار، ضلل: ۳/۴۱۲، مجلس دائرة المعارف العثمانية دكن)

(۴) (الكوكب الدرى، أبواب الصلاة، باب في البيع والشراء وإنشاد الضالة والشعر في المسجد: ۱/۳۱۹، إدارة القرآن كراچي)

صورتان: إحداهما: إن ضل شيء في خارج المسجد و ينشده في المسجد لاجتماع الناس، فهو أقبح وأشنع، وأما لو ضل في المسجد، فيجوز الإنشاد بلا شغب". العرف الشذي، ص: ۸۰(۱)۔ هكذا في معارف السنن: ۳/۳۱۳(۲)۔

عباراتِ منقولہ سے مسئلہ کی حیثیت واضح ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

ایضاً

سوال[۷۳۸۰]: حدودِ مسجد میں اگر کسی نمازی کا جوتا، گھڑی، یا اَور کوئی چیز گم ہوجائے تو مسجد میں اس کا اعلان کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر اعلان کے طلب وتفتیش درست ہے، اعلان کرنا ہوتو وضوخانہ، دروازۂ مسجد پر (خارج مسجد) اعلان کرے، كذا في معارف السنن شرح الترمذي (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱) (العرف الشذي على جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب كراهية البيع والشراء وإنشاد الضالة في المسجد: ۱/۸۰، سعيد)

(۲) "وأما إنشاد الضالة، فله صورتان: إحداهما: و هي أقبح و أشنع بأن يضل شئ خارج المسجد، ثم ينشده في المسجد لأجل اجتماع الناس فيه. والثانية: أن يضل في المسجد نفسه، فينشده فيه، وهذا يجوز إذا كان من غير لغط وشغب". (معارف السنن، أبواب الصلوة، باب ما جاء في كراهية البيع والشراء وإنشاد الضالة في المسجد: ۳/۳۱۳، سعيد)

(۳) خلاصہ جواب یہ ہے کہ عباراتِ مذکورہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ احادیثِ مبارکہ میں اعلانِ گمشدگی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، فقہائے کرام نے اس حکم کو عام رکھا ہے، البتہ صرف وہ چیز جو کہ مسجد کے اندر ہی سے گم ہوتو اس کے اعلان کی اجازت دیتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ضروری یہ ہے کہ مسجد کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے شور وشغب سے اجتناب کیا جائے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) "وأما إنشاد الضالة، فله صورتان: إحداهما: و هي أقبح و أشنع بأن يضل شئ خارج المسجد، ثم =

مسجد میں سے ہوکر غسل خانہ جانا

سوال[۷۳۸۱]: مسجد کے فرش پر چل کر غسل خانہ میں جانا پڑتا ہے اور یہ دستور قدیم سے کر رکھا ہے۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر غسل خانہ تک جانے کا راستہ بجز مسجد میں کو گذرنے کے کوئی نہیں تو ناپاک آدمی تیمّم کرکے وہاں کو جائے اور کوشش کرے کہ راستہ کسی اَور طرف کو بنایا جائے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۲ھ۔

عورتوں کا مسجد میں جانا

سوال[۷۳۸۲]: عورتوں کا پردہ کے ساتھ باجازتِ شوہر کے مسجد میں نماز کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتنہ وفساد کی زیادتی کی وجہ سے ممنوع ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عورتوں کی یہ حالت اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تو مسجد میں جانے سے منع فرمادیتے (۲)، بعض

= ينشده في المسجد لأجل اجتماع الناس فيه. والثانية: أن يضل في المسجد نفسه، فينشده فيه، وهذا يجوز إذا كان من غير لغط وشغب". (معارف السنن، أبواب الصلوة، باب ما جاء في كراهية البيع والشراء وإنشاد الضالة في المسجد: ۳/ ۳۱۳، سعيد)

(۱) "ويحرم بالحدث الأكبر دخول مسجد ولو لعبور، إلا بضرورة، حيث لايمكنه غيره". (الدرالمختار). "عن المبسوط: مسافرٌ مرّ بمسجد فيه عين ماء، وهو جنب، ولا يجد غيره، فإنه يتيمّم لدخول المسجد عندنا، اهـ......... ولا نجيز العبور في المسجد بلا تيمم". (ردالمحتار، كتاب الطهارة: ۱/ ۱۷۱، ۱۷۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس، الخ: ۱/ ۳۸، رشيديه)

(۲) "عن يحيى بن سعيد عن عمرة عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله =

اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تدبیروں سے اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورتوں کا مسجد کو گذرگاہ بنانا

سوال [۷۳۸۳]: کیا مسجد کے اندر سے مسلم اور غیر مسلم عورتوں کا آنا جانا جائز ہے؟

= تعالیٰ علیه وسلم ما أحدث النساء، لمنعهن المسجد كما مُنعت نساء بني إسرائيل". (صحيح البخاري: ۱/۱۲۰، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس، قديمي)

(والصحيح لمسلم كتاب الصلوة، باب خروج النساء إلى المساجد: ۱/۱۸۳، قديمي)

(۱) "وهذا هو محمل ما رواه ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما من خروجهن بعد فتح مكة، ثم منعهن الصحابة بعد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لفساد الزمان .... وكان ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه يُخرج النساء من المسجد يوم الجمعة ويقول: "أخرجن إلى بيوتكن خيرٌ لكن". رواه الطبراني".

(إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب وجوب صلوة العيدين: ۸/۸۸، إدارة القرآن كراچي)

"ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به، لفساد الزمان". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/۸۹، رشيديه)

"چنانچہ حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کے کئی نکاح ہوئے تھے جن میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ہوا، وہ مسجد میں تشریف لے جاتی تھی، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گراں ہوتا تھا، کسی نے ان کو کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گراں ہوتا ہے، انہوں نے کہا کہ ان کو اگر گراں ہوتا ہے تو منع کر دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح ہوا، ان کو بھی یہ چیز گراں تھی، مگر روکنے کی ہمت نہ ہوئی تو ایک مرتبہ عشاء کی نماز کے لئے یہ جہاں کو جاتی تھی، راستہ میں بیٹھ گئے اور جب یہ پاس کو گزری تو ان کو چھیڑا، خاوند تھے اس لئے ان کو تو جائز تھا ہی، مگر ان کو خبر نہ ہوئی، اندھیرا تھا کہ یہ کون ہیں، اس کے بعد انہوں نے جانا چھوڑ دیا۔ دوسرے وقت حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ مسجد میں کیوں جانا چھوڑ دیا، کہنے لگیں کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا"۔ (حکایاتِ صحابہ، ص: ۱۲۱، کتب خانہ فیضی لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کو گذرگاہ نہ بنایا جائے، نہ مردوں کے لئے نہ عورتوں کے لئے (۱)۔ عورتوں کو تو نماز کے لئے بھی مسجد میں آنے سے روک دیا جائے (۲)۔ غیر مسلم عورتوں کا وہاں کیا کام ہے، وہ کیوں آئیں؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۵ھ۔

مدرسہ کا راستہ مسجد میں سے

سوال [۷۳۸۴]: ایک مدرسہ مسجد سے ملحق ہے، اس کا راستہ مسجد کے اندر سے ہے یعنی مسجد ہی کے دروازے سے۔ تو یہ مدرسہ کا راستہ مسجد سے الگ ہونا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مدرسہ مسجد سے ہی متعلق ہے اور اس کا دروازہ دوسری جانب نہیں کیا جا سکتا، تو مجبوراً مسجد میں آنے

(۱) "لایتخذ طریقاً فی المسجد بأن یکون له بابان، فیدخل من هذا ویخرج من ذلک". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشیدیه)

"رجل یمر فی المسجد ویتخذه طریقاً إن کان لغیر عذر، لایجوز". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة: ۶۲/۱، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الصلوة: ۶۵۶/۱، سعید)

(۲) "عن یحیی بن سعید عن عمرة عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: لوأدرک رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ماأحدث النساء، لمنعهن المسجد کما مُنعت نساء بنی إسرائیل". (صحیح البخاری: ۱۲۰/۱، کتاب الأذان، باب خروج النساء إلی المساجد باللیل والغلس، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الصلوة، باب خروج النساء إلی المساجد: ۱۸۳/۱، قدیمی)

"ویکره حضور هن الجماعة ولو لجمعة وعید ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً لیلاً علی المذهب المفتی به، لفساد الزمان". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۶۶/۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الخامس فی بیان مقام الإمام والمأموم: ۸۹/۱، رشیدیه)

جانے کی اجازت ہوگی، ایسی حالت میں مسجد میں مرور کی شامی نے گنجائش دی ہے(۱)، اگر دوسری جانب کو راستہ بن سکتا ہو تو دوسری جانب راستہ بنا دیا جائے، یہی احوط ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۵/ ۱۴۰۱ھ۔

بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں داخل کرنا

سوال[۷۳۸۵]: مسجد میں ایسے چھوٹے بچوں اور پاگلوں کو داخل کرنا حرام ہے جن کی نجاست کا گمان غالب ہو اور گمان غالب نہ ہو تو مکروہ ہے(آداب المساجد)۔ مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچے صاف ستھرے رہیں تو مکروہ تحریمی نہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "(واتخاذه طريقاً بغير عذر) وصرح في القنية بفسقه باعتياده". (الدرالمختار). "(قوله: بغير عذر) فلو بعذرٍ، جاز". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/ ۶۵۶، سعيد)

"قوله: (وإن جعل شئ من الطريق مسجداً، صح كعكسه). ومعنى قوله: (كعكسه) أنه إذا جعل في المسجد سمراً، فإنه يجوز لتعارف أهل الأمصار في الجوامع، وجاز لكل أحد أن يمرّ فيه حتى الكافر، إلا الجنب والحائض والنفساء، لما عرف في موضعه". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/ ۴۲۸، رشيديه)

(۲) "لأهل المحلة تحويل باب المسجد من موضع إلى موضع آخر". (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/ ۴۲۸، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴/ ۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، وإذا بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه: ۶/ ۲۳۷، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) "ويحرم إدخال صبيان و مجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره". (الدرالمختار). "(فقوله: إلا فيكره): أي تنزيهاً، تأمل". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب =

وضو کی نالی صحنِ مسجد کے نیچے سے گزرتی ہوتو اس کا حکم

سوال [۷۳۸۶]: مسجد کے برآمدہ کے متصل دائیں جانب وضو کرنے کی نالی ہے اور وہ نالی باہر کے مسجد کے صحن کے نیچے کو نکالی گئی اور باہر والی وضو کی نالی پر آکر مل جاتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وضو کا پانی مسجد کے صحن کے نیچے کو گزرجاتا ہے، اس کے متعلق شرع کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ احترامِ مسجد کے خلاف ہے، آیا نماز میں بھی کچھ فرق آتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر مسجد بناتے وقت نالی کی یہی صورت رکھی گئی ہے تو شرعاً درست ہے، اس سے نماز میں فرق نہیں آتا، لیکن اگر اس نالی کا رخ کسی دوسری طرف بدلا جاسکتا ہے تو وہ انسب ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

مسجد کے غسل خانہ میں پاخانہ کرنا

سوال [۷۳۸۷]: بغیر اجازت متولی مسجد کے غسل خانہ میں محمد آفاق پاخانہ کرتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا ناجائز، جب کہ یہ غسل خانہ صرف استنجا پاک کرنے کے لئے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل خانے میں پاخانہ کرنا منع ہے (۲)، متولی کو اس کی اجازت دینا بھی منع ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۳/ ۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۳/ ۹۴ھ۔

= في أحكام المسجد: ۱/ ۲۵۶، ۲۵۷، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/ ۵۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۲۱۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "ويحرم فيه السؤال ويكره الإعطاء .... والوضوء فيما أعد لذلك". (الدرالمختار). "(قوله: والوضوء)؛ لأن ماءه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه، كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم، بدائع". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/ ۶۵۹، ۶۶۰، سعيد)

(۲) "عن الحسن عن عبدالله بن مغفل رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لايبولن أحدكم =

فرشِ مسجد پر وضو

سوال[۷۳۸۸]: مسجد کے فرش پر وضو کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے فرش پر جوکہ نماز کے لئے مقرر ہے وضو کرنا جائز نہیں ہے، اگر نالی وضو کے لئے موجود ہے تو وہاں وضو کریں، ورنہ فرشِ مسجد سے علیحدہ جا کر وضو کریں۔ غرض! وضو کا مستعمل پانی مسجد کے فرش پر ڈالنا منع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۱۲/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۱۲/۱۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= فی مستحمه ثم يغتسل فيه". قال أحمد رحمه الله تعالىٰ: "ثم يتوضأ فيه" فإن عامة الوسواس منه".

(سنن أبی داؤد، كتاب الطهارة، باب فی البول فی المستحم: ۱/۱۵، مكتبه إمداديه ملتان)

"عن عبدالله بن مغفل رضی الله تعالىٰ عنه أن النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم نهی أن يبول الرجل فی مستحمّه وقال: إن عامة الوسواس منه". (جامع الترمذی، أبواب الطهارة، باب ماجاء فی كراهية البول فی المغتسل: ۱/۱۲، سعيد)

(وكذا فی سنن النسائی، كتاب الطهارة، باب كراهية البول فی المستحم: ۱/۱۵، قديمی)

(۳) چونکہ غسل خانہ غسل کرنے کے لئے ہے اور بغیر غسل کے کسی اَور کام میں استعمال کرنا درست نہیں ہے، جیسے وضو کے لئے بنائے گئے حوض سے پانی پینا درست نہیں: "وإذا جعل السقاية للشرب، فأراد أن يتوضأ منها .... وإذا وقف للوضوء، لايجوز الشرب منه، وكل ما أعد للشرب حتى الحياض، لايجوز منها التوضؤ، كذا فی خزانة المفتين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۶۵، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فی أحكام المسجد: ۵/۴۲۷، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثانی والعشرون فی المسائل التی تعود إلی الرباطات والمقابر والخانات الخ: ۵/۸۶۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "الأولی تفسيرها بالطهارة ومقدماتها، ليدخل الاستنجاء والوضوء والغسل، لمشاركتها لهما فی =

مسجد کی دیوار پر بیٹھ کر وضو کرنا

سوال[۷۳۸۹]: محلّہ کی مسجد کے صحن کی دیوار ماہی پشت تھی (۱)۔جنوب کی دیوار کو محلّہ کی انجمن کے اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب-جوکہ حافظ، قاری، عالم ہیں-اوپر کے حصے کو توڑ کر چوکور بنواتے ہیں اور اس دیوار پر بیٹھ کر وضو خود بناتے ہیں اور دیگر لوگ بھی وضو اس پر بیٹھ کر بناتے ہیں۔کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فی نفسہ وضو وہاں درست ہے، جب کہ وضو کا پانی مسجد میں نہ گرتا ہو(۲)، لیکن ہیڈ مدرس صاحب کو

= الاحتياج وعدم الجواز في المسجد .... قال في البدائع: فإن كان (الغسل) بحيث يتلوّث (المسجد) بالماء المستعمل يمنع (المعتكف) منه ؛ لأن تنظيف المسجد واجب، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۵/۲، سعيد)

"ويكره الوضوء والمضمضة في المسجد، إلا أن يكون موضع فيه اتخذ للوضوء ولايصلى فيه". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلو ة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۶۱/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱۱۰/۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل في المسجد: ۶۴/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۱، سهيل اكيڈمي، لاهور)

"ويحرم فيه السؤال .... ويكره الإعطاء .... والوضوء فيما أعد لذلك". (الدرالمختار). "(قوله: والوضوء)؛ لأن ماءه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه كمايجب تنزيهه عن المخاط والبلغم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الصوت بالذكر: ۶۶۰/۱، سعيد)

(۱)"ماہی پشت: گنبدی، قبہ دار، محدب، وہ چیز جو آس پاس سے نیچی اور درمیان میں اونچی ہو"۔(فيروز اللغات، ص: ۱۱۹۱، فيروز سنز، لاهور)

(۲) "ويحرم فيه السوال .... والوضوء فيما أعد لذلك". (الدرالمختار). (قوله: والوضوء)؛ لأن ماءه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيهه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم". (الدرالمختار، باب أحكام المساجد، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۶۶۰/۱، سعيد)

مسجد کی دیوار میں ازخود متولی اور مصلیوں سے مشورہ کئے بغیر اس تصرف کا حق نہیں تھا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۷/ ۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۷/ ۹۳ھ۔

مسجد کا پانی راستہ چلنے والوں کے لئے تکلیف کا باعث نہیں ہونا چاہیے

سوال [۷۳۹۰]: ہمارا گاؤں تقریباً ۱۶، ۱۷/ سال سے آباد ہے، ہم نے شروع میں کچی مسجد بنالی تھی، اب پکی خوشنما مسجد بن گئی ہے۔ مسجد کی چہار دیواری کھڑے آدمی کے سر کے برابر ہے اور اندر تھوڑی زمین اس لئے رکھ لی ہے کہ گاؤں کی بڑھتی آبادی کے ساتھ ساتھ عمارت بھی بڑھتی رہے گی۔ اس زمین میں اس وقت ارنڈ وغیرہ کے پیڑ لگائے ہوئے ہیں (۱)۔ اندر ہی دو غسلخانے ہیں جن کا گندا پانی شروع ہی سے باہر جاتا تھا۔

اب ایک شخص نے غسل خانے کا پانی دیوار توڑ کر مسجد کی زمین میں ڈال دیا ہے جو مندرجہ بالا لکھی ہوئی ہے اور اس پانی کو مسجد کی زمین میں ڈالنے پر جو لاگت آئی ہے، یہ روپیہ اس شخص نے مسجد کے خزانے سے نکالا ہے، کیونکہ وہ شخص خود متولیٔ مسجد ہے۔ اس نے یہ پانی اس وجہ سے مسجد کی زمین پر ڈالا ہے کہ سڑک پر کیچڑ رہتا تھا۔ براہِ کرم اس بارے میں فتویٰ عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے غسل خانوں کا پانی اس طرح پر نکالنا کہ وہاں کیچڑ ہوجائے اور چلنے والوں کو تکلیف ہو، نہیں چاہیے، اگر اندرونِ احاطہ پانی کی جگہ ہے جس کے ذریعہ راستہ محفوظ رہ سکے تو راستہ کو بچانا چاہیے، مسجد کے متولی صاحب نے ٹھیک کیا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) پیڑ: درخت، شجر، پودا، بوٹا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۲۹، فیروز سنز، لاهور)

"ارنڈ: ایک درخت جس کے بیجوں سے تیل نکالا جاتا ہے۔ ارنڈ خربوزہ: ایک خاص قسم کا پھل، پپیتا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۳، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "عن أبي بردة عن أبي موسى رضي الله تعالىٰ عنه قال: قالوا: يارسول الله! أيّ الإسلام أفضل؟ قال: "من سلم المسلمون من لسانه ويده". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، بابٌ: أيّ الإسلام أفضل: ١/ ٦، قديمي)

بازار میں واقع مسجد میں لوگوں کی آمد ورفت کی وجہ سے بے حرمتی کا اندیشہ

سوال[۷۳۹۱]: ایک مسجد جو کہ بازار میں واقع ہے اور بازار کے لوگ مسجد کے نل سے پانی بھرتے ہیں۔ تو یہ درست ہے یا نہیں؟ نیز لوگ مسجد کے غسل خانوں میں آکر گندگی بھی کر جاتے ہیں، نیز دیہاتی عورتیں مسجد میں آکر بیٹھتی ہیں اور کھانا وغیرہ کھاتی ہیں جس سے مسجد میں چھپکلی اور دوسرے کیڑے مکوڑے آتے ہیں اور بھی بہت سی بے حرمتی ہوتی ہے، یہاں تک کہ بعض دفعہ یہ بھی دیکھا گیا کہ غسل خانہ میں لوگ بھنگ بھی پیتے ہیں۔ تو اس صورت میں مسجد غیر اوقاتِ نماز میں بند کردی جائے یا بند نہ کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگرچہ اوقاتِ نماز کے علاوہ مسجد کو بند کردینا بھی درست ہے (۱)، مگر مناسب نہیں کہ لوگوں کو پانی کی تکلیف ہوگی۔ جو کام مسجد میں غلط کئے جائیں ان سے روکنے کے لئے مسجد کے مؤذن کو تنبیہ کردے، یا اعلان لکھ کر لگادیا جائے، جب بار باراُن کو منع کیا جائے گا تو توقع ہے کہ مان لیں گے۔ نیز اوقاتِ نماز میں جب وہ مسجد میں آئیں تو ان سے درخواست کی جائے کہ وہ نماز ادا کریں، محض بطورِ مسافر خانہ مسجد کو استعمال نہ کریں (۲)۔ اگر وہاں تبلیغی جماعت کا طریقہ اختیار کیا جائے تو انشاء اللہ زیادہ نفع کی امید ہے، اس سے مسجد کا احترام بھی قلوب میں پیدا ہوگا جس سے غلط کاموں سے حفاظت رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) "(و) كما كره (غلق باب المسجد) إلا لخوف على متاعه، به يفتى". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة، ومايكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۲/۵۹، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة مايكره فيها: ۱/۴۲۱، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۲) "ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة و مايكره فيها: ۱/۶۶۱، سعيد)

کیا متولی کے منع کرنے سے اس مسجد میں نماز نہیں ہوگی؟

سوال[۷۳۹۲]: اگر کسی مسجد میں اذنِ عام نہ ہو اور مسجد کے متولی صاحب نمازیوں کو دیکھ کر یہ کہیں کہ شہر کے اندر ۱۷/مسجدیں اَور ہیں، یہیں کوئی ضروری ہے۔ تو کیا اس بات کے کہنے سے اس مسجد میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعی مسجد سے کسی نماز پڑھنے والے کو نماز سے روکنے کا حق نہیں، جو شخص روکتا ہے وہ غلطی پر ہے(۱)، اس کے روکنے کی وجہ سے وہ مسجد اس کی ملکیت نہیں ہو جائے گی، بلکہ اس کا روکنا غلط ہوگا (۲)۔ اور نماز اس مسجد میں درست رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

مسجد میں کسی کے لئے جگہ روکنا

سوال[۷۳۹۳]: مسجد یا عیدگاہ میں صفِ اول میں اُمراء اور رُؤساء کے لئے جگہ روکنا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اُمراء یا کسی اَور کے لئے عیدگاہ یا مسجد کی صفِ اول میں جگہ روکنے کا حق نہیں، جو پہلے آ کر جہاں بیٹھ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعىٰ في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۲) "وأعجب من ذلك أنه إذا غضب على شخص يمنعه من دخول المسجد خصوصاً بسبب أمر دنيوي، وهذا كله جهلٌ عظيمٌ، ولا يبعد أن يكون كبيرةً، فقد قال الله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾، فلا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد مابني إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۲۰، رشيديه)

(وكذا في غمز عيون البصائر على الأشباه والنظائر: ۴/۲۳، إدارة القرآن كراچی)

جائے وہ اسی کی جگہ ہوگی، اس کو وہاں سے اٹھانے کا بھی حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

دیوارِ مسجد میں تختہ لگا کر قرآن و دینی کتب رکھنا

سوال [۷۳۹۴]: مسجد میں جہاں امام کھڑا رہتا ہے، اس دیوار ہی میں آس پاس جو محرابیں ہوتی ہیں، ان میں فرش یا کچھ اَور چیز لگا کر قرآن شریف ودیگر کتب رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعمیرِ مسجد کو اس سے نقصان نہ پہونچے (دیوار کمزور نہ ہو جائے) تو قرآن پاک اور دینی کتب کا مطالعہ کے لئے وہاں رکھنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۴ھ۔

صحنِ مسجد میں نماز

سوال [۷۳۹۵]: صحنِ مسجد کو اگر حکم مسجد میں داخل نہ مانا جائے تو کیا اس میں فرائض، تراویح نماز

---

(۱) "و یکره تخصیص مکان فی المسجد لنفسه؛ لأنه یخل بالخشوع". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة: ۲/۲۲، رشیدیه)

"وتخصیص مکان لنفسه، و لیس له إزعاج غیره منه". (الدرالمختار). "(قوله: و تخصیص مکان لنفسه)؛ لأنه یخل بالخشوع، کذا فی القنیة: أی لأنه إذا اعتاده، ثم صلی فی غیره، یبقی باله مشغولاً بالأول .... قال فی القنیة: له فی المسجد موضع معین یواظب علیه، و قد شغله غیره، قال الأوزاعی: له أن یزعجه، و لیس له ذلک عندنا، اهـ: أی لأن المسجد لیس ملکاً لأحد". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، مطلب فی رفع الصوت بالذکر: ۱/۶۶۲، سعید)

(۲) "ودل تعلیلهم أن المبیع لو کان لایشغل البقعة، لایکره إحضاره، کدراهم ودنانیر یسیرة أو کتاب ونحوه". (البحر الرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۵۳۱، رشیدیه)

"لأن إباحته فی المسجد للضرورة، فلا یجاوز مواضعها". (فتح القدیر، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۳۹۷، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

باجماعت ادا کی جائے گی، نیز یہاں ادا کرنے میں ثواب میں تو کمی نہ ہوگی اور افضلیت کس میں ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسی صورت میں مسجد کا ثواب نہ ملے گا (۱) اور مسجد کو معطل کرنے کا وبال مستقل ہوگا (۲)، جماعت کا ادا کرنا مسجد میں بالیقین افضل ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

صحنِ مسجد کا احترام

سوال [۷۳۹۶]: مسجد کے صحن کا کچھ حصہ جو حدودِ مسجد میں ہے بغیر مرمت وپلاستر وغیرہ کے ہے، اس جگہ اینٹ روڑا وغیرہ پڑا ہوا ہے، ناہموار ہونے کی وجہ سے یہاں باقاعدہ نماز نہیں پڑھی جاتی۔ کیا اس کا احترام صحنِ مسجد کی طرح ضروری ہے، یہاں جوتا وغیرہ لے جانا، غسل وغیرہ کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) "ولو اتخذ فی بیته موضعاً للصلوة، فلیس له حکم المسجد أصلاً". (الحلبی الکبیر، فصل فی أحکام المساجد، ص: ۶۱۴، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة، الخ: ۶۴/۲، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه، وسعی فی خرابها﴾ الآیة. (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) "عن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "صلاة الرجل فی بیته بصلاة، وصلاته فی مسجد القبائل بخمس و عشرین صلاةً". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب ما جاء فی صلاة فی المسجد الجامع، ص: ۱۰۲، قدیمی)

"لأن الصلوة فی الجماعة تفضل صلوة الفذ بخمس و عشرین، أو سبع وعشرین درجةً".

(الحلبی الکبیر، فصل فی أحکام المساجد: ۶۱۳، سهیل اکیڈمی لاهور)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "صلوة الجمیع تزید علی صلوته فی بیته وصلوته فی سوقه خمساً وعشرین درجةً". (صحیح البخاری: ۶۹/۱، کتاب الصلوة، باب الصلوة فی مسجد السوق، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حصہ زمین کو مسجد قرار دیدیا گیا ہے وہ مرمت نہ ہونے کے باوجود قابلِ احترام ہے، اس میں کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو آدابِ مسجد کے خلاف ہو(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

مسجد کا پھول توڑنا

سوال[۷۳۹۷]: مسجد میں اگر خوشبودار پھول کا پیڑ لگا دیا جائے (۲) تو اس کا پھول توڑنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پھول کا درخت مسجد میں لگایا ہے تاکہ نمازیوں کو اس سے راحت پہنچے تو اس کا پھول توڑ کر باہر نہ لے جائیں، وہیں لگا رہنے دیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۲/۹۱ھ۔

مسجد میں پھول کے گملے

سوال[۷۳۹۸]: مسجد میں خوشبو کیلئے پھول وغیرہ لگانا کیسا ہے؟

مولانا محمد مصطفیٰ۔

---

(۱) "ولو خرب ما حوله، واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد: ۴/ ۳۵۸، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۵/ ۴۲۱، رشيديه)

"لأن تنزيه المسجد من القذر واجب". (الحلبى الكبير، فصل فى أحكام المسجد: ۶۱۲، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۲) "پیڑ: درخت، شجر، پودا، بوٹا"۔ (فيروز اللغات، ص: ۳۲۹، فيروز سنز، لاهور)

(۳) (راجع، ص: ۲۲۶، رقم الحاشية: ۱)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر احاطۂ مسجد میں کوئی کیاری ہوتو وہاں پھول لگانا، یا گملے میں رکھنا خوشبو کے لئے درست ہے(۱)، مگر جوجگہ نماز کے لئے متعین ہے اس کو پھول کے پودوں سے مشغول نہ کریں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمودغفرلہ۔

مسجد میں درخت لگانا

سوال[۷۳۹۹]: درخت بوہڑ یعنی: بڑ، یا پیپل (جس کی ہنود پوجا اور تعظیم کرتے ہیں، ان کی

---

(۱) "ولو غرس في المسجد يكون للمسجد؛ لأنه لا يغرس لنفسه في المسجد". (فتاویٰ قاضی خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۳۱۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والخانات والمقابر، الخ: ۲/۴۷۴، رشيديه)

"و(يكره) غرس الأشجار إلا لنفع كتقليل نز، وتكون للمسجد". (الدرالمختار). "قال في الخلاصة: غرس الأشجار في المسجد لا بأس به إذا كان فيه نفع للمسجد". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

"وإذا غرس شجراً في المسجد، فالشجر للمسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والخانات والمقابر، الخ: ۲/۴۷۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف الأشجار: ۵/۸۷۳، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في احكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في وقف المشغول: ۶/۲۵۸، رشيديه)

شاخیں اور پتے کسی کو توڑنے نہیں دیتے) احاطۂ مسجد یعنی فنائے مسجد میں لگانا، یا درخت بڑ خراب شدہ کے اردگرد کچھ زمین بشکل چبوترہ گول چھوڑ کر پانچ یا چھ فٹ گہری کھال کھود کر بوہڑ خراب شدہ کی آب پاشی کرنا تاکہ اس کی شاخیں تروتازہ ہو کر بڑھیں، جائز ہے یا نہیں؟ اور باوجود اس کے کہ مصلی فنائے مسجد میں کھڑا ہو کر اقتداء بھی نہیں کرسکتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں اگر مسجد کو یا نمازیوں کو کوئی منفعت ہو تو درست ہے، اگر کوئی منفعت نہ ہو یا کفار کے ساتھ تشبہ ہو تو ناجائز ہے، هکذا یستفاد مما فی ردالمحتار: ۱/۶۶۲ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد میں تعزیہ رکھنا

سوال[۷۴۰۰]: ۱...... مسجد میں تعزیہ بنانا، یا رکھنا، نماز اور جماعت کے وقت کھٹ کھٹ اور شوروغل کرنا اور مسجد کی بجلی وغیرہ خرچ کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) "قال فی الخلاصة: غرس الأشجار فی المسجد، لابأس به إذا کان فیه نفع للمسجد بأن کان المسجد ذا نز، والأسطوانات لاتستقر بدونها، وبدون هذا لایجوز. وفی الهندیة عن الغرائب: إن کان لنفع الناس بظله ولایضیّق علی الناس ولایفرق الصفوف، لا بأس به. وإن کان لنفع لنفسه بورقه أو ثمره، أو یفرق الصفوف، أو کان فی موضع تقع به المشابهة بین المسجد والبیعة، یکره". (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی الغرس فی المسجد : ۱/۶۶۱، سعید)

"ویکره غرس الأشجار فی المسجد؛ لأنه یشبه البیعة، إلا أن یکون به نفع للمسجد کأن یکون ذانز، أو أسطوانیة لا تستقر، فیغرس لیجذب عروقُ الأشجار ذلک النزّ، فحینئذ یجوز، وإلا فلا". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة، الخ : ۲/۶۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة، کتاب الصلاة، السادس والعشرون فی حکم المسجد : ۲/۸۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلاة، فصل: و یکره استقبال القبلة : ۱/۴۲۱، مصطفی البابی الحلبی مصر)

۲......مسجد کے چبوترہ پر رکھنا اور ڈھول وتاشہ بجانے والوں کے لئے اور مسجد کے پاس نماز، بلکہ جماعت کے وقت شور وغل مچانے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟

۳......مسجد کی اشیاء کو عاریت پر دینا، مسجد کی مٹکیاں، لوٹے، گلاس، پنکھے، سائبان مسلمانوں کو عاریۃً بیاہ، شادی یا غمی میں دینا یا لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ناجائز ہے(۱)۔

۲......یہ لوگ گناہ گار ہیں، ان کو توبہ ضروری ہے(۲)۔

۳......ناجائز ہے(۳)، ان سب کو مسجد میں معطی کی شرائط کے موافق استعمال کرنا چاہیے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۲/۵۲ھ۔

---

(۱) "ويكره كل عمل من عمل الدنيا في المسجد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وما كان صلاتهم عند البيت إلا مكاءً و تصديةً﴾. (سورة الأنفال: ۳۵)

قال العلامة الآلوسي: "يروى أنهم كانوا إذا أراد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يصلي يخلطون عليه بالصفير والتصفيق، ويرون أنهم يصلون أيضاً". (روح المعاني: ۹/۲۰۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعى في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

قال العلامة الآلوسي: "وظاهر الآية العموم في كل مانع، و في كل مسجد، وخصوص السبب لا يمنعه". (روح المعاني: ۱/۳۶۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "ولا تجوز إعارة أدواته لمسجد آخر". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/۶۴، إدارة القرآن كراچی)

"فإذا تم ولزم، لا يملك و لا يملك و لا يعار و لا يرهن". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(۴) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن =

مسجد میں کلنڈر اور اشتہارِ کتب لٹکانا

سوال[۷۴۰۱]: مسجد میں کلنڈر یا کتابوں کے فروخت کرنے کا اشتہار یا مدرسہ کے جلسہ کے اشتہارات لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسا نہ کریں، جدارِ قبلہ میں نقش ونگار کو بھی ردالمحتار میں مکروہ قرار دیا ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۵/ ۹۷ھ۔

مسجد میں آئینہ اور پنجتن کا طغرہ لٹکانا مکروہ ہے

سوال[۷۴۰۲]: ۱......مسجد کے سامنے دیوار پر آئینہ لٹکانا کیسا ہے؟

۲......پنجتن پاک کا طغرہ دیوار پر لٹکانا (گھروں میں یا مسجدوں میں) کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......مسجد کی سامنے والی دیوار میں کوئی بھی ایسا کام (آئینہ، طغرہ، نقش ونگار) جس سے مصلی کی توجہ اس طرف ہو، مکروہ ہے(۲)۔

= معصيةً، وله أن يخص صنفاً من الفقراء". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة: ۴/ ۳۴۳، سعيد)

(۱) "(ولابأس بنقشه خلا محرابه) فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي، ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً في جدار القبلة". (الدرالمختار). "وكره بعض مشايخنا النقش على المحراب وحائط القبلة؛ لأنه يشغل قلب المصلي". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره: ۱/ ۶۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/ ۳۱۹،رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: ۲/ ۶۵، رشيديه)

(۲) "ومحل الاختلاف في غير نقش المحراب، أما نقشه فهو مكروه؛ لأنه يلهي المصلي، كما في فتح القدير وغيره". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال =

۲......اگر اس کے ذریعہ آرائش وزینت مقصود ہے تو مکروہ ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

= القبلة: ۶۵/۲، رشیدیه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: ويكره استقبال القبلة: ۱/ ۴۲۱، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره: ۱/ ۶۵۸، سعيد)

(۱) "(ولا نقشه بالجص وماء الذهب): أي ولا يكره نقش المسجد، وهو المذكور في الجامع الصغير بلفظ: "لابأس به". وقيل: يكره للحديث: "إن من أشراط الساعة تزيين المساجد". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۶۴/۲، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۱۹/۵، رشيديه).

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب كلمة "لابأس"، دليل على أن المستحب غيره" الخ: ۱/ ۶۵۸، سعيد)

الفصل الثانی فی النیام و القیام فی المسجد

(مسجد میں سونے اور ٹھہرنے کا بیان)

مسجد میں سونا

سوال[۷۴۰۳]: مسجد میں سونا عوام کو یا خواص کو، چار پائی پر یا بغیر چار پائی کے، بوڑھا ہو یا جوان درست ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب مع تشریح لکھا جائے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

معتکف کو اور ایسے مسافر کو جس کا کہیں ٹھکانہ نہ ہو درست ہے، چار پائی پر ہو یا بلا چار پائی کے، جوان ہو یا بوڑھا ہو، اَوروں کو احتیاط چاہئے کہ مسجد کے اندر سونا مکروہ ہے:

"ویکره النوم والأكل فيه: أي المسجد لغير المعتكف، وإذا أراد أن يفعل ذلك، ينبغي أن ينوى الاعتكاف، فيدخل فيه و يذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوىٰ. ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام فى المسجد فى الصحيح فى المذهب، والأحسن أن يتورع، فلا ينام، اهـ". عالمگیری: ۵/۳۲۱(۱)۔

بعض صحابہ سے بعض اوقات مسجد میں سونا ثابت ہے جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس فى آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

"والنوم فيه لغير المعتكف مكروه، و قيل: لا بأس للغريب أن ينام فيه، والأولى أن ينوى الاعتكاف، ليخرج من الخلاف". (الحلبى الكبير، ص: ۶۱۲، فصل فى أحكام المسجد، سهيل اكيڈمى لاهور)

(وكذا فى الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب فى الغرس فى المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

تعالیٰ عنہما کے متعلق منقول ہے:

"إنه كان ينام –وهو شابٌ أعزب لا أهل له– في مسجد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"(۱)۔

ہمارے علماء نے اس کو ضرورت پر محمول کیا ہے، كذا في فيض الباري(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد میں سونا

سوال[۷۴۰۴]: ایک شخص ایسا ہے جس کے مکان بھی ہے اور اہل وعیال بھی ہیں، وہ ہمیشہ بجائے گھر کے مسجد میں سوتا ہے، مسجد کو گویا اس نے اپنا مکان سمجھ رکھا ہے، حالانکہ وہ اپنا سامان نہیں رکھتا علاوہ بستر کے۔ تو کیسا ہے اور اس کا کیا حکم ہے؟

محمد عباس سیتاپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستقلاً مسجد کو مکان بنانا اور وہاں رہائش اختیار کرنا نہیں چاہئے، یہ مکروہ اور احترامِ مسجد کے خلاف ہے(۳)، لیکن اگر کسی پر نیند کا غلبہ ہو اور اس کی جماعت ترک ہوتی، یا نماز قضا ہوجاتی ہے اور مسجد میں سونے سے نماز با جماعت کی پابندی نصیب ہوتی ہے، یا تہجد کی توفیق ہوتی ہے، یا مسجد کی حفاظت مقصود ہے، یا کوئی اَور دینی ضرورت ہے جو بغیر مسجد میں سوئے حاصل نہیں ہوتی تو اس کے لئے اجازت بھی ہے، بعض صحابہ بھی دینی

(۱) (صحيح البخاري: ۱/۶۳، باب نوم الرجال في المسجد، قديمي)

(۲) "قلت: ولاتمسك فيه؛ لأن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما كان أحوج الناس وأفقر من الغرباء، لم يكن له بيت ولا شيء، فإذا جاز للغريب أن ينام في المسجد فكيف به". (فيض الباري، كتاب الصلوة، باب نوم الرجال في المسجد: ۴۹/۲، خضر راه بک ڈپو دیوبند)

(۳) "ويكره النوم والأكل فيه: أي المسجد لغير المعتكف، وإذا أراد أن يفعل ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه ويذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوىٰ أو يصلي، ثم يفعل ما شاء، كذا في السراجية".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۳۲۱/۵، رشيديه)

ضرورت کے لئے مسجد میں سوتے تھے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

مسجد میں سونا

سوال[۷۴۰۵]: مسجد میں امام ہو یا محلّہ کا کوئی شخص ہو، چار پائی بچھا کر روزمرہ سونا کیسا ہے؟ حالانکہ حجرہ اور سونے کی جگہ موجود ہے۔

محمد عمر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دوسری جگہ موجود ہے تو پھر مسجد میں سونا اور وہ بھی روزمرہ سونا مکروہ ہے، اس سے بچنا چاہئے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۷/۵۷ھ۔

مسجد میں سونا، آرام کرنا اور اعتکاف کرنا

سوال[۷۴۰۶]: ۱......مسجد میں داخلہ کے وقت اعتکاف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۲......مسجد میں بستی کا کوئی شخص یا مسافر آرام کر سکتا ہے یا نہیں، یا جماعتیں اکثر آیا کرتی ہیں، یہ آرام کر سکتی ہیں یا نہیں؟

---

(۱) "عن عبید اللہ قال: حدثنی نافع قال: أخبرنی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما أنه کان ینام –وهو شاب أعزب لا أهل له– فی مسجد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم" (صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب نوم الرجال فی المسجد: ۶۳/۱، قدیمی)

"قلت: و لا تمسک فیه؛ لأن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما کان أحوج الناس و أفقر من الغرباء لم یکن له بیت و لا شیء، فإذا جاز للغریب أن ینام فی المسجد، فکیف به". (فیض الباری، کتاب الصلوۃ، باب نوم الرجال فی المسجد: ۴۹/۲، خضر راہ بکڈپو دیوبند)

(۲) (راجع، ص: ۲۳۴، رقم الحاشیة: ۱)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد نماز کی جگہ ہے، سونے اور آرام کرنے کی جگہ نہیں ہے جو مسافر پردیسی ہو، یا کوئی معتکف ہو، اس کے لئے گنجائش ہے (۱)۔ جماعتیں عموماً پردیسی ہوتی ہیں، یا پھر مسجد میں رات کو رہ کر تسبیح ونوافل میں بیشتر مشغول رہتی ہیں، کچھ دیر آرام بھی کرلیتی ہیں، اس طرح اگر ان کے ساتھ مقامی آدمی بھی شب گزاری کریں تو نیتِ اعتکاف کرلیا کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۴ھ۔

امام کا مسجد میں چارپائی بچھا کر لیٹنا

سوال [۷۴۰۷]: جس مسجد میں امام کے رہنے کے لئے کمرہ نہ ہو تو وہاں امام سردی، گرمی، برسات میں چارپائی بچھا کر مسجد میں لیٹ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے احترام کے خلاف اور دوسروں کے لئے موجبِ توحش ہے (۳)، آج کل مسجد میں چارپائی بچھانے کو مسجد کی بے ادبی تصور کیا جاتا ہے، ایسے مسائل میں عرف کا لحاظ چاہئے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "والنوم فيه لغير المعتكف مكروه، وقيل: لا بأس للغريب أن ينام فيه، والأولى أن ينوي الاعتكاف ليخرج من الخلاف". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۳۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في فيض الباري، كتاب الصلوة، باب نوم الرجال في المسجد: ۴۹/۲، خضر راه بک ڈپو ديوبند)

(۲) "(قوله: وأكل و نوم) وإذا أراد ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه، ويذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوىٰ أو يصلي، ثم يفعل ما شاء". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۶۶۱/۱، سعيد)

(۳) "توحش: وحشت، نفرت، وحشت ہونا"۔ (فيروز اللغات، ص: ۳۸۹، فيروز سنز لاهور)

(۴) "والعرف في الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قديدار". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۱۷۴، دارالكتاب) =

مسجد میں چار پائی پر آرام کرنا

سوال[۷۴۰۸]: ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ مسجد میں چار پائی بچھا کر سونا ناجائز ہے، چاہے مسافر ہو چاہے معتکف ہو۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اعتکاف میں سریر کا مسجد میں ہونا اور اس پر آرام فرمانا احادیث میں صاف صاف مذکور ہے، اس لئے اس کو ناجائز کہنا غلط ہے(۱)۔ البتہ آج کل عرفاً اس چیز سے عوام میں توحش پیدا ہوتا ہے اس بناء پر احتیاط کی جائے تو مناسب ہے(۲)، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سریر پر وہاں آرام فرمانا تعبداً وتاکیداً للأمة نہیں تھا، بلکہ مصلحۃً (آرام کے لئے) تھا(۳)، پس اس سے

=(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في الشرط الفاسد إذا ذكر بعد العقد أو قبله: ۸۸/۵، سعيد)

''ادب کا مدار عرف پر ہے، اس لئے اختلافِ ازمنہ سے وہ مختلف ہوسکتا ہے، حضرات صحابہ کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مزاح کرنا ثابت ہے اور اب بزرگوں کے ساتھ مزاح کرنا خلافِ ادب سمجھا جاتا ہے''۔ (تحفۃ العلماء بحوالہ انفاس عیسیٰ: ۱۲۳/۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

(۱) "عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا اعتكف، طرح له فراشه، أو يوضع له سريره وراء أسطوانة التوبة". (سنن ابن ماجة، أبواب ماجاء في الصيام، باب في المعتكف يلزم مكاناً في المسجد، ص: ۱۲۷، قديمي)

(وإعلاء السنن، كتاب الصوم، باب جواز طرح الفراش في المسجد للمعتكف: ۱۵۹/۹، إدارة القرآن كراچی)

(۲) راجع، ص: ۲۳۴، رقم الحاشية: ۴)

(۳) فتاویٰ رشیدیہ میں اس سوال کے جواب میں صرف اتنا ہے کہ چار پائی مسجد میں بچھانا درست ہے، مگر نیچے حاشیہ میں مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معتکف کے لئے ہے، ونصہ:

''جائز است چہ برائے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در مسجد سریرے نہادہ شدے وبرآں درآیام اعتکاف آرام می فرمودند کمافی سفر السعادۃ، وابن از ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کردہ: "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم =

احتیاط میں نہ ترکِ تعبد ہے نہ ترکِ سنت۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں قیام وغیرہ

سوال[۷۴۰۹]: مسجد میں کپڑے، دھان وغیرہ سوکھانا، رات میں آرام کے طور پر استعمال کرکے اس کو اور جائے نماز کو پیشاب سے ناپاک کرنا کیسا ہے، شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دھان (۱) وغیرہ سوکھانے کے لئے خود مدرسہ موجود ہے، مسجد میں یہ کام نہ کریں (۲)، ایسے بچوں کو نہ

=كان إذا اعتكف، طرح له فراشه أو يوضع له سريره وراء أسطوانة التوبة" والله أعلم". (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۴۱۵)

بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر مسافر ومعتکف کے لئے مسجد میں سونا مکروہ ہے، بحالت ضرورت شدیدہ یہ تدبیر اختیار کرسکتا ہے کہ پہلے بنیت اعتکاف داخل ہوکر کچھ عبادت کرے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وأكل ونوم إلا معتكف وغريب الخ". وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وأكل ونوم) وإذا أراد ذلك، ينبغي أن ينوى الاعتكاف، فيدخل ويذكر الله تعالىٰ بقدر مانوى، ويصلي، ثم يفعل ماشاء فتاویٰ هنديه. (ردالمحتار: ۱/ ۶۱۹)

"دراصل ادب یا بے ادبی کا مدار عرف پر ہے، ہمارے عرف میں مسجد میں چارپائی بچھانا معیوب سمجھا جاتا ہے، نیز اس سے عوام کے قلوب سے مسجد کی وقعت نکل جائے گی، وہ چارپائی پر قیاس کرکے دوسرے ناجائز امور بھی مسجد میں شروع کردیں گے، لہٰذا اب معتکف کے لئے بھی چارپائی بچھانا جائز نہیں، جیسے پہلے پاک جوتا پہن کر مسجد میں آنا اور نماز پڑھنا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا، مگر ہمارے عرف میں اسے مسجد کی بے ادبی سمجھا جاتا ہے، اگر کوئی پاک جوتا پہن کر مسجد میں آجائے تو عوام اس پر ہنگامہ برپا کردیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم"۔ (أحسن الفتاویٰ، کتاب الوقف، باب المساجد، عنوان مسئلہ: مسجد میں چارپائی بچھانا: ۶/ ۴۵۲، ۴۵۳، سعید)

(۱) "دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۱، فیروز سنز لاهور)

(۲) "(قوله: والوضوء)؛ لأن ماءه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد منه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، =

لیٹنے اور بیٹھنے دیں جو پیشاب کر کے مسجد اور جائے نماز کو ناپاک کر دیں، ان کے لئے مسجد کے خارج میں انتظام کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں ٹھہرنا اور پنکھا استعمال کرنا

سوال [۷۴۱۰]: مسجد میں کون لوگ قیام کر سکتے ہیں؟ اس طرح مسجد کے اندر رات بھر پنکھا چلا کر بجلی کا استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اسی طرح مسجد کے اندر بجلی اور پنکھے رات کو کون سے حصہ تک چلانا، استعمال کرنا مسئلہ سے ثابت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص معتکف ہو، یا مسافر ہو اور اس کا کہیں ٹھکانہ نہ ہو اس کو مسجد میں ٹھہرنے کی اجازت ہے (۲)۔

= باب مایفسد الصلوة ومایکره بها، مطلب فی رفع الصوت بالذکر: ۱/۶۶۰، سعید)

"فإن كان بحيث يتلوث المسجد، يمنع منه؛ لأن تنظيف المسجد واجب". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيديه)

"لأن تنزيه المسجد من القذر واجب". (الحلبي الكبير، فصل فی أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) "عن واثلة بن الأسقع رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "جنّبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم .... واتخذوا على أبوابها المطاهر، وجمّروها في الجمع". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات باب مايكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمی)

(۲) "ويكره النوم والأكل فيه: أي المسجد لغير المعتكف، وإذا أراد أن يفعل ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه و يذكر الله تعالیٰ بقدر ما نوىٰ أو يصلي، ثم يفعل ما شاء. ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح في المذهب، و الأحسن أن يتورع فلاينام، كذا في خزانة الفتاوى".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

اور جو شخص نمازِ تہجد و فجر کے اہتمام کی خاطر مسجد میں رہے اس کے لئے بھی اجازت ہے، لیکن اپنے لئے مسجد کو آرام گاہ نہ بنایا جائے۔ مسجد کا پنکھا اور مسجد کی روشنی اصالۃً نماز کے لئے ہے، جب تک نمازی عامۃً نماز پڑھتے ہیں اس وقت تک استعمال کریں، اگر علاوہ نماز کے دیگر مقاصد کے لئے استعمال کریں تو اس کے معاوضہ میں مسجد کی خدمت بھی کردیا کریں، فتاویٰ عالمگیری میں چراغِ مسجد کے متعلق مسئلہ مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۱۴۰۶ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں نفلی اعتکاف کی نیت سے قیام کرنا

سوال[۷۴۱۱]: رمضان المبارک کے مہینہ کے علاوہ دوسرے ایام میں نفلی اعتکاف کی نیت سے مسجد میں قیام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفلی اعتکاف بغیر رمضان کے بھی ہوسکتا ہے اور ایسے معتکف کو بھی مسجد میں قیام کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل، بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۲/۴۵۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

(۲) "وهو ثلاثة أقسام: واجب بالنذر، وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان، ومستحب في غيره من الأزمنة، هو بمعنى غير المؤكدة" (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۱، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۱/۲۱۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۲۲۴، دارالكتب العلمية بيروت)

الفصل الثالث فی دخول الجنب والحائض فی المسجد

(مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخل ہونے کا بیان)

کیا بحالتِ جنابت مسجد میں داخل ہونا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا؟

سوال[۷۴۱۲]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے حالت جنابت میں مسجد میں داخل ہونا جائز تھا یا نہیں، اگر جائز تھا تو کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی یا سب کے واسطے برابر حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مکان کا دروازہ مسجد میں تھا(۱)، لہذا بحالتِ جنابت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرور کی اجازت تھی، ہر ایک کو ہر مسجد میں بحالتِ جنابت داخل ہونا اس وقت بھی جائز نہ تھا اور اب بھی کسی کے لئے جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: "كان رسول الله ﷺ إذا اعتكف، أدنى إلیّ رأسه وهو فی المسجد، فأرجله، وكان لایدخل البیت إلا لحاجة الإنسان". (مشكوة المصابیح، كتاب الصوم، باب الإعتكاف، الفصل الأول، ص: ۱۸۳، قدیمی)

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها زوج النبی ﷺ قالت: كان النبی ﷺ یصغی إلیّ رأسه وهو مجاور فی المسجد، فأرجله وأنا حائض". (صحیح البخاری، كتاب الصوم، باب الحائض ترجل المعتكف: ۱/ ۲۷۱، قدیمی)

"قال ابن الملك رحمه الله تعالیٰ: أی أخرج رأسه من المسجد إلی حجرتی". (مرقاة المفاتیح، كتاب الصوم، باب الإعتكاف، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۲۱۰۰): ۴/ ۲۰۲، رشیدیه)

(۲) "قال حدثتنی جسرة بنت دجاجة قالت: سمعت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها تقول: جاء رسول الله=

حالتِ حیض وجنابت میں اور بغیر استنجا کئے مسجد میں آنا

سوال[۷۴۱۳]: مسجد کے باہر پیشاب خانہ ہے،کوئی اس میں پاخانہ کردے اور کچے ڈھیلے سے صاف کر کے بغیر آبدست (۱) لئے ہوئے اندرون مسجد آسکتا ہے یانہیں بغرض پانی لینے کے، یا بغیر آبدست لئے قطعی نہ آنا چاہئے، اسی طرح جنبی، حائضہ کا مسجد میں آنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنب، حائضہ کا فرشِ مسجد، اندرونِ مسجد داخل ہونا جائز نہیں (۲) اور بغیر آبدست لئے ڈھیلے سے

= صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ووجوہ بیوت أصحابه شارعة فی المسجد، فقال: "وجهوا هذه البیوت عن المسجد". ثم دخل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولم یصنع القوم شیئاً رجاء أن تنزل فیهم رخصةٌ، فخرج إلیهم، فقال: "وجهوا هذه البیوت عن المسجد، فإني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب".

(سنن أبی داؤد، کتاب الطهارة، باب فی الجنب یدخل المسجد: ۱/۳۴، إمدادیه ملتان)

"وقد علم أن دخوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المسجد جنباً، و مکثه فیه من خواصه".

(ردالمحتار، کتاب الطهارة، مطلب: یوم عرفة أفضل من یوم الجمعة: ۱/۱۷۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الحیض: ۱/۳۳۹، رشیدیه)

(۱) "آبدست: استنجاء، طہارت، پاکیزگی جو پانی سے کی جائے"۔(فیروز اللغات، ص: ۳، فیروز سنز لاهور)

(۲) "ولا تدخل المسجد، وکذا الجنب لقوله علیه السلام: "فإني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب".

(الهدایة، کتاب الطهارات، باب الحیض والاستحاضة: ۱/۶۴، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"ومنها أنه یحرم علیهما و علی الجنب الدخول فی المسجد، سواء کان للجلوس أو للعبور، هکذا فی منیة المصلی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطهارة، الفصل الرابع فی أحکام الحیض والنفاس والاستحاضة: ۱/۳۸، رشیدیه)

"قوله: (ودخول مسجد): أی یمنع دخول المسجد، وکذا الجنابة". (البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الحیض: ۱/۳۳۸، رشیدیه)

"ویحرم الحدثُ الأکبرُ دخولَ مسجد .... و لو للعبور، إلا لضرورة". (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۱/۱۷۱، سعید)

صاف کرنے کے بعد آنا جائز ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجدِ بیت میں حائضہ کا داخل ہونا

سوال[۷۴۱۴]: جیسا کہ لکھا ہے کہ گھر کی مسجد بالکل مسجد کے حکم میں نہ ہوگی، تو کیا گھر کی مذکورہ مسجد میں حیض ونفاس والی عورتیں اورناپاک مردوعورت داخل ہوسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داخل ہوسکتے ہیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "لا یکرہ ما ذکر فوق بیت جعل فیہ مسجد، بل و لا فیہ؛ لأنہ لیس بمسجد شرعاً". (تنویرالأبصار مع الدر المختار، مطلب فی أحکام المسجد: ۱/۶۵۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکرہ فیها، فصل: کرہ استبال القبلة، الخ ۲/۶۴، رشیدیہ)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الصلوة، فصل: و یکرہ استقبال القبلة، الخ: ۱/۱۴۴، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

الفصل الرابع فی دخول الکافر فی المسجد

(غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونے کا بیان)

غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا

سوال[۷۴۱۵]: اگر غیر مسلم مرد یا عورت مسجد میں داخل ہو جائے اور یہ نہ معلوم ہو کہ وہ ناپاک ہیں یا پاک ہیں، تو داخلہ جائز ہے یا نہیں اور اہلِ مسجد پر کوئی گناہ تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک ناپاک ہونے کا علم نہ ہو اور دوسری بھی کوئی چیز مضرت ومفسدہ نہ ہو تو اجازت ہے(۱)، اہلِ مسجد پر گناہ نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلموں کا مسجد کے حوض سے ہاتھ پیر دھونا

سوال[۷۴۱۶]: حوض کے پانی سے غیر قوم کو ہاتھ پیر دھونے کا حق ہے یا نہیں؟

---

(۱) "و لا بأس أن یدخل الکافر و أهل الذمة المسجد الحرام و بیت المقدس و سائر المساجد لمصالح المسجد و غیرها من المهمات". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۰/۵، رشیدیه)

(و کذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی جعل شیء من المسجد طریقاً: ۳۷۸/۴، سعید)

(و کذا فی أحکام القرآن للجصاص، (سورة التوبة: ۲۸): ۱۳۱/۳، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۸ھ۔

مشرک کومسجد میں آنے سے روکنا

سوال [۷۴۱۷]: ایک مشرک ہماری مسجد میں آیا کرتا ہے اور کبھی کبھی نماز میں بھی شریک ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک دن خواب میں دیکھا کوئی اذان دے رہا ہے۔کیا ایسے شخص کومسجد میں آنے اور نماز میں شریک ہونے کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ کسی عالم بزرگ کا پتہ اس کو بتلا دیا جائے، یا وہاں پہونچا دیا جائے تا کہ بات پوری طرح سمجھ لے، اس کو اسلام کی اصل خوبی نظر آجائے اور جب تک اس کا موقع نہ آئے مسجد میں آنے سے اس کو نہ روکیں (۲)۔اللہ پاک سے دعاء کرتے رہیں کہ ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے دوسروں کونفسِ اسلام

---

(۱) "وإذا جعل السقاية للشرب، فأراد أن يتوضأ منها، اختلف المشايخ فيه. وإذا وقف للوضوء، لا يجوز الشرب منه. وكل ما أعدّ للشرب حتى الحياض، لا يجوز منها التوضوء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر، الخ: ۴۶۵/۲، رشيديه)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، و هو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً، و له أن يخص صنفاً من الفقراء ولو كان الوضع فى كلهم قربةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۳۴۳/۴، سعيد)

"شرط الواقف، كنص الشارع: أى فى وجوب العمل به، وفى المفهوم والدلالة، اهـ". (الدرالمختار كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(۲) "وقال أصحابنا: يجوز للذمى دخول سائر المساجد". (أحكام القرآن للجصاص، [سورة البرأة] مطلب فى حجية الإجماع: ۱۳۱/۳، قديمى) .... =

سے نفرت پیدا نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "و لا بأس أن يدخل الكافر و أهل الذمة المسجد الحرام و بيت المقدس و سائر المساجد لمصالح المسجد و غيرها من المهمات". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۴/۳۷۸، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

الفصل الخامس فی إدخال الأشیاء المنتنة فی المسجد

(مسجد میں بدبودار چیزوں کے داخل کرنے کا بیان)

مسجد میں بدبودار رنگ کرنا

سوال[۷۴۱۸]: مسجد میں ایسا رنگ روغن کرنا جس میں تارپین اور دیگر اقسام کے اجزائے روغنی ڈال کر جس میں بدبو ہو، رنگ پکا کرنے کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ بدبو کافی دنوں تک رہتی ہے پھر ختم ہو جاتی ہے، ایسے رنگ مسجد میں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ تحریمی ہے، مسجد کو ہر بدبودار چیز سے محفوظ رکھنا چاہئے، حتی کہ کچی پیاز ولہسن کھا کر بغیر منہ صاف کئے بدبودار منہ لے کر مسجد میں آنے کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے(۱)، فقہاء نے بھی مکروہ لکھا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مٹی کا تیل مسجد میں لے جانا

سوال[۷۴۱۹]: اگر کوئی رات کو کلام مجید کی تلاوت کرنا چاہے اور کڑوا تیل نہ ہو تو مٹی کے تیل کی

---

(۱) "وعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من أکل من هذه الشجرة المنتنة، فلا یقربنّ مسجدنا، فإن الملائکة تتأذی مما یتأذی منه الإنس". متفق علیه". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قدیمی)

(۲) "ویکره أکل نحو ثوم، و یمنع منه، وکذا کل مؤذ و لو بلسانه". (الدرالمختار). "(وأکل نحو ثوم): أی کبصل و نحوه مما له رائحة کریهة، للحدیث الصحیح فی النهی عن قربان آکل الثوم والبصل المسجد". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۱/۶۶۱، سعید)

بتی جلا کر تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے (۱) مگر بدبودار تیل وغیرہ مسجد میں لے جانا جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۰/۵۱ھ۔

مٹی کا تیل مسجد میں جلانا

سوال[۷۴۲۰]: مٹی کا تیل مسجد میں جلانا جائز ہے یا نہیں؟

بشارت علی۔

---

(۱) مسجد میں بدبودار تیل جلانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس چیز سے فرشتوں کو اذیت پہنچتی ہے جس سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے، حضرت علامہ مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''مٹی کا تیل مسجد میں جلانا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس میں بدبو ہوتی ہے اور ہر بدبودار شئی کا مسجد میں داخل کرنا ممنوع ہے۔حدیث میں ہے کہ: ''جو کوئی پیاز، لہسن خام کھاوے مسجد میں داخل نہ ہوئے'' اور علی ھذا کپڑے اور بدن کی بدبو کے ساتھ مسجد میں آنے کو منع فرمایا کہ ''ملائکہ اذیت پاتے ہیں اس چیز سے جس سے انسان اذیت پاتے ہیں'': لہٰذا اس تیل کے جلانے میں بھی چونکہ جن وانس وملائکہ کو اذیت ہے تو اس کا جلانا حرام ہوتا ہے۔فقط۔واللہ اعلم''۔

مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حاشیہ میں نقل کیا ہے کہ: ''اس تیل کا جلانا البتہ مساجد میں مکروہ ہے''۔ (تالیفات رشیدیہ، کتاب الوقف، باب مساجد کے احکام کا بیان، عنوان مسئلہ: مساجد میں مٹی کا تیل جلانا، ص: ۴۴۰، ادارہ اسلامیات لاہور)

''من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يستأذى منه الإنس''. ''(قوله: المنتنة): أى الثوم ويقاس عليه البصل والفجل وماله رائحه كريهة كالكرات''. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، (رقم الحديث: ۷۰۷): ۲/۲۱۴، حقانيه)

(۲) ''قال: حدثنا عبد الوارث عن عبد العزيز قال: قيل لأنس رضى الله تعالىٰ عنه: ما سمعت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى الثوم؟ فقال: ''من أكل فلا يقربنّ مسجدنا''. (صحيح البخارى، كتاب الأطعمة، باب ما يكره من الثوم والبقول، الخ: ۲/۸۲۰، قديمى)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد و مواضع الصلوة، ص: ۶۸، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مٹی کے تیل میں بدبو ہوتی ہے جس سے مسجد میں آنے والے ملائکہ اور نمازیوں کو اذیت ہوتی ہے، اس لئے اس کو مسجد میں جلانا منع ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ۸/ ۵۶ھ۔

مٹی کا تیل مسجد میں جلانا

سوال [۷۴۲۱]: ۱...... یہاں کے مسلمانوں کی حالت بہت خستہ ہے، وہ مسجد میں میٹھا تیل نہیں جلا سکتے، اس لئے مٹی کا تیل مسجد میں جلا سکتے ہیں یا نہیں؟

۲...... خارجِ مسجد جہاں پر وضو وغیرہ کرتے ہیں اس جگہ مٹی کا تیل جلا سکتے ہیں یا نہیں، خواہ اس کی روشنی صحنِ مسجد میں بھی آتی رہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ بدبو سے ملائکہ کو بہت اذیت ہوتی ہے اور انسانوں کو بھی، اس لئے بدبودار چیز مسجد میں لانا منع ہے (۲)۔ اگر مٹی کا تیل مسجد سے باہر رکھا جائے اس طرح کہ بدبو مسجد میں نہ آئے تو درست ہے۔ اس کی روشنی کا مسجد میں آنا منع نہیں ہے، بلکہ بدبو کا آنا منع ہے، چاہے وضو کی جگہ رکھیں چاہے بیرونی دروازہ کی دیوار

(۱) "وعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". متفق علیه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ٦٨، قديمي)

"قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين، ولا يختص بمسجده عليه الصلاة والسلام، بل الكل سواء لرواية: "مساجدنا" بالجمع، خلافاً لمن شذّ. ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولاً أو غيره". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ١/ ٦٦١، سعيد)

(٢) (راجع حاشية المتقدمة آنفاً)

وغیرہ پر، جہاں مناسب سمجھیں رکھ کر جلا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مٹی کا یا شراب سے کھینچا ہوا تیل مسجد میں جلانا

سوال[۷۴۲۲]: یہاں پر تمام مسجدوں میں گیس کے ہنڈے جلتے ہیں، سنا گیا ہے کہ ان میں تیل جو جلتا ہے، مثلاً شراب سے کھنچتا ہے۔ تو اس کو مسجد میں جلانا کوئی شرع کے لحاظ سے ممانعت تو نہیں ہے؟ اگر منع ہے تو تحریر سے اطلاع دیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس تیل میں شراب کے اجزاء ہیں تو اس کا استعمال ناجائز ہے(۱)۔ اور اگر شراب کے اجزاء نہیں، بلکہ صرف مٹی کا تیل ہے تو اس کو مسجد میں جلانا منع ہے(۲)۔ ہاں! اگر کوئی اَور تیل ہے جس میں بدبو نہیں، یا مٹی ہی کے تیل کو کسی طرح ایسا صاف کرلیا ہے کہ بدبو نہیں رہی تو مسجد میں جلانا بھی درست ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۹/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ رمضان/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "وأشار المصنف إلى أنه لا يجوز إدخال النجاسة المسجد، وهو مصرح به، فلذا ذكر العلامة قاسم في بعض فتاواه أن قولهم: إن الدهن المتنجس يجوز الاستصباح به مقيدٌ بغير المساجد، فإنه لا يجوز الاستصباح به في المسجد، لما ذكرنا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۲/ ۶۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/ ۶۵۶، سعيد)

(۲) "وعن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

قال الشيخ المفتي رشيد أحمد رحمه الله تعالىٰ: "حدیث میں ہے کہ کچی پیاز یا لہسن کھانے والا مسجد کے قریب نہ آئے اور مٹی کے تیل کی بو ان چیزوں سے بدرجہا بڑھ کر ہے، لہٰذا اسے مسجد میں جلانا جائز نہیں"۔ (احسن الفتاویٰ، باب المساجد، مسجد میں لالٹین جلانا: ۶/ ۴۵۱، سعید)

(وكذا في إمداد الفتاویٰ، أحكام المساجد: ۲/ ۶۹۸، دار العلوم كراچی)

(۳) کسی بدبودار چیز کو مسجد میں لانے کی ممانعت کی علت "تأذیٔ ملائکہ" ہے اور جب کہ مذکورہ صورت میں مذکورہ اشیاء میں بدبو نہیں =

معماروں کا مسجد میں گھٹنے کھولنا اور حقہ پینا

سوال[۷۴۲۳]: مسجد کے اندر تعمیر کے دوران معماروں کو حقہ پینا اور گھٹنے کھلے رکھنا کیسا ہے، متولی پر ان کو روکنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گھٹنے کھلے رکھنا کسی کے سامنے خارج مسجد بھی منع ہے چہ جائیکہ مسجد میں (۱)، متولی کو چاہئے کہ ایسے معماروں اور مزدوروں کو ہدایت کرے کہ ایسا نہ کریں۔ مسجد میں حقہ پینے سے بھی ان کو روکا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۱۷ھ۔

صحنِ مسجد میں سگریٹ پینا

سوال[۷۴۲۴]: صحنِ مسجد میں اور مجلسِ قرآن خوانی میں، یا جلسۂ امام المسلمین میں بیڑی

= پائی جاتی لہٰذا تاذی بھی نہیں، اس وجہ سے ان اشیاء کا مسجد میں لانا اور استعمال کرنا درست ہے:

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وأكل نحو ثوم): أى كبصل ونحوه مماله رائحة كريهة، للحديث الصحيح فى النهى عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد، قال الإمام العينى فى شرحه على صحيح البخارى: قلت: علة النهى أذى الملائكة وأذى المسلمين، ولا يختص بمسجده عليه الصلوة والسلام، بل الكل سواء، لرواية مساجدنا بالجمع". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب فى الغرس فى المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

(۱) "وستر عورة، ووجوبه عام و لو فى الخلوة على الصحيح". (الدرالمختار). "(قوله: وجوبه عام): أى فى الصلاة وخارجها". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة، مطلب فى ستر العورة: ۱/۴۰۴، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثالث فى شروط الصلاة: ۱/۵۸، رشيديه)

(وكذا فى الحلبى الكبير، كتاب الصلوة، شرائط الصلاة، ص: ۲۱۴، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۲) (راجع، ص: ۲۴۸، رقم الحاشية: ۲)

وسگریٹ کا استعمال کرنا شرعاً کیا حکم ہے؟ ہمارے یہاں بعض علماء جواز کے قائل ہیں اور علامہ شامی کے قول کو دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ اور حضرت مولانا عبدالحیٔ کے فتاویٰ میں جواز منقول ہے، اس کو سن قلیل پر حمل کرتے ہیں یعنی مولانا عبدالحیٔ صاحب علامہ شامی کے اعتبار سے کم عمر ہیں اور کم عمری میں انتقال ہو گیا ہے۔ اس مسئلہ کی بابت ہمارے یہاں بہت سخت اختلاف ہو رہا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر دو اختلاف کرنے والوں کے دلائل وعبارات معہ حوالۂ کتاب وجلد واضح نقل کریں، پھر راجح مرجوح اور قوی وضعیف کے متعلق کچھ لکھا جائے گا، جس سے اختلاف کے ختم یا نرم ہونے کی صورت پیدا ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۸/۳۰ھ۔

جس کے زخم سے بدبو آتی ہو اس کا مسجد میں جانا

سوال[۷۴۲۵]: بعض آدمی بعض خاص بیماری کی وجہ سے اپنے صحیح سالم پیر کو زخم کر کے اس میں دوا لگا کر چڑھا دیتے ہیں اور اس میں سے ہر دم ایک قسم کا لہو اور پیپ نکلتا رہتا ہے، اس زخم پر ایک گول دیتے ہیں تاکہ پیپ وغیرہ باہر نہ نکلے اور اس کو کپڑے سے بند کر دیتے ہیں، اس طرح سال دو سال تک رکھتے ہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس سے جس بیماری کے لئے کیا جاتا ہے اس کا بھی فائدہ ہوتا ہے اور بدن میں طاقت وقوت آجاتی ہے۔ بڑے حکیم وڈاکٹروں سے یہ ثابت ہے۔

دوسری بات دریافت طلب یہ ہے کہ اس کے زخم سے ہر وقت بدبو آتی ہے۔ مسجد وغیرہ میں اس کو جانا جائز ہے یا نہیں؟ عرفاً اس کو گول دینے والا کہتے ہیں اور اس فعل کو گول کہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کو جس کے زخم سے بدبو آتی ہو اور دوسروں کو اذیت پہونچتی ہو مسجد میں جانا منع ہے:

"واکل نحو ثوم یمنع منه، وكذا كل موذٍ ولو بلسانه، اهـ". درمختار: "أي كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهي عن قربان اكل الثوم والبصل المسجد.

قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين، ولا يختص بمسجده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، بل الكل سواء؛ لرواية: "مساجدنا" بالجمع، خلافاً لمن شذّ.

ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحةٌ كريهةٌ مأكولاً أوغيره، وإنما خص الثوم هنا بالذكر وفي غيره أيضاً بالبصل والكراث، لكثرة أكلهم لها، وكذا ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة، الخ". شامي: ١/٦٩١(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱/۵۷ھ۔

کوڑھی کا مسجد میں جانا

سوال[۷۴۲۶]: زید کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہے، دیکھنے میں تندرست معلوم ہوتا ہے، مگر زیر علاج ہے، بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں کجی آ گئی۔ ماہر ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس وقت تمہارے خون میں کوئی خرابی نہیں۔ ایسی حالت میں زید مسجد میں جا کر نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مرض متعدی ہوتا ہے، لہذا زید کو مسجد میں نہیں آنا چاہئے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کوڑھ کا اثر خون میں نہیں، بدن سے رطوبت نہیں نکلتی، بدبو نہیں آتی تو مسجد میں جا کر نماز پڑھنا اور جماعت میں شریک ہونا درست ہے، محض دو انگلیوں میں کجی آ جانے کی وجہ سے مسجد کی جماعت سے اس شخص کو محروم نہ کیا جائے۔ مرض متعدی نہیں ہوتا ہے(۲)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ١/٦٦١، سعيد)

"يجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة، لقوله عليه الصلاة والسلام: "من أكل الثوم والبصل والكراث، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى ممايتأذى منه بنو آدم". متفق عليه".

(الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في أحكام المسجد، ص: ٦١٠، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، حين قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا عدوى ولا =

ہاں! اگر نمازیوں میں وحشت پیدا ہوا اور اس کی وجہ سے لوگ مسجد میں آنا چھوڑ دیں اور مسجد کے غیر آباد ہونے کا اندیشہ ہو، یا اس کے جانے کی وجہ سے نزاع کا اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کو خود ہی اس کا لحاظ رکھتے ہوئے مکان پر نماز ادا کر لینی چاہئے۔ مشکوۃ شریف میں کوڑھی سے الگ رہنے کی بھی تاکید ہے(۱) اور اس کے ساتھ کھانا کھانے کی بھی تصریح ہے(۲)، دونوں کا محمل یہی ہے کہ ذاتی طور پر ہر مرض کو متعدی سمجھنا غلط ہے، اور احتیاط کے درجہ میں پرہیز کرنا درست ہے، مگر جب معالج کے ماتحت مرض موجود نہیں پھر اس سے یہ پرہیز بھی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

خارش وجذام والے کا مسجد میں آنا

سوال[۷۴۲۷]: ایک انسان ایسے مرض میں مبتلا ہے جو متعدی ہے یعنی خارش اور جذام ہے اور عوام اس سے نفرت بھی کرتے ہیں اور مسجد کی جائے نماز وغیرہ اس کے استعمال کرنے سے لوگ متنفر ہوں تو ایسے آدمی کے لئے مسجد کی اشیاء استعمال کرنے اور مسجد میں آنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

= صفر و لا هامة". فقال أعرابي: يا رسول الله! فما بال الإبل تكون في الرمل كأنها الظباء، فيجيء البعير الأجرب، فيدخل فيها فيجربها كلها؟ قال: "فمن أعدى الأول". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۳۰، باب: لاعدوى ولا طيرة، الخ، قديمي)

(وكذا في فيض القدير: ۲/۶۴۸۹، (رقم الحديث: ۹۹۰۷)، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(۱) "وعنه (أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر، وفرّ من المجذوم كما تفر من الأسد". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة، الفصل الأول، ص: ۳۹۱، قديمي)

(۲) "وعن جابر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أخذ بيد مجزوم، فوضعها معه في القصعة وقال: "كلْ ثقةً بالله و توكلاً عليه". رواه ابن ماجة". (مشكوة المصابيح، باب الكهانة، الفصل الثاني، ص: ۳۹۲، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بھی مرض کو فی نفسہ متعدی سمجھنا غلط ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے(۱)، لیکن جو شخص ایسے مرض میں مبتلا ہو کر لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں اور ان کے عقیدے غلط ہو جانے، یا غلط عقیدوں کے پختہ ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس شخص کو اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، وہ اپنے مکان سے وضو کر کے جائے۔ اگر مسجد جانے سے بھی لوگوں میں نفرت پیدا ہو، یا اس کے جسم سے بدبو آتی ہو، یا رطوبت ٹپکتی ہو تو اس کو اپنے مکان ہی پر نماز پڑھنی چاہیے، مسجد نہ جائے، جماعت اس سے ساقط ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۸/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: حين قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا عدوى ولا صفر ولا هامة". فقال أعرابي: يارسول الله! فما بال الإبل تكون في الرمل كأنها الظباء، فيجئ البعير الأجرب، فيدخل فيها فيجربها كلها؟ قال: "فمن أعدى الأول". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۳۰، باب: لاعدوى ولاطيرة، قديمي)

(وكذا في فيض القدير: ۱۲/۶۴۸۹، (رقم الديث: ۹۹۰۷)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكة)

(۲) "(قوله: وأكل نحو ثوم): أي كبصل ونحوه مماله رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين .... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولاً أوغيره .... وكذلك ألحق بعضهم بذلك مَن بفيه بخرٌ أو به جرحٌ له رائحةٌ، وكذلك القصاب، والسماك، والمجذوم والأبرص أولى بالإلحاق. وقال سحنون: لاأرى الجمعة عليهما .... وقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "وليقعد في بيته" صريحٌ في أن كل هذه الأشياء عذر في التخلف عن الجماعة وأيضاً هنا علتان: أذى المسلمين وأذى الملائكة، فبالنظر إلى الأولى يعذر في ترك الجماعة وحضور المسجد، وبالنظر إلى الثانية يعذر في ترك حضور المسجد ولو كان وحده، اهـ. ملخصاً"

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۰، سهيل اكيدمي، لاهور)

جذام والے کا مسجد میں آنا

سوال[۷۴۲۸]: ایک شخص جو جذام وبرص کی بیماری میں مبتلا ہے، اس کو نماز با جماعت میں کس جگہ کھڑا ہونا چاہیے، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

اگر بدن سے رطوبات بہتی ہیں جس سے مسجد بھی گندی ہوتی ہو اور نمازیوں کے کپڑے بھی خراب ہوں، یا اس کے بدن سے بدبو آتی ہو جس کی وجہ سے نمازیوں کو اذیت ہوتی ہو، جیسا کہ برص یا جذام والے مریض کو بعض دفعہ ہوتا ہے تو ایسے شخص کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں ہے اس سے جماعت ساقط ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد میں ریح خارج کرنا

سوال[۷۴۲۹]: جو لوگ مسجد میں مسافر طالب علم وغیرہ، نمازی وغیرہ بیٹھے رہتے ہیں، یا سو جاتے ہیں، ان کی وہاں ریح قصداً یا بلا قصد خارج ہو جاتی ہے۔ تو کیا یہ ادبِ مسجد کے خلاف ہے؟ یہ جو مشہور ہے کہ اگر کسی کی مسجد میں ریح خارج ہو جاتی ہے تو اس کو فرشتے اپنے منہ میں لے کر باہر پھینکتے ہیں۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احتیاط اور ادب یہ ہے کہ مسجد میں قصداً ریح خارج نہ کرے، بلکہ مسجد سے باہر جا کر خارج کرے، یا اگر سوتے یا جاگتے میں بلا قصد خارج ہو جائے تو معذوری ہے۔ ایسے شخص کو جس کے لئے دوسری جگہ سونے کی موجود ہو بلا شدید ضرورت کے مسجد میں سونا مکروہ ہے(۲)۔

"لایُخرج فیه الریح من الدبر کما فی الأشباه، واختلف فیه السلف فقیل: لا بأس، وقیل:

---

(۱) (راجع، ص: ۲۵۳، رقم الحاشیة: ۲)

(۲) "ویکره النوم والأکل فیه: أی المسجد لغیر المعتکف". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشیدیه)

يخرج إذا احتاج إليه، هو الأصح، حموى عن الشرح الجامع الصغير، اهـ". درمختار: ۱/۶۸۷(۱)۔

فرشتوں کا ایسی بدبودار چیز سے اذیت پانا تو حدیث پاک سے ثابت ہے(۲)، لیکن اس کا منہ میں لے کر باہر پھینکنا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

مسجد میں خروج ریح

سوال[۷۴۳۰]: ایک شخص کو خروجِ ریح کی بیماری ہے تاہم معذور کے حکم میں نہیں، کئی سال سے اعتکاف کا متمنی ہے۔ ایسے شخص کے لئے مسجد میں اعتکاف کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں اخراجِ ریح کو فقہاء نے منع لکھا ہے، ایسی حالت میں ایسے شخص کو بار بار مسجد سے نکلنا ہوگا، یا کراہت کا ارتکاب کثرت سے کرنا ہوگا(۳)، لہٰذا احوط یہی ہے کہ ایسا شخص اعتکاف نہ کرے، بلکہ اللہ پاک سے دعاء کرتا رہے اور اس کو آرزو اور تمنا کا اجر ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

"وإخراج الريح من الدبر: أي يكره. أقول: في شرح الجامع الصغير للتمرتاشي في كتاب الكراهية: واختلف السلف في الذي يفسو في المسجد، فلم يره بعضهم بأساً، وبعضهم: لا يفسو، بل يخرج إذا احتاج إليه، وهو الأصح". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۲/۶۲، إدارة القرآن كراچي)

"واختلف في الذي يفسو في المسجد، فلم ير بعضهم بأساً، وبعضهم قالوا: لا يفسوا، و يخرج إذا احتاج إليه، وهو الأصح". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، مطلب: يوم عرفة افضل من يوم الجمعة: ۱/۶۷۲، سعيد)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب المساجد مواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

(۳) "وإذا فسا في المسجد، فلم ير بعضهم به بأساً، وقال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، و هو الأصح". (ردالمحتار، مطلب: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة: ۱/۶۷۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

الفصل السادس فی زخرفة المساجد والکتابة علیها

(مسجد کے نقش ونگار اور اس پر لکھنے کا بیان)

مسجد میں نقش ونگار

سوال[۷۴۳۱]: مسجد میں خواہ اندر ہو خواہ باہر، نقش ونگار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

محمد عثمان عفا اللہ عنہ چاٹگامی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جدارِ قبلہ کے علاوہ مسجد میں نقش ونگار کرنا درست ہے، لیکن مالِ وقف سے درست نہیں:

"و لا بأس بنقش المسجد بالجص والساج وماء الذهب و نحوه .... إذا فعل من مال نفسه. أما المتولی، فلا یجوز أن یفعل من مال الوقف إلا ما یرجع إلی إحکام البناء، حتی لو جعل البیاض فوق السواد للنقاء ضمن، اهـ". کبیری، ص:۵۷۱(۱)۔ "یجوز نقشه بالجص و ماء الذهب إذا تبرع به إنسان، سوی جدار القبلة، اهـ". سکب الأنهر: ۱/۱۲۷(۲)۔

---

(۱) (الحلبی الکبیر، کتاب الصلوة، فصل فی أحکام المسجد، ص:۶۱۵، ۶۱۶، سهیل اکیڈمی لاهور)

"و لا بأس بأن ینقش المسجد بالجص والساج و ماء الذهب .... و هذا إذا فعل من مال نفسه، أما المتولی یفعل من مال الوقف ما یرجع إلی إحکام البناء دون ما یرجع إلی النقش، حتی لو فعل، یضمن". (الهدایة، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها: ۱/۱۴۴، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی فیما یکره فی الصلاة و ما لا یکره، فصل: ۱/۱۰۹، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، فصل: ۲/۶۵، رشیدیه)

(۲) (الدر المنتقی فی شرح الملتقی المعروف بسکب الأنهر، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما =

لیکن زیادہ تکلفات کرنا مکروہ ہے: "وفي الفتح: دقائق النقوش و نحوها مکروه". مجمع الأنهر: ۱/۱۲۷(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱/۵۷ھ۔

مسجد کا نقش و نگار مسجد کے مال سے

سوال [۷۴۳۲]: مسجد میں شیشہ کا کام مسجد کے پیسہ سے کرایا گیا ہے، حالانکہ اہلِ محلّہ اور بعض اہلِ شہر نے متولیان کو منع کیا کہ یہ روپیہ ایسے کام میں ضائع مت کرو، بلکہ مسجد کی دوکانات جنوبی کو از سرِ نو تعمیر کرا کے اس کے اوپر کمرہ تعمیر کراؤ کہ جس سے مسجد کو کافی آمدنی ہو، اور جائیداد بھی محفوظ ہو جائے، لیکن متولیان نے ایسا نہیں کیا، بلکہ شیشہ کے کام میں صرف کر دیا جو تقریباً پانچ سو روپیہ کے ہوگا۔ کیا یہ خرچ اسرافِ بیجا ہے یا نہیں، اگر اسراف بیجا ہے تو یہ گراں رقم مسجد کو کون ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولا بأس بنقشه خلا محرابه، فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي. ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها كأخشاب ثمينة وبياض بنحو سبيداج، خصوصاً في جدار القبلة بجص وماء ذهب لو بماله الحلال لامن مال الوقف، فإنه حرام، وضمن متوليه لو فعل النقش أو البياض، إلا

= يكره فيها، فصل: ۱/۱۹۰، غفاريه كوئٹه)

"و لا يكره نقش المسجد، وهو المذكور في الجامع الصغير بلفظ "لابأس به".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: ۲/۴۲، رشيديه)

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيه (فصل): ۱/۱۹۱، غفاريه كوئٹه)

"و محمل الكراهة التكلف بدقائق النقوش ونحوه خصوصاً في المحراب". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: ۱/۴۲۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و كذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

إذا خيف طمع الظلمة، فلا بأس به: أي بأن اجتمعت عنده أموال المسجد وهو مستغن عن العبارة، وإلا فيضمنهما، اھ". درمختار وشامی مختصراً: ۱/۶۸۸(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مسجد میں علاوہ محراب کے دوسرے حصوں: چھت وغیرہ میں نقش ونگار کرنا اپنے حلال روپیہ سے جائز ہے، لیکن محراب میں یعنی جانبِ قبلہ کی دیوار میں ایسے نقش ونگار کرنا جس سے نمازیوں کی توجہ منتشر ہو، مکروہ ہے، اس طرح زیادہ تکلف کے بعد باریک باریک نقوش اور بیل بوٹے نکلوانا بھی مکروہ ہے اور مال وقف سے تو ان چیزوں میں سے کچھ بھی جائز نہیں۔

جو چیز تعمیر کو پختہ اور مستحکم کرنے والی ہو وہ تو حسبِ ضرورت مالِ وقف سے جائز ہے، باقی زیبائشی کام میں مال وقف کو خرچ کرنا حرام ہے، اگر متولی مال وقف کو زیبائش کے کام میں صرف کرے گا تو وہ اس مال کا ضامن ہوگا۔ البتہ اگر مالِ وقف زیادہ جمع ہو جائے اور مسجد کو عمارت کی ضرورت نہ ہو، بلکہ ضروریاتِ مسجد سے وہ روپیہ قطعاً زائد ہو اور متولی کو قوی اندیشہ ہو کہ اس روپیہ کی حفاظت کسی طرح نہیں ہو سکتی اور دوسرے ظالم لوگ اس روپیہ پر قبضہ کر کے اپنی ضروریات میں صرف کر لیں گے تو پھر ایسی مجبوری کے وقت اس روپیہ کو مسجد کے زیبائشی کام میں بھی صرف کرنا درست ہے اور ظاہر یہ ہے کہ شیشے لگانا زیبائش ہی کے لئے ہے، عمارت کے

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، مطلب: کلمة "لابأس" دلیل علی أن المستحب غیره، الخ: ۱/۶۵۸، سعید)

"ومحل الاختلاف فی غیر نقش المحراب، أما نقشه فهو مکروه؛ لأنه یلهی المصلی، کما فی فتح القدیر وغیره. قال المصنف فی الکافی: و هذا إذا فعل من مال نفسه، أما المتولی فإنما یفعل من مال الوقف ما یُحکم البناء دون النقش، فلو فعل ضمن حینئذٍ، لما فیه تضییع المال، فإن اجتمعت أموال المساجد و خاف الضیاع بطمع الظلمة فیها، لا بأس به حینئذ، اھ". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة: ۲/۲۵، رشیدیه)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی فیما یکره فی الصلاة و ما لا یکره، فصل: ۱/۱۰۹، رشیدیه)

(و کذا فی الحلبی الکبیر، فصل فی أحکام المسجد، ص: ۶۱۵، ۶۱۶، سهیل اکیڈمی لاهور)

(و کذا فی الهدایة، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها: ۱/۱۴۴، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

لئے نہیں۔ اگر نمازی کی تصویر ان شیشوں میں نظر آتی ہے تو اس میں اور بھی تصویر پرستی کی مشابہت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۵/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/ ۵/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

سلور جوبلی پر مسجد میں چراغاں

سوال [۷۴۳۳]: ۱...... سلور جوبلی کے سلسلے میں چراغاں میں روشنی یا زینت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ سلور جوبلی جارج پنجم کی ۲۵/ سالہ حکومت کی سال گرہ کی خوشی منانا ہے۔

۲...... مسجد کی آمدنی اس سلور جوبلی کی خوشی کے سلسلے میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل خادم یوسف انصاری گنگوہی، مقیم سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو اوقات شرعاً امت کے قابلِ احترام اور مواقع مسرت ہیں، ان میں زینت اور روشنی مساجد کے متعلق فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ حسبِ تصریح فرماتے ہیں:

"ومن البدع المنكرة مايفعل فى كثير من البلدان إيقاد القناديل الكثيرة فى ليالى معروفة فى السنة كليلة النصف من شعبان، خصوصاً بيت المقدس، فيحصل بذلك مفاسد كثيرة: منها: مضاهاة المجوس فى الاعتبار بالنار، والإكثار منها. ومنها: مايترتب على ذلك فى كثير من المساجد من اجتماع الصبيان، وأهل البطالة، ورفع أصواتهم، وامتهانهم بالمساجد، وانتهاك حرمتها، وحصول أوساخ فيها، وغير ذلك من المفاسد، يجب صيانة المسجد عنها. ومن المفاسد مايجعل فى الجوامع، وهو من إيقاد القناديل، وتركها إلى أن تطلع الشمس، وترفع، وهو من فعل اليهود فى كنائسهم. وأكثر مايفعل ذلك فى العيد، وهو حرام .... ومما يشبه ذلك وقود الشموع الكثيرة ليلة عرفة، اهـ". حموى شرح أشباه، ص: ٥٦١(١)۔

(١) (شرح غمز عيون البصائر على الأشباه والنظائر، القول فى أحكام المسجد: ۶۲/۴، إدارة القرآن كراچى)=

۱......سلور جوبلی کو اسلام اور شعائرِ اسلام سے جس نوع کا تضاد ہے وہ کسی ذی احساس اور معمولی سے معمولی مسلم پر بھی مخفی نہیں، پھر اس کی خوشی منانا، اس میں روشنی یا زینتِ مساجد وغیرہ کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ مسلمانوں کو اس سے اجتناب ضروری ہے اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے(۱)۔

۲......فقہاء کی مذکورہ بالا تصریح مطلق ہے، لہٰذا وقف اور مسجد کی آمدنی کو اس میں خرچ کرنا اَور بھی زیادہ ممنوع اور گناہ ہوگا اور متولی اس کا ضامن ہوگا:

"ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لوبما له الحلال، لامن مال الوقف، فإنه حرام، وضمن متوليه لو فعل النقش أو البياض، اھ". درمختار مختصراً، ص: ۶۸۸(۲)۔ فقط

= "رجل أوصى بثلث ماله لأعمال البر، هل يجوز أن يسرج المسجد من ذلك؟ قال الفقيه أبوبكر رحمه الله تعالى: يجوز، ولايجوز أن يزاد على سراج المسجد؛ لأن ذلك إسراف، سواء كان في رمضان أو غيره. ولا يزين المسجد بهذه الوصية". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/ ۸۵۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر في المسجد، الفصل الثانی: ۲/ ۴۶۱، رشيديه)

"وإسراج السرج الكثيرة في السكك، والأسواق ليلة البراءة بدعة، وكذا في المساجد ويضمن القيم". (البحر الرائق: ۵/ ۳۵۹، كتاب الوقف، رشيديه)

(۱) سلور جوبلی منانے میں کفار کی مشابہت ہے، اور کفار کے شعار وغیرہ میں مشابہت اختیار کرنا شرعاً ممنوع ہے: "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب ماجاء في لبس الشهرة ۲/ ۲۰۳، مكتبه إمداديه ملتان)

قال علی القاری: "(قوله: من تشبه بقوم): أی من تشبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار. (قوله: فهو منهم): أی في الإثم والخير. قال الطيبی: هذا عام في الخَلق والخُلق والشعار، ولما كان الشعار أظهر في الشبه ذكر الباب". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثانی، (رقم الحديث: ۴۳۴۷): ۸/ ۱۵۵، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/ ۶۵۸، سعيد) =

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ (صدر مدرس)

الجواب صحیح: بندہ منظور احمد عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ فقیر زکریا قدوسی مدرس مدرسہ ھذا۔ المجیب مصیب، عبدالشکور۔

یہ جواب صحیح ہے: اسعد اللہ، مدرس مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: نور محمد بقلم خود۔

جواب صحیح: صدیق احمد، مدرس مدرسہ ہذا۔

الجواب صحیح: بندہ ظہور الحسن عفی عنہ، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: جمیل احمد، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد میں روضۂ اقدس کی تصویر لگانا

سوال [۷۴۳۴]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کی تصویر مسجد میں لگانا جائز ہے

= "قوله: (ولا نقشه بالجص وماء الذهب): أي ولايكره نقش المسجد .... وهذا إذا فعل من مال نفسه، أما المتولي، فإنما يفعل من مال الوقف، ما يحكم البناء دون النقش، فلو فعل ضمن حينئذ، لما فيه تضييع المال". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۵/۲، رشيديه)

"وليس للقيم أن يتخذ من الوقف على عمارة المسجد شرفاً، أو ينتقش المسجد من ذلك، ولو فعل، يكون ضامناً". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب لرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۱/۳، رشيديه)

"وكذا يضمن إذا أسرف في السرج في رمضان، وليلة القدر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۰/۵، رشيديه)

یانہیں؟ خانہ کعبہ کی تصویر مسجد میں لگا سکتے ہیں یانہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لگا سکتے ہیں، مگر سامنے نہ لگائیں جس سے نمازیوں کی نظر اس پر جائے، اونچائی پر لگائیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند

مسجد میں کعبہ اور مسجدِ نبوی کا فوٹو لٹکانا

سوال [۷۴۳۵]: مسجد میں ایک طرف کعبہ کا نقشہ آویزاں ہے اور دوسری طرف مسجدِ نبوی کا ہے۔ ایسا نقشہ مسجد میں لگانا یا لٹکانا کیسا ہے، اور خاص کر داہنے جانب ضروری سمجھ کر لٹکانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں ایسے نقشے اور کتبے لگانا، یا دیوارِ مسجد میں ایسے نقش ونگار کرنا جس سے نمازیوں کا دھیان اس کی طرف جائے، مکروہ ہے (۲) اور ضروری سمجھنا تو بالکل ہی غلط و باطل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "یجوز نقشه بالجص و ماء الذهب إذا تبرع به إنسان سوى جدار القبلة". (الدر المنتقى في شرح الملتقى، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: ۱/۹۰، غفاريه كوئٹه)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۵، رشيديه)

(۲) "ولابأس بنقشه خلا محرابه، فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي. ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً في جدار القبلة .... وقيل: يكره في المحراب دون السقف المؤخر". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره: ۱/۶۵۸، سعيد)

"ومحل الاختلاف في غير نقش المحراب، أما نقشه فهو مكروه؛ لأنه يلهي المصلي". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره اسقبال القبلة: ۲/۶۵، رشيديه) =

دیوارِ مسجد میں آیات وغیرہ لکھوانا

سوال[۷۴۳۶]: عام طور پر مساجد کی دیواروں پر آیاتِ قرآنی، احادیث، یا خلفائے راشدین واصحابِ عشرہ مبشرہ کے اسمائے مبارکہ لکھے جاتے ہیں۔ یہ کس حد تک درست ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاضرورت یہ چیزیں وہاں نہ لکھی جائیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۵ھ۔

چندہ سے تعمیر شدہ مسجد میں اپنے نام کا پتھر لگانا

سوال[۷۴۳۷]: ہمارے یہاں میدان جوگل تحصیل ہندوارہ میں ایک جامع مسجد تعمیر ہورہی ہے۔ ایک شخص ایک پتھر جو کہ سنگِ مرمر کا ہے اس پر تاریخ سنگِ بنیاد اور ذاتی نام کھدوا کر دیوار میں نصب کرنا چاہتا ہے، مگر مسجد شریف متذکرہ عوامی چندہ سے تعمیر ہورہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو آدمی اپنا نام سنگ مرمر پر کھدوا کر اس کو دیوار میں نصب کرنا چاہتا ہے، چندہ کی فراہمی اور دیگر کام میں زیادہ حصہ لیتا ہے۔ گاؤں میں اکثر لوگ اس پر برانگیختہ ہوگئے ہیں اور شدید ناراضگی کا اظہار کررہے ہیں، حتی کہ اب مسجد شریف پر بھی رُکاوٹ پڑنے کا احتمال ہے۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل: ويكره استقبال القبلة: ۱/۴۲۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۵، ۶۱۶، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) "ولا ينبغي الكتابة على جدرانه: أي خوفاً من أن تسقط وتوطأ، بحر عن النهاية". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب فيمن سبقت يده إلى مباح: ۱/۶۶۳، سعيد)

"وفي النهاية وليس بمستحسن كتابة القرآن على المحاريب والجدران، لما يخاف من سقوط الكتابة وأن توطأ" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱/۱۰۹، رشيديه)

چونکہ آپ کا ادارہ ایک مستند دینی ادارہ ہے اس لئے آپ سے استدعا ہے کہ اس مسئلہ کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کر کے فتویٰ صادر کریں کہ آیا ہم لوگ اس پتھر کو اس شخص کے نام کے ساتھ دیوار میں نصب کریں یا نہیں، بہتر کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اہلیانِ مسجد ان صاحب کو مسجد کا متولی ومہتمم قرار دے لیں اور ان کے انتظام واہتمام سے مسجد کا کام انجام پائے تو اس سنگِ مرمر پر اس طرح سے عبارت لکھ دی جائے کہ ''اس مسجد کی تعمیر فلاں صاحب کے انتظام واہتمام سے ہوئی'' تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، لیکن خود ان صاحب کا مطالبہ کہ میرا نام پتھر پر کندہ کر کے لگایا جائے اخلاص کے خلاف ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ناموری کے خواہش مند ہیں، یہ خواہش نہایت غلط ہے، ثواب کو ختم کرنے والی ہے۔ دنیا میں ایسے شخص کی شہرت وتعریف ہوجائے گی، مگر آخرت میں عمل خالص کے ثواب سے محروم رہے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۸/۱۳۹۹ھ۔

مسجد میں حدیث لکھ کر لگانا اور اپنے لئے دعاء کرانا اور اپنا نام لکھنا

سوال[۷۴۳۸]: ہمارے یہاں مسلم ایسوسی ایشن تختہ سیاہ پر مندرجہ ذیل حدیثیں کسی معتمد رسالہ سے نقل کر کے مسجد کے داخلی دروازے کے پاس اندرونِ مسجد آویزاں کرتی ہے اور اس کا مقصد مسلم بھائیوں کی اصلاح کے سوا کچھ نہیں۔ نمازی حضرات سے یہ جماعت اپنے لیے دعائے خیر کی گذارش کرتی ہے۔ کیا ازروئے شریعت اس طرح پر کسی فرد یا جماعت کا اپنی اصلاح اور خیر کی دعاء کرانا احکامِ ربی اور احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھنے سے پہلے کسی فرد یا ادارہ کا اول یا آخر نام لکھنا منع ہے؟

مندرجہ ذیل حدیثیں ہم لوگ لکھتے ہیں:

۱......دین سیکھو اور سکھاؤ۔

---

(۱) "والمراد بوجه الله تعالیٰ ذات الله، وابتغاء وجه الله في العمل هو الإخلاص، وهو أن تكون نيته في ذلك طلب مرضاة الله تعالیٰ من دون رياء وسمعة، حتى قال ابن الجوزي: من كتب اسمه على المسجد الذي يبنيه كان بعيداً من الإخلاص". (عمدة القاري، باب من بنى مسجداً: ۲۱۳/۴، إدارة الطباعة المنيرية)

۲......حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراپا شفقت اور مجسمۂ رحمت ہونے کے باوجود نماز کو باجماعت ادا نہ کرنے والوں پر اس قدر برہم ہیں کہ ان کے گھروں کو آگ لگادینے پر آمادہ ہیں (۱)۔نماز کو باجماعت نہ پڑھنے کے سلسلے میں اَور بہت سے وعیدیں آئی ہیں، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ نماز کو باجماعت ادا کرنے کی پوری کوشش کریں۔اللہ تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو سچا نمازی بنادے، ٹھیک وقت پر پورے سکون خشوع وخضوع کیساتھ باجماعت نماز ادا کرنے کی توفیق دے۔آمین۔

۳......نماز کے متعلق چالیس حدیثیں وغیرہ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

کسی فرد یا جماعت کا اپنے لئے دعاء کے لئے درخواست کرنا منع نہیں (۲)۔احادیث لکھ کر دعاء کی درخواست کرنا کہ اللہ ہم کو بھی عمل کی توفیق دے، یہ بھی منع نہیں۔نام چاہے آخر میں لکھا جائے یا پہلے، مگر اس طرح نام لکھنے سے اس لکھنے والے فرد یا جماعت کی بھی تشہیر ہوتی ہے، جس کی بنا پر لوگ تعریف کرتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ کام کا مقصود تعریف ہی تک محدود رہ جائے، رضائے خداوندی اور اشاعتِ احادیث واحکام مقصود نہ رہے، یا اس کے ساتھ نام آوری بھی مقصودیت کے درجہ میں آجائے، جیسا کہ کثرت سے اشتہاری لوگوں کا حال دیکھنے

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فَقَدَ ناساً فی بعض الصلوات، فقال: "لقد هممت أن آمر رجلاً يصلی بالناس، ثم أخالف إلی رجالٍ يتخلفون عنها، فآمر بهم، فيحرقوا عليهم بحزم الحطب بيوتهم، ولو علم أحدهم أنه يجد عظماً سميناً لشهدنا". يعنی صلوة العشاء". (الصحيح لمسلم: ۱/۲۳۲، كتاب الصلاة، باب فضل صلوة الجماعة و بيان التشديد فی التخلف عنها وأنها فرض كفاية، قديمی)

(۲) "عن سالم بن عبد الله عن أبيه عن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: استأذنت النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فی العمرة، فأذِن لی، قال: "لاتنسنا يا أخی من دعائک". فقال كلمةً ما يسرّنی أن لی بها الدنيا". (سنن أبی داؤد: ۱/۲۱۷، كتاب الصلاة، أبواب الوتر، باب الدعاء، إمداديه ملتان)

(وكذا فی جامع الترمذی، أبواب الدعوات، أحاديث شتی من أبواب الدعوات: ۲/۱۹۶، سعيد)

(وكذا فی سنن ابن ماجة، أبواب المناسک، باب فضل دعاء الحاج، ص: ۲۰۸، قديمی)

میں آتا ہے۔ اللہ پاک اس مصیبت سے محفوظ رکھے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/۹۰ھ۔

نام کھدوا کر مسجد پر پتھر لگوانا

سوال[۷۴۳۹]: متوفی کی طرف سے مسجد بنا کر اس کے نام کا پتھر کھدوا کر لگانا جائز ہے یا نہیں؟
عبدالعلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایصال ثواب کے لئے مسجد بنوا دینا اور اس نیت سے پتھر پر کھدوا کر لگانا کہ دوسروں کو اس قسم کے کاموں کی رغبت ہو، یا کوئی شخص اس پتھر کو دیکھ کر میت کے لئے خصوصیت سے ایصال ثواب کرے، درست ہے (۲) اور شہرت کی بنا پر نام کھدوانا درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

صحیح: عبداللطیف، ۱/محرم الحرام/۵۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "والمراد بوجه الله ذاتُ الله، وابتغاء وجه الله فى العمل هو الإخلاص، وهو أن تكون نيته فى ذلک طلب مرضاة الله تعالىٰ من دون رياء وسمعة، حتى قال ابن الجوزى: من كتب اسمه على المسجد الذى يبنيه كان بعيداً من الإخلاص". (عمدة القارى، باب من بنى مسجداً: ۲۱۳/۴، إدارة الطباعة المنيرية)

(۲) "فيه أن التعاون فى بنيان المسجد من أفضل الأعمال أنه مما يجرى لإنسان أجره بعد موته، ومثل ذلک حفر الآبار، الخ". (عمدة القارى، باب من بنى مسجداً: ۲۰۹/۴، إدارة الطباعة المنيرية)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

الفصل السابع فی البیع والشراء فی المسجد

(مسجد میں خرید وفروخت کرنے کا بیان)

مسجد میں خرید وفروخت

سوال [۷۴۴۰]: کسی شخص کا مسجد میں خرید وفروخت کرنا کیسا ہے، اگر جائز ہے تو کن کن چیزوں کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں خرید وفروخت منع ہے(۱)، صرف معتکف کو اتنی اجازت ہے کہ ضروری چیز کا معاملہ اس شخص سے کرلے جو مسجد میں آیا ہو، اس طرح کہ سامان ساتھ نہ ہو۔ مسجد میں سامان رکھ کر اس کو خریدنا یا فروخت کرنا معتکف کے لئے بھی درست نہیں بلکہ مکروہ ہے، ردالمحتار: ۲/۱۳۴(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم "نهی عن الشراء والبیع فی المسجد". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب التحلق یوم الجمعة قبل الصلاة: ۱/۱۶۱، امدادیه ملتان)

(وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی کراهیة البیع والشراء فی المسجد: ۱/۷۳، سعید)

(وسنن النسائی، کتاب المساجد، باب النهی عن البیع والشراء فی المسجد: ۱/۱۷۱، قدیمی)

"وقید بالمعتکف؛ لأن غیره یکره له البیع مطلقاً، لنهیه علیه الصلاة والسلام عن البیع والشراء فی المسجد". (البحر الرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۵۳۰، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع ردالمحتار، باب الاعتکاف: ۲/۴۴۹، سعید)

(وکذا فی ملتقی الأبحر، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۱/۳۷۹، غفاریه کوئٹه)

(۲) "ویکره .... کل عقد إلا لمعتکف بشرطه". (الدر المختار). "(قوله: بشرطه) وهو أن لا یکون للتجارة، بل یکون ما یحتاجه لنفسه أو عیاله بدون إحضار السلعة". (ردالمحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۴۴۹، سعید) .... =

مسجد میں خرید وفروخت

سوال[۷۴۴۱]: مسجد میں خرید وفروخت جائز ہے کہ نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس صورت میں اور کس وقت؟ کیونکہ یہاں پر مدراس کے علاقہ میں علماء ہوں، یا غیر عُلماء ان کو اگر کوئی کتاب فروخت کرنی ہوتی ہے تو وہ مسجد میں آ کر تقریر کریں گے اور اس کتاب کے فضائل بیان کریں گے اور آخر میں اس کی قیمت بتا کر مسجد میں خرید وفروخت شروع کر دیں گے۔ اور ایسے ہی ایک صاحب نے ایک نقش تیار کر کے ممبر کے اوپر رکھ دیا اور اس کو فریم کرایا اور اس کے فضائل اپنی تقریر میں بیان کئے کہ اس میں باری تعالیٰ کے اسماء ہیں اور اس کو اخیر میں انہوں نے تین تین روپے میں فروخت کر دیا، مسجد کے اندر یہ عمل کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں خرید وفروخت اس طرح بھی ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۹/۲۲ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۵۳۱، رشيديه)

"(وكره): أي تحريماً؛ لأنها محل إطلاقهم (إحضارُ مبيع فيه)". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۴۴۹، سعيد)

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن الشراء والبيع في المسجد". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة: ۱/ ۱۶۱، امداديه ملتان)

(وسنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في كراهية البيع والشراء في المسجد: ۱/ ۷۳، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب المساجد، باب النهي عن البيع والشراء في المسجد ۱/ ۱۷۱، قديمي)

"وقيد بالمعتكف؛ لأن غيره يكره له البيع مطلقاً؛ لنهيه عليه الصلاة والسلام عن البيع والشراء في المسجد". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۵۳۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۴۴۹، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/ ۳۷۹، غفاريه كوئٹه)

مسجد میں تجارت کرنا

سوال[۷۴۴۲]: اندرون مسجد کاروبار یا دوکان بنا کر تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز کے لئے وقف کی گئی ہے اس جگہ کو کاروبار تجارت وغیرہ کے لئے متعین کرنا اور وہاں تجارت کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں (۱)۔ جو جگہ نماز کے لئے نہیں اور مسجد کی مصالح کے لئے وقف ہے، اور اس جگہ کو دوکان وغیرہ بنانے میں مسجد کے احترام اور اس کی تعمیر وغیرہ میں فرق نہ آئے تو اس کو مسجد کی آمدنی وآبادی کے لئے کرایہ پر دینا درست ہے (۲)۔ مسجد کا اندرونی حصہ یا صحن (بیرونی حصہ) ہو سب کا ایک ہی حکم ہے، کسی جگہ بھی وہاں تجارت کرنا، یا کرایہ پر دینا شرعاً درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نهی عن الشراء والبیع فی المسجد". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب التحلق یوم الجمعة قبل الصلاة: ۱/۱۶۱، امدادیه ملتان)

(وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی کراهیة البیع والشراء فی المسجد: ۱/۷۳، سعید)

(وسنن النسائی، کتاب المساجد، باب النهی عن البیع والشراء فی المسجد: ۱/۱۷۱، قدیمی)

"وقید بالمعتکف؛ لأن غیره یکره له البیع مطلقاً، لنهیه علیه الصلاة والسلام عن البیع والشراء فی المسجد". (البحر الرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۵۳۰، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۴۴۹، سعید)

(۲) "ولو کانت الأرض متصلةً ببیوت المصر، یرغب الناس فی استیجار بیوتها، وتکون غلة ذلک فوق غلة الزرع والنخیل، کان للقیم أن یبنی فیها بیوتاً فیؤاجرها". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۳۰۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی: ۶/۲۴۱، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۳) "ولو أن قیم المسجد أراد أن یبنی حوانیت فی حریم المسجد و فنائه، قال الفقیه أبو اللیث رحمه الله تعالیٰ:=

امام کا مسجد میں تجارت کرنا

سوال[۷۴۴۳]: اگر کوئی امام مسجد میں کپڑا وغیرہ رکھ کر تجارت کرتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد میں، جہاں نماز پڑھی جاتی ہے وہاں کپڑا وغیرہ رکھ کر تجارت کرنا مکروہ تحریمی ہے(۱)، اگر امام اس سے باز نہ آئے تو وہ علیحدگی کا مستحق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۲ھ۔

= لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً و لامستغلاً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قيم المسجد: ۸۶۰/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن الشراء والبيع في المسجد". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة: ۱۶۱/۱، امداديه ملتان)

(وسنن النسائي، كتاب المساجد، باب النهي عن البيع والشراء في المسجد: ۱۱۷/۱، قديمي)

(وجامع الترمذي، كتاب الصلوة، باب ماجاء في كراهية البيع والشراء في المسجد: ۷۳/۱، سعيد)

"(وكره): أي تحريماً؛ لأنها محل إطلاقهم (إحضارُ مبيع فيه)". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۹/۲، سعيد)

"وكره إحضار مبيع فيه كما كره فيه مبايعة غير المعتكف مطلقاً، للنهي". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۹/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف. ۵۳۰/۲، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۳۷۹/۱، غفاريه كوئٹه)

غسل خانہ یا جوتہ اتارنے کی جگہ بیع وشراء

سوال[۷۴۴۴]: مسجد کی وہ جگہ جہاں جوتا اتارا جاتا ہے یا غسل خانہ اور وہ حجرہ یا مکان جو مصالحِ مسجد یا اس کی ضروری بات کے لئے تعمیر کرایا گیا ہو، وہاں غیر معتکف کے لئے بیع وشراء- عام اس سے کہ شئ مبیع وہاں موجود ہو یا نہ ہو- جائز ہے یا نہیں؟

سعید الدین آلہ آبادی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع وشراء احترامِ مسجد کے منافی ہے(۱) اور حصۂ مذکورہ فی السوال شرعاً مسجد نہیں اور اس کا احترام ضروری نہیں، لہٰذا وہاں بیع وشراء شرعاً درست ہے(۲)، بشرطیکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہوتی ہو(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ۵/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

مسجد کے درخت کی بیع مسجد میں

سوال[۷۴۴۵]: ایک شیشم کا درخت مسجد ہی کا ہے، اس کی خرید وفروخت جہاں نماز ہوتی ہے جائز

---

(۱) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب مايكره في المساجد، ص: ۵۵، قديمي)

(۲) اس لئے کہ حصہ مذکورہ فی السوال کی جگہیں یقینی طور پر مسجد کی حدود سے باہر ہیں اور جو جگہ مسجد سے باہر ہوتی ہے اس میں مسجد کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

(۳) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي ﷺ قال: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۶/۱، قديمي)

قال العلامة العيني رحمه الله تعالىٰ: "فيه البحث على ترك أذى المسلمين بكل ما يؤذي". (عمدة القاري، كتاب الإيمان، باب من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۲۱۸/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

چونکہ مسجدیں نماز و جماعت کے لئے متعین کی گئی ہیں، اس لئے وہاں خرید وفروخت کرنا درست نہیں (۱)، الگ ہٹ کر کی جائے اگر چہ وہ درخت مسجد ہی کا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۵/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن الشراء والبيع فى المسجد". (سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة: ۱/۱۶۱، امداديه ملتان)

(وسنن النسائى، كتاب المساجد، باب النهى عن البيع والشراء فى المسجد: ۱/۱۷۱، قديمى)

(و سنن الترمذى، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى كراهية البيع والشراء فى المسجد: ۱/۷۳، سعيد)

"وكره إحضار مبيع فيه كما كره فيه مبايعة غير المعتكف مطلقاً، للنهى". (الدرالمختار).

"ويأكل: أى المعتكف ويشرب وينام ويبيع ويشترى فيه لا غيره. قال الملاعلى القارى رحمه الله تعالىٰ فى شرحه: أى لا يفعل غير المعتكف شيئاً من هذه الأمور فى المسجد، اهـ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۹، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيديه)

(وكذا فى ملتقى الأبحر، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/۳۷۹، غفاريه كوئٹه)

الفصل الثامن فی الاکتتاب فی المسجد

(مسجد میں چندہ کرنے کا بیان)

مسجد میں مدرسہ کے لئے چندہ کرنا

سوال[۷۴۴۶]: مسجد کے اندر مدرسہ کا چندہ اس طرح سے مرحباً اور سبحان اللہ بول کر وصول کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دینی ضرورت کے لئے مسجد میں چندہ کرنا مرحباً اور سبحان اللہ کہہ کر درست ہے، مگر نمازیوں کی نماز میں خلل وتشویش نہ ہونے پائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۰ھ۔

مسجد میں چندہ کا اعلان کرنا

سوال[۷۴۴۷]: آج کل ہر جگہ چندہ کنندگان مسجد، مدرسوں، انجمنوں، عیدگاہوں، یتیم خانوں،

---

(۱) اس قسم کا چندہ کرنے میں اگر مسجد کے آداب کا خیال رکھا جائے تو اس میں بظاہر کوئی حرج نہیں، جیسے کہ سائل کو آدابِ مسجد کا خیال رکھتے ہوئے عطیہ پیسے وغیرہ دینا جائز ہے:

"و یکرہ التخطی للسؤال بکل حال". (الدرالمختار). "قال فی النھر: والمختار أن السائل إن کان لایمرّ بین یدی المصلی ولا یتخطی الرقاب و لا یسأل إلحافاً، بل لأمر لا بد منه، فلا بأس بالسؤال و الإعطاء، اھـ". (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعة، مطلب فی الصدقة علی سؤال المسجد: ۱۶۴/۲، سعید)

(وکذا فی البزازیة، الثالث والعشرون فی الجمعة، نوع: ۷۶/۲، رشیدیه)

(وکذا فی النھر الفائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة: ۳۶۵/۱، امدادیه ملتان)

بورڈنگوں، اسکولوں، مقبروں، گورکنوں کے اعلان مسجد میں کرتے ہیں، حتی کہ کسی چیز کے گم ہونے کا بھی اعلان کرتے ہیں اور ملی ہوئی چیز کا بھی اظہار مسجد میں کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں پیر کے بیٹے بیٹیوں کی شادی، مؤذن وامام کی امداد کی بار بار پکار مسجدوں میں کررہے ہیں، حالانکہ امام ومؤذن کی تنخواہ بھی ملتی ہے۔ تو یہ کام مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب کام مسجد سے باہر مناسب ہیں، کیونکہ بسا اوقات ان چیزوں میں بات اپنی حد پر قائم نہیں رہتی بلکہ شوروشغب تک نوبت آ جاتی ہے(۱)۔ اور گم شدہ چیز کو تلاش کرنے کی تو مسجد میں ممانعت بھی ہے۔ اسی طرح ملی ہوئی چیز کا اعلان بھی مسجد سے باہر کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں مسجد، ختم اور امام کے لئے چندہ

سوال[۷۴۴۸]: مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرنا منع ہے، دنیاوی باتوں کی وضاحت کیجئے۔ مسجد کے اندر ختم شریف کے سلسلہ میں جو چندہ ہوتا ہے، وہ چندہ نام بنام لکھا جارہا تھا تو ایک صاحب نے اعتراض کیا

---

(۱) جس طرح مسجد میں سوال کرنے کے آداب کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے گناہ ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی گناہ ہوگا:

"وفیها و لا یجوز الإعطاء إذا لم یکونوا علی تلک الصفة المذکورة. وقال الإمام أبو نصر العیاضی: أرجو أن یغفر الله تعالیٰ لمن یُخرجهم من المسجد". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة، مطلب فی الصدقة علی سؤال المسجد: ۱۶۴/۲، سعید)

(وکذا فی البزازیة، الثالث والعشرون فی الجمعة، نوع: ۷۶/۶، رشیدیه)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إذا رأیتم مَن ینشد ضالةً فی المسجد، فقولوا: لا ردها الله علیک". (جامع الترمذی، أبواب البیوع، باب النهی عن البیع فی المسجد: ۲۴۷/۱، سعید)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب کراهیة إنشاد الضالة فی المسجد: ۶۹/۱، دار الحدیث ملتان)

"ویکره إنشاد ضالة، الخ". (الدرالمختار). "هی الشئ الضائع، وإنشادها السؤال عنها، و فی الحدیث: "إذا رأیتم من ینشد ضالةً فی المسجد، فقولوا: لا ردها الله علیک". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب فی أفضل المساجد: ۶۶۰/۱، سعید)

کہ دنیا کی خرافات نہ ہونا چاہئے، دوسرے شخص نے کہا کہ تمام مسجدوں میں امام صاحب کے لئے چندہ ہوتا ہے اور دیا جاتا ہے۔ تو مذکورہ بالا حضرت بولے کہ مسجد کے اندر لینا دینا دونوں حرام ہے، حرام کی وضاحت نہیں کی۔ تو آیا یہ سچ ہے کہ لینا دینا دونوں حرام ہیں اور باتیں کس قسم کی ہونا چاہئے؟ مسجد میں تعمیری وانتظامی کام سب ہی ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دنیا کی باتیں جیسے: خرید وفروخت کی باتیں، مقدمات کی باتیں، کھیت اور باغ کی باتیں، یہ سب دنیا کی باتیں ہیں۔ مسجد کی تعمیر یا امام کی تنخواہ کے لئے چندہ کرنا مسجد میں منع نہیں، بشرطیکہ شور وشغب نہ ہو(۱) جیسا کہ عامۃً آج کل ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں، غیرت دلاتے ہیں، کم چندہ دینے پر جھگڑتے ہیں۔ غرض مسجد کا احترام ملحوظ نہیں رکھتے، یہ طریقہ منع ہے۔ ختم شریف کے لئے جو چندہ کیا جاتا ہے، وہ اکثر زور دے کر لیا جاتا ہے اور اس میں زیادہ تر دکھاوا اور مقابلہ مدِ نظر ہوتا ہے، یہ بھی منع ہے(۲)۔

---

(۱) "عن عبد الله بن عامر اليَحْصُبيّ قال: سمعت معاوية رضي الله تعالىٰ عنه يقول: .... سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إنما أنا خازن، فمن أعطيتُه عن طيب نفسي فمبارك له فيه، ومن أعطيته عن مسئلة وشره، كان كالذي يأكل و لايشبع". (الصحيح لمسلم: ۱/۳۳۳، كتاب الزكوة، باب النهي عن المسئلة، قديمي)

"ويحرم فيه السؤال، ويكره الإعطاء مطلقاً، وقيل: إن تخطى". (الدرالمختار). "(قوله: وقيل: إن تخطى) هو الذي اقتصر عليه الشارح في الحظر حيث قال: فرع: يكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقاب الناس........... لأن علياً رضي الله تعالىٰ عنه تصدق بخاتمه في الصلاة، فمدحه الله تعالىٰ بقوله: ﴿ويؤتون الزكاة و هم راكعون﴾". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في أفضل المساجد: ۱/۶۵۹، ۶۶۰، سعيد)

(وكذا في البزازية، الثالث والعشرون في الجمعة، نوع: ۶/۷۶، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱/۳۶۵، إمداديه ملتان)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب =

مسجد میں تلاوت، تسبیح، درود شریف، استغفار میں مشغول رہنا چاہئے، ایسے طریقہ پر کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو۔ اگر مسائل کی تعلیم دی جائے تو یہ بھی مسجد میں درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= لغصب والعارية، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۱) "لأن المسجد ما بُني إلا لها من صلاة أو اعتكاف و ذكر شرعي و تعليم علم أو تعلمه و قراءة القرآن". (الأشباه والنظائر، القول فی أحكام المسجد: ۶۳/۴، إدارة القرآن كراچی)

الفصل التاسع فی الحَفَلات للوعظ والأناشید فی المسجد

(مسجد میں وعظ ونظم کی محفلوں کا بیان)

مسجد میں جلسہ وتقریر

سوال[۷۴۴۹]: موجودہ زمانہ میں جب کہ مساجد میں جلسے منعقد کئے جاتے ہیں جواپنے اندر بہت سی پیچیدگیوں کے حامل ہوتے ہیں، جن میں علاوہ تقاریر کے شوروغل، ہاتھ پائی اور گالی گلوچ تک کی نوبت پہونچ جاتی ہے اور ایک دوسرے پر آوازے کسے جاتے ہیں اور طعن وتشنیع سے کام لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات تو اکثر سامعین اور بعض مقررین حضرات ایسی پستیٔ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں، جس کا ثبوت قہوہ خانوں میں بھی محال ہے۔ ایسے افعال کے مرتکب مساجد کا کیا حکم ہے؟

خادم العلماء محمد علی نائب، منجانب: انجمن اسلامیہ لاہور پنجاب، خطیب مسجد شاہی لاہور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

احکامِ شرعیہ بیان کرنے کے لئے مسجد میں جلسہ کرنا درست ہے(۱)، مقرر اور واعظ کو چاہئے کہ نہایت

---

(۱) "کما یجوز لأهل المحلة أن یجعلوا المسجد الواحد مسجدین، فلهم أن یجعلوا المسجدین واحداً لإقامة الجماعات، أما للتدریس أو للتذکیر، فلا؛ لأنه ما بُنی له وإن جاز فیه". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها فصل: کره استقبال القبلة، الخ: ۶۲/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، باب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۳۲۱/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الصلاة: ۶۶۰/۱-۶۶۳، سعید)

"لأن المسجد ما بُني إلا لها من صلاة أو اعتکاف و ذکر شرعي و تعلیم علم أو تعلمه و قراءة القرآن". (الأشباه والنظائر، القول فی أحکام المسجد: ۶۳/۴، إدارة القرآن کراچی)

مَتانت اور سنجیدگی سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد حاضرین کو سنائے اور سمجھائے۔ اور سامعین کو بھی چاہئے کہ نہایت ادب اور احترام سے اس کو سنیں اور عمل کریں۔ جو صورت سوال میں درج ہے اس طریقہ پر جلسہ کرنا اور ایسی حرکات کا ارتکاب احترامِ مسجد کے قطعاً خلاف اور ناجائز ہے، فقہاء نے "أحكام مسجد" میں ایسے شوروغل اور لڑائی کو بالکل ممنوع تحریر کیا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲/۳ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/صفر/ ۵۶ھ۔

مسجد میں کرسی بچھا کر وعظ کرنا

سوال [۷۴۵۰]: جب کہ مسجد کے اندر منبر ہے اور وہ پیوست ہے باہر نہیں آ سکتا، تو اس شکل میں اگر کوئی دینی وعظ و نصیحت کرنے والا مسجد کے برآمدے میں یا فرش پر جہاں منبر نہیں ہے، وہاں کرسی یا موڑھا (۲) بچھا کر اس پر بیٹھ کر وعظ و نصیحت لوگوں کو سنائے تو یہ کیسا ہے؟

---

(۱) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم و مجانينكم و شرائكم و بيعكم و خصوماتكم و رفع أصواتكم". الحديث. (سنن ابن ماجة، باب ما يكره في المسجد، ص: ۵۵، مير محمد كتب خانه)

"وههنا أبحاث: الأول فيما تصان عنه المساجد: يجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام: "من أكل الثوم والبصل والكراث، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم". متفق عليه. وعن حديث الدنيا، وعن البيع والشراء، وإنشاد الأشعار، وإقامة الحدود، و نشدان الضالة، والمرور فيها لغير ضرورة، ورفع الصوت، وإدخال المجانين والصبيان لغير الصلاة ونحوها، الخ". (الحلبي الكبير، فصل: في أحكام المسجد، ص: ۶۱۰، ۶۱۱، سهيل اكيڈمى لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

(۲) "موڑھا: سرکنڈوں اور سونج کی بنی ہوئی کرسی"۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۳۱۹)

الجواب حامداً ومصلیاً:

منبر نہ ہوتو کرسی یا موڑھا بچھا کراس پر بیٹھ کر وعظ وتقریر درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۹۶/۵/۱۲ھ۔

مسجد میں پڑھنے آنے والے بچوں سے تقریر کرانا

سوال[۷۴۵۱]: مسجد میں جو بچے پڑھنے آتے ہیں ان سے صبح کے وقت نظمیں، نعت اور تقریر وغیرہ کرانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں جو بچے پڑھنے کے لئے آتے ہیں ان کی تعلیم کے لئے ان کو تقریر کی مشق کرانا اور نعت پڑھوانا بھی درست ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۵/۱۲/۲۱ھ۔

---

(۱) "وحدثنا شيبان بن فروخ قال: نا سليمن بن المغيرة قال: نا حميد بن هلال قال: قال أبو رفاعة رضي الله تعالیٰ عنه: انتهيت إلى النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم وهو يخطب قال: فقلت: يارسول الله! -صلى الله تعالیٰ عليه وسلم- رجل غريب جاء يسأل عن دينه لايدري مادينه؟ قال: فاقبل عليّ رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم وترک خطبة حتى انتهى إليّ فأتي بكرسي حسبتُ قوائمه حديداً قال: فقعد عليه رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، وجعل يعلّمني مما علمه الله، ثم أتي خطبته فأتم آخرها". (الصحيح لمسلم، كتاب الجمعة، باب من دخل المسجد والإمام يخطب: ۱/۲۸۷، قديمي)

(۲) "و من هنا يعلم جهل بعض مدرسي زماننا مِن منعهم مَن يدرس في مسجد تقرر في تدريسه، أو كراهتم لذلک زاعمين الاختصاص به دون غيرهم، وهذا جهل عظيم .... لأن المسجد مابني إلا لها من صلاة أو اعتكاف وذكر شرعي و تعليم علم أو تعلمه وقراء ة قرآن". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد، (رقم القاعدة: ۳۵): ۶۳/۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۶۰/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۸/۶، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة: ۶۶۳/۱، سعيد)

مسجد میں نعت پڑھنا

سوال[۷۴۵۲]: مسجد میں بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں نعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پڑھ سکتا ہے، جب کہ مضمون صحیح ہواور کوئی خارجی مفسدہ بھی نہ ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں الیکشن

سوال[۷۴۵۳]: اگر کوئی شخص الیکشن کے سلسلہ میں کوئی سیاسی میٹنگ مسجد میں کر کے مسجد کو انتخابی

---

(۱) "وعن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يضع لحسان منبراً في المسجد يقوم عليه قائماً يفاخر عن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أو ينافح". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، ص: ۴۱۰، قديمی)

قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالیٰ: "وقال غيره: يحتمل أن البخاری أراد أن الشعر المشتمل على الحق حق، بدليل دعاء النبی صلى الله تعالیٰ عليه وسلم لحسان على شعره، وإذا كان حقاً جاز في المسجد كسائر الكلام الحق، ولا يمنع منه كما يمنع من غيره من الكلام الخبيث، واللغو الساقط .... وأما مارواه ابن خزيمة في صحيحه والترمذی وحسّنه من طريق عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: نهى رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم عن تناشد الأشعار في المساجد .... فالجمع بينها وبين حديث الباب أن يحمل النهی على تناشد أشعار الجاهلية والمبطلين، والمأذون فيه ماسلم من ذلك. وقيل: المنهی عنه ما إذا كان التناشد غالباً على المسجد حتى يتشاغل به من فيه". (فتح الباری شرح صحيح البخاری، كتاب الصلوة، باب الشعر في المسجد، (رقم الحديث: ۴۵۳): ۱/۷۲۱، قديمی)

"و يكره إنشاد ضالة أو شعر إلا ما فيه ذكر". (الدرالمختار). "(قوله: أو شعر) .... فما كان منه في الوعظ والحِكَم و ذكر نعم الله تعالیٰ و صفة المتقين، فهو حسن". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في إنشاد الشعر: ۱/۶۶۰، سعيد)

اورسیاسی پلیٹ فارم کےطور پر استعمال کرے،تو کیا از روئے شریعت یہ درست ہے اور ایسے آدمیوں کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجدیں دنیاوی الیکشنوں کے لئےنہیں بنائی گئیں،ایسے کام مسجد میں نہ کئے جائیں،جوایسا کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۵/ ۸/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح ،بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "و یکرہ کل عمل من عمل الدنیا فی المسجد". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراھیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۵/ ۳۲۱، رشیدیه)

"الجلوس فی المسجد للحدیث لا یباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بُنی لأمور الدنیا. وفی خزانة الفقه: یدل علی أن الکلام المباح من حدیث الدنیا فی المسجد حرام". (الفتاویٰ العالمکیریه، المصدر السابق)

(وکذا فی البحر الرائق، باب ما یفسد الصلاة و ما یکرہ فیها فصل: کرہ استقبال القبلة، الخ: ۲/ ۶۳، رشیدیه)

الفصل العاشر فی المزامیر عند المسجد

(مسجد کے قریب موسیقی وغیرہ کا بیان)

مسجد کے سامنے باجہ وغیرہ

سوال[۷۴۵۴]: مسجدوں کے سامنے-خواہ جماعت کا وقت ہو یا نماز ہورہی ہو- باجہ، ڈھول، تاشہ، انگریزی باجہ، شہنائی (۱) وغیرہ کے بجانے سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے یا نہیں؟ اور باجہ بجانے والوں کو روکنا چاہئے یا نہیں جب کہ وہ شارعِ عام راستے سے باجہ بجاتے چلے جارہے ہوں؟ شادی وجلوس وغیرہ میں بعض وقت روکنے سے باجہ والوں کو فساد کا خوف بھی ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شاہراہ عام پر ہر شخص کو گزرنے کا حق حاصل ہے (۲)، لیکن ایسی حرکت کرنا جس سے آس پاس والوں یا اہلِ مسجد کو خصوصاً اوقاتِ صلوۃ میں اذیت پہونچے، منع ہے (۳)۔ حسنِ تدبیر سے اگر فہمائش کردی جائے، یا کسی ذی اثر آدمی کے ذریعہ کہلوادیا جائے تو بہتر ہے، ورنہ فتنہ وفساد سے اجتناب چاہئے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) ''شہنائی: نفیری، بانسری، الغوزہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۵۲، فیروز سنز لاهور)

(۲) ''أما النافذة فلا منع من الفتح فیها؛ لأن لکل أحد حق المرور فیها''. (ردالمحتار، باب التحکیم، مسائل شتی، مطلب فی فتح باب آخر للدار: ۵/۴۴۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثانی والثلاثون فی المتفرقات: ۳/۴۴۴، رشیدیه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه، وسعی فی خرابها﴾ الآیة (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۴) ''عن طارق بن شهاب وهذا حدیث أبی بکر قال: أول من بدأ بالخطبة یوم العید قبل الصلوة مروان، فقام إلیه رجل، فقال: الصلوة قبل الخطبة، فقال: قد ترک ماهنالک، فقال أبو سعید رضی الله تعالیٰ =

مسجد کے اندر یا چھت پر نقارہ بجانا

سوال[۷۴۵۵]: مسجد کے اندر یا چھت پر نقارہ بجانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سحری کے لئے مکان کی چھت پر نقارہ بجانے کی اجازت ہے(۱)، مسجد میں یا مسجد کی چھت پر نہیں۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

آواز دار گھڑی مسجد میں

سوال[۷۴۵۶]: وہ بڑی گھڑی جو اکثر دیوار پر لگائی جاتی ہے اور ہر آدھ گھنٹہ پر گونجتی ہوئی آواز میں ٹھوکے دیتے ہوئے خصوصاً مسجد میں لگانے کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

= عنه: أما هذا، فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (الصحيح لمسلم، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان: ۱/۵۱، قديمی)

"ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراماً وجب الزجر عنه، وإذا كان مكروهاً ندب، والأمر بالمعروف أيضاً تبع لما يؤمر به، فإن وجب فواجب، وإن ندب فمندوب، ولم يتعرض له في الحديث؛ لأن النهي عن المنكر شامل له، إذ النهي عن الشئ أمر بضده وضد المنهي إما واجب أو مندوب أو مباح، والكل معروف . وشرطهما أن لايؤدي إلى الفتنة، كما علم من الحديث، وأن يظن قبوله، فإن ظن أنه لايقبل فيستحسن إظهار شعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۲، (رقم الحديث: ۵۱۳۸)، رشيديه)

(۱) قال العلامة الحصكفي: "وإنشاد ضالة أو شعر إلا ما فيه ذكر ورفع صوت بذكر إلا للمتفقهة". (ردالمحتار، مطلب في إنشاد الشعر : ۱/۶۶۰، سعيد)

"أقول: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لإيقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام، تأمل". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۵۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس گھڑی کا مقصدِ اصلی بھی وقت ہی معلوم کرنا ہے اور ستار باجہ کی طرح آواز سننا مقصد نہیں، لیکن گانا بجانا عام ہوجانے کی وجہ سے اس کی آواز میں اس طرح کا لحاظ کرلیا گیا ہے کہ اگر کوئی باجہ کی آواز نہ سننا چاہے، بلکہ اس سے نفرت کرتا ہو تو وہ بھی بے اختیار اس کو سنے۔ اس کو ستار وغیرہ کی طرح بالکل ناجائز تو نہیں کہا جائے گا، ہاں ضرور کسی قدر تشبیہ پیدا ہوجائے گا، اس لئے ایسی گھڑی کے مقابلے میں وہ گھڑی قابلِ ترجیح ہوگی جس میں آواز نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۸۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "والسادس: أن لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله تعالىٰ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/ ۳۲۱، رشيديه)

باب المتفرقات

مسجد کے نام پر دینی درسگاہ بنانا

سوال[۷۴۵۷]: یہاں کے مسلمانوں کا ارادہ ہے کہ اس شہر میں اسلامی مسجد بچوں کے لئے دینی درسگاہ قائم کی جائے جس کے لئے مسجد تعمیر کمیٹی نے کام شروع کیا ہے، لیکن تعمیر کمیٹی میں سے چند افراد کا ارادہ ہے کہ اگر یہاں کی حکومت کو یہ بتلایا جائے کہ مسلمانوں کی جماعت یہاں پر ایک مشرقی وضع قطع پر یوتھ سینٹر تعمیر کرنا چاہتی ہے، اس طرح جمع شدہ رقم پر حکومت اور لوکل کارپوریشن سے ۷۵٪ فی صد گرانٹ ملنے کا کافی امکان ہے، لیکن اس کے برعکس اگر یہ بتلایا جائے کہ ہم لوگ مسجد بنانے والے ہیں، تو حکومت مذہب کے نام سے کچھ بھی مدد دینے کے لئے تیار نہیں، لیکن یوتھ سینٹر کے نام سے گرانٹ مل سکتی ہے جو وضع قطع میں مینارہ، گنبد نما، بلڈنگ ہوگا۔

اس میں ایک کمرہ عبادت کے لئے مخصوص کردیا جائے۔ اس طریقہ پر ایک پنتھ (۱) دو کاج والا معاملہ ہوتا ہے، گرانٹ (۲) بھی مل جائے گی اور مسجد بھی بن جائے گی۔ لیکن اس کے برعکس تمام مسلمانوں سے یہی مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ بچوں کے لئے مسجد و دینی درسگاہ بنا رہے ہیں۔ تو کیا اس طریقہ پر جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد وہ جگہ ہے جس کو نماز کے لئے وقف کردیا جائے، اس پر کسی کو مالکانہ تصرف کا حق نہ رہے، اس کا راستہ بھی الگ ہو، ایسا نہ ہو کہ راستہ کسی کے مکان کے اندر ہو اور وہ جب چاہے اپنا مکان بند کردے اور مسجد میں

---

(۱) ''پنتھ: فرقہ، قوم، ملت، مذہب، دھرم، گروہ، راہ، راستہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) ''گرانٹ: (Grant) حق دے دینا، منتقل کرنا، ھبہ کرنا، بخشنا، مرحمت کرنا، منظور کرنا، قبول کرنا، ماننا، تسلیم کرنا، فرض کرنا''۔ (English to English & Urdu Dictionary, Page No: 365, Feroz Sons, Lahore)

آنے والے نہ آسکیں۔ وہاں اذان وجماعت کی اجازت ہو، پھر وہ جگہ مستقل کسی دوسرے کام (تعلیم وغیرہ) کے لئے مخصوص نہیں ہوسکتی، اور نماز پڑھنے سے وہاں منع نہیں کیا جاسکتا (۱)۔

اگر اسی طرح وہاں کے قانون کے مطابق مسجد بنانے کی گنجائش نہیں، بلکہ کچھ مدت بعد مسجد کو توڑ کر مستقلاً دوسرے کام میں استعمال کرنے کا خطرہ ہے تو بہتر یہی ہے کہ وہاں دینی درسگاہ کے نام سے تعمیر کی جائے اور اس کے کسی ہال میں نماز وجماعت کا بھی انتظام رہے اور چندہ بھی یہی بتا کر لیا جائے کہ دینی درسگاہ بنائی جائے گی جس میں نماز وجماعت کا بھی انتظام ہوگا۔ حکومت سے حاصل شدہ رقم بھی اس میں صرف ہوسکتی ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۸۸ھ۔

---

(۱) "ومن بنیٰ مسجداً، لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلاة فيه، وإذا صلیٰ فيه واحد، زال ملكه .... أما الإفراز فلأنه لا يخلص لله إلا به؛ لأنه مادام حق العبد متعلقاً به، لم يتحرر لله .... ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل بابه إلیٰ الطريق وعزله، أو اتخذ وسط داره مسجداً وأذِن للناس بالدخول، فله بيعه، ويورث عنه؛ لأنه لم يخلص لله، لبقاء حق العبد فيه، والمسجد لايكون إلا خالصاً لله، لما تلونا. ومع بقاء حق العبد في أسفله أو في أعلاه أو في جوانبه محيطاً به لايتحقق الخلوص كله .... وأما إذا اتخذ وسط داره مسجداً، فلأن ملكه محيط بجوانبه، فكان له حق المنع من الدخول، والمسجد من شرطه أن لايكون لأحد فيه حق المنع، قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾ [البقرة: ۱۱۴]، ولأنه لم يفرزه حين أبقیٰ الطريق لنفسه، فلم يخلص لله، حتى لو عزل بابه إلى الطريق الأعظم، صار مسجداً". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴/۲۷۰، ۲۷۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۱۵، ۴۱۶، رشيديه)

(۲) " ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم للإمام .... مصالحنا كسد ثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء". (الدر المختار). "وكذا النفقة على المساجد كما في زكاة الخانية، فيدخل فيه =

مسجد کی بجلی کا تار کسی کے مکان پر

سوال[۷۴۵۸]: اگر مسجد میں بجلی لگانے سے تار کسی دوسرے شخص کے مکان کے اوپر کو آجائے، اور صاحبِ مکان موجود نہ ہو، آنے پر وہ ناراض ہوتو بجلی لگوانے والے خود اس کو الٹا برا اور سخت بات کہیں تو کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس کے مکان پر تار آنے سے نقصان ہے تو اس کو وہاں سے ہٹا کر ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اس کو نقصان نہ پہونچے (۱)، ورنہ وہیں رہنے دیا جائے، ذرا ذرا سی بات پر نزاع کرنا اور اشتعال کی بات کہنا بہت برا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

مسجد سے ملا کر اپنی تعمیر کرنا

سوال[۷۴۵۹]: مسجد سے آگے کی سمت (مغرب کی جانب) یا بازو میں کسی طرف مسجد سے متصل ایک شخص کی زمین ہے اور وہ شخص اپنی اس زمین میں عمارت بنوارہا ہے جو کہ مسجد کی عمارت سے (یعنی دیوار سے) ہی شروع کرتا ہے۔ اگرچہ وہ زمین اسی کی ملکیت میں ہے، لیکن قانون گورنمنٹ کے اعتبار سے اس کو کم ازکم تین فٹ جگہ چھوڑ کر عمارت بنانا چاہئے، لیکن وہ شخص اس کے لئے رضامند نہیں ہے۔ قانون کے لحاظ سے تو

= الصرف علی إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان و نحوهما". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، مطلب في مصارف بيت المال: ۴/۲۱۷، سعيد)

(۱) "لاضرر ولاضرار". قال العلامة المناوي: "(لاضرر): أي لا يضر الرجل أخاه، فينقصه شيئاً من حقه .... أو لا فعل ضرر أو ضرار بأحد في ديننا: أي لايجوز شرعاً إلالموجب خاص". (فيض القدير: ۱۲/۶۴۸۴، (رقم الحديث: ۹۸۹۹)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۹، (رقم المادة: ۱۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ ﴿وأطيعوا الله ورسوله، ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم، واصبروا، إن الله مع الصٰبرين﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

اس کونوٹس دیکر روکا جاسکتا ہے تحفظِ مسجد کے لئے، کیونکہ اگر یہ شخص دیوار ملاکر شروع کرتا ہے تو اس وجہ سے مسجد کونقصان پہونچے گا کہ اس مسجد کا پرنالہ اوراس کے روشن دان وغیرہ بند ہوجائیں گے جس سے مسجد کے نقصان کا اندیشہ ہے۔

توکیا ایسی حالت میں قانون کے ہوتے ہوئے بمطابقِ شرع بھی اس کی مملوکہ زمین سے مسجد کے تحفظ کے مدنظر بلا رضائے رب الارض نوٹس دے کر روکا جاسکتا ہے یانہیں؟ فقط۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: قاری حسام الدین، میرٹھ شہر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی چھت کا پانی گرنے کے لئے جگہ کا چھوڑنا حقِ مسجد ہے، لہٰذا تحفظِ مسجد کے لئے بھی اس کوروکنے کی ضرورت ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۹۱ھ۔

مسجد کا لینٹر پڑوسی کی دیوار پر

سوال [۷۴۶۰]: مسجد کا ایک حجرہ میرے مکان کے ایک کمرہ سے ملاکر مسجد تعمیر کرانے والوں نے

---

(۱) "لایمنع أحد من التصرف فی ملکه أبداً، إلا إذا أضره بغیره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۶۵۷/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"الضرر الفاحش هو کل مایمنع الحوائج الأصلیة، یعنی المنفعة الأصلیة المقصودة من البناء، کالسکنیٰ، أو یضر البناء بأن یجلب علیه وهناً، ویکون سبب انهدامه". (شرح المجلة، المصدر المتقدم، (رقم المادة: ۱۱۹۹)

"یدفع الضرر الفاحش بأیّ وجه کان، مثلاً: لو اتخذ فی اتصال دار دخان حداد أوطاحون، وکان من طرق الحدید، ودوران الطاحون یحصل وهن للبناء، أو أحدث فی جانبها فرن أو معصرة، فتأذیٰ صاحب الدار من دخان الفرن ورائحة المعصرة، حتیٰ تعذرت علیه السکنیٰ، فهذا کله ضرر فاحش یدفع ویزال بأیّ وجه کان". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۶۵۸/۱، الفصل الثانی، (رقم المادة: ۱۲۰۰)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

تعمیر کرایا، میرے مکان کی خام دیوار کو چھانٹ کر اپنے حجرے کی دیوار قائم کر لی، میری دیوار میں سے ایک فٹ دبا کر لینڑ ڈال لیا ہے۔ میں نے حافظ صاحب سے نہایت تہذیب سے دیوار بنانے کی شکایت کی، مگر توجہ اور معقول جواب نہیں دیا۔ کیا بغیر مالک کی اجازت کے ایسا کرنا جائز تھا؟ نیز ایک چھت اَور بنوائی ہے جو مذکورہ چھت سے ملائی گئی اور روشن دان رکھ دیا جس کی وجہ سے بے پردگی ہوگی۔ یہ بھی میری غیر موجودگی میں کیا گیا، حالانکہ باہر جاتے وقت وہاں سے کہہ کر گیا کہ خیال کر کے کام کرنا، کوئی قابلِ اعتراض نہ ہو۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

رحیم بخش باندہ بمبئی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد خدا کا گھر ہے (۱)، اس میں کسی دوسرے کی زمین بغیر مالک کی اجازت کے شامل کر لینا، یا اس کی دیوار پر مسجد کا گاڈر یا لینڑ وغیرہ رکھنا، یا مسجد میں کوئی ایسا روشندان کھولنا کہ جس سے دوسرے کے مکان کی بے پردگی ہو، شرعاً یہ جائز نہیں (۲)، یہ حق تلفی ہے، گناہ ہے۔ اگر مسجد میں کسی کی زمین کی ضرورت ہو تو قیمتاً خریدی جائے، لہٰذا ایسی صورت مسئولہ میں مسجد کے ان تصرفات کے لئے دیوار کا کوئی حصہ لے لیا گیا ہو تو اس کی قیمت ادا کی جائے (۳)۔ اگر بے پردگی ہو تو اس کا انتظام کیا جائے اور جس کی حق تلفی کی گئی، اس سے معذرت بھی کی جائے،

---

(۱) "إن بیوت اللہ تعالیٰ فی الأرض المساجد". (فیض القدیر: ۱۹۶۶/۴، (رقم الحدیث: ۲۲۵۸)، مکتبة نزار مصطفی الباز ریاض)

(۲) "أخرج إلی الطریق العامة کنیفاً أو میزاباً أوجرصناً کبرج وجذع وممر علو وحوض طاقة ونحوها أو دکاناً، جاز إن لم یضر بالعامة، ولم یمنع منه، فإن ضر، لم یحل". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الجنایات، باب ما یحدثه الرجل فی الطریق وغیره: ۵۹۲/۶، سعید)

(۳) "وکذا إذا ضاق المسجد علی الناس وبجنبه أرض لرجل، تؤخذ أرضه بالقیمة کرهاً، لما روی عن الصحابة رضی اللہ عنهم لمّا ضاق المسجد الحرام، أخذوا أرضین بکره من أصحابها بالقیمة، وزادوا فی المسجد الحرام". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۸/۵، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، أحکام المساجد: ۸۴۲/۵، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول: ۴۵۶/۲، رشیدیه) .... =

ورنہ آخرت کی باز پُرس سے نجات نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۴/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۵/۶/۸۷ھ۔

مسجد کا بیمہ

سوال[۱۲۴۶۷]: مسجد کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟ یہاں کی مسجد گذشتہ فساد میں جلادی گئی تھی،مسجد کا سامان چٹائیاں مصلّے وغیرہ سب جلا دیئے گئے تھے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد کے تحفظ کی کوئی صورت نہیں تو مجبوراً بیمہ کرانا درست ہے (۱)،مگر اس سے حاصل ہونے والی سودی رقم مسجد میں صرف نہ کی جائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۵/۶، مصطفى البابي الحبلي مصر)

(۱) مفتی صاحب نے ہندوستان کے حالات کے پیشِ نظر بیمہ کی اجازت دی ہے جیسے سوال سے ظاہر ہے،لیکن پاکستان میں بیمہ کے جواز کی صورت نہیں ہوسکتی ہے،حضرت مفتی صاحب نے ضرورت کی بناء پر جواز کا فتویٰ دیا ہے:

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۲۵۱/۱، (رقم القاعدة: ۵۶۸)، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۹/۱، (رقم المادة: ۲۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۸۹، (رقم القاعدة: ۱۷۰)، الصدف پبليشرز)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة". (الأشباه والنظائر: ۲۶۷/۱، (رقم القاعدة: ۶۱۷)، إدارة القرآن)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۳۳/۱، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۷۵، (رقم القاعدة: ۱۰۸)، الصدف پبليشرز)

(۲) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ. شرنبلالية". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس الشدة: ۶۵۸/۱، سعيد)

مسجدوں کا جنت میں جانا

سوال[۷۴۶۲]: تمام مسجد اپنی پوری ہیئت کے ساتھ خانہ کعبہ میں مل کر جنت میں جائے گی یا صرف زمین؟

محمد ناظر، جونپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے اس کی تحقیق نہیں۔فقط۔

ذاتی مسجد کا حال

سوال[۷۴۶۳]: یہاں متولّی صاحب کی اپنی ذاتی مسجد ہے، وقف جائیداد سے خرچ کرتے ہیں، نہ کوئی کمیٹی ہے اور نہ کاموں میں کسی مقتدی سے صلاح ومشورہ لیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کسی کی ذاتی ملک نہیں ہوتی (۱)، متولّی کو وقف کی جائیداد کا حساب کتاب رکھنا لازم ہے (۲)، اگر غلط طریقہ پر صَرف کرے گا تو سخت باز پرس ہوگی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۰/۳/۸۸ھ۔

مسجد میں جو چیز دی جائے وہ کس کا حق ہے؟

سوال[۷۴۶۴]: جو چڑھاوا مسجد میں آتا ہے وہ کس کا حق ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأن المساجد للہ، فلا تدعوا مع اللہ أحداً﴾ (سورة الجن: ۱۸)

"وإذا تم ولزم، لایملک ولایملک ولایعار ولایرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لایملک): أی لایکون مملوکاً لصاحبه". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲،سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، مکتبه شرکت علمیة ملتان)

(۲) "وینبغی للقاضی أن یحاسب أمَناء ه فیما فی أیدیهم من أموال الیتمیٰ، لیعرف الخائن، فیستبدله، وکذا القوّام علی الأوقاف .... فقد علمت أن مشروعیة المحاسبات للنظار إنما هی لیعرف القاضی الخائن من الأمین". (البحر الرائق، کتاب الوقف، قبیل أحکام المساجد: ۵/ ۴۰۷، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں کھانے پینے کی جو چیزیں دی جاتی ہیں، وہ امام اور مؤذن کے لئے دی جاتی ہیں، ان کا ہی حق ہے (۱)۔ اگر مسجد کے لئے کوئی چیز دی جائے، مثلاً: صف، لوٹا، جائے نماز وغیرہ تو وہ مسجد کی ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۹۰ھ۔

مسجد میں گلگلے اور شیرینی آئے اس کا مستحق کون ہے؟

سوال [۷۴۶۵]: مسجد میں گلگلے یا شیرینی تقسیم ہونے کو آتی ہے۔ لہٰذا اس کو کون کون سے لوگ کھا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صدقہ بتا کر یہ چیزیں دی جائیں تو ان کے مستحق غرباء ہیں (۳)۔ اور اگر مؤذن وغیرہ کے لئے دی جائیں تو مؤذن وغیرہ مستحق ہیں (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "الصدقة هی المال الذی وهب لأجل الثواب". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب السابع فی الهبة: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۵)، مکتبه حنفية كوئٹه)

"يملک الموهوب له الموهوب بالقبض". (شرح المجلة: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، مکتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "رجل بسط من ماله حصيراً فی المسجد .... أو قنديلاً للمسجد، فوقع الاستغناء .... وعند أبی يوسف رحمه الله تعالیٰ: يباع ويصرف ثمنه إلیٰ حوائج المسجد". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۸، رشيديه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

(۴) "رجل دفع إلی رجل عشرة دراهم أو مأة منٍ من حنطة، وقال: إدفع إلی فلان الفقير فدفع إلی غيره، =

مکان اور مسجد کے درمیان کتنا راستہ چھوڑا جائے؟

سوال[۷۴۶۶]: ہمارے یہاں جامع مسجد کے پورب جانب ایک صاحب کی جگہ ہے، وہ مکان بنائے مسجد کے قریب تک آگئے، اب گاؤں والے روکتے ہیں، کم ازکم بارہ فٹ چھوڑ کر بنانا چاہئے، وہ کہتا ہے کہ اگر میں چھوڑ کر بناتا ہوں تو میرے ایک کمرہ کا نقصان ہوتا ہے۔ اب اس میں فیصلۂ شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

عام راستہ کے لئے اتنی جگہ چھوڑ دی جائے جس میں آدمی اور وہاں کے مطابق بیل گاڑی، چھکڑا وغیرہ بسہولت گذر جائے، اس سے زیادہ چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۹/۹۵ھ۔

مخصوص مسجد کو جان کے اندیشہ سے چھوڑنا

سوال[۷۴۶۷]: جس مسجد پر فساق کا غلبہ ہو جس مسجد پر فسق وفجور کے خلاف کسی کو دینی حکم شائع نہ کیا جاسکتا ہو اور جس مسجد میں ادائیگی نماز کے لئے جاتے ہوئے نمازیوں پر قاتلانہ حملہ کیا جاتا ہو، جبکہ وہ لوگ کسی فساد میں بھی شریک ہوتے ہوں۔ اور جس مسجد میں نماز ادا کرتے ہوئے موضع کے تین چوتھائی مسلمان اپنی آبرو کا خطرہ محسوس کرتے ہوں، کیا وہ مسجد پورے موضع کی جامع مسجد رہنے کے قابل ہے؟ کیا اس صورت میں اس جدید تعمیر شدہ مسجد میں عام نمازیں اور بشمول نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

= في الحاوي أنه يضمن". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۰۸/۴، رشيديه)

"والواقف لو عين إنساناً للصرف تعين، حتى لو صرف الناظر لغيره، كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۱/۵، رشيديه)

(۱) "ثم أنه إذا اختلفا في مقدار عرض الطريق المشترك، ففي الأرض يقدر بقدر ممرّ الثور، وفي الدار بقدر عرض باب الدار الأعظم بارتفاعه: أي يترك للطريق". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب العاشر في أنواع الشركات، الفصل الثامن في بيان أحكام القسمة: ۶۴۵/۱، (رقم المادة: ۱۱۶۵)، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب القسمة: ۲۶۳/۶، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص کو ایک مسجد میں جانے سے جان کا یا عزت کا خطرہ ہو، وہ دوسری مسجد میں جا کر نماز ادا کرلے، حسبِ ضرورت ومصلحت ایک سے زائد مساجد میں بھی جمعہ درست ہے(۱)، جھگڑے اور فساد سے پورا پورا پرہیز کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۱۴۰۱ھ۔

مسجد کے خادم کو ضعیف ہوجانے پر مسجد سے تنخواہ دینا کیسا ہے؟

سوال[۷۴۶۸]: ایک مسجد کا ایک قدیم ملازم ہے جو کام کرتے کرتے بوڑھا ہوگیا ہے، تھوڑا تھوڑا کام کرتا رہتا ہے تو اس کو پوری تنخواہ مسجد سے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی طاقت کے موافق کام بھی تجویز کردیا جائے، اتنی مراعات کی گنجائش ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(وتؤدی فی مصر فی مواضع): أی یصح أداء الجمعة فی مصر واحد بمواضع کثیرة، وهو قول أبی حنیفة ومحمد رحمه الله تعالیٰ، وهو الأصح؛ لأن فی الاجتماع فی موضع واحد فی مدینة کبیرة حرجاً بیّناً، وهو مدفوع". (البحر الرائق، کتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجمعة: ۲/۲۵۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجمعة: ۲/۵۳ مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وأطیعوا الله ورسوله ولاتنازعوا، فتفشلوا وتذهب ریحکم، واصبروا، إن الله مع الصابرین﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

(۳) "والذی یبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته، شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلیٰ العمارة ....ثم السراج والبساط کذلک إلی آخر المصالح، اهـ .... والبساط: -بکسر الباء- أی الحصیر، ویلحق بهما معلوم خادمها، وهو الوقاد والفراش، فیقدمان". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۵۶، ۳۵۹، رشیدیه)

"وللمتولی أن یستأجر من یخدم المسجد یکنسه ونحوه ذلک بأجر مثله أو زیادةٍ یتغابن =

خادمِ مسجد کو وراثت کا حق نہیں

سوال[۷۴۶۹]: ۱...... قصبہ کی جامع مسجد میں زید کے دادا ووالد بحیثیتِ مؤذن وامام مقرر تھے، دادا ووالد کے انتقال کے بعد زید اس کی جگہ نہ سنبھال سکا، لہٰذا مؤذن وامام دوسرے حضرات مقرر ہوئے، البتہ زید کے لئے وہی مراعات جو زید کے دادا ووالد کے لئے اس وقت قصبہ کی طرف سے تھی بحال رہی، لیکن اب ساکنانِ قصبہ زید کی کچھ نازیبا حرکتوں مثلاً مسجد کے انتظامی امور میں بے جا مداخلت وغیرہ کی بناء پر زید سے متنفر ہیں اور تمام مراعات ختم کررہے ہیں۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

۲...... زید کے دادا ووالد کے لئے جو حجرہ مسجد کی طرف سے تھا، اس میں زید کی اب بھی رہائش ہے، کیا یہ شرعاً جائز ہے، اگر ہے تو کیوں؟

۳...... زید کا کہنا ہے کہ حجرہ کی توسیع وتعمیر میں میرے والدین کی رقم خرچ ہوئی ہے، لہٰذا اس میں رہائش میرا حق ہے۔ شرعی حکم کیا ہے؟

۴...... زید مسجد کی ہر چیز پر پورے طور پر قابض ہے، یہاں تک کہ مسجد کی زمین پر لکڑی کی دوکان کرلی ہے اور مسجد کے درختوں کو اپنی ملکیت بتاتا ہے، درختوں کے لئے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ ہمارے باپ دادا کے لگائے ہوئے ہیں اور اس بناء پر درختوں پر زید کا پورا تصرف ہے۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

۵...... حجرہ، مسجد کے احاطہ میں ہے اور دوکان مذکور مسجد کی زمین میں ہے۔ کیا یہ سب مسجد ہی کے حکم میں ہیں؟ نیز مسجد کی حدودِ شرعی کا تعیّن فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مسجد کے کسی خادم (مؤذن، امام) کی اگر خدمتِ مسجد کی وجہ سے مراعات کی جاتی ہے تو وہ اسی خادم کی ذات بلکہ خدمت تک محدود رہتی ہے، اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی کہ خادم کے انتقال کے

= فیہا". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی: ۲/ ۴۶۱، رشیدیه)

(وكذا فی التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع فی تصرف القيم فی الأوقاف: ۵/ ۷۴۵، إدارة القرآن کراچی)

بعد ورثہ بھی استحقاق کی بناء پر مراعات کا مطالبہ کریں، مراعات نہ کرنے کی وجہ سے ان کو بیجا مداخلت کا کوئی حق نہیں (۱)۔

۲...... یہ ''رہائش'' بھی دادا اور والد کو خدمتِ مسجد کی وجہ سے دی گئی تھی، اب جبکہ خدمت ختم ہوگئی بلکہ خدمت کرنے والے بھی ختم ہوگئے تو موجودہ اولاد کو بحیثیتِ وراثت اس کا حق نہیں پہونچے گا (۲)۔

۳...... والدین نے جو رقم دی تھی وہ ثواب کے لئے دی تھی جو آخرت میں ملے گا، دنیا میں اپنا اور اپنی اولاد کا حق قائم کرنے کے لئے نہیں دی تھی، ورنہ اپنی مملوکہ زمین میں اپنے روپے سے تعمیر بناتے۔جیسا کہ دنیا کا قاعدہ ہے۔مسجد کی زمین میں مسجد کا حجرہ وسیع کرنے کیلئے روپے نہ دیتے۔اگر اس طرح روپیہ دینے کی وجہ سے حقِ رہائش کو قائم کیا جانے لگے تو جتنے لوگوں نے مسجد میں روپیہ دیا ہے وہ بھی اپنا حق قائم کرنے لگیں گے، پھر وہ مسجد بجائے خانۂ خدا ہونے کے خانۂ چندہ دہندگان بن جائے گی (۳)۔

۴...... مسجد کی زمین پر دوکان لگانے کا اس کو حق نہیں، یہ قبضہ غاصبانہ ہے، یا زمین خالی کرے یا کرایہ مناسب مقرر کیا جائے، جتنی مدّت زمین پر اب تک قبضہ رہا اس کا بھی کرایہ ادا کرے (۴)۔ اس زمین پر درخت اگر مسجد کے لئے لگائے تھے تو وہ مسجد کی ملک ہے، زید کو ان میں حقِ تصرف نہیں (۵)۔

---

(۱) "حكم (ملك الله تعالىٰ وصرف منفعتها علىٰ من أحب) ولو غنياً، فيلزم، فلايجوز له إبطاله، ولايورث عنه، وعليه الفتوى، ابن الكمال، وابن الشحنة". (الدر المختار، كتاب الوقف، قبيل مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۳۳۸/۴، ۳۳۹، سعيد)

(۲) "فإذا تمّ ولزم، لا يملك ولا يملك ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

(۳) (راجع الحاشية رقمها: ۲)

(۴) "(يفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه) أو إتلافها، كما لو سكن بلاإذن أو أسكنه المتولي بلاأجر، كان على الساكن أجر المثل ولو غير معدّ للاستغلال، به يفتى صيانةً للوقف". (الدرالمختار). "ودخل ما لو كان الوقف مسجداً أو مدرسةً، سكن فيه، فيجب فيه أجرة المثل، كما أفتى به في الحامدية" (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب سكن المشترى دارالوقف: ۴۰۸/۴، سعيد)

(۵) "وإذا غرس شجراً في المسجد، فالشجر للمسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب =

۵......مسجد تو وہ ہے جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، وہاں تو نہ رہائش درست ہے نہ دوکان درست ہے، مسجد کی ملک اس کے علاوہ بھی ہوتی ہے، مثلاً: مسجد کا حجرہ، غسل خانہ، وضوخانہ، مسجد کی زمین، جائیداد، باغ، دوکان، مکان۔ جو چیز بھی مسجد کی ملک ہو خواہ کسی نے وقف کی ہو، یا مسجد کے لئے خریدی گئی ہو، اس پر بھی کسی کا غاصبانہ قبضہ جائز نہیں، اس کا واگذار(۱) کرانا ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

باہمی نااتفاقی کی بناء پر ایک مسجد کو ویران کرنا

سوال[۷۴۷۰]: آپس کی نااتفاقی کی بناء پر کسی نے یہ کہا کہ یہ مسجد ہماری ہے، تو دوسرے فریقان نے الگ مسجد تیار کرلی اور وہ مسجد ایسی جگہ میں تیار کرلی ہے کہ اس زمین کا مقدمہ چل رہا ہو۔ جس کے قبضہ میں وہ زمین ہے اس نے مسجد بنالی، اس خیال سے کہ پہلی مسجد ویران ہوجائے اور اس میں نماز پڑھنے کے لئے کوئی نہ جائے۔ اور پہلی مسجد میں نمازی نہیں ہیں، کم ہیں، ایک یا دو آدمی نمازی نماز پڑھ لیتے ہیں اور باقی آدمی وہ مقدمہ والی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ تو اس مقدمہ والی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ پہلے یہ قبرستان تھا، مگر اب اس میں کوئی قبر نہیں ہے، لیکن کسی سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس میں کچھ قبریں اب بھی ہیں پرانی، اور ایک پختہ مزار اب بھی موجود ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ بہت غلط کام کیا کہ پہلی مسجد کو آپس کی نااتفاقی کی وجہ سے ویران کردیا، اس کا وبال بہت

= الثاني عشر: المسائل التي تعود إلى الاشجار: ۲/ ۴۷۳، رشيديه)

(۱) "واگذار: چھوڑا ہوا"۔ (لغات سعدی، ص:۸۵۳، سعید)

(۲) "يفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه أو إتلافها". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب: سكن المشترى دار الوقف: ۴/ ۴۰۸، سعيد)

"(وحكمه الإثم لمن علم أنه مال الغير، وردّ العين قائمة)". (الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/ ۱۷۹، سعيد)

سخت ہے(۱)۔ اگر دوسری جگہ مسجد بنائی گئی اور سامنے کوئی قبر نہیں اور وہ جگہ مالک نے مسجد کے واسطے دیدی ہے، یا پہلے سے قبرستان کے لئے وقف ہے، مگر اب وہاں مردے دفن نہیں ہوتے، بلکہ دفن کے لئے دوسری جگہ موجود ہے تو اس مسجد میں بھی نماز درست ہے(۲)۔ اب دونوں مسجدوں کو آباد کیا جائے اور آپس کی لڑائی کو ختم کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۱۴۰۱ھ۔

مقروض کا قرض خواہ کی طرف سے قرض مسجد میں دینا

سوال[۱۷۴۷]: ایک شخص کے ذمہ کچھ قرض ہے، جس کا قرض ہے اس شخص نے یہ کہا کہ میرا روپیہ جو تمہارے ذمہ واجب ہے، وہ مسجد میں دیدو۔ قرض دار نے بقدر اس کے قرض کے مسجد میں روپیہ اپنی جانب سے دیا، لیکن یہ بات معلوم ہونے پر کہ تم کو پہلے قرض ادا کرنا چاہئے تھا مسجد میں۔ روپیہ والا جو مقروض ہے یہ کہتا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

قال العلامة الآلوسی: "﴿وسعی فی خرابها﴾: أی هدمها وتعطیلها ﴿أولئک﴾ الظالمون المانعون الساعون فی خرابها". (روح المعانی: ۱/ ۳۶۴، (سورة البقرة: ۱۱۴)، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "وأما المقبرة الداثرة إذا بنی فیها مسجداً لیصلیٰ فیه، فلم أر فیه بأساً؛ لأن المقابروقف، وکذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، باب: هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد: ۴/۱۷۴، إدارة الطباعة المنیریة، بیروت)

"وإن بقی من عظامهم شیء، تنبش وترفع الآثار، وتتخذ مسجداً، لماروی أن مسجد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان قبلُ مقبرةً للمشرکین، فنبشت، کذا فی الواقعات". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲/ ۲۳۴، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات: ۲/۴۶۹، رشیدیه)

ہے کہ میں نے جو کچھ دیا بخوشی قرضہ والے کی جانب سے اس کے حق میں ادا کرتا ہوں اور اس کا ثواب بھی بخوشی کہتا ہوں کہ جس کا قرضہ میرے ذمہ ہے، اس کو حق تعالیٰ دیں۔ یہ لفظ جس کا روپیہ ہے اس کے روبرو کہے تو یہ مسجد میں دیا ہوا روپیہ اس کے قرض میں مجرا ہو جائے گا اور وہ ثواب کا مستحق ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قرض ادا ہو جائے گا اور اس کا ثواب بھی ملے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۱ھ۔

نقصان شدہ شیٔ کا ضمان مسجد میں دینا

سوال[۷۴۷۲]: دیہات میں غیر اقوام کے بچوں نے ایک غیر قوم کے جنگل میں اس کا چارہ (جو کہ جانور وغیرہ کھاتے ہیں) جلا دیئے ہیں، اس آدمی نے ان کے والدین سے یعنی لڑکوں کے بطور جرمانہ یا معاوضہ کچھ روپے طلب کئے اور انہوں نے اس کو روپیہ بھی دے دیئے، وہ آدمی جس نے روپے لئے تھے وہ یہ کہتا ہے کہ اس روپے سے کچھ روشنی کے لئے خرید کر مسجد میں دینا چاہئے۔ تو کیا اس کی یہ چیز مسجد میں لگانا اور اس کا اس طریقہ سے لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنا نقصان کیا ہے، اس کی قیمت وصول کرنے کا حق ہے (۲)، پھر اس قیمت کو اپنے کام میں لائے

---

(۱) "ولو أمره: أی أمر رجلٌ مدیونه بالتصدق بما علیه، صح أمر بجعله المالَ لله تعالیٰ، وهو معلوم".
(تنویر الأبصار مع ردالمحتار، کتاب الوکالة، باب الوکالة بالبیع والشراء: ۵/ ۵۱۹، سعید)

(۲) "المباشر ضامن، وإن لم یتعمد". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۶۰، (رقم المادة: ۹۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"لو أتلف واحد مال آخر، أو نقص قیمته تسبباً، یعنی: لو فعل ما کان سبباً مفضیاً إلی تلف مال أو نقصان قیمته، کان ضامناً". (شرح المجلة لسیلم رستم باز، کتاب الغصب، الفصل الثانی فی الإتلاف تسبباً: ۱/ ۵۱۲، (رقم المادة: ۹۲۲)، مکتبه حنفیة کوئٹه)

یا مسجد کی روشنی کے لئے دیدے درست ہے، یہ اس وقت ہے کہ اس کی مملوکہ شئی کا نقصان کیا ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۶ھ۔

امام کے ذمہ مسجد کا قرض ہے اس کی وصولی کی صورت

سوال[۷۴۷۳]: ایک جگہ مسجد میں امام رہتا تھا اور امام صاحب کا فصلانہ تھا جس سے امام صاحب کے اخراجات پورے ہوتے تھے، جس وقت فصل کا وقت آیا یعنی فصل کٹنی شروع ہوئی تو امام صاحب کے اوپر الزام اٹھایا گیا، یہ خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ الزام سچ ہے یا جھوٹ ہے، بہرحال اس الزام کی گرفتاری میں امام صاحب تشریف لے گئے تمام فصلانہ چھوڑ کر۔ اب امام کا ایک آدمی رہ گیا فصلانہ لینے کی غرض سے، چند آدمیوں نے فصلانہ باقی نہیں دیا۔

اور کسی مجبوری کی وجہ سے امام نے مسجد کے پیسے سے کچھ قرض لیا تھا۔ تو جس وقت امام وہاں سے چلے، کوئی پیسہ اپنے پاس نہیں تھا، اب مسجد والوں نے امام سے پیسوں کا تقاضہ کیا تو امام نے جواب دیا کہ میرا فصلانہ ابھی باقی ہے، دس بارہ بچوں کا انعام بھی رہ گیا ہے، جن کو ہم نے قرآن مجید پڑھایا ہے، اب ان بچوں سے انعام لے کر اور فصلانہ وصول کر کے مسجد کا جو قرضہ مجھ پر ہے، پہلے وہ وصول کرلو پھر باقی روپے مجھے دیدو۔

بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

امام صاحب کا جواب صحیح ہے، اس کے موافق عمل کیا جائے (۲)، مسجد کا پیسہ چھوڑنے کا کوئی حق

---

(۱) "كلٌّ يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاك: ۱/ ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفية كوئٹه)

"لأن الملك ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم: ۴/ ۵۰۲، سعيد)

(۲) "فإن كان يؤمّ في المسجد وقت الحصاد، يستحقه، وصار كالجزية". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۸۴، رشيديه)

نہیں ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۴/ ۵/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۱۴/ ۵/ ۹۰ھ۔

کفن کا مصلی مسجد میں

سوال[۷۴۷۴]: مُردوں کو کفنانے کیلئے جو کپڑا خریدا جاتا ہے، اس میں سے بعض حضرات ایک مصلے کی صورت میں تھوڑا سا کپڑا بچا کر مسجد میں دیدیتے ہیں۔ آیا اس مصلے کا استعمال اہلِ مسجد کر سکتے ہیں یا نہیں، یعنی اس کو مصلے کے طور پر استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کپڑا اجزو کفن نہیں، ورثاء کی ملک ہے، اس کا رواج ختم کیا جائے۔ ورثاء اگر بالغ ہوں اور میت کو ثواب پہونچانے کیلئے کوئی چیز مصلی وغیرہ مسجد میں دیں تو اس کا استعمال کرنا درست ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۴/ ۸/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "أكّار تناول من مال الوقف، فصالحه المتولي على شئ والأكّار غني، لايجوز الحط من مال الوقف". (البحر الرائق، كتاب الوقف ۵/ ۴۰۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/ ۴۲۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/ ۷۶۰، إدارة القرآن، كراچى)

(۲) "ولو كفن ميتاً فافترسه سَبُعٌ، فإن الكفن يكون للمكفِّن إن كان حياً، ولورثته إن كان ميتاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/ ۴۵۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره المسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۳، رشيديه)

مسجد سے متصل اسکول بنانا

سوال[۷۴۷۵]: آج کل مسلمانوں میں اردو تعلیم کی شدید ضرورت کی بناء پر اسکول کھولے جارہے ہیں، ان میں معلموں اور معلمات کا تقرر ہوتا ہے، مگر معلم کم اور معلمات زیادہ ہوتی ہیں، ان میں کافی بے تعلقی ہوجاتی ہے، پردہ کا لحاظ بھی ختم ہوجاتا ہے، تعلیم دینے اور گانے بجانے کی وجہ سے آواز کا پردہ بھی ختم ہوجاتا ہے۔ اس قسم کے اسکول عام طور پر مسجد سے متصل ہوتے ہیں، کیونکہ گورنمنٹ ان اسکولوں کے لئے جگہ نہیں دیتی، اس لئے ان عورتوں کی آواز نمازیوں کے کانوں میں بکری کی طرح گونجتی ہے اور نمازیوں میں گڑبڑ ہوجاتی ہے، کچھ لوگ مسجد چھوڑنے پر مجبور ہورہے ہیں، مگر زید مخالفت کرتا ہے۔ زید کے حق میں کیا حکم ہے؟ کیا اردو کی تعلیم کے لئے عورتوں کو بے پردگی اور بلند آواز کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اردو کی پاسداری وقت کی اہم ضرورت ہے، مگر احکامِ شرعی کی پابندی حسبِ نصوصِ خداوندی دائمی وابدی ہے، نماز کا احترام ہمیشہ لازم ہے(۱)۔ ترکِ پردہ اور نامحرم کے ساتھ اختلاط کے مفاسد اظہر من الشمس ہیں(۲)، وقف کو شرط واقف کے خلاف استعمال کرنے کا حق نہیں(۳)۔ مسجد کے قریب ایسا شور وشغب خواہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الصلوة كانت على المؤمنين كتباً موقوتاً﴾ (سورة النساء: ۱۰۳)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿يأيها النبي قُل لأزواجک وبنتک ونساء المؤمنين يُدنين عليهن من جلا بيبهنّ﴾ (سورة الأحزاب: ۵۹)

"وعن ابن عباس رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "لايخلون رجل بامرأة إلا مع ذي محرم، اهـ". (رواه البخاري، باب: لايخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم: ۲/۷۸۷، قديمي)

(۳) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه، لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي) .... =

بچوں کے سبق یاد کرنے کا ہی ہو، جس سے نماز میں خلل پیدا ہو، درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۶/۹۵ھ۔

پھینکے ہوئے سیمنٹ کو درستگی کے بعد فروخت کر کے مسجد کا فرش بنانا

سوال [۷۴۷۶]: او، این، جی، سی کمپنی کا بورڈنگ کنڈکٹر نے اعلیٰ افسر کے آرڈر کمپنی کے گودام میں رکھا ہوا سیمنٹ گودام سے خارج کر کے پھینک دیا ہے، لیکن کمپنی کے ایریئے میں چھوڑ رکھا تھا (۲)۔ پھر اس کو مزدور نے ریفائن (۳) کر کے بستہ بندی کی ہے اور فی بوریہ/۲۵ روپے قیمت دے کر خریدا گیا۔ حسب مناسب رات کو ۹/ بجے ٹھیلہ کر کے وہ سیمنٹ مناسب مقام پر رکھ کے اس سے مسجد کا فلور سطح سفلی تیار کیا گیا، تقریباً ۹/ بورے سرف کر کے یہ کام انجام دیا گیا ہے، پھر تقریباً مہینہ بھر نماز پڑھی جاتی رہی۔ بعد میں مقامی معتبر حضرات کو شبہ ہوا کہ اس میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ آپ سے شرعی رائے طلب کرتے ہیں، برتقدیرِ عدمِ جواز مستقبل میں یہ فلور توڑ کر پھینکی جائے یا کوئی دوسری صورت اختیار کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کو بیکار قرار دیکر پھینک دیا گیا تھا، کہ جس کا دل چاہے اٹھالے تو اب نماز میں کوئی شبہ نہ کریں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۱۴۰۱ھ۔

= (وکذا فی الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(۱) "عن واثلة بن الأسقع رضی اللہ تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "جنّبوا مساجدکم صبیانکم، ومجانینکم، وبیعکم، وشراء کم، ورفع أصواتکم، وسلّ سیوفکم، وإقامة حدودکم". الحدیث. (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب یکره فی المساجد، ص: ۵۴، قدیمی)

(۲) "ایریا: رقبہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۴، فیروز سنز، لاهور)

(۳) "ریفائن: (refine) نتھارنا، مصفا کرنا، خالص بنانا، میل دور کرنا، مانجھنا، آراستہ کرنا، فوشگافی کرنا، چمکانا"۔ (English to English & Urdu Dictionary, Page No. 755, Feroz Sons Lahore)

(۴) "ألقی شیئاً، وقال: من أخذه، فهو له، فلمن سمعه أو بلغه ذلک القول أن یأخذه، وإلا لم یملکه؛ =

کمپنی سے ٹین کی سستی چادریں خرید کر مسجد میں استعمال کرنا

سوال[۷۴۷۷]: قصبہ میں ٹاؤن ایریا کمیٹی اس میں چار مسلمان ممبر اور چھ دیگر ہیں، چیئر مین نے پرانی ٹین کی استعمال شدہ چادریں ہندوؤں کو بطور دان (۱) دینی چاہیں ان کی تعداد ۳۱/ ہے اور قیمت تقریباً بارہ سو روپے ہے۔ان چادروں کو ایک مسلم سوسائٹی دان میں نہ لے کر صرف ایک سو روپے میں خرید کر مسجد پر ڈالنا چاہتے ہیں۔شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ٹاؤن ایریا کمیٹی با اختیار ہے، وہ مفت بھی دینے کی مجاز ہے، تو اس سے خرید کر بھی ان چادورں کا مسجد میں استعمال کرنا درست ہے اگر چہ قیمت بہت کم لگائی گئی ہو (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مسجد کا غلہ فروخت کرنے والے سے ضامن بننے کی صورت میں قیمت کی وصولی

سوال[۷۴۷۸]: مسجد کا غلہ کسی ایک آدمی نے فروخت کر دیا اور پیسوں کا ذمہ دار فروخت کرنے والا

= لأنه أخذه إعانةً لمالكه ليردّه عليه، بخلاف الأول؛ لأنه أخذه على وجه الهبة وقدتمت بالقبض".

(ردالمحتار، كتاب اللقطة، مطلب: ألقي شئياً وقال: من أخذه فهو له: ۲۸۵/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب اللقطه: ۲۵۷/۵، رشيديه)

(۱) "دان: چندہ، تحفہ، نذر، خیرات"۔(فیروز اللغات، ص: ۶۱۱، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "(ويكون بقول أو فعل، أما القول فالإيجاب والقبول) .... (فالإيجاب) هو (مايذكر أولاً من كلام) أحد (المتعاقدين)، والقبول مايذكر ثانياً من الآخر، سواء كان بعتُ أو اشتريتُ (الدال على التراضي) قيّد به اقتداءً بالآية، وبياناً للبيع الشرعي". (الدرالمختار، كتاب البيوع، شرائط البيع أربعة: ۵۰۶/۴، سعيد)

"(هو مبادلة المال بالمال، ينعقد بإيجاب وقبول بلفظي الماضي) .... والإيجاب والقبول والتعاطي علةٌ ماديةٌ له، والمبادلة يكون بين اثنين، فهما العلة الفاعلية. ولم يقل: على سبيل التراضي، ليشمل ما لايكون بالتراضي كبيع المكره، فإنه ينعقد، هو الصحيح". (شرح الوقاية، كتاب البيع: ۱۰/۲، ۱۱، سعيد)

ہوگیا کہ پیسے آجائیں گے، لیکن خریدار نے پیسے نہیں دیئے۔ تو فروخت کرنے والے سے پیسے وصول کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فروخت کرنے والا مسجد کو قیمت دے اور خریدار سے وصول کرے یا معاف کرے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۱۴۰۱ھ۔

مخصوص خاندان کا اپنی بنائی ہوئی مسجد کو اپنی ملک کی طرح سمجھنا

سوال [۷۴۷۹]: ایک مسجد کسی مخصوص خاندان، یا مخصوص انسان، یا مخصوص قوم نے بغیر کسی قوم کے تعاون کے کرائی اور پھر وقف فی سبیل اللہ کردی۔ بعدہ جو کام ہوا، عوام کے تعاون سے ہوا، لیکن پھر بھی اس قوم یا خاندان یا انسان سے کوئی ایسی بات پیش آئی ہو جس سے عوام پر غلط اثر پڑتا ہو، یا اس کی حرکت سے مصلیانِ مسجد حیران ہوں اور اس کی حرکات وسکنات سے محسوس ہوتا ہو کہ یہ مسجد کو اپنی ملکیت سمجھ کر اس قسم کی ناجائز حرکات کرتا ہے۔ تو ایسی صورت میں ایسی مسجد کیلئے شرعی حکم کیا ہے؟ اور ایسی قوم، ایسے انسان، ایسے خاندان کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مسجد وقف کردی گئی، خواہ عوام کے پیسہ سے اس کی تعمیر ہوئی ہو، یا کسی خاندان کے پیسے سے، یا کسی شخص خاص کے پیسے سے، بہرصورت وقف ہوجانے کے بعد اس پر کسی کا دعویٰ ملک کرنا صحیح نہیں: "الوقف إذا

---

(۱) "ولو اشترى بغلته ثوباً، ودفعه إلى المساكين، يضمن مانقد من مال الوقف، لوقوع الشراء له، كذا في البحر الرائق ناقلاً عن الإسعاف". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۴۱۸/۲، رشيديه)

"فإن فضل من غلته، فصرف الفضل إلى حوائجه على أن يرده إذا احتاج إلى العمارة، قال: لايفعل، ويتنزه غاية التنزه، فإن فعل مع ذلك، ثم أنفق فيه، رجوتُ أن ذلك يبرأ عما وجب عليه".

(خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأو قافه: ۴۲۳/۴، رشيديه)

تم ولزم، لایملك ولایُملّك". درمختار(۱)۔ قال اللہ تعالی: ﴿وأن المساجد للہ﴾ الآیة(۲).

جوشخص یا جو جماعت مسجد کو اپنی ملک سمجھے اس کا سمجھنا غلط ہے، لوگ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا ترک نہ کریں، فتنہ فساد سے پورا اجتناب رکھیں۔ اگر وہ شخص یا خاندان دوسرے آدمیوں کو مسجد میں آکر نماز پڑھنے سے روکے تو ایسا شخص ایسا خاندان بڑا ظالم ہے: ﴿من أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا اسمه﴾(الایة)(۳)۔ مگر ان کی اس حرکت پر بھی لڑائی جھگڑا نہ کیا جائے کہ سر پھٹول ہو، مقدمہ بازی ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

مسجد کے لئے پتھر خریدے اور ایک پتھر بطور یادگار دے دیا

سوال[۷۴۸۰]: ایک بستی کے اندر اہل بستی نے تین آدمیوں کو مسجد کیلئے پتھر کی فرشی لینے کے لئے ایک دوسرے شہر میں بھیجا، یہ لوگ وہاں گئے اور انہوں نے مسجد کے لئے مذکورہ چیزیں خرید لیں۔ پیسہ وغیرہ دیدینے کے بعد اور سامان کو لادتے وقت ان میں سے ایک شخص نے دکاندار سے کہا کہ ایک پتھر مجھے بھی دیدیجئے، دکاندار نے کہا کہ کیا اپنی ذاتی ضرورت کیلئے لے رہے ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں، دکاندار نے کہا کہ آپ کو جو پتھر دیا جائے گا وہ مسجد کے بھاؤ میں نہیں، اس لئے کہ میں نے مسجد کی وجہ سے بھاؤ میں رعایت کی ہے۔ تو مذکورہ شخص نے کہا کہ پھر میں نہیں لے سکتا، بلکہ میں تو مسجد کے بھاؤ سے بھی کم پر چاہتا ہوں۔

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"إذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/ ۲۲۰، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۴۲، رشیدیه)

(۲) (سورة الجن: ۱۸)

(۳) (سورة البقرة: ۱۱۴)

اس کے بعد دوکاندار نے کہا کہ آپ اس پتھر کو کس مقصد کے لئے لے رہے ہیں؟ مذکورہ شخص نے کہا: محض یادگار کے لئے لے رہا ہوں، اس لئے کہ اس اطراف میں یہ پتھر نہیں ملتا۔ اس بات کو سن کر دکاندار نے کہا کہ میں آپ کو ایک پتھر یادگار کے لئے مفت دیتا ہوں اور اس نے ایک پتھر نوکروں سے نکلوا کر مسجد کے پتھروں میں رکھوادیا۔ اور اس شخص کے دونوں ساتھیوں سے کہہ دیا کہ یہ پتھر میں اس کو دے رہا ہوں، اس کا مسجد کے پتھروں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ پتھر اس کی ذاتی ملکیت ہوگا، یا مسجد کی ملکیت مانا جائے گا؟ ایک شخص اس کے مسجد کی ملکیت ہونے پر ھدایا العمال اور ابن ابی شیبہ کی حدیث سے استدلال فرماتے ہیں: "هــذا مالكم، وهذا هديةٌ أهديت لي". الخ (۱)۔ یہ بات ذہن نشین رہے، کہ تینوں حضرات مسجد کے اخراجات پر یہ مذکورہ چیزیں خریدنے گئے تھے۔ جواب باصواب سے مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

العارض: نصیر الدین، بیت العلوم، مالیگاؤں ناسک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس تفصیل کے تحت یہ پتھر ہدایا العمال میں داخل نہیں (۲)، اس لئے کہ اول تو انہوں نے یہ پتھر صدقہ وچندہ میں وصول نہیں کئے، بلکہ خریدے ہیں، بخلافِ ابن لبید کے کہ یہاں خریداری کا معاملہ نہیں تھا، بلکہ صدقاتِ واجبہ کی وصول یابی تھی، بیت المال کے لئے جس میں بے جا رعایت اور فروگذاشت کا مظنہ تھا (۳)، یہاں خریداری ہے، بائع نے خود تصریح کردی کہ مسجد کی خاطر کم قیمت لی ہے، نہ کہ ایک پتھر دیکر

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۲) قال العلامة ابن عابدين: "وتعليل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دليل على تحريم الهدية التي سببها الولاية". (ردالمحتار، مطلب في هدية القاضي: ۳۸۳/۵، سعيد)

(۳) "عن أبي حميد الساعديّ رضي الله تعالىٰ عنه قال: استعمل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رجلاً من بني أسد يقال له: ابن اللتبيّة على صدقة، فلما قدم قال: هذا لكم، وهذا أهدى لي، فقام النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على المنبر، قال سفيان: أيضاً، فصعد المنبر فحمد الله وأثنىٰ عليه، ثم قال: "مابال العامل نبعثه فيأتي فيقول: هذا لک، وهذا لي، فهلّا جلس في بيت أبيه أو أمّه فينظر أهدىٰ له أم لا الخ".

(صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب هدايا العمال: ۱۰۶۴/۲، قديمي)

زیادہ قیمت لی ہے۔

دوسرے اصالۃً اس، پتھر کا معاملہ بیع کا کیا جارہا تھا(۱)، ہدیہ کا نہیں تھا، البتہ قیمت میں رعایت چاہتے تھے، جس کا بائع نے صاف انکار کردیا، پھر جب کہ یادگار کے طور پر رکھنے کی بات سنی تو اس نے بلا قیمت ہی دیدیا کہ یہ میری طرف سے یادگار رہے(۲)۔ البتہ وہاں سے لانے میں اس پر جو صرفہ ہوگا، وہ مسجد کے ذمہ نہیں ہوگا۔

تنبیہ: چونکہ یہ پتھر مسجد کی غرض اور مسجد کے صرفۂ سفر کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، اس لئے اپنی جانب سے مسجد کو دیدیں تو یہ اعلیٰ بات ہے، مگر مسجد کو مطالبہ کا حق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۹۲ھ۔

ضد کی وجہ سے پہلی مسجد کو گرانا

سوال[۱۸۴۷]: ۱...... اگر مسجد کو امام، متولی سابقہ کے بغیر بنوالیں تو عندالشرع اس میں نماز جائز ہے یا ناجائز؟

۲...... اگر گاؤں کے سابقہ نمازی اس مسجد میں نماز بالکل نہیں پڑھیں گے، کیونکہ ان کی رضامندی کے بغیر بنائی جارہی ہے، ان کی کوئی صلاح وغیرہ نہیں لی گئی، کیونکہ نمازیوں نے پچھلے سال ہی اس مسجد کی چھت دوبارہ ڈلوائی تھی، انہوں نے مسجد کو جبراً گرادیا۔ آیا اس مسجد کی تعمیر جائز ہے یا ناجائز؟

۳...... اگر مسجد میں نماز پڑھنی ناجائز ہو تو کیا اَور مسجد بنائی جائے اور اس میں نماز پڑھی جائے تو جائز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

...... ضد اور لڑائی کی وجہ سے مسجد کو گرانا اور از سرِنو بنانا گناہ ہے، تاہم اس میں نماز جائز ہے(۳)۔

---

(۱) "البیع ینعقد بالإیجاب والقبول، إذا کانا بلفظی الماضی". (الهدایة، کتاب البیوع: ۳/ ۲۴، مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

(۲) "الهبة تملیک مال لآخر بلاعوض". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الکتاب السابع فی الهبة: ۱/ ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۳)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)=

۲...... بلا وجہ شرعی مسجد کو محض ضد کی بنا پر گرا دینا حرام ہے اور نمازیوں کو اس ناراضگی کی وجہ سے کہ ہم سے صلاح نہیں لی گئی، مسجد کو چھوڑ دینا بھی گناہ ہے۔ جب مسجد کسی نے جہالت اور حماقت سے گرادی ہے تو اس کا تمام صرفہ اس گرانے والے کے ذمہ واجب ہے، اس کے ذمہ اس کی تعمیر ضروری ہے(۱)۔

۳...... اَور مسجد کے بنانے کی ضرورت نہیں۔ مسلمانوں کو جہالت اور ضد کو چھوڑ کر آپس میں اتحاد واتفاق سے رہنا چاہئیے، آپس کی ضد کا خمار خدا کے گھر پر نکالنا بہت بڑی تباہی اور بربادی کا سبب ہے۔ امام اور متولی اور گرانے والے اور نمازی سب کو لڑائی مٹا کر اتحاد واتفاق سے خدا کے گھر کا احترام اور اس کو آباد کرنا فرض ہے، ورنہ اس کا وبال سب پر آئے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف مظاہر علوم، ۲۸/صفر/۵۷ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم۔

مسجد کو شہید کرنے سے ضمان

سوال[۷۴۸۲]: ۱...... میاں جی نور بخش ومشیت اللہ ومحمد احمد، عبدالرحمٰن ورحیم الدین صاحب پسر

= قال العلامة الآلوسي: "وظاهر الآية العموم في كل مانع، وفي كل مسجد، وخصوص السبب لايمنعه، ﴿وسعى في خرابها﴾: أي هدمها وتعطيلها .... ﴿أولئك﴾ الظالمون المانعون الساعون في خرابها ﴿ماكان لهم أن يدخلوها إلا خائفين﴾". (روح المعاني: ۱/۳۶۳، ۳۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وعن أبي الليث: مسجدٌ بجنبه نهرُ ماءٍ، فانكسر حائط المسجد من ذلك الماء، ينبغي لأهل المسجد أن يرفعوا الأمر إلى القاضي؛ ليأمر أهل النهر بإصلاحه، حتى إذا لم يصلحوه بعد أمره، وانهدم حائط المسجد، ضمنوا قيمة ماانهدم". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قيم المسجد: ۵/۸۶۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني، ۲/۴۶۳، رشيديه)

ان بعض مستریان موضع دھنورہ ٹیکری ضلع میرٹھ نے اپنے حصۂ ارض پر ایک کچی مسجد بنائی، مسجد بنا کر اذان ونماز باجماعت ادا کرنے لگے۔ عرصۂ دراز کے بعد جب مستری میاں جی نور بخش صاحب کا انتقال ہوگیا اور عبدالرحمٰن نے موضع برکٹہ سکونت اختیار کر لی تو مسجد میں اذان وجماعت کا کوئی انتظام نہ ہونے کی وجہ سے مسجد ویران نظر آنے لگی تو رحیم الدین کو بطورِ امانت دے کر گیا تھا جس کا کوئی معاوضہ استعمال پر نہ تھا۔

عبدالرحمٰن نے آکر اپنا مکان رحیم الدین سے واپس لے لیا اور مسجد کو پختہ بنانے میں اپنے ہمراہ دیگر اہل اسلام کو بھی شامل کر لیا اور چند مخلصین حضرات کو لے کر تعمیری سلسلہ شروع کر دیا اور تقریباً ایک گز تعمیر ہوگئی کہ عبدالرحیم ورحیم الدین نے چند اہل ہنود کو بہکا کر مسجد کی تعمیر بند کرادی۔ حافظ عبدالمجید جو کہ میوات میں مقیم تھے، واپس آئے، انہوں نے جملہ مسلمانوں سے معلومات کی کہ جب آپ حضرات نے مسجد کی تعمیر شروع کی تھی، پھر کیوں رُکوائی؟ معلوم ہوا کہ ان کے چچا عبدالرحیم نے بند کرائی ہے تو اس پر عبدالمجید نے ہندو ذی فہم لوگوں سے مل کر مسجد کو مکمل کر دیا۔

لیکن عبدالرحیم اندرونی طور پر مخالفت پر رہا۔ اور عبدالرحیم نے پسِ پشت جبکہ وہ کسی جلسہ میں گئے تھے موقعہ پا کر اہل ہنود کو اُکسایا کہ مسجد کو شہید کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ پہل تم کرو، پھر ختم ہم کر دیں گے۔ چنانچہ عبدالرحیم نے پہل کر کے ہندوؤں سے مسجد شہید کرادی۔ اس پر قانونی کارگذاری کی گئی، تحقیقات ہوئی اور تصفیہ ہوگیا، جملہ مسلمانان نے طے کیا کہ اگر تم نے مسجد نہ بنائی تو تم سے ترکِ معاملات کیا جائے گا، اور کوئی بھی اہلِ اسلام تم سے نہ مل سکے گا۔ پھر عبدالرحیم نے بذریعۂ چند ساتھیوں کے مسجد تعمیر کرائی، مگر جو جگہ مسجد کی تھی وہ اہل ہنود کو دی اور دوسری جگہ مسجد مع محراب کے بنائی۔

۲......اب سوال یہ ہے کہ اس سے جو اس شخص نے مسجد کا نقصان کیا ہے اور تمام تر رقم برباد کی، اس کا معاوضہ اس کے ذمہ ہے یا نہیں؟ اور جس مکان کا ذکر اوپر ہوا، اس پر اب بھی بالجبر قبضہ کئے ہوئے ہے۔ فرمایئے یہ حق العباد ہے یا نہیں؟ اور شروع میں جب مسجد گرادی اور اہل ہنود نے جب ظلم شروع کر دیا تو چند مسلم حضرات ہجرت کر گئے تھے، فرمایئے یہ ان کی ہجرت حق بجانب ہے یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جس نے مسجد کا جس قدر روپیہ اس کو گرا کر ضائع کیا، اس کا ضمان لازم ہے، اس سے وصول

کرلیا جائے، یا اس کے عوض تعمیر کرالی جائے (۱)۔ دوسرے کے مکان پر بغیر مالک کی رضامندی واجازت کے جبراً قبضہ وتصرف کرنا ظلم اور غصب ہے، ہرگز جائز نہیں (۲)۔ جس کو ایک مقام پر ظالموں سے امن نہ ملے اور وہ مجبوراً وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوجائے تو شرعاً درست ہے (۳)۔

---

(۱) "هَدمَ حائطَ مسجد، يؤمر بتسويته وإصلاحه، كذا في القنية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الثالث فيما لا يجب الضمان باستهلاكه: ۵/۱۲۹، رشيديه)

"من هدم حائط غيره، فإنه يضمن نقصانها، ولا يؤمر بعمارتها، إلا في حائط المسجد، كما في كراهية الخانية". (الأشباه والنظائر). قال الحموي في شرحه: "لو هدم حائط الوقف، تلزمه على القيمة إلا في حائط المسجد، فإن عليه تسويتها. وذكر فيه أن المثلي يضمن بالقيمة، إذا كان بلد الخصومة غير بلد الغصب". (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، (رقم القاعدة: ۵۴)، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوّقه يوم القيامة من سبع أرضين". (صحيح البخاري، أبواب المظالم، باب إثم من ظلم شيئاً من الأرض: ۱/۳۳۲، قديمي)

(وكذا في مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمي)

"إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف والتعزير، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، سعيد)

(۳) "سئل الحلواني عن أوقاف المسجد: إذا تعطلت وتعذر استغلالها، هل للمتولي أن يبيعها ويشتري بثمنها أخرى؟ قال: نعم". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/۲۳۷، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

۲......اصل تو یہی ہے کہ آپس میں فیصلہ کرلیا جائے، جب اس کی کوئی صورت نہ ہو تو عدالت کی طرف رجوع کیا جائے: ﴿وإن جنحوا للسلم، فاجنح لها﴾ الآیة(۱)۔ ایسی حالت میں جبکہ ثبوت فراہم کرنا دشوار ہو اور وہ لوگ شہادت کے لئے آمادہ نہ ہوں، اور بغیر شہادت کے انصاف کی صورت نہ ہو تو فیصلہ ہی مناسب ہے۔ جو جگہ ایک دفعہ مسجد قرار دیدی جائے اور اس میں اذان جماعت بلا روک ٹوک ہونے لگے، اس کو کسی اَور کام میں صرف کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۹۲ھ۔

مسجد میں روپیہ دینے کا وعدہ کرکے روپیہ نہ دینا

سوال[۷۴۸۳]: مسمی ابوالحسن نے اپنے والد کی طرف سے محلّہ کی مسجد میں تین سو روپیہ متولی مسجد کو دینے کا وعدہ کرلیا اور ایک تحریر مہاجن کو - جس سے ابوالحسن کا لین دین تھا - دیدی کہ تین سو روپیہ متولی مسجد کو برائے محلّہ کی مسجد دے دینا، مگر اب ۵، ۶/ ماہ بعد ابوالحسن روپیہ دینے سے اعراض کر رہا ہے۔ تو کیا روپیہ لکھ دینے کے بعد اب بھی ابوالحسن کو ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ وقف کی صورت نہیں کہ معاملہ واقف کے قابو سے باہر ہو جائے اور واقف بے بس ہو جائے، بلکہ یہ چندہ ہے اور آئندہ کے لئے وعدہ ہے، جب تک ہو سکے وعدہ پورا کرنا چاہیے، محض مال کی محبت یا معمولی تنگی کی وجہ سے وعدہ خلافی نہ کی جائے کہ یہ شرعاً مذموم ہے (۳)۔ بایں ہمہ اگر ابوالحسن رقم موعودہ نہ دے تو اس سے جبراً

---

(۱) (سورة الأنفال: ۶۱)

(۲) "لو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوى القدسى". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المساجد: ۴/ ۳۵۸، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۵/ ۴۲۱، رشيديه)

(۳) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "آية المنافق ثلث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب علامة =

وصول کرنے کا حق نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۸۸ھ۔

سرکاری ٹنکی سے مسجد میں پانی لینا

سوال [۷۴۸۴]: مسجد کے پاس باہر پانی کی ایک ٹنکی لگی ہوئی ہے، جو میونسپلٹی کی طرف سے رفاہ عام کے لئے ہے۔ اگر مسجد کے لئے استعمال کرنا چاہیں کہ اس نل کے ذریعہ پائپ یا بالٹی یا کسی صورت سے مسجد میں ذخیرہ کرلیں تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایسا کرنا خلافِ قانون نہ ہو، بلکہ میونسپلٹی کی طرف سے اجازت ہو تو جائز ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۰ھ۔

= المنافق: ۱/۱۰، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب علامة المنافق: ۱/۵۶، قدیمی)

(۱) "عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "ألا! لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ مسلم إلابطیب نفس منه". (السنن الکبری للبیهقی: ۴/۳۸۷، (رقم الحدیث: ۵۴۹۲)، دارالکتب العلمیة بیروت)

(ومشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب و العاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۲) "ولابأس بأن یشرب من البئر والحوض، ویسقی دابته وبعیره، ویتوضأمنه، کذا فی الظهیریه".
(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۶۵، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۲۷، رشیدیه)

"قال فی المعراج: لأن طاعة الإمام فیما لیس بمعصیة واجبةٌ". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب العیدین، مطلب: تجب طاعة الإمام فیما لیس بمعصیة: ۲/۱۷۲، سعید)

"لأن طاعة الإمام فیمالیس بمعصیة فرض". (الدرالمختار، باب البغاة: ۴/۲۶۴، سعید)

غیر آباد مسجد میں میت دفن کرنا

سوال[۷۴۸۵]: ایک مسجد میں چند سال اہل دہ(۱) نماز پڑھتے رہے اور اصل مسجد جو پہلے سے بنائی گئی تھی وہ اس کے سوا دوسری ہے، یہ نئی مسجد صرف چند ایک اَمکنہ کے مالکوں نے گاہ گاہ نماز ادا کرنے کے لئے بنائی تھی، دراصل ان کی مسجد قدیمی بھی وہی ہے جو اصل مسجد پہلے بنائی تھی۔ اب چند سال کے بعد یہ نئی مسجد چونکہ اہل مسجد کے مرکھپ جانے سے ویران ہوگئی تھی (۲)، اس وجہ سے اگر اس میں کسی میت کو دفن کر دیا گیا ہو، بعد میں بعض علماء کا فتوی ہے کہ میت کو قبر سے نکال دیا جائے۔

اور بعض کا یہ فتوی ہے کہ اب میت کو بناء بر عبارتِ درمختار و شامی: "ولا يخرج منه إلا لحق آدمي الخ"۔ "(قوله: إلا لحق آدمي) احترز عن حق الله تعالى، الخ". شامی، باب الجنائز(۳) نہ نکالا جائے، حالانکہ مسجد پھر ویران ہو چکی ہے، اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مسجد فی الحال ویران ہے، یعنی اس میں نماز نہیں ہوتی، تاہم اس سے اس کی مسجدیت میں فرق نہیں آتا اور اس کی مسجدیت ہمیشہ برقرار رہے گی (۴)، اس لئے اس میں مُردوں کو دفن کرنا ناجائز ہے، کیونکہ یہ غرضِ بانی و واقف و احترامِ مسجد کے خلاف ہے (۵)، لیکن اگر عدمِ واقفیت کی بناء پر کسی کو دفن کر دیا گیا ہے تو اس کو قبر

---

(۱) "دہ: گاؤں، بستی"۔ (لغات سوری، ص: ۳۳۷، سعید)

(۲) "مرکھپ: مر کر خاک میں مل جانا، مر کر تمام ہو جانا، بہت زیادہ کوشش کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۳۲، فیروز سنز لاهور)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۶، سعيد)

(۴) "لو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".
(تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۵) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، رشيديه)
(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

کھود کر نکالنے کی ضرورت نہیں کہ اس سے میت کی توہین ہوتی ہے، اور نبشِ قبر بلاحقِ آدمی کے ناجائز ہے جیسا کہ عام متون میں مذکور ہے(۱) اور یہاں کسی کا حق فوت نہیں ہوتا، واقف کا اس لئے نہیں کہ اس کی ملکیت نہیں رہی، عام مسلمین کا اس لئے نہیں کہ وہ اس میں نماز نہیں پڑھتے، مسجد غیر آباد ہے، لہٰذا آئندہ کے لئے مسجد کی حفاظت کردی جائے کہ کوئی اَور میت مدفون نہ ہو، اور دفن شدہ کو نہ نکالا جائے کہ چند روز میں قبر خود زمین کے برابر ہوجائے گی، اور میت کے پرانا ہونے پر قبر کو زمین کے ہموار کرنا اور اس پر چلنا اور نماز پڑھنا درست ہوجائے گا(۲)۔

اگر اس سے پہلے وہ مسجد آباد ہوجائے تو قبر پر کھڑے ہوکر، یا اس کی جانب رخ کرکے نماز نہ پڑھیں(۳)، اگر گنجائش نہ ہو اور جگہ کی تنگی ہو تو پھر قبر کو ہموار کردیا جائے کہ اس صورت میں نمازیوں کا-جن کے

---

(۱) "قولہ: (ولایخرج من القبر إلا أن تکون الأرض مغصوبةً): أی بعد ما أھیل التراب علیه، لایجوز إخراجه لغیر ضرورة، للنھی الوارد عن نبشه، وصرحوا بحرمته. وأشار بکون الأرض مغصوبةً إلی أن یجوز نبشه لحق الأدمی، کماإذا سقط فیهامتاعه أو کفن بثوب مغصوب، أو دفن فی ملک الغیر".
(البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشیدیه)
(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۸، دارالکتب العلمیة بیروت)
(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، ۲۳۸، سعید)

(۲) "لوبلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیره فی قبره، وزرعُه والبناءُ علیه". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۸، دارالکتب العلمیة بیروت)
(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشیدیه)

(۳) "لاتکره الصلاة فی جهة قبر إلا إذا کان بین یدیه، بحیث لو صلی صلاة الخاشعین، وقع بصره علیه، کما فی جنائز المضمرات". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها، مطلب فی بیان السنة والمستحب الخ، تتمة: ۱/۶۵۴، سعید)
(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۰، رشیدیه)

لئے مسجد وقف ہے-حق فوت ہوتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/صفر/ ۵۷ھ۔

محض ضد کی وجہ سے مسجد چھوڑنا

سوال[۷۴۸۶]: صرف چند اشخاص جو اس کے ساتھ ہیں، باقی تمام گاؤں کے مسلمان اس کے ساتھ شامل نہیں ہیں اور وہ اشخاص جو کہ دائمی نمازی ہیں، ان کو مطلقاً مسجد کے بنانے میں شامل نہ کیا جائے، بلکہ وہ اشخاص اب باہر در بدر نمازیں پڑھتے ہیں۔ آیا اس حال میں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض ضد کی وجہ سے کہ ''ہمیں شامل نہیں کیا، ہم سے مشورہ نہیں لیا'' مسجد چھوڑنا اور در بدر نماز پڑھنا منع ہے، نماز مسجد ہی میں پڑھنی چاہیے(۱) اور مسجد بنانے والوں کو بھی بغیر نمازیوں کے مشورہ کے مسجد میں تعمیر کرنا، یا گرانا بُری بات ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/ ۵۷ھ

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم، ۲۸/صفر/ ۵۷ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم۔

حفاظتِ سامان کے لئے مسجد میں تالا ڈالنا

سوال[۷۴۸۷]: مسجد میں بوجہ چوری وبغرضِ حفاظت اگر تالا ڈال دیا جائے تو کیا حکم ہے، جائز

---

(۱) ''وعن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ وسلم: "صلوة الرجل فی بیته بصلوةٍ، وصلوته فی مسجد القبائل بخمس وعشرین صلوةً، وصلوته فی المسجد الذی یجمع فیه بخمسمأة صلوةً''. (مشکوة المصابیح، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الثالث، ص: ۷۲، قدیمی)

(۲) ''مسجد مبنی معمور لیس للمتولی أن یهدمه ثانیاً یتکلف فی تزیینه''. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۵/۵، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به، الفصل الأول: ۴۵۷/۲، رشیدیه)

ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ سامانِ مسجد محفوظ نہیں تو اس کی حفاظت کے لئے تالا ڈالنا شرعاً درست، بلکہ ضروری ہے، کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۳(۱)، مگر ہر نماز کے وقت وہاں سب کے آنے اور نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۸/ ۸۹ھ۔

مسجد کی آبادی

سوال[۷۴۸۸]: ۱...... ایک مسجد کے محلّہ میں چار پانچ اقوام آباد ہیں، ایک قوم کے تقریباً پندرہ سولہ گھر ہیں اور دیگر اقوام کے دو دو ایک ایک گھر ہیں۔ قوم کثیرین میں سے صرف دو تین آدمی نماز پڑھتے ہیں، باقی اسی قوم کثیر کے آدمی نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ کسی کے سمجھانے کو مانتے ہیں اور نہ یہ قوم کثیر مع نمازیوں کے وقتِ معینہ پر بجز ایک دو اشخاص کے پیشِ امام کی خدمت کرتے ہیں، اس لئے مسجد مذکور میں جو کہ قومِ کثیر کے نام سے منسوب اور جتھہ میں ہے، کوئی امام نہیں ٹھہرتا۔

اور اگر دیگر اقوام کے آدمی جن میں آٹھ نو نمازی ہیں، یہ قوم کثیر کے ایک دو آدمی سے رائے لے کر کوئی

---

(۱) "قوله: "وغلق باب المسجد)؛ لأنه يشبه المنع من الصلوة، قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيما اسمه﴾ [البقرة: ۱۱۴]. وقيل: لابأس به إذا خيف على متاع المسجد، وهو أحسن من التقييد بزماننا، كمافي عبارة بعضهم، فالمدار خشية الضرر على المسجد، فإن ثبت في زماننا في جميع الأوقات، ثبت كذلك، إلافي أوقات الصلاة، أو لا فلا، أو في بعضها ففي بعضها". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسده الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۵۹، ۶۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱/۱۰۹، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۱/۴۲۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

امام رکھ لیتے ہیں تو جب پیشِ امام کی وقتِ معینہ پر خدمت کرنے کا موقع آتا ہے تو قوم کثیر انواع واقسام کے عذرات پیش کرتی ہے، کوئی کہتا ہے: کیا امام مسجد ہم سے پوچھ کر رکھا تھا، کوئی کہتا ہے کہ یہ امام جو تم نے مقررہ آمدنی پر رکھا ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ غرض! نہ دینے کی وجہ سے اکثر ناجائز عذر پیش کرتے ہیں، اس لئے مسجدِ مذکور اکثر امام سے خالی رہتی ہے اور اقوام قلیلہ تنہا اس مسجد کا خرچہ برداشت نہیں کرسکتی۔

۲......اگر کوئی دوسری مسجد میں جانے کا حکم نہیں ہے تو اگر مسجد مذکور سابق کی غیر آبادی کے باعث کوئی غضب الٰہی نازل ہونے لگے تو اقوامِ قلیلہ کے نمازی غضبِ الٰہی سے محفوظ رہیں گے، یا قوم کثیر کے ہمراہ مغضوب ہوجائیں گے؟ مدلل جواب فرمایا جاوے۔

۳......اگر اقوام قلیلہ کے نمازی قوم کثیر کے ہمراہ رہیں گے تو ایسی حالت میں قوم کثیر اور اس کی مسجد سے کنارہ کرسکتے ہیں اور غضب الٰہی سے محفوظ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

عبدالحمید، مرزاپوری، طالب علم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت اصح قول پر واجب ہے اور بعض کے نزدیک فرض عین ہے، بعض کے نزدیک فرض کفایہ ہے، بعض کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہے، تارکِ جماعت بلا عذر پر تعزیر ہے، اگر سب ترکِ جماعت کی عادت کرلیں تو امام کو ان سے قتال کرنا چاہیے:

قال الحلبي الكبير: "قيل إنها فرض عين إلا من عذر، وهو قول أحمد وداؤد وعطاء وأبي ثور رحمهم الله تعالىٰ. وقيل: فرض كفاية. وقال محمد رحمه الله تعالىٰ في الأصل: اعلم أن الجماعة سنة مؤكدة، لا يرخص الترك فيها إلا بعذر مرض أو غيره. وأول هذا الكلام يفيد السنية، وآخره يفيد الوجوب، وهو الظاهر معنى الغاية. قال عامة مشايخنا: إنها واجبة. وفي المفيد: إنها واجبة، وتسميتها سنةً لوجوبها بالسنة .... تاركها من غير عذر يعزّر، وترد شهادته، ويأثم الجيران بالسكوت عنه، وهذا كلها أحكام الواجب، الخ".

الحلبی الکبیر، ص: ٤٧٤(١)۔

مگر ساتھ ہی محلّہ کی مسجد کو آباد رکھنا بھی ضروری ہے، اگر تمام نمازی دوسری مسجد میں نماز کے لئے جائیں گے یہ مسجد ویران ہوجائے گی (۲)۔ اس لئے جہاں تک ہوسکے مصالحت اور نرمی سے مسجد کو آباد رکھنا چاہیے۔ اگر غرباء امام کا خرچہ برداشت نہیں کرسکتے اور بلا اجرت امام میسر نہیں آتا تو اُمراء ہی کی رائے سے کسی صالح کو امام مقرر کرلیا جائے (۳)۔

---

(١) (غنية المستملی شرح منية المصلی لإبراهيم الحلبی الكبير، فصل فی الإمامة، وفيها مباحث، ص: ٥٠٨، ٥٠٩، سهيل اكيڈمی، لاهور)

"قوله: (الجماعة سنة مؤكدة): أی قويةٌ تشبه الواجب فی القوة. والراجح عن أهل المذهب الوجوب، ونقله فی البدائع عن عامة مشايخنا .... والظاهر أنهم أرادوا بالتأكيد الوجوب؛ لاستدلالهم بالأخبار الواردة بالوعيد الشديد بترك الجماعة. وصرح فی المحيط بأنه لايرخص لأحد فی تركها بغير عذر، حتى لوتركها أهل مصر يؤمرون بها، فإن ائتمروا، وإلا يحل مقاتلتهم. وفی القنية وغيرها: بأنه يجب التعزير على تاركها بغير عذرويأثم الجيران بالسكوت". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٦٠٢، ٦٠٣، رشيديه)

(وكذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٥٥٢، سعيد)

(وكذا فی بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، باب صلاة الجماعة: ١/٣٨٤، رشيديه)

(٢) "وإن لم يكن لمسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب إليه ويؤذن فيه، ويصلی وإن كان واحداً؛ لأن لمسجد منزله حقاً عليه، فيؤدی حقه. مؤذن مسجد لايحضر مسجده أحدٌ، قالوا: هويؤذن ويقيم ويصلی وحده، وذلك أحبّ من أن يصلی فی مسجد آخر، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٥٥٥، سعيد)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل فی المسجد: ١/٦٧، رشيديه)

(وكذا فی خلاصة الفتاویٰ، الفصل السادس والعشرون فی المسجد: ١/٢٢٨، رشيديه)

(٣) "فإن عرف فالبانی أولی، وكذا فی نصب الإمام والمؤذن، وولد البانی وعشيرته من بعده أولی من غيرهم .... وإن تنازعوا فی نصب الإمام والمؤذن مع أهل المحلة، إن كان مااختاره أهل المحلة أولی من الذی اختاره البانی، فما اختاره أهل المحلة أولی؛ لأن ضرره ونفعه عائد إليهم، وإن كان سواء =

۲،۳...... جب دوسری مسجد میں تمام نمازیوں کے جانے اور پہلی مسجد کو چھوڑنے کا حکم نہیں ہے (۱) تو مسجدِ مذکور سابق غیر آباد کیوں ہوگی۔ اگر اقوام کثیر زبردستی مسجد سے نکال دیں اور نماز نہ پڑھنے دیں اور اقوام قلیلہ اس فتنہ کی وجہ سے کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھیں تو انشاء اللہ تعالیٰ ان کو اس مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے گناہ نہ ہوگا، کیونکہ فتنہ اور فساد سے بچنا ضروری ہے، تاہم فتنہ پر آمادہ ہونا اور مسجد کو چھوڑنا ہرگز ہرگز مسلمانوں کی شان سے نہیں، مصالحت سے کسی صالح امام کو مقرر کرلینا چاہیے، تا کہ مسجد بھی آباد رہے اور غضبِ الٰہی بھی کسی پر نازل نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۷/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

مسجد نما اور درمیان میں قبر بنانے کا حکم

سوال[۷۴۸۹]: ایک شخص تعلیم یافتہ نہیں ہے، ہاں نماز پڑھانے کے لئے چند سورتیں یاد ہیں، اس کو بھی صحیح طریقہ پر نہیں پڑھتا، اگر کوئی کہتا ہے تو غیر مسلموں کا سہارا لے کر مسلمانوں کی مخالفت اس درجہ میں کرتا ہے کہ ان کو موقع پا کر گرفتار بھی کرادیتا ہے۔ اس بناء پر اہلِ مسجد نے ان کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی اور جب وہ نہیں گیا تو وہاں کے مسلمین نے اس کا بائیکاٹ کردیا۔ اب مسلمانوں میں سے کوئی اس کا ہم نوا نہیں رہا، لیکن چونکہ غیر مسلم اس کے ہم درد ہیں، اس بناء پر غیر مسلموں کے روپے سے ایک مزار کے اوپر مسجد کا نمونہ بنا کر بیٹھا ہے اور مزار کا چڑھاوا وغیرہ بھی کھاتا ہے اور جو کچھ ذہن میں آتا ہے تقریر بھی کرتا ہے۔

مسجد کے باہر کے حصہ میں پہلی صف میں جو مزار ہے وہ بیچ دروازہ کے بالکل لگتا ہے، مسجد مذکور کے

= فنصب الباني أولى". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد، الخ: ۶/۲۶۹، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل في المسجد: ۱/۶۷، ۶۸، رشيديه)

(۱) "قوله: (ومسجد حيه أفضل من الجامع) لولم يكن لمسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب إليه ويؤذن فيه، ويصلي ولو كان وحده؛ لأن له حقاً عليه، فيؤديه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب في أفضل المساجد: ۱/۶۵۹، سعيد)

بننے سے اوراس شخص کے رہنے سے مسلمانوں کی عزت، آبرو، جان ومال کا خطرہ ہے۔لہذا اس مسجد میں اوراس شخص کے پیچھے نماز کا پڑھنا کیسا ہے؟ مسجد ضد بازی سے بنائی گئی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ مسجد بنانے اور نماز پڑھنے کے لئے نہیں دی گئی، بلکہ مالک کی اجازت ومنشاء کے خلاف ایک شخص نے مسجد نما بنالی ہے (۱) اور قبر درمیان میں ہے کہ فرش پر جب نماز پڑھنے والے سجدہ کرتے ہیں تو قبر کی طرف سجدہ ہوتا ہے تو وہاں نماز نہ پڑھی جائے (۲) اوراس شخص کو امام نہ بنایا جائے (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "فإن شرط الوقف التأبيد، والأرض إذا كانت ملكاً لغيره، فللمالك استرداده وأمره بنقض البناء". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة: ۴/ ۳۹۰، سعيد)

"وكذا تكره في أماكن كفوق كعبة، و في طريق ومزبلة .... وأرض مغصوبة، أو للغير لو مزروعة أو مكروبة". (الدرالمختار، كتاب الصلاة: ۱/ ۳۷۹، ۳۸۱، سعيد)

(۲) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاتجلسوا على القبور ولا تصلوا إليها". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهة الوطي والجلوس عليها: ۱/ ۲۰۳، سعيد)

(۳) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقول: "ثلاثة لا يقبل الله منهم صلوة: من تقدم قوماً وهم له كارهون". الحديث (سنن أبي داوٗد: ۱/ ۹۵، كتاب الصلوة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، مكتبه امداديه ملتان)

(وجامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء من أمّ قوماً وهم له كارهون: ۱/ ۸۲، ۸۳، سعيد)

"ولو أمّ قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفسادٍ فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذلك تحريماً، لحديث أبي داؤد: "لا يقبل الله صلاة من تقدم قوماً وهم له كارهون". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، سعيد)

باب المُصلّٰی

(عیدگاہ کا بیان)

کیا عیدگاہ کے لئے وقف ہونا لازم ہے؟

سوال[۷۴۵۰]: عیدگاہوں کے لئے وقف ہونا شرط ہے، یا اجازتِ مالک ہی کافی ہے؟ بہرحال سالہا سال سے عیدین کی نماز ہوتی چلی آئی ہے جو اسی کام کے لئے تعمیر کی گئی ہے، اس کے لئے وقف یا اذنِ عام کا تحریری ثبوت اور دلیل ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ عید کے لئے وقف ہونا اور لوگوں کا وہاں نماز ادا کرنا بس اتنا ہی کافی ہے، تحریری ثبوت لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

عیدگاہ کی جو زمین ندی میں بہہ کر پھر مل گئی، اس کو حکومت سے اپنے نام کرنے کا حکم

سوال[۷۴۵۱]: زید کی زمینداری کے وقت زید کے مورثِ اعلیٰ نے جو تقریباً پچاس سال سے زائد ہی ہوئے کہ ایک عیدگاہ بنوائی تھی، موجودہ حکومت نے زمینداری لے لی اور حال سروے جو لگ بھگ تیس سال ہوئے کہ عیدگاہ والا قطعہ بہار سرکار کے کھاتے اندراج پایا۔ ان زمینوں میں سے جس قطعہ پر عیدگاہ واقع

---

(۱) "وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: يزول ملكه بمجرد القول". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۳۷، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۶، رشيديه)

تھی وہ ندی میں بہہ گیا، ایک طویل مدت تک وہ ندی کی شکل میں رہا۔ اب وہ زمین ندی سے باہر نکل چکی ہے، لیکن عیدگاہ کی کوئی علامت اور نشانی باقی نہیں ہے۔ زید نے مذکور فی السوال بہار سرکار سے اَور زمینوں کے ساتھ ایک قطعہ کو جس پر کبھی عیدگاہ تھی اپنی ناواقفیت اور کوئی نشاندہی نہیں رہنے کی وجہ سے سرکار سے نذرانہ اور سلامی دے کر بندوبست کرالی ہے اور سالانہ مالگذاری بھی دین ہوتا ہے۔

گاؤں والوں نے دوسری مناسب جگہ اپنی عیدگاہ بنالی ہے۔ مذکورہ صورت میں زید کا عیدگاہ والا قطعہ جو فی الوقت میں ہے، بندوبست کرنا درست ہے یانہیں، اگر نہیں تو اس کا مصرف کیا ہوگا؟ کیا زید کی آبادی کے بعد زید کے لئے بٹائی لینا درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر یہ ثابت ہوجائے کہ جو قطعۂ زمین زید نے سلامی دے کر حاصل کی ہے، یہ وہی قطعہ ہے جس پر عیدگاہ تھی یعنی یہ وقف ہے تو زید کا اس کو اپنے لئے آباد کرنا اس کی آمدنی حاصل کرنا درست نہیں (۱)، بلکہ اس کی آمدنی جو حاصل کر چکا ہے اس عیدگاہ کو دے دے جو دوسری جگہ بنائی جاچکی ہے (۲) اور اس حاصل شدہ قطعہ پر اہلِ بستی کے مشورہ سے دوبارہ پھر عیدگاہ بنائی جائے تاکہ واقف کی نیت پوری ہو (۳)۔ اور اگر متعین طور پر یہ

---

(۱) "وإذا تم ولزم، لایملک ولایملک ولا یعار ولا یرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لایملک): أی لایکون مملوکاً لصاحبه، (ولا یملک): أی لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "رباط استغنیٰ عنه المارّة وبجنبه رباط آخر، قال السید الإمام أبو الشجاع: تصرف غلته إلی الرباط الثانی". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لوخرب المسجد، أو غیره: ۳۵۹/۴، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی المقابر والرباطات: ۳۰۵/۳، رشیدیه)

(۳) "علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفین ،الخ: ۴۴۵/۴، سعید)

معلوم نہیں کہ یہ حاصل کردہ زمین وہی ہے جس پر عیدگاہ تھی تو پھر زید کو اس کی آمدنی حاصل کرنا اور استعمال کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا عیدگاہ پر مسجد کے احکام جاری ہوتے ہیں؟

سوال [۷۴۵۲]: ا...... یہاں ایک مقامی میدان ہے جس کا رقبہ بہت وسیع ہے، قبرستان شمار کیا جاتا ہے، اسی رقبہ کے ایک میدان میں عیدگاہ پختہ واقع ہے، عیدگاہ پختہ چہار دیواری سے گھری ہوئی اور دروازہ لگا ہوا ہے، عیدگاہ اور قبرستان کے ایک ہی متولی ہیں۔ یہ کل رقبہ صدیوں سے وقف ہے اور عیدگاہ میں عیدین کی نماز بھی صدیوں سے ہو رہی ہے۔ وقف نامہ موجود نہیں، زبانی وقف شمار کیا جاتا ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ یہ عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں اور مسجد کے کل احکام اس پر عائد ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

۲...... دوم یہ کہ عیدین کے دن عیدگاہ کے اندر مصلیوں کے سامنے قبل نماز کانگریس، مسلم لیگ کے پروپیگنڈے، مواعظ ورسم، جھنڈا کشائی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

عیدگاہ میں کھیل کھیلنا

۳...... سوم یہ کہ اسی میدان کے کچھ حصہ میں فٹ بال اور مختلف کھیل کود ہوتے ہیں۔ یہ حرکات کس حد تک جائز ہیں؟

المستفتی: حاجی حمید اللہ، مقام نوری، ضلع بیر بھوم، بنگال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... عیدگاہ جوازِ اقتداء کے حق میں مسجد کے حکم میں ہے، بقیہ امور میں مسجد کے حکم میں نہیں، جیسا کہ بحالتِ جنابت مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے اس طرح عیدگاہ میں ممنوع نہیں، کذا فی الدر المختار (۱)۔

---

(۱) "أما المتخذ لصلوة جنازة أو عيد، فهو مسجد فى جواز الاقتداء وإن انفصل الصفوف، رفقاً بالناس، لا فى حق غيره، وبه يفتى، فحل دخوله لجنب و حائض كفناء مسجد، الخ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۵۷، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۸، رشيديه) .... =

۲......عیدگاہ میں بطورِ تشکر نماز ادا کرنے کے لئے اجتماع ہوتا ہے، لہذا نماز اور عید کے مختلف احکام اور مواعظ بیان کئے جائیں، مسلم لیگ اور کانگریس رسوم کے لئے علیحدہ اجتماع کیا جائے تو بہتر ہے۔

۳......فٹ بال کھیلنا بھی وہاں غرضِ واقف کے خلاف ہے، اس سے بھی احتراز کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/شوال/۶۱ھ۔

عیدگاہ اور مسجد میں فرق

سوال [۷۴۵۳]: مسجد اور عیدگاہ کا حکم ایک ہے یا علیحدہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحتِ اقتداء میں دونوں کا حکم ایک ہے، کذا فی الدر المختار: ۱/۲۶۹ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض، الخ: ۱/۳۸، رشيديه)

(۱) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

(۲) "وأما المتخذ لصلوة جنازة أو عيد، فهو مسجد في حق جواز الاقتداء". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۵۷، سعيد)

"وما اتخذ لصلاة العيد، لا يكون مسجداً مطلقاً، وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام، وإن كان منفصلاً عن الصفوف. و أما فيماسوى ذلك، ليس له حكم المسجد. وقال بعضهم: له حكم المسجد حال أداء الصلاة لاغير". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً: ۳/۲۰۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۴۵، إدارة القرآن كراچي)

عیدگاہ اور مسجد میں فرق، عیدگاہ میں اسکول، مدرسہ، راستہ بنانا اور کھیل کھیلنا

سوال[۷۴۵۴]: عیدگاہ کا حکم شرعاً بعینہ مسجد کا حکم ہے، اگر مابین کچھ فرق ہے تو وہ فرق کیا ہے؟ بہرحال عیدگاہ کے حدود کے اندر اسکول یا دینی مدرسہ قائم کرنا کیسا ہے اور عیدگاہ کے حدود کے اندر سے انسان اور مویشیوں کا عام راستہ چلنا، بچوں کا کھیل کود کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر عیدگاہ کے بالمقابل بلا حائل قبرستان ہو، ایسی عیدگاہ میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوازِ اقتداء میں عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے، بقیہ احکام میں مسجد کے حکم میں نہیں، بلکہ فنائے مسجد اور مدرسہ وغیرہ کے حکم میں ہے، جو چیزیں فنائے مسجد و مدرسہ وغیرہ میں جائز ہیں وہ عیدگاہ میں بھی جائز ہیں اور جو وہاں ناجائز وہ یہاں بھی ناجائز ہیں۔ ظاہر ہے کہ مدارس اور فنائے مسجد مویشیوں یا عوام کے راستہ کے لئے نہیں ہوتے، پس عیدگاہ کی اس سے حفاظت چاہیئے۔ بچوں کا کھیل کھیلنا گنجائش رکھتا ہے، لیکن مستقل کھیل کے لئے عیدگاہ کو مقرر کرنا، یا اس کو فیلڈ بنانا نہیں چاہیئے:

"وأما المتخذ لصلوة جنازة أو عيد، فهو مسجد في جواز الاقتداء وإن انفصل الصفوف، رفقاً بالناس، لا في حق غيره، به يفتىٰ، نهاية. فحل دخوله لجنب أو حائض كفناء مسجد ورباط و مدرسة". درمختار: ۱/۶۸۷(۱)۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۵۷، سعيد)

"مسجد اتخذ لصلاة الجنازة أو لصلاة العيد، هل يكون له حكم المسجد؟ .... و ما اتخذ لصلاة العيد، لا يكون مسجداً مطلقاً، وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام، وإن كا ن منفصلاً عن الصفوف. وأما فيما سوى ذلك، ليس له حكم المسجد .... و في الواقعات: المسجد الذي اتخذ لصلاة العيد، فالمختار للفتوى أنه مسجد في حق جواز الاقتداء وإن انفصلت الصفوف، و أما ما عدا ذلك، فلا، رفقاً بالناس". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۴۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب الرجل يجعل داره مسجداً، أو خاناً، أو سقايةً أو مقبرةً: ۳/۲۹۱، رشيديه)

اگر قبریں بالکل متصل ہیں اور سجدہ کے سامنے ہیں تو وہاں نماز مکروہ تحریمی ہے، اگر دائیں، یا بائیں، یا پیچھے ہیں تو اس ترتیب سے کراہت میں کمی ہے، اگر فاصلہ زیادہ ہے تو کراہت نہیں (۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ۔

عیدگاہ آبادی میں ہونے کی وجہ سے فروخت کرنے کا حکم

سوال [۷۴۵۵]: عیدگاہ آبادی کے اندر آجانے کی وجہ سے اس کو توڑ کر آبادی کے باہر منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ عیدگاہ کو توڑ کر اس کی زمین کو عام استعمال کے لئے بعض دوکان، مکان وغیرہ تعمیر کرنے کے لئے فروخت کیا جاسکتا ہے یا نہیں، یا عیدگاہ کو مسجد بنادیا جائے؟ اگر آپ مسجد کا حکم دیں گے تو جہاں پر عیدگاہ واقع ہے وہاں پر مسجد کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ مسجد بالکل قریب ہے، انہیں کے لئے نمازی ناکافی ہیں اور مدرسہ بھی عیدگاہ کے قریب ہے، اس لئے مدرسہ بھی نہیں بنا سکتے۔

---

(۱) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تجلسوا على القبور، ولا تصلوا إليها". (رواه الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهية الوطي على القبور والجلوس عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

"وتكلموا أيضاً في معنى الكراهة إلى القبر، قال بعضهم: لأن فيه تشبهاً باليهود .... و هذا كله إذا لم يكن بين المصلي و بين هذه المواضع حائط أو سترة، أما إذا كان، لا يكره، و يصير الحائط فاصلاً. وإذا لم يكن بين المصلي و بين هذه المواضع سترةٌ، فإنما يكره استقبال هذه المواضع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد و القبلة والمصحف، الخ: ۵/۳۱۹، ۳۲۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب في بيان السنة و المستحب، الخ: ۱/۶۵۴، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، مكروهات الصلاة، ص: ۳۵۷، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ عیدگاہ وقف ہے تو اس کی زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں (۱)، محض آبادی کے اندر آجانے کی وجہ سے اس میں کسی تغیر کی ضرورت نہیں، اس کو اپنے حال پر رکھیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۷ھ۔

متعدد عیدگاہ بنانا، جب کہ پرانی عیدگاہ ناکافی ہو

سوال[۷۴۵۶]: ا...... آپ سے چندروز قبل ایک فتوی لیا تھا، آپ نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ:

"اگر عیدگاہ وقف ہے تو اس کی زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں، محض آبادی کے اندر آجانے کی وجہ سے اس میں کسی تغیر کی ضرورت نہیں، اس کو اپنے حال پر رکھیں"۔

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ عیدگاہ کو محض آبادی کے اندر آجانے کی وجہ سے منتقل نہیں کررہے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عیدگاہ کو موجودہ عیدگاہ سے وسیع بنانا بھی مقصود ہے، کیونکہ یہ بہت چھوٹی ہے، نماز کے موقع پر دشواری ہوتی ہے، اس کے اندر پورے نمازی نہیں سماتے۔ نیز وضاحت فرمائیں کہ آبادی کے باہر عیدگاہ بنانا کس درجہ میں داخل ہے، آیا واجب ہے یا افضل؟ اور باہر بنانے سے شریعت کا کیا مقصد ہے اور آبادی

---

(۱) "فإذا تم ولزم، لا يملك و لا يملك و لا يعار و لا يرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لا يملك): أى لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولا يملّك): أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لا ستحالة تمليك الخارج من ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مكتبه مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع: أى فى وجوب العمل به، و فى المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثانى، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۶۰۸/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، سعيد)

سے باہر عیدگاہ بنانا ہمارے حنفی مسلک کے مخالف ہے یا موافق؟

۲...... یہ کہ عیدگاہ کی زمین وقف ہی ہے، لیکن اس میں کیا حرج ہے کہ موقوفہ زمین کو فروخت کرکے اس کے پیسوں سے جدید عیدگاہ تعمیر کردی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... آبادی سے باہر صحرا میں جاکر نماز عید ادا کرنا افضل اور سنت ہے، خواہ عیدگاہ ہو یا نہ ہو(۱)۔ عیدگاہ مستقل بنالینا قرینِ مصلحت ہے تاکہ کسی کو یہ اعتراض نہ ہو کہ ہماری زمین و ہمارے کھیت میں کیوں نماز پڑھتے ہیں، نیز ممکن ہے کہ نماز کے وقت جگہ خالی نہ ملے، کھیتی کھڑی ہو۔ موجودہ عیدگاہ اگر ناکافی ہے اور آبادی سے باہر عیدگاہ بنانے کی ضرورت ہے تو دوسری عیدگاہ بنانے کی ممانعت نہیں، اجازت ہے، بنالی جائے۔ ضعفاء اور کمزوروں، بیماروں کے لئے موجودہ عیدگاہ کو باقی رکھا جائے، پنجگانہ نماز بھی اس میں درست ہے:

"وفی الخلاصة والخانية: السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره، ليصلي في المصر بالضعفاء، و بناءً على أن صلوة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق. وإن لم يستخلف، فله ذلك، الخ. الجبانة على المصلى العام: أي في الصحراء. بحر عن المغرب". شامی(۲)۔

---

(۱) "(والخروج إليها): أي الجبانة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع)، هو الصحيح". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

"الخروج إلى الجبانة في صلاة العيد سنة وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة المشايخ، وهو الصحيح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين: ۲/۲۷۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين الخ: ۵۳۱، قديمی)

"يجوز إقامة صلاة العيد في موضعين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۲/۱۶۹، سعيد) =

۲......عیدگاہ کی زمین جب وقف ہے، تو اس کی بیع جائز نہیں: "(فإذا تم ولزم، لا یملك و لا یملّك، الخ): أی لا یکون مملوکاً لصاحبه. (ولا یملّك): أی لا یقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیك الخارج عن ملکه". شامی(۱)۔

وقف زمین ملک سے ہی خارج ہے اور بیع اپنی ملک کی ہوسکتی ہے، اس لئے اس کی بیع درست نہیں۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۹۲ھ۔

رفعِ فساد کے لئے دوسری عیدگاہ بنانا

سوال[۷۴۵۷]: ایک عیدگاہ میں پہلے سے مع الاتفاق عید کی نماز ہوتی رہی، بعد کو چند آدمی نے ایک فساد کی بنا پر دوسری عیدگاہ بنائی۔ اب شرعاً کونسی عیدگاہ میں نماز ہوگی اور عیدگاہ ثانی ضرار کے حکم میں داخل ہوگی یا نہیں؟

مولوی عبدالغنی ملہٹی۔

= "والسنة أن یخرج الإمام إلی الجبانة، ویستخلف غیره، لیصلی فی المصر بالضعفاء والمرضی والأضراء، و یصلی هو فی الجبانة بالأقویاء والأصحاء. وإن لم یستخلف أحداً، کان له ذلک". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، باب صلاة العیدین: ۱/۱۸۳، رشیدیه)

"الجبانة المصلی العام فی الصحراء". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین: ۲/۲۷۸، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، باب ما یستحب یوم العید: ۱/۶۲۵، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی کتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون فی صلاة العیدین: ۱/۲۱۳، ۲۱۴، رشیدیه)

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعید)

"إذا صح الوقف، لم یجز بیعه و لا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفی البابی الحلبی مصر)

الجواب حامداًومصلیاً:

فساداورتفرقہ پیدا کرنے کے لئے دوسری عیدگاہ بنانا ناجائز ہے(۱)،البتہ اگرفساد کسی وجہ سے پیدا ہوگیا اوراس کا دفعیہ بجز دوسری عیدگاہ بنانے کے دشوار ہےتو دوسری عیدگاہ بنانا درست ہے(۲)۔بہر حال جب وہ عیدگاہ بن چکی اور باقاعدہ وقف کردی گئی تو اس میں اورپہلی عیدگاہ میں دونوں میں نماز درست ہے،[پہلی]عید گاہ مستحق تقدیم ہے(۳)،حتی الوسع رفع فساد ضروری ہے۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۲۳/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۲۳/ذی قعدہ/۵۵ھ۔

رنجش رفع ہونے پردوسری بنائی گئی عیدگاہ کے ساتھ کیا کیا جائے؟

سوال[۷۴۵۸]:ایک بستی کےاندر پانچ محلے ہیں،تین محلےالگ ہوگئے،آپس میں رنجش ہوگئی اور

(۱) "قیل: کل مسجد بنی مباهاةً أو رياءً أو سمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (تفسير المدارك: ۱/۶۵۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمى)

(وكذا فى الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دارالكتاب العربى بيروت)

(وكذا فى روح المعانى: ۱۱/۲۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(۲) "وتؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً، والخلاف إنما هو فى الجمعة". (الدرالمختار، باب صلوة العيدين، مطلب: أمر الخليفة لايبقى بعد موته: ۲/۱۶۷، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۲/۲۸۳، رشيديه)

"أهل المحلة قسّموا المسجد، و ضربوا فيه حائطاً، و لكل منهم إمام على حدة و مؤذنهم واحد، لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۵/۴۱۹، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس فى آداب المسجد: ۵/۳۲۰، رشيديه)

(۳) "ثم الأقدم أفضل لسبقه حكماً، إلا إذا كان الحادث أقرب إلى بيته، فإنه أفضل حينئذ، لسبقه حقيقةً وحكماً، كذا فى الواقعات. و ذكر قاضى خان و صاحب منية المفتى و غيرهما: أن الأقدم أفضل، فإن استويا فى القِدم، فالأقرب أفضل". (الحلبى الكبير، فصل فى أحكام المسجد: ۶۱۳، سهيل اكيڈمى لاهور)

انہوں نے عیدگاہ کے لئے ایک زمین خریدی اور نماز عید بھی پڑھی۔ اب پھر باہم متفق ہوگئے اور سابقہ عیدگاہ میں ہی نماز پڑھنے لگے۔ تو جو زمین عیدگاہ کے نام سے خریدی تھی اور اس میں نماز پڑھ لی ہے تو وہ زمین عیدگاہ ہی رہے گی یا اس میں دیگر کام کر سکتے ہیں؟

محمد حبیب الرحمان، معرفت محمد الیاس، ہرسی اسٹریٹ، کلکتہ نمبر: ۹۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر چندہ کی رقم سے زمین خریدی گئی اور وہاں عید کی نماز ادا کی گئی ہے اور اس زمین کو نماز عیدین کے لئے وقف کر دیا گیا ہے تو اب اس کو فروخت کرنا جائز نہیں:

"لأن الوقف إذا تم و لزم، لا يملك و لا يمك و لا يعار و لا يرهن، اهـ"۔ "أى لا يكون مملوكاً لصاحبه. (و لا يملّك): أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لا ستحالة تمليك الخارج عن ملكه، اهـ". شامى: ٣/٢٦٧(١)۔

اب مذکورہ خرید کردہ زمین میں نماز عیدین ہی ادا کی جائے وقف کرنے سے پہلے اس بات پر غور کرنے کی ضرورت تھی۔ اگر اس کو وقف نہیں کیا گیا، بلکہ وقف کرنے کا ارادہ تھا اور محض عارضی طور پر وہاں نماز ادا کر لی گئی تو پھر چندہ دینے والوں کی اجازت سے وہاں مکان، دوکان، باغ لگانا، کاشت کرنا سب کچھ درست ہے، بلکہ فروخت کرنا بھی درست ہے(۲)۔ اس کی قیمت یا آمدنی کو بہتر یہ ہے کہ سابقہ عیدگاہ، یا دیگر مساجد اور دینی

---

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ٣٥١/٤، ٣٥٢، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ٦٤٠/٢، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ٣٤٢/٥ رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوقف: ٢٢٠/٦، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(٢) "رجل له ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة .... أما إن وقّت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة، ففى هذا الوجه لا تصير الساحة مسجداً، لو مات يورث عنه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد و ما يتعلق به، الخ: ٤٥٥/٢، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرحل يجعل داره =

کاموں میں حسبِ مشورہ صرف کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۳/۸۹ھ۔

اگر جدید عیدگاہ بھی بنالی جائے تو نماز کس میں ادا کریں؟

سوال[۷۴۵۹]: واقعہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں چھوٹے چھوٹے اٹھارہ عیدگاہ کے لوگوں نے مل کر ۱۹۴۸ء میں ایک عیدگاہ بنایا، فخر الدین صاحب کی آدھ بیگہ زمین پر، جدید بڑی عیدگاہ بنادی۔ جو قدیم چھوٹی چھوٹی عیدگاہیں تھیں وہ بالکل معطل ہوگئیں۔ اکثریت مسلمانوں کی جدید عیدگاہ میں جاتی ہے، کچھ لوگ قدیم عیدگاہ میں پڑھتے ہیں، آپس میں اختلاف بہت شدید ہے۔ اب ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ اگر سب لوگ قدیم عیدگاہوں کو چھوڑ دیں تو پھر ان عیدگاہوں کا کیا کیا جائے؟

نوٹ: قدیم عیدگاہ آدھ بیگہ زمین وقف ہے اور جدید میں دو بیگہ وقف ہے۔ الغرض اگر جدید میں قدیم کے تمام آجائیں تو ایسی صورت میں قدیم عیدگاہ کی زمین کا حکم کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قدیم عیدگاہ بھی وقف ہے مگر چھوٹی ہے، جدید عیدگاہ بھی وقف ہے اور بڑی ہے، جس میں سب نمازی آسکتے ہیں، اگر سب متفق ہوکر قدیم عیدگاہ کو پنجگانہ نماز کے لئے تجویز کرکے آباد کرلیں (۱) اور عید کی نماز جدید عیدگاہ میں پڑھا کریں تو یہ صورت بہتر ہے۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر ایسا کرلیں کہ جدید بڑی عیدگاہ میں عید

= مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/۲۹۰، ۲۹۱، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، أحکام المساجد: ۵/۸۴۱، ، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "فی الکبری: مسجد أراد أهله أن یجعلوا الرحبة مسجداً أو المسجد رحبةً، وأرادوا أن یحدثوا له باباً، أو أرادوا أن یحولوا الباب عن موضعه، فلهم ذلک". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الخ: ۲/۴۵۶ رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، فی جعل شیئ من المسجد طریقاً: ۴/۳۷۸، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، أحکام المسجد: ۵/۸۴۱، ، إدارة القرآن کراچی)

کی نماز پڑھا کریں اور جولوگ معذور ہوں وہ قدیم عیدگاہ میں پڑھا کریں (۱)، اس طرح دونوں عیدگاہیں آباد رہیں گی اور واقف کا مقصد بھی پورا ہوگا۔ جب تک دونوں عیدگاہیں آباد رہ سکیں، وہاں کھیتی وغیرہ کچھ نہ کریں (۲)، اگر کوئی صورت نہ ہو سکے، پھر وہاں باغ لگا کر، یا کھیتی کر کے اس کی آمدنی جدید عیدگاہ میں صرف کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۲ھ۔

پرانی عیدگاہ تنگ ہو تو نئی عیدگاہ بنانا

سوال[۷۴۲۰]: یہاں کی عیدگاہ تنگ ہے اور شکستہ، مشرق اور مغرب دونوں جانب .... توسیع ممکن نہیں، برسات میں اگر عیدین ہوتی ہیں تو مزید دشواریوں کا سامنا .... کرنا ہوتا ہے۔ کیا بجائے اس جگہ کے دوسری جگہ عیدگاہ بنائی جا سکتی ہے اور اس عیدگاہ کی اینٹیں نئی عیدگاہ میں صَرف کی جا سکتی ہیں؟ نئی جگہ جو تجویز کی گئی ہے وہ ایک بہت ہی قدیم قبرستان لبِ سڑک ہے۔

---

(۱) "والسنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، و يستخلف غيره، ليصلي في المصر بالضعفاء والمرضى والأضراء، و يصلي هو في الجبانة بالأقوياء والأصحاء. وإن لم يستخلف أحداً، كان له ذلك". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب صلاة العيدين، الخ: ۱/۱۸۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، ما يستحب يوم العيدين: ۱/۶۲۵، رشيديه)

(۲) "أما مصلى العيا لا يكون مسجداً مطلقاً، وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام وإن كان منفصلاً عن الصفوف، و فيما سوى ذلك، فليس له حكم المسجد. و قال بعضهم: يكون مسجداً حال أداء الصلوة لا غير، وهو والجبانة سواء. ويجنب هذا المكان عما يجنب عنه المساجد احتياطاً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: إذا وقف كل نصف على حدة، صارا وقفين: ۴/۳۵۶، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۴۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۱۸، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جگہ کی تنگی کی وجہ سے دوسری عیدگاہ بنانے کی اجازت ہے، جب کہ موجودہ عیدگاہ میں توسیع کی گنجائش نہ ہو،لیکن موجودہ عیدگاہ میں اگر موقوفہ زمین ہوتو اس کوتوڑ کر اسی کی اینٹیں نئی عیدگاہ میں استعمال کی اجازت نہیں (۱)۔البتہ اس کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے،خواہ اس کو پنجگانہ نماز کے لئے مسجد بنادیا جائے۔اگر اس کی ضرورت نہ ہواور اس پر کسی غیر کے قبضہ کا اندیشہ ہوتو وہاں دینی مدرسہ ومکتب بھی بنا سکتے ہیں (۲)، باغ بھی لگا سکتے ہیں جس کی آمدنی نئی عیدگاہ کی مصالح میں خرچ کی جائے (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

عیدگاہ کے درخت کٹوا کر مسجد میں صرف کرنا

سوال[۷۴۶۱]: مسلمانوں کی آبادی میں ایک مسجد ہے اور ایک عیدگاہ بھی ہے،عیدگاہ کا ایک باغ

---

(۱) "ولو خرب ماحوله واستغنی عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوي القدسي". (الدرالمختار). "فلا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، هو الفتوىٰ، حاوي القدسي". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(۲) "حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أورباط أو بئر أو حوض". (الدرالمختار).

"رباط استغنى عنه المارّة وبجنبه رباط آخر، قال السيد الإمام أبو الشجاع: تصرف غلته إلى الرباط الثاني". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعيد)

(۳) " وإن أراد قيم الوقف أن يبني في الأرض الموقوفة بيوتاً يستغلها بالإجارة، لايكون له ذلك؛ لأن استغلال أرض الوقف يكون بالزرع". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ : ۳/۳۰۰، رشيديه)

"وإذا دفع أرض الوقف مزارعةً، يجوز إذا لم تكن فيه محاباة قدر ما لا يتغابن الناس فيها".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم، الخ: ۲/۴۲۳،رشيديه)

ہے اور مسجد کا بھی ایک باغ ہے۔ اب تمام بستی والے اس بات پر راضی ہیں کہ عیدگاہ کے باغ کے کچھ درخت کٹوا کر مسجد کی تعمیر ومرمت میں صرف کرادیں۔ تو شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو باغ عیدگاہ کے لئے وقف ہے اس کے درخت نہ کٹوائے جائیں، البتہ جو درخت خشک ہوگئے اور ان سے کوئی نفع نہیں، ان کو کٹوا کر عیدگاہ کے لئے عمارت میں صرف کردیا جائے (۱)، اگر عیدگاہ میں ضرورت نہ ہو، نہ آئندہ ضرورت کی امید ہو تو پھر وہاں کی مسجد کی تعمیر میں صرف کی اجازت ہے (۲) اور جس قدر ضرورت ہو وہ چندہ سے پوری کرلی جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۱۴ھ۔

عیدگاہ کو دومنزلہ بنانا، قدیم عیدگاہ کا مصرف

سوال [۷۴۶۲]: مظفرنگر کی عیدگاہ آبادی میں آگئی ہے اور نمازیوں کے لئے ناکافی ہوتی

---

(۱) "وكذلك لو وقف شجرةً بأصلها على مسجد، فيبست أو يبس بعضها، يقطع اليابس، و يترك الباقي، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات الخ، فصل في الأشجار: ۲/۴۷۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۳/۳۱۰ رشيديه)

"سئل نجم الدين .... قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، المصدر السابق)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في وقف المنقول: ۶/۲۶۱، رشيديه)

(۲) "حشيش المسجد و حصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدرالمختار).

"(قوله: إلى أقرب المسجد أو رباط، الخ) .... يصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۵۶، إدارة القرآن كراچی)

ہے، آبادی سے باہر دوسری عیدگاہ بنانا اَولیٰ ہے یا اسی کو دوسری منزل کردیا جائے؟ شقِ اول پر قدیم عیدگاہ کو کیا کیا جائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دومنزلہ بناسکتے ہوں تو دومنزلہ بنالیں (۱)، اگر آبادی سے باہر دوسری عیدگاہ بنائیں تو موجودہ عیدگاہ کو پنجگانہ نماز کے لئے مسجد قرار دے دیں (۲)۔ یہ بھی وہ کرسکتے ہیں کہ موجودہ عیدگاہ کو عیدگاہ ہی رکھیں اوراس میں معذورین نمازعیدادا کیا کریں (۳)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۰/۱۰ھ۔

عیدگاہ کا تبادلہ

سوال[۷۴۶۳]: ایک قطعۂ اراضی جس میں چھوٹی سی ناکافی عیدگاہ ہے، چاروں طرف زرعی زمین

---

(۱) "وكره الوطء فوق المسجد، وكذا البول والتغوط؛ لأن سطح المسجد له حكم المسجد، حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۶۰/۲، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۱۴۴/۱، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "في الكبرى: مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً، أو المسجد رحبةً، وأرادوا أن يحدثوا له باباً، أو أردوا أن يحولوا الباب عن موضعه، فلهم ذلك". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۴۵۶/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شئ من المسجد طريقاً: ۳۷۸/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۱/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "والسنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، و يستخلف غيره، ليصلي في المصر بالضعفاء والمرضى والأضراء .... وإن لم يستخلف أحداً، كان له ذلك". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب العيدين و تكبيرات أيام التشريق: ۱۸۳/۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۱۶۹/۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، ما يستحب يوم العيدين: ۶۲۵/۱، رشيديه)

سے گھری ہوئی ہے اور دیوار عیدگاہ بھی مرمت طلب ہے، نمازیوں کی رائے اس کے بنانے کی ہے۔ اس پرانی عیدگاہ والی اراضی سے کچھ فاصلہ پر دوسری مزروعہ اراضی جورقبہ میں تقریباً سہ چند ہے اور نہر سے ملحق لب سڑک ہے، بدلے میں مفت ہی مل رہی ہے، مالکانِ اراضیٔ قدیم وجدید ایک ہی ہیں۔ اگر اس جدید آراضی میں عیدگاہ دوبارہ از سرنو بنالی جاتی ہے تو نسبتاً ہر طرح سے آسائش اور سہولت رہے۔ درمیان اراضی قدیم وجدید کے چند کھیت اور کچی سڑک ہے۔

دریافت طلب امر تبادلۂ اراضی قدیم وجدید کی تصحیح ہے از روئے شریعت امور بالا کی بنا پر علمائے دین متین حکم صادر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سابق عیدگاہ وقف ہے تو اس کے تبادلہ کی اجازت نہیں (۱)، اگر نماز عید ادا کرنے کے لئے دوسری وسیع جگہ عیدگاہ بنالی جائے تو یہ سابق عیدگاہ بھی وقف رہے گی (۲)، اس میں باغ لگا کر اس کی آمدنی جدید عیدگاہ کی ضرورت میں صرف کی جائے۔ جب مالکانِ اراضی کو اللہ نے وسعت دی ہے اور ہمت دی ہے تو جدید اراضی کو بھی دیدیں، ان کی طرف سے صدقہ جاریہ رہے گا اور ضروریاتِ عیدگاہ کے لئے آمدنی کا بھی انتظام ہوجائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(جاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى)". (الدرالمختار). "(قوله: جاز شرط الاستبدال به، الخ) .... والثالث: أن لا يشرطه أيضاً، ولكن فيه نفع في الجملة، و بدله خيرٌ منه ريعاً ونفعاً، وهذا لايجوز استبداله على الأصح المختار". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۳۸۴/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۸/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "فإذا تم ولزم، لا يملك و لا يملك و لا يعار و لا يرهن". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لا يملك): أى لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولا يملّك): أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد) =

عیدگاہ کے لئے وقف زمین کو مسجد کے نام کر کے آمدنی مسجد میں صرف کرنا

سوال[۷۴۶۴]: ایک کھیت قدیم زمانہ سے تھا جو عیدگاہ کے نام سے چلا آرہا تھا، مگر کچھ لوگوں نے مشورہ کر کے اس کو جامع مسجد کے نام لکھوالیا اور پٹواری سے جامع مسجد کے نام سے اندراج کرالیا اور دوسری مسجد کی آمدنی نہیں ہے اور اس کھیت کی آمدنی صرف کرنے لگے۔ اور آج تک ان لوگوں نے گاؤں والوں سے کوئی مشورہ نہیں کیا۔ اس جگہ ایک دینی مدرسہ چل رہا تھا، اس میں کچھ لوگوں نے چندہ دینے سے انکار کردیا، جب سے جامع مسجد بنی ہے تب سے کورانہ کے مدرسہ کا طالب علم امام مقرر ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہی امام مقرر رہے، مگر دوسرا فریق چاہتا ہے کہ باہر سے امام آنا چاہئے۔ تو اس کھیت کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کھیت عیدگاہ کے لئے وقف ہے، اگر یہ صحیح ہے تو اس کی آمدنی کسی مسجد کے لئے صرف نہ کی جائے، بلکہ عیدگاہ میں صرف کی جائے (۱) اور کوشش کر کے پٹواری کے ذریعہ کاغذات کی تصحیح کرالی جائے۔ اگر عیدگاہ میں خرچ کی ضرورت نہ ہو اور روپیہ محفوظ رکھنا بھی مشکل ہو تو گاؤں والوں کے مشورہ سے جس مسجد میں ضرورت ہو زائد آمدنی وہاں صرف کی جائے (۲)۔ اگر دونوں مسجدوں میں ضرورت ہو تو

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۱) "سئل نجم الدين .... قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب، يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات، الخ، فصل في الأشجار: ۲/۴۷۵، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في وقف المنقول: ۶/۲۶۱، رشيديه)

"قال الخير الرملي: أقول: و من اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والأخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۱، سعيد)

(۲) "ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، و لا يحتاج إليه، لتفرق الناس عنه: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". =

دونوں میں صرف کریں۔

اگر مسائلِ نماز وطہارت سے واقف طالب علم کو امام رکھا جائے تو یہ بہتر ہے کہ اس میں امامت کے ساتھ طالب علم کی خدمت اور دینی مدرسہ کی اعانت ہے، اہل علم سے رابطہ رکھنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

عیدگاہ کی زمین میں مدرسہ بنانا

سوال [۷۴۶۵]: موضع سلطان پور میں عیدگاہ کی زمین دوتین بیگہ پڑی ہے جس میں لوگ گوبر وغیرہ ڈالتے ہیں۔ اس زمین میں دینی مدرسہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین عیدگاہ کی ہے اور عیدگاہ میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو وہاں دینی مدرسہ بنادیں، مگر زمین کا کرایہ عیدگاہ کے لئے تجویز کردیں، زمین عیدگاہ کی رہے گی جس کا کرایہ مدرسہ دیتا رہے گا اور عمارت مدرسہ کی رہے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

= (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیرہ: ۴/ ۳۵۹، سعید)

"ولا سیما فی زماننا، فإن المسجد أو غیرہ من رباط أو حوض إذا لم ینقل، یأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد، وکذلک أوقافه یأکلها النظار أو غیرهم .... ولا ینتفع المارة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل یجوز نقلها إلی رباط آخر ینتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، ویحصل ذلک بالثانی". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/ ۳۶۰، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فی الأوقاف التی یستغنی عنها الخ: ۵/ ۸۷۸، ، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "ولو کانت الأرض متصلةً ببیوت المصر یرغب الناس فی استیجار بیوتها، ویکون غلة ذلک فوق =

عیدگاہ کو قبرستان بنانا

سوال[۷۴۶۶] : میری بستی میں ایک عیدگاہ قبرستان کے درمیان بنی ہوئی ہے، پہلے آبادی کم تھی، اس لئے تمام لوگ اس میں آجاتے تھے، لیکن اب اس میں گنجائش بالکل نہیں۔ ضرورت ہے کہ عیدگاہ کو وسیع کیا جائے، لیکن مشکل یہ ہے کہ عیدگاہ کے چاروں طرف قبریں ہیں، اس لئے اہلِ بستی چاہتے ہیں کہ اس عیدگاہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ عیدگاہ بنالی جائے۔ سوال یہ ہے کہ اس عیدگاہ کا ملبہ دوسری عیدگاہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اب اس عیدگاہ کا موجودہ مصرف کیا ہوگا؟ کیا اس عیدگاہ کو بھی قبرستان ہی بنالیا جائے، اس میں میت کو دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ وقف ہے اور نمازِ عید کے لئے وقف ہے تو اس کو توڑ کر وہاں میت دفن کرنا درست نہیں، بلکہ اس کو عیدگاہ ہی رکھا جائے (۱)۔ اس کے پاس جو قبرستان ہے وہ اگر پُرانا ہوگیا اور اب وہاں میت دفن نہیں کی جاتی، بلکہ دوسری جگہ دفن کی جاتی ہے تو عیدگاہ کی توسیع کے لئے اس قبرستان سے جگہ لی جاسکتی ہے جب کہ قبروں میں میت مٹی بن چکی ہو (۲)، ورنہ تو یہ بھی درست ہے کہ نمازِ عید کا دوسری جگہ انتظام کرلیا جائے اور دو جگہ نمازِ عید

= غلة الزرع والنخل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً ويؤاجرها". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ : ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۴۶، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) قال العلامة بدر الدين العيني رحمه الله تعالىٰ: "فإن قلت: هل يجوز أن تبنى على قبور المسلمين؟=

ہوا کرے، یا پھر دوسری جگہ عیدگاہ بنائی جائے اور موجودہ عیدگاہ میں نماز پنجگانہ ادا کی جائے (۱)۔ الحاصل موجودہ عیدگاہ کوتوڑ کرنماز کے علاوہ دوسرے کام میں نہ لایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۰ھ۔

عیدگاہ کواسکول بنانا

سوال[۷۴۶۷]: شولاپور میں ضلع عدالت کے قریب عالمگیر عیدگاہ ہے جوحضرت عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے دورِحکومت میں بنائی گئی تھی۔ عیدگاہ کے نزدیک کئی جگہ جہاں بالکل انگریزی اور دو ہائی اسکول کی عمارت ہے، اسکول کے متولین عالمگیر عیدگاہ کوشہید کرکے اس جگہ اسکول کی عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ منتظمین

= قلت: قال ابن القاسم رحمه الله تعالىٰ: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، كتاب الصلوة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۲۶۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"مقبرة كانت للمشركين أرادوا أن يجعلوها مقبرة للمسلمين، قال أبو القاسم رحمه الله تعالىٰ: إن كانت آثارهم قد اندرست، لابأس بذلك، وإن كانت عظامهم باقية لابأس بأن تنبش ويقبر فيها المسلمون، فإن موضع مسجد رسول الله ﷺ كان مقبرة للمشركين، فنبشت واتخذت مسجداً". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل فى المقابر والرباطات: ۳/۳۱۳، رشيديه)

(وكذ فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثانى عشر الخ: ۲/۴۶۹، رشيديه)

(۱) "والسنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلى فى المصر بالضعفاء والمرضى والاضراء، ويصلى هو فى الجبانة بالأقوياء والأصحاء". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۱/۱۸۳، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۲/۱۶۹، سعيد)

اسکول مسلمان ہیں، مقامی مسلمان اس حرکت سے بے چین ہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

عیدگاہ کوتوڑکراس کی جگہ اسکول کی عمارت بنانا ہرگز جائز نہیں، یہ غرضِ وقف کے خلاف ہے:"شرط الواقف کنص الشارع". در مختار (۱)۔

منتظمین کومسئلہ بتاکرروکا جائے کہ وہ ایسا نہ کریں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۰ھ۔

عیدگاہ سے متعلق چندسوالات

سوال[۷۴۶۸]: ایک وکیل صاحب نے چھ۶/صفحات پرمشتمل ایک تمہید لکھی اوراس کے بعد یہ سوالات قائم کئے جوتحریر ہیں:

کیاعیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے؟

سوال[۷۴۶۹]: ا......کیاعیدگاہ مسجد ہے؟

ایضاً

سوال[۷۴۷۰]: ۲......کیاعیدگاہ صرف اس مخصوص وقت کے لئے مسجد کے حکم میں آتی ہے، جب عیدین کا اجتماع یہاں منعقدہو؟

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، سعید)

"علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين: ۴/۴۴۵، سعید)

"شرط الواقف كنص الشارع: أى فى وجوب العمل به، و فى المفهوم و الدلالة". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثانی، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(وكذا فى تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مکتبه میمنیه مصر)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

نمازِ عیدین کے علاوہ عیدگاہ کا حکم

سوال[۷۴۷۱]: ۳......عیدین کے اجتماع کے علاوہ عیدگاہ کا مقام کیا ہے اور ایسے وقت کیا یہ جنگل کی تعریف میں آتی ہے، جہاں پر کام کیا جاسکتا ہے؟

کیا عیدگاہ کی دیواروں اور محراب سے عیدگاہ کی حیثیت میں فرق آتا ہے؟

سوال[۷۴۷۲]: ۴......مذکورہ بالا حالات کے تحت عیدگاہ کو اونچی دیواروں سے گھیر لئے جانے اور اس کی شاہی زمانہ کی وجدید تعمیر کردہ مغربی دیواروں میں محرابوں کے نشانات اور میناروں ومنبروں کے وجود سے کیا ان کی حیثیت میں فرق آ گیا اور کیا ان نشانات کی موجودگی سے وہ مسجد کی تعریف میں آ گئی؟

عیدگاہ کو کن کن کاموں کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

سوال[۷۴۷۳]: ۵......کیا عیدین کے علاوہ عید کی نماز کے لئے مخصوص کی گئی جگہ کو ان کاموں کے لئے اور ان شرائط کے ساتھ جو پارہ:۱۲، میں مذکورہ ہیں، استعمال کیا جاسکتا ہے، یا کسی مزید شرط کے ساتھ (جس کی نشاندہی فرمادی جائے) ان کاموں کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

عیدگاہ کو مسقّف بنانا اور دوسری تیسری منزل بنانا

سوال[۷۴۷۴]: ۶......کیا عیدگاہ کو حالاتِ مذکورہ بالا کے تحت اور اس فقہی اصول کے تحت کہ: ''الضرورات تبیح المحظورات''(۱) مسقّف کیا جاسکتا ہے اور ایک منزل کے بعد دوسری تیسری مزید منزلیں بڑھائی جاسکتی ہیں؟

چونکہ ان سوالات کا تعلق صرف میرٹھ کی عیدگاہ سے نہیں ہے، بلکہ میرٹھ کے اس تجربہ کے بعد اس کو نمونہ بنا کر ہزاروں لاپرواہی کا شکار عیدگاہیں ایسے ہی خیر کے اجتماعی کاموں کے لئے استعمال کی جاسکیں گی، اس لئے جناب سے پوری توقع ہے کہ جناب والا ان سوالات کے جوابات پورے غور وفکر کے ساتھ اور حتی المقدور کم از کم

---

(۱) (الأشباہ والنظائر، القاعدۃ الخامسۃ: ۱/۲۵۱، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، (رقم المادۃ: ۲۱) :۱/۲۹، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی قواعد الفقہ، (رقم القاعدۃ: ۱۷۰)، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز)

وقت میں مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱-۶......نمازِ عیدین آبادی سے باہر جاکر کھلے (غیر مسقّف) میدان میں ادا کرنا مسنون ومستحب ہے(۱)،اس میں شوکتِ اسلام کا اظہار زیادہ ہے،دھوپ تیز ہونے سے پہلے ادا کرلی جائے۔شدید بارش کے وقت مسجدِ جامع میں ادا کی جائے۔ایسی حالت میں عیدالفطر۲/تاریخ کو اور عیدالاضحیٰ ۱۱ تا ۱۲/ تاریخ کو بھی درست ہے(۲)۔عیدگاہ کا میدان ادب واحترام کے لحاظ سے مسجد کے حکم میں نہیں ہے،اس لئے وہاں نمازِ جنازہ مکروہ نہیں(۳)۔

---

(۱) "الخروج إلى الجبانة فی صلوة العيد سنة وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة المشايخ، وهو الصحيح". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع فی صلوة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۲/۲۷۸، رشيديه)

(وكذا فی تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

(۲) "عن أبی عمير بن أنس عن عمومة له من الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم أن ركباً جاء وا، فشهدوا أنهم رؤوا الهلال بالأمس، فأمرهم النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أن يفطروا، وإذا صبحوا، يغدوا إلى مصلاهم". قال الشيخ ظفر أحمد العثمانی رحمه الله تعالیٰ: "والحديث فيه دلالة على جواز عيد الفطر فی اليوم الثانی عند العذر، وأما صلاة الضحیٰ فتصح فی اليوم الثانی والثالث بعد يوم النحر، لكن مع الإساء ة إن كانت التأخير بلا عذر، وبدونها بعذر". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب صلوة العيدين فی اليوم الثانی للعذر: ۸/۱۰۱، ۱۰۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۶، قديمی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر فی صلوة العيدين: ۱/۱۵۲، رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

(۳) "(وتكره الصلوة عليه فی مسجد الجماعة) .... وقيد بمسجد الجماعة؛ لأنها لاتكره فی مسجد أعِدّ لها، وكذا فی مدرسة ومصلى عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد فی الأصح، إلا فی جواز الاقتداء".

(حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۵، قديمی) =

جو جگہ نمازِ عید کے لئے وقف کردی گئی، اس کو دوسرے کاموں میں استعمال کرنے کا حق نہیں رہا(۱)۔ جو جگہ مصارفِ عیدگاہ کے لئے وقف کردی گئی اب اس کے مصارف تبدیل کرنے کا حق نہیں رہا(۲)۔ علاوہ ازیں دیگر اقوام پر اس کے غلط اثرات بھی پڑ سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنی عبادت گاہ کو رہائش گاہ یا دفتر یا ہسپتال یا بینک یا زچہ خانہ وغیرہ بنالیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذہب میں وقتِ ضرورت اس قسم کا تصرف درست ہے، پھر غیر آباد مساجد میں اس کی اجازت کیوں نہ ہوگی۔ اب تک گورنمنٹ کو بھی یہی معلوم ہے کہ عبادت خانہ کسی دوسرے کام میں نہیں آسکتا، اس پر بے شمار مقدمات فیصل کئے گئے ہیں۔

اگر میرٹھ میں مسئولہ تصرفات کئے گئے تو یہ تمام ملک میں نظیر بنیں گے اور فتنوں کا نیا باب کھل جائے گا

= (وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۱/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۵/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "سئل القاضي الإمام شمس الأئمة محمود الأوزجندي عن مسجدٍ لم يبق له قوم، وخرب ماحوله، واستغنى الناس عنه: هل يجوز جعله مقبرةً؟ قال: لا". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، الخ: ۴۷۰/۲، رشيديه)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والأخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۱/۴، سعيد)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أورجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليها أوقافاً، لايجوز له ذلك". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۶۰/۴، سعيد)

"سئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجار .... قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ماهي وقف عليه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، الخ: ۴۷۶/۲، رشيديه)

اور گورنمنٹ بھی سماج کی ضرورت کے پیشِ نظر قبضہ کرنا شروع کردے گی اور اس کو خلافِ مذہب تصور نہیں کیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

مسجد کے لئے زمین دی اور بعد میں عیدگاہ بنانے کو بھی کہا

سوال[۷۴۷۵]: کسی شخص نے مسجد کو تھوڑی سی زمین وقف کی یوں کہہ کر کہ بعد میں اس زمین میں عیدگاہ بنالینا۔ تو اس طریقہ سے وقف کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس طرح زمین وقف کی ہے کہ مثلاً اس وقت اس میں کھیتی ہے اس کی آمدنی فلاں مسجد میں دی جائے، پھر کھیتی کٹنے پر یہاں عیدگاہ بنائی جائے تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۴ھ۔

مرہونہ زمین پر عیدگاہ بنانا

سوال[۷۴۷۶]: اگر کسی نے وقتِ متعینہ کے لئے ایک زمین فروخت کی، پھر جب وقتِ متعینہ واپسی کا آیا تو مشتری نے اس پر عیدگاہ بنادی اور بائع بار بار تقاضا کرتا ہے کہ عیدگاہ توڑ دی جائے۔ تو ایسا کرنا

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبر إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً، وله أن يخص صنفاً من الفقراء". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۳۴۳/۴، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين، الخ: ۴۴۵/۴، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسی بیع شرعاً رہن کے حکم میں ہے،جس سے انتفاع ناجائز ہے،اس کا وقف کرنا اورعیدگاہ وغیرہ بنادینا بھی درست نہیں، بلکہ مالک کوواپس کردیناضروری ہے: "ومن شرائطه: الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً، فوقفها، ثم ملكها، لايكون وقفاً". مجمع الأنهر(۱)۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۹/۱/۹۰ھ۔

عیدگاہ پرتعمیر کرانے والے کا نام درج کرنا

سوال[۷۷۴۷]: متولی پاشاصاحب کہتے ہیں:عیدگاہ میں اپنے ہی پیسہ سے بنواؤں گا،مگرمیرانام عیدگاہ پردرج کرادینا۔گذارش یہ ہے کہ عیدگاہ پرتعمیر کرانے والے کا نام درج کرانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

عیدگاہ اللہ پاک کوراضی کرنے کے لئے بنانا بہت ثواب کا کام ہے،اس پر بنانے والے کااپنانام درج کرنا، یااس کی پابندی لگانا شہرت اور ناموری کے لئے اس کے ثواب کو بربادکردے گا۔متولی پاشا صاحب کو چاہیئے کہ ایسا نہ کریں اورایسے ارادہ سے توبہ واستغفارکرکے اللہ تعالیٰ سے اخلاص کی دعاءکریں،جس کام میں اخلاص نہ ہووہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول نہیں(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۶/۲/۹۰ھ۔

---

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۷، ۵۶۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ومنها: الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً، فوقفها، ثم اشتراها من مالكها، ودفع الثمن إليه، أو صالح على مالٍ دفعه إليه، لا تكون وقفاً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه و ركنه و سببه، الخ: ۲/۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

(۲) "وعن جندب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمّع سمّع الله به، و من يرائي يرائي الله به". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب الرياء والسمعة، الفصل الأول، =

عیدگاہ کو اپنا کھیت کہنے والے شخص کا حکم

سوال[۷۴۷۸]: اگر کوئی مسلمان غصہ میں عیدگاہ کے متعلق یہ کہے: یہ عیدگاہ میرا ہے، اس میں ہل چلا کر فصل پیدا کروں گا، یہ میرا کھیت ہے، دیکھنا ہے کون اس میں نمازِ عید پڑھنے آتا ہے؟ تو ایسے آدمی پر شرعاً کون سا فتویٰ عائد ہوتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نمازِ عید کے لئے جو عیدگاہ وقف ہو، اس کے متعلق ایسے الفاظ کہنے کا کسی کو حق نہیں، جو شخص ایسا کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے(۱)۔ اگر وہ واقعتاً وہاں ہل چلا کر کھیتی کرے اور نمازِ عید نہ پڑھنے دے تو وہ ظالم، غاصب ہے، سخت گنہگار ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= ص: ۴۵۴، قدیمی)

"وعن شداد بن أوس رضي الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "من صلی یرائی فقد أشرک، ومن صام یرائی فقد أشرک، و من تصدق یرائی فقد أشرک". رواهما أحمد". (مشکوة المصابیح، باب الریاء والسمعة، الفصل الأول، ص: ۴۵۴، قدیمی)

"لا ینبغی الکتابة علی جدرانه". (الدرالمختار). "أی خوفاً من أن تسقط و توطأ، بحر عن النهایة". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة، الخ، مطلب: فیمن سبقت یده إلی مباح: ۱/۶۶۳، سعید)

(۱) "إذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

(وکذ فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "عن سعید بن زید رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه یطوّقه یوم القیمة من سبع أرضین". متفق علیه". (مشکوة المصابیح، باب الغصب والعاریة، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قدیمی)

بابٌ فی أحکام المقابر

(قبرستان کے احکام کا بیان)

قبرستان میں مسجد بنانا

سوال[۷۴۷۹]: ایک گاؤں میں جہاں غیر قومیں آباد ہیں مسلمان چند گھر ہیں، گاؤں میں مسجد بنانے کے لئے مسلمانوں کے پاس زمین نہیں، ایک مقبرہ ہے جس کی زمین کاغذات میں قبرستان کے لئے درج ہے۔ اس قبرستان میں ایک اونچی بلند جگہ ہے، جہاں چند پختہ قبریں پرانی موجود ہیں جو شہید ؤارے کے نام سے موجود ہے، اس کے اردگرد تحقیق سے ثابت ہے کہ کوئی قبر نہیں ہے۔

قبرستان کی زمین وسیع ہے، جہاں تک حکومت کے کاغذات میں درج ہے، وہاں کے مسلمان متفقہ طور پر چاہتے ہیں کہ قبرستان کی اس جگہ میں جہاں قبریں نہیں ہیں مسجد کا سنگ بنیاد رکھ دیا جائے۔ اور وہ زمین اس خطرے سے بھی محفوظ ہو جائے کہ غیر قومیں اس پر قابض ہو جائیں جس کا اندیشہ ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا اس مذکورہ قبرستان کی زمین میں مسجد بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں وہاں مسجد بنانا شرعاً درست ہے بشرطیکہ دفنِ موتیٰ کے لئے اس جگہ کی حاجت نہ ہو، اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ قبریں نمازیوں کے سامنے نہ ہوں، بلکہ درمیان میں دیوار حائل کردی جائے (۱):

---

(۱) "وفی القهستانی: لا تكره الصلاة فی جهة قبر، إلا إذا كان بين يديه، بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه، كما فی جنائز المضمرات". (ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب فی بيان السنة والمستحب، الخ: ۱/۶۵۴، سعيد)

(وكذا فی حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، مكروهات الصلاة، ص: ۳۵۷، قديمی)

(وكذا فی شرح النووی على الصحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلوة، باب النهی عن بناء المسجد على القبور: ۱/۲۰۱، قديمی)

"لو أن مقبرةً من مقابر المسلمین عفت، فبنیٰ قوم فیها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم، لا یجوز لأحد أن یملکها، فإذا درست واستغنیٰ من الدفن فیها، جاز صرفها إلی المسجد؛ لأن المسجد أیضاً وقف من أوقاف المسلمین، لا یجوز تملیکه لأحد، فمعناهما واحد، اهـ". عینی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایسے مقبرہ میں مسجد بنانا جس میں قبروں کے نشانات نہ ہوں

سوال [۷۴۸۰]: ۱......ایسے مقبروں میں جہاں قبروں کے نشانات نہ معلوم ہوتے ہوں، مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل بحوالہ کتب تحریر فرمادیں۔

پرانے قبرستان میں مسجد بنانا

سوال [۷۴۸۱]: ۲......ایک زمین ہے جہاں نہ قبروں کے نشان ہیں اور نہ موجودہ لوگوں میں سے کسی کو معلوم ہے کہ یہ کسی زمانہ میں مقبرہ تھا، لیکن مشتبہ ضرور ہے کہ شاید یہ مقبرہ رہا ہو، کیونکہ اس کے کچھ فاصلہ پر مقبرہ یقیناً تھا، لیکن وہاں بھی اب قبروں کے نشانات معلوم نہیں ہوتے۔ تو کیا اس زمین مذکورہ میں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر قبروں میں میت باقی نہیں بلکہ مٹی بن چکی ہے تو اب احکام بدل گئے، وہاں زراعت کرنا تعمیر کرنا سب کچھ درست ہے:

---

(۱) (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، باب: هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة، الخ: ۴/۱۷۴، إدارة الطباعة المنیریة)

"وإن بقی من عظامهم شیء تنبش، و ترفع الآثار، وتتخذ مسجداً، لما روی أن مسجد النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان قبلُ مقبرةً للمشرکین، فنبشت، کذا فی الواقعات". (ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی دفن المیت ۲/۲۳۴، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۶۹، رشیدیه)

"جاز زرعه (أی القبر) والبناء علیه إذا بلی، وصار المیت تراباً، اهـ". زیلعی(۱)۔

جب قبرستان غیرآباد ہوجائے اور وہاں دفن ہونا موقوف ہوجائے تو مسجد بنانا شرعاً درست ہے:

"قال ابن القاسم رحمه اللّٰه تعالیٰ: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمین عفت، فبنیٰ قوم فیها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم، لا یجوز لأحد أن یملکها، فإذا درست واستغنیٰ من الدفن فیها، جاز صرفها إلی المسجد؛ لأن المسجد أیضاً وقف من أوقاف المسلمین، لا یجوز تملیکه لأحد، فمعناهما علی هذا واحد، اهـ". عینی(۲)۔

۲......اگر قرائنِ ظاہرہ سے اس کا مقبرہ قدیمہ ہونا معلوم ہوتا ہے تو اس میں مسجد بنانا شرعاً درست ہے، کما مر فی الجواب الأول، جب تک اس کے خلاف دلیل قائم نہ ہو: "الحکم بالظاهر واجب عند تعذر

---

(۱) (الدرالمختار، باب صلوة الجنائز: ۲۳۸/۲، سعید)

"ولو بلی المیت و صار تراباً، جاز دفن غیره فی قبره، وزرعه، والبناء علیه". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱۶۷/۱، رشیدیه)

(۲) (عمدة القاری شرح صحیح البخاری باب: هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد ۱۷۹/۴، إدارة الطباعة المنیریة دمشق)

"وإن بقی من عظامهم شئ تنبش، و ترفع الآثار، وتتخذ مسجداً، لما روی أن مسجد النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم کان قبلُ مقبرةً للمشرکین، فنبشت". (ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۴/۲، سعید)

"إن بقیت آثارهم بأن بقی من عظامهم شئ، ینبش، ویقبر، ثم یجعل مقبرة المسلمین؛ لأن موضع مسجد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم کان مقبرةً للمشرکین، فنبشت، واتخذها مسجداً، کذا فی المضمرات" (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۴۶۹/۲، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۴/۲، سعید)

الوقوف علی الحقیقۃ، اھـ". مبسوط(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ربیع الثانی/۶۴ھ۔

پرانے قبرستان کو مسجد بنانا

سوال[۷۴۸۲]: ایک جگہ سالم قبروں کو توڑ کر اور اس جگہ پر مسجد بنائی جاوے، کیا قبروں کا توڑنا جائز ہے یا نہیں اور مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں ان قبر کی جگہ پر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبرستان مملوکہ زمین ہے اور اس میں قبریں اس قدر پرانی ہیں کہ میت ان میں بالکل مٹی بن گئی تو ان قبروں کو توڑ کر زمین کو ہموار کر دینا اور وہاں مسجد، مدرسہ، دوکان سب کچھ بنانا درست ہے(۲)۔

میت کے مٹی بن جانے کے بعد قبر کے احکام بدل جاتے ہیں۔ اگر میت مٹی نہیں بنی تو وہاں مسجد وغیرہ بنانا اور قبر کو توڑنا ناجائز ہے، ایسی حالت میں قبر کا احترام ضروری ہے(۳)۔ قبر کو سامنے کر کے نماز

---

(۱) (المبسوط للسرخسی، باب الحمیل والمملوک والکافر: ۹/۱۵۲، غفاریہ کوئٹہ)

(۲) "وذکر أصحابنا إذا خرب ودثر، لم یبق حولہ جماعۃ، والمقبرۃ إذا عفت و دثرت، تعود ملکاً لأربابھا، فإذا عادت ملکاً، یجوز أن یبنی موضع المسجد داراً، أو موضع المقبرۃ مسجداً وغیر ذلک". (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، باب: ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ و یتخذ مکانھا مساجد: ۴/۱۷۹، إدارۃ الطباعۃ المنیریۃ دمشق)

"میتٌ دفن فی أرض إنسان بغیر إذن مالکھا، کان المالک بالخیار، إن شاء رضی بذلک، وإن شاء أمر بإخراج المیت، وإن شاء سوّی الأرض، و زرع فوقھا". (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۷۲، رشیدیہ)

(۳) "یکرہ أن یبنی مسجد علی القبر .... و فیہ منع بناء المساجد علی القبور، ومقتضاہ التحریم، کیف و قد ثبت اللعن علیہ، و أما الشافعی وأصحابہ فصرحوا بالکراھۃ". (معارف السنن، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی کراھیۃ أن یتخذ علی القبر مسجداً: ۳/۳۰۵، المکتبۃ البنوریہ، کراچی) =

پڑھنا ناجائز ہے(۱)، بلکہ اس کے قریب بھی پڑھنے سے احتیاط چاہئے کہ بعض صورتوں میں کراہت زیادہ ہوتی ہے، بعض میں کم (۲):

"ولو بلي الميت و صار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء عليه، اهـ". تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق: ۱/۲٤٦ (۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۸/۱۲/۱۸ھ۔

اگر وہ قبرستان پرانا اور وقف ہے اور اب وہاں مردے دفن نہیں ہوتے، دوسرا قبرستان موجود ہے اور اس قبرستان کے بے کار پڑے رہنے سے اندیشہ ہے کہ اس پر دوسرے لوگ غلط قبضہ کریں گے اور وہاں مسجد بنانا مناسب ہے تو مسلمانوں کے باہم مشورہ سے مسجد بنانا درست ہے، كذا في العيني شرح البخاري (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات: ۴/۴۷۰، ۴۷۱، رشيديه)

(۱) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تجلسوا على القبور، ولا تصلوا إليها". (سنن الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهة الوطيء والجلوس عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

(۲) "وقال في الحلية: و تكره الصلاة عليه و إليه، لورود النهي عن ذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز: ۲/۲۴۵، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في بيان السنة والمستحب والمندوب، الخ: ۱/۲۵۴، سعيد)

(۳) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(۴) "قال ابن قاسم رحمه الله تعالىٰ: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم فيها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لايجوز تمليكه لأحد، فمعناهما على هذا واحد، اهـ". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنيرية دمشق) =

قدیم قبرستان میں بنی ہوئی مسجد بھی شرعی مسجد ہے

سوال[۷۴۸۳]: ایک مسجد احاطۂ قبرستان میں عرصہ گیارہ سال سے بنی ہوئی ہے اوراس مسجد میں برابر نمازِ جمعہ اور نمازِ پنجگانہ ہوتی ہے۔ تمام اہلِ محلّہ اسی میں نماز پڑھتے رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ مسجد قبروں پر بنی ہوئی ہے اورلوگوں کو نماز پڑھنے سے روکتے ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس احاطہ میں قبروں کے نشانات موجود تھے اور دیکھنے والوں کو بخوبی یاد ہے، مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ نشانات کہاں کہاں تھے؟ تمام نشانات عرصہ دراز سے موجود تھے، مگر اب جو عرصہ گیارہ سال سے یہ نشانات مسجد میں شامل ہو چکے ہیں، اس لئے بعض افراد کو نماز کے بارے میں شک گذرتا ہے کہ یہاں نماز ہوسکتی ہے کہ نہیں؟

اس مسجد کو مسجدِ ضرار کہنا کیسا ہے؟ اگر اس مسجد میں نماز ناجائز قرار دی جائے تو ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے کہ جنہوں نے مسجد کی بنیاد ڈالی اور جن لوگوں نے اس مسجد کی تعمیر میں حمایت کی، یا مسجد تعمیر کرنے والے شخص پر زور دیا اور تمام اخراجات برداشت کئے۔ آیا وہ شخص مسجد کے مخالفین سے اخراجات کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ ان کی نماز کے خراب ہونے کا کون شخص ذمہ دار ہے؟ بہرصورت اب یہ سوال ہے کہ اس مسجد کو آباد کیا جائے یا چھوڑ دیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ مردے دفن کرنے کے لئے وقف کی جائے وہاں مسجد بنانا منشائے واقف کے خلاف ہے، اس لئے منع ہے(۱)۔ ایسی جگہ نماز پڑھنا منع ہے جہاں سامنے قبریں ہوں (۲)۔ لیکن اگر قبرستان پرانا ہوجائے کہ

= (وكذا في ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۴، سعيد)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي عليه السلام: "لاتجلسوا على القبور، ولاتصلوا إليها". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز: ۱/۲۰۳، سعيد)

اب وہاں مردے دفن نہیں ہوتے اور پرانی قبریں وہاں موجود ہیں، مگر زمانۂ دراز گذرنے کی وجہ سے اب ان میں میت موجود نہیں بلکہ مٹی بن چکی ہے توحسبِ ضرورت وہاں مسجد بنانا شرعاً درست ہے(۱)۔قبر میں جب میت مٹی بن جائے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، اسی وجہ سے وہاں دوسرا مردہ بھی دفن کرنا درست ہے۔

اگر ذاتی زمین ہو تو وہاں کھیتی کرنا اور تعمیر کرنا بھی درست ہوتا ہے۔غرض قبر کا حکم باقی نہیں رہتا، ایسی مسجد کو شرعی مسجد کہا جاتا ہے۔ وہاں نماز پڑھنا درست ہوتا ہے، اس کو مسجد ضرار نہیں کہا جاتا، اس میں پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ لازم نہیں ہوتا:

"فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المسجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً، لم أربذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لايجوز تمليكه لأحد، فمعنا هما على هذا واحد، اه". عمدة القارى شرح البخارى: ۳۵۹/۲(۲)۔

قال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالىٰ: "كماجاز زرعه والبناء عليه إذا صار تراباً،

(۱) "وأما المقبرة الداثرة إذا بُنى فيها مسجد ليصلى فيه، فلم أرفيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، باب: هل تنبش قبور مشركى الجاهليةُ يتخذ مكانها مساجد: ۱۷۴/۴، مكتبه إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

(۲) (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، باب: هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۱۷۹/۴، ادارة الطباعة المنيرية، دمشق)

"وإن بقى من عظامهم شيء، تنبش وترفع الآثار وتتخذ مسجداً ؛ لماروى أن مسجد النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان قبلُ مقبرةً للمشركين، فنبشت، كذا فى الواقعات". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب فى دفن الميت: ۲۳۴/۲، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر والخانات الخ: ۴۶۹/۲، رشيديه)

وکذا یجوز دفن غیرہ علیہ، اھ". درمختار(۱)، ردالمحتار: ۱/ ۶۰۲(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبرستان کی خالی زمین جوت کراس کی آمدنی مسجد میں لگانا

سوال[۷۴۸۴]: ۱...... چند آدمیوں نے مل کر کچھ زمین قبرستان کے نام دے دی۔ اب اس زمین کے کچھ حصہ میں تو قبریں ہیں اور کچھ حصہ خالی ہے۔ تو جو حصہ خالی ہے اس کو جوت کر اس کی پیداوار مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ جنہوں نے زمین قبرستان کے نام دی ہے اس پر راضی ہیں۔

قدیم غیر مستعمل قبرستان میں مسجد بنانا

سوال[۷۴۸۵]: ۲...... ایک ایسی زمین ہے جس میں کافی قبریں ہیں، جس میں چند ایسی قبریں ہیں جو کہ بالکل ہموار ہوگئی ہیں اور کچھ ایسی قبریں ہیں جو کہ ابھی صحیح وسالم ہیں۔ تو ایسی پرانی قبروں کو ہموار کر کے مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر مسجد بنالی تو اس میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... قبرستان کے لئے زمین دیتے وقت اگر یہ کہہ دیتے کہ اس کی خالی زمین کی پیداوار مسجد میں دی جائے تب تو اجازت ہوجاتی، مگر اس وقت انہوں نے ایسا نہیں کیا، اب اجازت نہیں، بلکہ اس کی پیداوار قبرستان ہی پر صَرف کی جائے (۳)۔ لیکن اگر وہاں ضرورت نہیں اور کوئی قبرستان بھی حاجتمند نہیں اور آمدنی کے روپے کا

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجنازۃ: ۲/ ۲۳۸، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجنازۃ، مطلب فی دفن المیت: ۲/ ۲۳۳، سعید)

(۳) "سئل نجم الدین فی مقبرۃ فیها أشجار: هل یجوز صرفها إلی عمارۃ المسجد؟ قال: نعم إن لم تکن وقفاً علی وجه آخر. قیل له: فإن تداعت حیطان المقبرۃ إلی الخراب یصرف إلیها أو إلی المسجد؟ قال: إلی ما هی وقف علیه". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والخانات .... والمسائل التی تعود إلی الأشجار، الخ: ۲/ ۴۷۶، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، نوع فی وقف المنقول: ۶/ ۲۶۱، رشیدیه)

تحفظ دشوار ہے تو پھر سب کے مشورہ سے آمدنی مسجد میں صَرف کر سکتے ہیں (۱)۔ اس کا بھی لحاظ رہے کہ اس خالی جگہ میں کھیتی کرنے سے کہیں دوسروں کے قبضہ میں آکر وقف ہی ختم نہ ہو جائے۔

۲...... اگر قبرستان پرانا ہو جائے کہ میت مٹی بن چکی ہو اور اب وہاں دفن کرنا بند کر دیا گیا ہو اور قبرستان بند ہونے کی وجہ سے، نیز خالی پڑا رہنے سے اندیشہ ہو کہ اس پر کوئی غاصبانہ قبضہ کر لے گا تو پرانی قبروں کو ہموار کر کے وہاں مسجد بنانے کی اجازت ہے (۲)۔ باہمی مشورہ سے کام کیا جائے تو انشاء اللہ فتنہ نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۱/۹/۹۵ھ۔

---

(۱) "ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه، لتفرق الناس عنه: هل للقاضي أن يصرف أو قافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم".
(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أوغيره: ۳۵۹/۴، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)
(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "فإن قلت: هل يجوز أن تبنى على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً، لم أر بذلك بأساً؛ وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لايجوز تمليكه لأحد، فمعناهما على هذا واحد، اهـ". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۱۷۹/۴، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعُه والبناءُ عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، سعيد)
(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن: ۱۶۷/۱، رشيديه)

قبرستان کی زمین کا تبادلہ

سوال[۷۴۸۶] : اگر قبرستان کی جگہ کسی دیگر جگہ میں تجویز کی جائے تو درست ہے یا نہیں، یا پیش امام کے لئے دوسری اراضی تجویز ہو، یہ قبرستان ہی رکھا جائے؟ جو اس میں مناسب و بہتر ہو، اسے تحریر فرمایا جائے۔

المستفتیان: عبدالرزاق، عبدالستار، رائے پور، ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ زمین مردے دفن کرنے کے لئے واقف نے وقف کی ہے تو امام کو دوسری زمین کاشت کے لئے دی جائے (۱)۔ اگر وہ واقف نے ضروریاتِ مسجد کے لئے وقف کی ہے، تو مردے دفن کرنے کے لئے دوسری زمین تجویز کی جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ۵/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ جمادی الاولی/ ۶۱ھ۔

قبرستان میں مدرسہ بنانا

سوال[۷۴۸۷] : ایک گاؤں کٹر کنڈلہ ہے، اس کی مسلم آبادی دوسو ہے، دو قبرستان ہیں جو تقریباً

---

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع: أی فی المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/ ۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفین، الخ: ۴/ ۴۴۵، سعید)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، و هو مالک، فله أن یجعل ماله حیث شاء ما لم یکن معصیةً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۴/ ۳۴۳، سعید)

(۲) "والأصح ما قال الإمام ظهیر الدین: إن الوقف علی عمارة المسجد وعلی مصالح المسجد سواء". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد: ۲/ ۴۶۲، رشیدیه)

"لو بنی فوقه بیتاً للإمام، لا یضر؛ لأنه من المصالح". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۴/ ۳۵۸، سعید)

پچاس سال کی مدت کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔ اس گاؤں کے قبرستان میں ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے جس میں چالیس سال سے نماز پڑھی جارہی ہے۔ مسجد کے متصل دوسو پچاس مربع گز زمین خالی ہے، اب اس زمین پر پختہ عمارت مدرسہ کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ یہ جگہ آبادی کی تمام مسلمانوں کے مکانات سے قریب تر ہے۔ تو اس جگہ مدرسہ بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبرستان مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے دینی مدرسہ کی تعلیم درست ہے(۱)۔ اگر قبرستان وقف ہے تو منشائے واقف ہی میں اس کو استعمال کیا جائے (۲)، لیکن اگر وقف ہونے کے باوجود وہ جگہ ضرورت سے زائد ہے اور بیکار رہنے سے اندیشہ ہے کہ کوئی اس پر غلط تصرف کرے جس سے وقف ہی ضائع ہو جائے تو دینی مدرسہ کی تعمیر کرنا بھی درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وذكر أصحابنا إذا خرب و دثر لم يبق حوله جماعة. والمقبرة إذا عفت ودثرت، تعود ملكاً لأربابها، فإذا عادت ملكاً، يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً، أو موضع المقبرة مسجداً، وغير ذلك". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، باب: هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد: ۱۷۹/۴، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه، لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى فى وجوب العمل به، وفى المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، الفن الثانى، الفوائد، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(۳) "و ما فضل من ريع الوقف، و استغنى عنه، فإنه يصرف فى نظير ذلك الجهة، كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه، صرف فى مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه فى الجنس، والجنس واحد". (فقه السنة، كتاب الوقف، فاضل ريع الوقف، الخ: ۵۲۹/۳، دارالكتاب العربى بيروت)

"و فى شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد، الخ: ۵۹/۴، سعيد)

ایضاً

سوال[۷۴۸۸]: شہر کے درمیان مسجد ہے، اس کے احاطہ میں قبرستان ہے۔ لوگ اس میں دینی مدرسہ کے لئے عمارت بنانا چاہتے ہیں۔ کتنی مدت گذر جانے کے بعد عمارت بنائی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان اس لئے وقف ہوتا ہے کہ اس میں مُردے دفن کئے جائیں، اس کے علاوہ کسی اَور کام میں اس کا استعمال کرنے کا حق نہیں (۱)۔ البتہ یہ قبرستان اتنا پُرانا ہوگیا کہ اب میت مٹی بن چکی ہوگی اور جدید مردے دفن نہیں کئے جاتے، اس کے لئے دوسرا قبرستان موجود ہے اس کے خالی رہنے سے اندیشہ ہے کہ اس پر لوگ غاصبانہ قبضہ کرلیں گے تو ایسی حالت میں وہاں دینی مدرسہ تعمیر کرلیا جائے (۲)، یا کوئی اَور عمارت بنا کر اس کو کرایہ پر اٹھایا جائے اور کرایہ دوسرے قبرستان کی ضروریات میں صَرف کیا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "سئل الأوزجندی عن المقبرة فی القری إذا اندرست، ولم یبق فیها أثر الموتی لا العظم ولا غیره: هل یجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حکم المقبرة، کذا فی المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۷۰، ۴۷۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۴۰، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "وذکر أصحابنا إذا خرب ودثر، لم یبق حوله جماعة. والمقبرة إذا عفت ودثرت، تعود ملکاً لأربابها، فإذا عادت ملکاً، یجوز أن یبنی موضع المسجد داراً، وموضع المقبرة مسجداً وغیر ذلک".

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری، باب: هل تنبش القبور شرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنیریة، دمشق)

(۳) "ولو کانت الأرض متصلةً ببیوت المصر یرغب الناس فی استیجار بیوتها، وتکون غلة ذلک فوق غلة الزرع والنخل، کان للقیم أن یبنی فیها بیوتاً فیؤاجرها". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس فی ولایة الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف، الخ: ۲/۴۱۴، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، تصرف القیم فی الأوقاف: ۵/۷۴۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف: ۶/۲۵۴، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۳۰۰، رشیدیه)

قبرستان میں خانقاہ

سوال[۷۴۸۹] : قصبہ شوروم ضلع مظفرنگر میں ایک تکیہ ہے، اس تکیہ میں ایک مزار ہے اور مزار کے چاروں طرف قبرستان ہے، اس قبرستان کے چاروں طرف کوٹ (۱) گھرا ہوا ہے اور اس کے اندر چار دروازے تھے اور کوٹ کی چہار دیواری ٹوٹ گئی ہے، اس وجہ سے بجائے چار دروازے کے اس وقت بہت سے راستے بن گئے ہیں۔ ایک فقیر نے اس میں ایک مقبرہ بنالیا تھا اور مقبرہ میں بیٹھ کر لوگوں کو سٹہ بتانے لگا اور مقبرے میں بھی سٹہ کے پیسے کو لگانے لگا، وہ فقیر انتقال کر گیا ہے، اب اس مقبرے میں گاؤں کے بچے تعلیم پا رہے ہیں۔

کچھ لوگوں نے زبردستی اس کا تالا توڑ کر اندرونِ مقبرہ دو قبریں منہدم کر کے برابر کر دیا ہے اور اس مقبرہ میں بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا ہے۔ اس خانقاہ کے نزدیک اس کی دو عمارت بنی ہوئی ہیں، لیکن عمارت پر اس وقت کڑیاں نہیں ہیں، پہلے جو اس مقبرہ کا نگراں تھا اس نے ان عمارتوں کی کڑیاں اتار کر جلالی تھیں۔

اس خانقاہ کے چاروں طرف کچھ درخت بھی موجود ہیں جو لوگ یہاں مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ مقبرہ کے درختوں کو کاٹ کر ان عمارتوں پر کڑیاں اور کواڑ وغیرہ لگا دیئے جائیں، یا یہ کہ درخت کی لکڑیوں کو فروخت کر کے اس کا روپیہ خانقاہ کے کمزور حصوں پر صرف کر دیا جائے، چونکہ ایک طرف سے کوٹ کے ٹوٹ جانے سے کچھ حصہ قریب کے تالاب میں پہونچ گیا ہے۔ ایسا کرنے کے لئے حکم شرع کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ تکیہ قبرستان کے لئے وقف ہے اور وہ خانقاہ بھی اس سے متعلق ہے تو درختوں کو کاٹ کر قیمت کا روپیہ اس عمارت کی مرمت میں صرف کرنا درست ہے (۲)۔ وہاں کسی فقیر کا سٹہ کی خبر بتانا، یا کسی اَور غلط کام میں

---

(۱) ''کوٹ: قلعہ، حصار، گڑھ، فصیل، شہر پناہ، چار دیواری''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۴۰، فیروز سنز، لاھور)

(۲) ''وإن نبتت الأشجار فیها بعد اتخاذ الأرض مقبرةً، فإن علم غارسها، کانت للغارس. وإن لم یعلم الغارس فالرأی فیها یکون للقاضی، إن رأی أن یبیع الأشجار ویصرف ثمنها إلی عمارة المقبرة، فله ذلک، و یکون فی الحکم کأنها وقف''. (فتاویٰ قاضی خان هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی الأشجار: ۳/۳۱۱، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، مطلب: الکلام علی الأشجار فی =

اس جگہ کا استعمال کرنا درست نہیں (۱)۔ اگر اس کے ویران ہونے یا تالاب میں چلے جانے کا اندیشہ ہے اور بچوں کی تعلیم کے ذریعہ تحفظ ہوسکتا ہے تو بہتر ہے کہ وہاں بچوں کو تعلیم دیجائے (۲)، مگر قبروں کی بے حرمتی نہ کریں، اس کا خیال رہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

قبرستان میں عیدگاہ بنانا

سوال[۷۴۹۰]: یہاں پر ایک قبرستان ہے، قبرستان جاری ہے، قبرستان کی زمین بہت بڑی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ قبرستان کے ایک حصہ میں عیدگاہ بنالی جائے، عیدگاہ کے لئے وہ حصہ مختص کیا گیا ہے جہاں پران

= المقبرة: ۴۷۳/۲، ۴۷۴، رشيديه)

(۱) "مقبرة قديمة لمحلة لم يبق فيها آثار المقبرة، هل يباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر رحمه الله تعالىٰ: لا يباح". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل فی المقابر، الخ: ۳۱۴/۳، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۴۷۰/۱، ۴۷۱، رشيديه)

(۲) "لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنىٰ قوم فيها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنىٰ من الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما على هذا واحد، اهـ". (عمدة القاری شرح صحيح البخاری، باب: هل تنبش قبور مشركی الجاهلية، الخ: ۱۷۹/۴، إدارة الطباعة المنيرية)

(۳) "ويكره أن يبنى على القبر، أو يقعد، أو ينام عليه، أو يوطأ عليه، أو يقضى حاجة الإنسان من بول أو غائط". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱۶۶/۱، ۱۶۷، رشيديه)

(وكذا فی حاشية الطحطاوی، كتاب الصلاة، فصل فی زيارة القبور، ص: ۶۲۳، قديمی)

قبروں کے آثار بہت کم ہیں۔ کیا اس قبرستان میں عیدگاہ بنانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین قبرستان کے لئے وقف کی گئی ہو، اس میں عیدگاہ بنانے کی اجازت نہیں، خاص کر جب کہ وہ جاری ہو اور وہاں مردے دفن ہوتے ہیں اس لئے عیدگاہ دوسری جگہ بنائی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/ ۸۸ھ۔

قبرستان کو عیدگاہ میں شامل کرنا

سوال [۷۴۹۱]: موقوفہ قبرستان کو اگر عیدگاہ میں شامل کرلیا جائے تو ایسا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ اس کے علاوہ کوئی اَور جگہ نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دفن کے لئے دوسرا قبرستان موجود ہے، جو قبرستان عیدگاہ کے متصل ہے، وہاں دفن کا سلسلہ بند کرکے اس کو عیدہ گاہ میں شامل کرنے کے لئے وہاں کے لوگ متفق ہوں اور اس میں کوئی فتنہ نہ ہو تو عیدگاہ میں شامل کرلینا درست ہے (۲)۔ قبریں جب اتنی پرانی ہوجائیں کہ ان میں میت موجود نہ رہے بلکہ مٹی بن جائے تو

---

(۱) "سئل الأوزجندی عن المقبرة فی القری إذا اندرست، ولم یبق فیها أثر الموتی، لا العظم، ولا غیره: هل یجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حکم المقبرة، کذا فی المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۴۷۰/۱، رشیدیه)

"لایجوز لأهل القریة الانتفاع بالمقبرة الداثرة". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۴۰/۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "وأما المقبرة الداثرة إذا بُنی فیها مسجد لیصلی فیه، فلم أر فیه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وکذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، باب: هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد: ۱۷۴/۴، إدارة الطباعة المنیریة، دمشق)

حکم بدل جاتا ہے، ایسی صورت میں قبروں کو ہموار کرکے وہاں نماز پڑھنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۰/۲۰ھ۔

مشتبہ قبرستان کی زمین کو خریدنا اور اس پر مکان بنانا

سوال[۷۴۹۲]: مسجد کے قریب ایک زمین ہے جس کے متعلق تحریر نہیں، مگر شہرت اس طرح کی ہے کہ ایک مسلم خاندان کا گورستان تھا جس میں مدت ہوئی مُردوں کے دفن کرنے کی سرکاری حکم سے ممانعت کردی گئی، چند قبور پختہ اس میں اب بھی موجود ہیں۔ اور بوڑھے مسلمان کہتے ہیں کہ یہ مسجد بھی بعد میں گورستان ہی کی زمین میں تعمیر ہوئی، بلکہ صحنِ مسجد میں قبریں بنی ہوئی ۲۵، ۳۰/ برس ہوئے کہ اس وقت دیکھی ہیں جو اَب بے نشان ہوگئیں، نہ معلوم ابتدا میں کیا صورت ہوئی۔

زید مسلمان کا اس پر قبضہ ہوا اور اسی نے مسجد و کنواں و غسل خانہ اور مکتب کے لئے ایک کمرہ اس میں بنوایا۔ زید مقروض ہوکر وفات پا گیا اور ہندو دائن نے ڈگری جاری کرا کے مجبور کیا کہ وہ نیلام ہو۔ ورثائے زید نے اپنے طور پر سارا قطعہ جس میں مشتبہ گورستان بھی شامل تھا نیلام کردیا۔ اور ایک ہندو نے اس کو خرید کر قبضہ کر لیا اور نمودار قبروں کی وجہ سے ہندو اس پر تعمیر کرنے سے خائف رہا اور ایک مسلمان کے ہاتھ وہ سارا قطعہ بیچ دیا جس میں قبریں تھیں۔ اس خریدار نے اس کے ٹکڑے کرکے دوسرے لوگوں کے ہاتھ فروخت کردیئے اور اس میں مکانات تعمیر ہوگئے۔ ایک مختصر قطعہ مسجد کے متصل باقی ہے جس میں اندیشہ ہے کہ کسی ہندو نے خرید لیا تو فتنہ ہوا کرے گا۔ مسجد میں اتنی وسعت نہیں کہ خرید سکے۔

پس آیا کوئی گنجائش ہے کہ کوئی مسلمان اس کو خرید کر مکان مسکونہ بنالے اور موجودہ پختہ قبر بحالہٖ محفوظ

---

(۱) "بلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعُه والبناءُ علیه، اھ". (تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۳/۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن: ۱٦۷/۱، رشیدیه)

رکھے؟ اور اس مسجد کا کیا حکم ہے، آیا اس میں نماز صحیح ومستحب ہوگی اور حکم مسجد کا دیا جائے گا یا نہیں؟ اور جن مسلمانوں نے اس کو خرید کر تعمیر کیا ہے آیا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عادتِ عامہ کے موافق قبور زمینِ وقف ہی میں بنائی جاتی ہیں، خواہ وہ وقف عام ہو جیسے گورِ غریبان، یا وقف خاص ہو جیسے کوئی مخصوص خاندان اپنی قبور کے لئے کوئی قطعۂ زمین وقف کردے، گو کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے، لہٰذا اس قطعۂ ارض کو وقف ہی کہا جائے گا: "لأن الحکم بالظاهر واجب عند تعذر الوقوف على الحقيقة، اهـ". مبسوط(۱)۔

اور وہ مسجد بھی جب کہ ایک مسلمان کی بنائی ہوئی ہے، بظاہر شرعی مسجد ہے: "لأن حمل فعل المسلم على الصحة والحل واجب ما أمكن إلا أن تقوم البينة". مبسوط سرخسی(۲)۔

مگر دلیلِ قطعی نہ اس مسجد کے وقف ہونے پر ہے اور نہ مسجد کے شرعی مسجد ہونے پر، کیونکہ نہ کوئی شہادت ہے نہ وقف نامہ وغیرہ، تاہم مسجد ہونا اقوی ہے، کیونکہ اس کے خلاف کا احتمال بہت ہی مرجوح ہے اور اس زمین کا وقف ہونا اتنا قوی نہیں، نیز مفادِ مسجد کے خلاف فتنہ کا اندیشہ ہے، اس لئے "من ابتلى ببليتين، فليختر أهونهما"(۳)، گنجائش ہے کہ کوئی مسلمان اس قطعہ کو خرید کر مکان وغیرہ بنالے اور مفادِ مسجد کے خلاف فتنہ سے امن ہو جائے، خصوصاً جب کہ دوسرے قطعات میں تصرف بھی ہو چکا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۱/۱۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ محرم الحرام/ ۵۴ھ۔

جو زمین بچوں کی قبروں کے لئے ہے اس کو فروخت کرنا

سوال [۷۴۹۳]: اگر کسی بستی میں بڑے قبرستان علیحدہ ہوں اور بچوں کے علیحدہ، مگر چونکہ بچوں کے

---

(۱) (المبسوط، باب الحميل والمملوک والكافر: ۹/ ۱۵۲، غفاريه كوئٹه)

(۲) (المبسوط، باب اختلاف الأوقات في الدعوى وغير ذلک: ۹/ ۷۳، غفاريه كوئٹه)

(۳) (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ۱/ ۲۸۶، إدارة القرآن، كراچی)

قبرستان میں کوڑا کرکٹ پڑا ہوا ہے اور لوگ وہاں مکان بنانا چاہتے ہیں، ان سے اگر اس قبرستان کی جگہ کی قیمت لے لی جائے تو وہ کس جگہ صرف کرنی چاہئے۔ قبرستان میں عیدگاہ بھی ہے، کچھ ٹوٹ پھوٹ واقع ہورہی ہے۔ اگر جائز ہو تو کیا وہ روپیہ اس میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

جو زمین قبرستان کے لئے وقف ہو خواہ بچوں کے دفن کے لئے یا بڑوں کے دفن کے لئے، وہاں ذاتی مکان بنانا شرعاً جائز نہیں (۱)، کوڑا کرکٹ بھی وہاں نہ ڈالا جائے۔ البتہ اگر وہ زمین وقف نہیں، بلکہ مملوک ہے تو مالک کو اس کا فروخت کرنا شرعاً درست ہے، پھر قیمت اپنے کام میں لائے، یا عیدگاہ وغیرہ میں جہاں چاہے صرف کرے، اسے سب طرح اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۹۴ھ۔

---

(۱) "لأن الملک مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک والمتقوم: ۴/۵۰۲، سعيد)

"وسئل هو أيضاً عن المقبرة في القرى إذا اندرست، و لم يبق فيها أثر الموتى، لا العظم و لا غيره: هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حكم المقبرة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۷۰، ۴۷۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"مقبرة قديمة لمحلة لم يبق فيها آثار المقبرة، هل يباح لأهل المحلة الانتفاع؟ قال أبونصر رحمه الله تعالیٰ: لا يباح". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر: ۳/۳۱۴، رشيديه)

(۲) "إذا دفن الميت في أرض غيره بغير إذن مالكها، فالمالک بالخيار: إن شاء أمر بإخراج الميت، وإن شاء سوّى الأرض، وزرع فيها". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن: ۲/۱۴۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

فقیر نگران کا قبرستان کی زمین کو فروخت کرنا

سوال[۷۴۹۴]: ہمارے بزرگوں کا قدیم قبرستان ہے اور اس میں شبراتی فقیر کو بطورِ نگران رکھ دیا تھا، اس نے اس کی زمین ایک دوسرے شخص کو فروخت کردی ہے۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ وہ فقیر محض نگراں کی حیثیت سے رہتا تھا، مالک نہیں تھا تو اس کا اس زمین کو مالک بن کر فروخت کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۸۸ھ۔

قبروالی زمین کی بیع

سوال[۷۴۹۵]: ایک شخص نے ایک قطعۂ زمین خرید کیا اور خریدنے والے کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اس زمین میں بہت سی قبریں ہیں، اب صاحب مذکور نے اس زمین میں تالاب کھدایا ہے، کھودتے وقت مردار کے سر اور ہاتھ کی ہڈی اور لاشیں پائی گئیں، سب ہڈیاں دوسری جگہ زمین میں دفن کردیں۔ آیا اب قبر والی زمین کو تالاب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب مالک سے کسی نے زمین خرید لی، تو اب مالک کو اختیار ہے کہ اس زمین میں تالاب بنائے یا کچھ

---

(۱) "(بطل بیع ما لیس فی ملکه) .... لأنه علیه السلام نهی عن بیع ما لیس عند الإنسان".

(تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۵۸، ۵۹، سعید)

"إذا صح الوقف، لم یجز بیعه و لا تملکیه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰ مکتبه شرکت علمیه بیروت)

(و کذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

اَور کام کرے(۱)، البتہ ان ہڈیوں کو توڑنا درست نہیں (۲)، بلکہ احتیاط سے ان کو ایک جگہ دفن کردیا جائے (۳)۔فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے، اگر قبرستان وقف ہوتو اس کی بیع اور اس میں تالاب وغیرہ بنانا، ناجائز ہے (۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

چک بندی میں قبرستان اور مدرسہ کے لئے زمین رشوت دے کر چھڑانا

سوال[۷۴۹۶]: ہمارے موضع میں چک بندی ہورہی تھی، حکومت کی طرف سے قبرستان ومدرسہ

---

(۱) "کل یتصرف فی ملکه کیف شاء، لکن إذا تعلق به حق الغیر یمنع المالک من تصرفه". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)

"والقیاس أن من تصرف فی خالص ملکه، لا یُمنع منه وإن أضرّ بغیره، لکن ترک القیاس فی محل یضر بغیره". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الکتاب السابع فی الحجر والاکراه والشفعة، الباب الثالث، الفصل الأول فی بعض قواعد فی احکام الاملاک، تحت رقم المادة: ۱۱۹۷، ص: ۶۵۷، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) "کسر عظم المسلم میتاً ککسره وهو حی، قال مالک: تعنی فی الإثم". (مؤطأ إمام مالک، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الاختفاء وهو النبش، ص: ۲۲۱)

"وحاصله أن عظم المیت له حرمة مثل حرمة عظم الحی، لکنه لاحیاة فیه، فکان کاسره فی انتهاک الحرمة ککاسره عظم الحی". (أوجز المسالک، کتاب الجنائز: ۴/۵۴۹، دارالقلم دمشق)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵/۵۸، باب البیع الفاسد، سعید)

(۳) "ولا یحفر قبر لدفن آخر إلا أن بلی الأول، فلم یبق له عظم، إلا أن لا یوجد، فتضم عظام الأول ویجعل بینهما حاجزٌ من تراب". (ردالمحتار: ۲/۲۳۳، مطلب فی دفن المیت، سعید)

(۴) "وإذا صح الوقف، فلا یملک ولا یملّک". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۵۸۰، کتاب الوقف، غفاریه کوئٹه)

"فإذا تم ولزم، لایملک ولا یملک ولا یعار ولا یرهن". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۴۱، سعید)

کے لئے کچھ زمین چھوڑنے کا حکم تھا، مگر اہلکار نہیں چھوڑ رہے تھے، بہت کوشش کی مگر معلوم ہوا کہ کچھ رشوت لینا چاہتے ہیں تو بمجبوری مدرسہ اور قبرستان کی زمین کے لئے سو روپیہ اہل کار کو دیا گیا جس میں پچاس روپیہ مدرسہ کا تھا، اور پچاس روپیہ قبرستان کا تھا، تو قبرستان اور مدرسہ کے لئے زمین دی گئی اور عمل درآمد بھی ہوگیا اور زمین مدرسہ کے لئے حاصل کرلی گئی۔ آیا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب کہ مدرسہ وقبرستان کے لئے زمین چھوڑنا قانونی حق تھا اور بغیر روپیہ کے اس حق کو حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا تو مجبوراً روپیہ دینے والے گنہگار نہیں ہوئے (۱)، وہ زمین مدرسہ وقبرستان دونوں کی ہوگئی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۰ھ۔

قبرستان کی آمدنی مدرسہ وعیدگاہ میں خرچ کرنا

سوال[۷۴۹۷]: ۱...... قبرستان کی رقم مدرسہ میں لگائی جاسکتی ہے یا نہیں، اور اگر لگائی جاسکتی ہے تو کون کون سے کام میں؟ خصوصاً مدرسہ کے مکان یا مدرسین کی تنخواہوں میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۲...... کیا قبرستان کی آمدنی سے عیدگاہ بناسکتے ہیں، نیز قبرستان کی آمدنی کس مصرف میں آسکتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱،۲...... موقوفہ قبرستان کی آمدنی کو کسی اَور کام (مدرسہ وعیدگاہ) میں صرف کرنا درست نہیں: "لأن

(۱) "لا بأس بالرشوة .... إذا خاف علی دینه .... وفیه أیضاً دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه و ماله ولاستخراج حقٍ له، لیس برشوة، یعنی فی حق الدافع، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، فروع: ۶/۴۲۳، ۴۲۴، سعید)

(وکذا فی ردالمحتار، باب البیع الفاسد، مطلب فی التداوی بلبن البنت للرمد قولان: ۵/۷۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب الحادی عشر فی المتفرقات: ۴/۴۰۳، رشیدیه)

(وکذا فی أحکام القرآن للجصاص، (سورة المائدة)، باب الرشوة، مطلب فی وجوه الرشوة: ۲/۴۳۳، ۴۳۴، دارالکتاب العربی، بیروت)

شرط الواقف کنص الشارع". کذا فی رد المحتار (۱)۔ ہاں! اگر قبرستان میں کوئی ضرورت نہ ہو مثلاً: حفاظت کے لئے چہار دیواری کی ضرورت نہ ہو، آدمی رکھنے کی ضرورت نہ ہو وغیرہ وغیرہ (۲) تو پھر باہمی مشورہ سے مدرسہ وعیدگاہ میں جہاں ضرورت ہو تعمیر، تنخواہ، وظیفہ، خرید کتب وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں تاکہ آمدنی کی رقم ضائع نہ ہو اور اس پر کسی کی ملک نہ ہو اور غاصبانہ قبضہ نہ ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۰ھ۔

قبرستان کی آمدنی مسجد میں

سوال [۷۴۹۸]: موضع شاہ پور گاؤں میں ہمیشہ سے مسجد کے متعلق ایک ڈھائی بیگہ پختہ رقبہ جس میں دس بسوہ خام رقبہ میں مسجد ہے (۳)، باقی میں کاشت ہوتی ہے جس کی آمدنی پیش امام کے پاس جاتی ہے، اور ہمیشہ سے تمام موضع کے مُردے بھی اسی میں دفن ہوتے ہیں اور قبریں چھوڑ کر کاشت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ شرعاً جائز

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "سئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجار: هل يجوز صرفها إلى عمارة المسجد؟ قال: نعم إن لم تكن وقفاً على وجه آخر. قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب، يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه إن عرف. وإن لم يكن للمسجد متولٍ و لا للمقبرة، فليس للعامة التصرف فيها بدون إذن القاضي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، المسائل التي تعود إلى الأشجار، الخ: ۲/۴۷۶، ۴۷۷، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۳/۳۱۱، رشيديه)

(۳) "بسوہ: زمین ناپنے کا ایک پیمانہ"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۰۴، فيروز سنز، لاهور)

ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ زمین ضروریاتِ مسجد کے لئے وقف ہے، یا مُردے دفن ہونے کے لئے وقف ہے، اول صورت میں ثانی عمل ناجائز ہے اور ثانی صورت میں اول عمل ناجائز ہے(۱)۔ جس کام کے لئے واقف نے وقف کیا ہے اس میں وہی کام کرنا چاہیے: "لأن نص الواقف کنص الشارع"(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ۵/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ جمادی الاولیٰ/ ۶۱ھ۔

قبرستان کی آمدنی سے مساجد کی مرمت

سوال[۷۴۹۹]: ہمارے قصبہ میں قبرستان پرانے بہت ہیں اور حکومت نے بھی ان سے ملحقہ قبرستان کے لئے مزید اراضی دیدی ہے، اگر اس میں کاشت کرا کر اس کی پیداوار بوسیدہ جامع مسجد، یا دیگر امورِ خیر میں خرچ کردیں تو درست ہے یا نہیں؟ اگر مساجد وغیرہ کی مرمت نہ کی گئی تو ان کے گرنے اور خراب ہونے کا اندیشہ ہے، اکثریت مسلمانوں کی یہاں سے چلی گئی، بہت معمولی تعداد میں باقی رہ گئے ہیں۔ جو اس کا خرچ برداشت نہیں کرسکتے تو کیا قبرستان کی پیداوار سے مرمت ہوسکتی ہے اور مساجد محفوظ ہوسکتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان کے لئے وقف شدہ زمین قبرستان ہی کے کام میں استعمال کی جائے، اگر وہاں کے قبرستان میں ضرورت نہیں اور ان کی ضرورت کے لئے کافی جگہ موجود ہے اور اس زمین کے خالی رہنے سے اندیشہ ہے

---

(۱) یعنی ضروریاتِ مسجد کے لئے وقف ہونے کی صورت میں دفنِ موتی ناجائز ہے، اور مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہونے کی صورت میں آمدنی امام کے پاس جانا ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) "لأن شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف کنص الشارع: أی فی وجوب العمل به، وفی المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، الفن الثانی: الفوائد، کتاب الوقف: ۲/ ۱۰۶، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/ ۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

کہ دوسرے لوگ اس پر غاصبانہ قبضہ کرلیں گے اوراس قبضہ کوختم کرانا دشوار ہوجائے گا جس سے اصل وقف ہی ضائع ہوجائے گا تو مجبوراً اس میں کاشت کر کے اس کی آمدنی سے مساجد کی مرمت کرنا درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

قبرستان کے باغ کی آمدنی مسجد اور مدرسہ کے کاموں میں صَرف کرنا

سوال [۷۵۰۰]: ایک شخص نے مدرسہ اور مسجد میں امامت کی، مسجد اور مدرسہ کے منتظمین نے تنخواہ ماہانہ قبرستان کے فنڈ سے دی۔ یہ باغ اس نیت سے لگایا گیا قبرستان میں کہ اس کی آمدنی سے مدرسہ اور مسجد کا خرچ چل سکے۔ ایک صاحب نے فتوی منگایا، فتوی میں جواب یہ آیا کہ قبرستان کی آمدنی قبرستان ہی میں صرف کی جائے گی، اس کے علاوہ مدارس ومسجد میں صرف کرنے کا کوئی مجاز نہیں ہے۔ اور وہ شخص جس نے فتوی منگایا تھا، امام مسجد سے بتایا کہ ڈیڑھ ماہ سے جتنی نمازیں میں نے تمہارے پیچھے پڑھی ہیں وہ سب میں نے لوٹائیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی اور ان صفوں پر نماز بھی نہیں ہوتی جو کہ اس پیسے سے خریدی گئی ہوں۔

ان حالات میں امام مذکور نے امامت اور مدرسی سے علیحدگی اختیار کرلی۔ کچھ اشخاص نے یہ کہا کہ آپ اس پیسے کوکسی سے بدل لیں۔ وہاں کے لوگوں کی اکثریت، نیز منتظمین امام مذکور کو رکھنا چاہتے ہیں۔ مدلل ومفصل

---

(۱) "وما فضل من ريع الوقف واستغنى عنه، فإنه يصرف في نظير تلك الجهة، كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه، صرف في مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس، والجنس واحد .... فإن هذا الفاضل لا سبيل إلى صرفه إليه، ولا إلى تعطيله، فصرفه في جنس المقصود أولى، وهو أقرب الطرق إلى مقصود الواقف". (فقه السنة، كتاب الوقف، فاضل ريع الوقف يصرف في مثله: ۵۲۹/۳، دار الكتاب العربي بيروت)

"وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدرالمختار). "و في شرح الملتقى": "يصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

جواب درکار ہے، ایسی جگہ ملازمت درست ہے یانہیں اور ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس مسئلہ کی وجہ سے مسجد یا مدرسہ سے علیحدگی کی کوئی ضرورت نہیں، تنخواہ کے متعلق معاملہ کرلیا جائے کہ اس فنڈ سے تنخواہ نہیں دیں گے۔ جونمازیں پڑھی جاچکی ہیں ان کے لوٹانے کی بھی ضرورت نہیں (۱)۔ جوصفیں اس فنڈ سے خریدی گئی ہیں ان کی قیمت اس فنڈ میں جمع کردی جائے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱/۲۰ھ۔

پرانے قبرستان میں مکان وبیت الخلاء وغیرہ بنانا

سوال[۷۵۰۱]: ایک مکان قبرستان میں بنایا گیا ہے اور قبریں بالکل برابر ہوگئیں، ان کا کوئی نشان نہیں رہا ہے، لیکن یہ معلوم ہے کہ یہاں پر قبریں تھیں۔ تو اس مکان میں بیت الخلا بنانا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ قبرستان وقف نہیں، بلکہ مملوک ہے اور قبریں اتنی پرانی ہیں کہ میت بالکل مٹی ہوچکی ہوگی تو اس کے احکام قبرستان کے نہیں رہے، وہاں مالک کو اور مالک کی اجازت سے دوسروں کو مکان بنانا شرعاً درست ہے

---

(۱) "بنی مسجداً فی أرض غصب، لابأس بالصلاة فیه". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی الصلاة فی أرض مغصوبة: ۱/۳۸۱، سعید)

(۲) "سئل نجم الدین فی مقبرة فیها أشجار .... قیل له: فإن تداعت حیطان المقبرة إلی الخراب یصرف إلیها، أو إلی المسجد؟ قال: إلی ما هی وقف علیه". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، مطلب الکلام علی الأشجار التی فی المقبرة: ۲/۴۷۶، رشیدیه)

"(قوله: لا یجوز له ذلک): أی الصرف المذکور .... قال الخیر الرملی: أقول و من اختلاف الجهة ما إذا کان الوقف منزلین: أحدهما للسکنی، والأخر للاستغلال، فلا یصرف أحدهما للأخر، و هی واقعة الفتویٰ". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی یستغنی، الخ: ۲/۴۷۸، رشیدیه)

اور بیت الخلا بنانا بھی جائز ہے، جو حکم اُور زمین کا ہے وہی حکم اس جگہ کا ہے۔ احترام میت کا تھا، جب وہ نہیں تو اس جگہ کا کوئی خاص احترام بھی نہیں: "جاز زرعه والبناء علیه إذا صار تراباً، زیلعی، اھـ". درمختار(۱)۔

اگر وہ قبرستان وقف ہے تو وہاں اپنا مکان بنانا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیو بند، ۲۴/۱۱/۸۵ھ۔

پرانے قبرستان میں کرایہ کے لئے دوکانیں بنانا

سوال[۷۵۰۲]: ایک مسجد کے روبرو قبرستان ہے جس کے دونوں جانب شاہراہ ہے۔ اہلِ مسجد یہ چاہتے ہیں کہ اس شاہراہ کے دونوں جانب کمرے تعمیر کرا کر اجارے پر دے دیئے جائیں جس کا کرایہ مسجد کی ضروریات: تنخواہ امام و موذن، بجلی وغیرہ یا تعمیرِ مسجد پر خرچ ہوتا رہے۔ اس تعمیر کے اندر چند بوسیدہ قبریں بھی آجائیں گی۔ یہ تعمیر جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کا کرایہ مندرجہ بالا ضروریات پر خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ مسجد کی ہے اور قبریں اتنی پرانی ہیں کہ میت ان میں باقی نہیں، بلکہ مٹی بن چکی ہے تو باہمی

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۸/۲، سعید)

"و لو بلی المیت و صار تراباً، جاز دفن غیره فی قبره، و زرعُه والبناءُ علیه". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱۶۷/۱، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "وسئل هو أیضاً عن المقبرة فی القری إذا اندرست، ولم یبق أثر الموتی، لا العظم ولا غیره: هل یجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حکم المقبرة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۴۷۰/۲، رشیدیه)

"مقبرة قدیمة .... هل یباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر: لا یباح". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی المقابر: ۳۱۴/۳، رشیدیه)

"ویکره أن یبنی علی القبر". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۷/۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

مشورہ سے وہاں دوکانیں تعمیر کرا کر کرایہ پر دینا اور وہ کرایہ ضروریاتِ مسجد، تعمیر، تنخواہ امام ومؤذن میں صَرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ جب قبر پرانی ہوجائے اور میت مٹی بن جائے تو قبر کا حکم باقی نہیں رہتا:

"لأن المیت إذا بلی وصار تراباً، جاز زرعه والبناء علیه". کذا فی الدرالمختار والزیلعی(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبرستان کے درختوں کا مصرف

سوال[۷۵۰۳]: ایک احاطۂ قبرستان جس کے درمیان میں ایک چھوٹی سی مسجد بنالی گئی ہے، قبرستان بہت پرانا ہے جس کے چاروں طرف انگریزوں کی ملکیت ہے، اس کا کوئی ایک مالک ہے اور وہ بھی اپنی ملکیت کی زمین فروخت کر چکا ہے۔ اگر قبرستان کے درخت وغیرہ کاٹ کر اپنے کام میں لائے جائیں اور مسجد کے مصارف چندہ سے پورے ہوتے ہوں تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور کیا یہ درخت مسجد میں لگ سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبرستان وقف ہے(جیسا کہ عرف ہے) تو کسی شخص کو درخت وغیرہ کاٹ کر اپنے کام میں لانا جائز نہیں، بلکہ مصارفِ وقف پر صرف کرنا واجب ہے(۳)۔ اور سبز درخت کا کاٹنا قبرستان سے ناجائز ہے،

---

(۱) "ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته کإمام مسجد ومدرس مدرسة، یعطون بقدر کفایتهم". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الوقف: ۶۴۱/۲، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(۲) "ولو بلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیره فی قبره وزرعُه والبناءُ علیه". (تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الدرالمختار، باب صلوة الجنازة: ۲۳۸/۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن: ۱۶۷/۱، رشیدیه)

(۳) "وإن نبت الأشجار فیها بعد اتخاذ الأرض مقبرةً، فإن علم غارسها، کانت للغارس. وإن لم یعلم =

البتہ سوکھا درخت کاٹ کر مصارفِ وقف پر صرف کردیا جائے (۱)۔ اگر واقف نے مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے تو وہاں بھی خرچ کرنا درست ہے۔ جو شخص اپنی ملکیت فروخت کرچکا ہے، اس کو کسی حال میں بھی کاٹنا اور اپنے کام میں لانا جائز نہیں۔ اس کے علاوہ اگر وہ قبرستان وقف نہیں، بلکہ ملک ہے تو مالک کو سوکھا درخت کاٹ کر اپنے کام میں لانا جائز ہے (۲):

"سئل نجم الدین فی مقبرة فیها أشجار، هل یجوز صرفها إلی عمارة المسجد؟ قال: نعم إن لم یکن وقف علی وجه اٰخر. قیل له: فإن تداعت حیطان المقبرة إلی الخراب یصرف

= الغارس، فالرأی فیها یکون للقاضی، إن راٰی أن یبیع الأشجار ویصرف ثمنها إلی عمارة المقبرة، فله ذلک، ویکون فی الحکم کأنها وقف". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی الأشجار: ۳/ ۳۱۱، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة، باب الجنائز، القبر والدفن: ۲/ ۱۷۳، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، نوع فی وقف المنقول: ۶/ ۲۶۱، رشیدیه)

(۱) "یکره أیضاً قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرة دون الیابس". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی وضع الجرید ونحو الآس علی القبور: ۲/ ۲۴۵، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، باب الجنائز، القبر والدفن: ۲/ ۱۷۳، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "مقبرة علیها أشجار عظیمة، فهذا علی وجهین: إما إن کانت الأشجار نابتة قبل اتخاذ الأرض مقبرةً، أو نبتت بعد اتخاذ الأرض مقبرةً، ففی الوجه الأول المسألة علی قسمَین: إما إن کانت الأرض مملوکةً لها مالکٌ، أو کانت مواتاً لا مالک لها، واتخذها أهل القریة مقبرةً، ففی القسم الأول الأشجار بأصلها علی ملک رب الأرض، یصنع بالأشجار ما شاء. وفی القسم الثانی الأشجار بأصلها علی حالها القدیم.

وفی الوجه الثانی المسألة علی قسمین: إما إن عُلم لها غارس أولم یعلم، ففی القسم الأول کانت للغارس، و فی القسم الثانی الحکم فی ذلک إلی القاضی، إن راٰی بیعها و صرف ثمنها إلی مقبرة، فله ذلک". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات والحیاض والطرق الخ، مطلب: الکلام علی الأشجار التی فی المقبرة: ۲/ ۴۷۴، رشیدیه)

إلیھا، أو إلی المسجد؟ قال: إلی ما ھی وقف علیه إن عرف. وإن لم یکن للمسجد متولی ولاللمقبرة، فلیس للعامة التصرف فیھا بدون إذن القاضی، اھ". عالمگیری (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۶/۵۷ھ۔

قبرستان کے پھل کا حکم

سوال[۷۵۰۴]: قبرستان کے اندر پھل کے درخت ہیں، مثلاً: آم، امرود، پیپل، انار وغیرہ، ان کو ہم کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ ان کے پھل توڑ کر اس کا پیسہ ہم اپنے اوپر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبرستان وقف ہے تو اس پھل کو فروخت کر کے قبرستان کی ضروریات میں قیمت صرف کریں، خود استعمال نہ کریں، نہ پھل نہ اس کی قیمت (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبرستانِ موقوفہ میں کاشت کرنا

سوال[۷۵۰۵]: ایک قبرستان بہت ہی وسیع ہے، اس کا کچھ حصہ ایسا بھی ہے جو عرصۂ دراز سے یوں ہی پڑا ہوا ہے، فی الحال اس میں کوئی قبر نہیں ہے اور نہ بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں اس حصہ میں مُردے دفن کئے گئے یا نہیں۔ اس سال زبردست سیلاب آ کر قبرستان کو کمر بھر اونچا کیچڑ سے کر دیا جس کو ہماری

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، مطلب: الکلام علی الأشجار التی فی المقبرة: ۲/۴۷۶، ۴۷۷، رشیدیه)

(۲) "سئل نجم الدین عن رجل غرس تالة فی مسجد، فکبرت بعد سنین، فأراد متولی المسجد أن یصرف ھذہ الشجرة إلی عمارة بئر فی ھذہ السکة، والغارس یقول: ھی لی، فإنی ما وقفتُھا علی المسجد؟ قال: الظاھر أن الغارس جعلھا للمسجد، فلا یجوز صرفھا إلی البئر، ولا یجوز للغارس صرفھا إلی حاجة نفسه". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة، باب الجنائز، القبر والدفن: ۸۶/۵، إدارة القرآن کراچی)

اصطلاح میں اچانک پڑھنا کہتے ہیں (۱)۔قبر کا نام ونشان نہیں ہے۔ایک شخص نے اس حصہ پر اپنی دیدہ ودانستہ دھان کی تخم ریزی کردی، ہاں! اگر غلطی سے دو چار قدم قبر والی زمین میں بھی بیج پڑ گیا ہوتو نہیں کہا جاسکتا، دھان ماشاء اللہ بہت اچھا ہوا اور اسی حصہ میں فصلِ ربیع بھی بلا جوتے لگا رکھا ہے۔

تو اب قابلِ سوال مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے اور اس زمین سے حاصل شدہ پیداوار کو کس مصرف میں صرف کیا جائے؟ اگر کسی مدرسہ میں دے دی جائے یا ازخود طلبہ پر خرچ کیا جائے تو کیا درست نہیں ہے؟ نیز قبرستان کیا قابلِ کاشت ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو قبرستان مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہو اس میں کاشت کرنا جائز نہیں (۲)، خواہ بالفعل اس میں قبریں موجود ہوں یا نہ ہوں، "لأن شرط الواقف کنص الشارع". کذا فی رد المحتار (۳)۔ اب جو دھان اس میں پیدا ہوا بہتر یہ ہے کہ اس کو غرباء، طلباء پر صدقہ کیا جائے، بیواؤں یتیموں کو دیدیا جائے، خواہ مدرسہ کے مہتمم کو دیدے کہ وہ نادار طلبہ کے کپڑے کھانے پر صرف کردے (۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۹۲ھ۔

---

(۱) "اچانک پڑھنا: دفعۃً، ناگاہ، یکا یک، (فقرہ) وہ سفر کا قصد کر ہی رہے تھے کہ غدر نے اچانک آدبایا"۔(نور اللغات: ۱/۲۵۳، سنگ میل پبلی کیشنز لاهور)

(۲) "وسئل هو أيضاً عن المقبرة فی القری إذا اندرست، و لم يبق فيها أثر الموتی، لا العظم ولا غيره: هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، و لها حكم المقبرة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۷۰، رشيديه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل فی المقابر: ۳/۳۱۴، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فی قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: ۴/۴۳۳، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع : أی فی المفهوم والدلالة". (تنقيح الفتاویٰ الحامدية، شرط الواقف كنص الشارع: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا فی الأشباه والنظائر، الفن الثانی، الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(۴) "إذا استغنی هذا المسجد يصرف إلی فقراء المسلمين، فيجوز ذلك؛ لأن جنس هذه القربة مما لا =

قبرستان میں کھیتی کرنا

سوال[۷۵۰۶]: یہاں کے زمین دار قبرستانوں کو بیل سے جتوا کر کاشت کاری کرتے ہیں، بعض قبرستان پر قبریں موجود ہیں، ان پر ہل چلاتے ہیں۔ کیا شرعاً یہ جائز ہے؟ جن کا قبرستان ہے وہ مانع ہوتے ہیں کہ ہمارا قدیم قبرستان ہے، زمیندار کہتے ہیں کہ ہمارے نام کی زمین ہے، مگر قبریں پرانی بنی ہوئی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبریں اس قدر پرانی ہیں کہ میت بالکل مٹی بن چکی ہے تو اس زمین میں ہل چلانا اور کاشت کرنا سب درست ہے: "ولو بلی المیت و صار تراباً، جاز دفنُ غیرہ فی قبرہ، وزرعُہ والبناءُ علیہ، اھ". بحر (۱)۔

اگر زمینداروں کی ملک نہیں، بلکہ دوسروں کی ملک ہے تو ایسی حالت میں زمیندار غاصب اور گنہگار ہوں گے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

= یقطع". (فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الفتاویٰ العالمکیریة، قبیل باب الرجل یجعل دارہ مسجداً: ۲۸۸/۳، رشیدیه)

(۱) (البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۲/۲، رشیدیه)

"ولو بلی المیت و صار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ، وزرعُه والبناءُ علیه". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱۶۷/۱، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۸/۲، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "الغصب فی الشریعة أخذ مال متقوم محترم بغیر إذن المالک علی وجهٍ یزیل یدہ .... وعلی الغاصب رد عین المغصوبة". (الهدایة، کتاب الغصب: ۳۷۰/۳، ۳۷۱، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الغصب: ۱۹۲/۸، رشیدیه)

"وعن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه=

قبرستان میں کھیتی کرتے وقت ہڈیاں نکلیں تو کیا کیا جائے؟

سوال[۷۵۰۷]: نمبر ۵ کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے(☆) کہ:

''اگر قبریں اس قدر پرانی ہوں کہ میت بالکل گل چکی ہوگی تو اس زمین میں ہل چلانا اور کاشت کرنا سب کچھ درست ہے:"و لو بلی المیت و صار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ، و زرعهُ والبناءُ علیه". بحر(۱)۔

آپ کا ارشاد ختم ہوا،مگر یہاں یہ واقع ہے کہ ہل چلانے میں ہڈیاں نکلتی ہیں۔تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے،قبر میں اگر ہڈی سر وغیرہ کی نکلے تو کیا حکم ہے،کیا دوسری میت دفن کردے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسی حالت میں اس زمین میں ہل چلانا اور کاشت کرنا جائز نہیں (۲)،البتہ اگر مملوکہ زمین میں بلا مالک کی اجازت کے کوئی میت کو دفن کردے تو مالک کو یہ اختیار رہتا ہے کہ اپنی زمین سے میت کو قبر کھود کر نکال دے، یا اس کو زمین سے ہموار کردے اور کھیتی وغیرہ جو دل چاہے کرے اور چاہے اس قبر کو باقی رہنے دے:

"ولا یخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمی، کأن تکون الأرض مغصوبةً، أو أخذت بشفعة. و یخیر المالك بین إخراجه و مساواته بالأرض: أی لیزرع فوقه مثلاً؛ لأن حقه

= وسلم : "ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفسٍ منه". (مشکوة المصابیح، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(☆)اصل قدیم نسخہ میں نمبر: ۵،اس سوال سے قبل نہیں،راجع،فتاویٰ محمودیہ:۷/ ۲۴۷نسخہ قدیمہ،لیکن شاید اس سے مراد ماقبل کا سوال ہو جس کا عنوان ہے:''قبرستان میں کھیتی کرنا''جو کہ اصل نسخہ کے مطابق:۷/ ۲۳۶،کا ہے۔

(۱) (البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۴۲، رشیدیه)

(۲) "لا یحفر قبر لدفن آخر إلا إن بلی الأول، فلم یبق له عظم". (فتح القدیر، باب الجنائز، فصل فی الدفن: ۲/ ۱۴۱، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"وخصوصاً إن کان فیها میت لم یبل، وما یفعل جهلة الحفارین من نبش القبور التی لم تبل أربابها، وإدخال أجانب علیهم، فهو من المنکر الظاهر". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲/ ۲۳۳، سعید)

فـي بـاطـنـها وظاهرها، فإن شاء ترك حقه في باطنها، وإن شاه استوفىٰ، فتح". درمختار وشامی: ۹۳۸/۱ (۱)۔

اگر پہلے سے علم ہے کہ اس جگہ قبر کھودنے سے ہڈیاں نکلیں گی تو وہاں نہ کھدوائے، اگر پہلے سے علم نہ ہو اور قبر کھودتے وقت ایک دو ہڈی نکل آوے تو اس کو وہیں ایک طرف کو رکھ دیا جائے اور مٹی اس کے درمیان اور میت کے درمیان حائل کردی جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

قبرستان کے چاروں طرف دیوار بنانا

سوال [۷۵۰۸]: قبرستان کے چاروں طرف دیوار بنانا کیسا ہے؟ اگر بنالیا گیا تو مسرفین اور مبذرین میں داخل ہوگا یا نہیں؟ بنانے والا بدعتی ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، سعید)

"إذا دفن الميت في أرض غيربغير إذن مالكها، فالمالك بالخيار: إن شاء أمر بإخراج الميت، وإن شاء سوّى الأرض، و زرع فيها، كذا في التجنيس". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادی والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱۶۷/۱، رشيديه)

"ولا ينبش بعد إهالة التراب .... إلا لعذر .... والعذر أن الأرض مغصوبة، أو يأخذها شفيع .... فإن أحب صاحب الأرض أن يسوى القبر، ويزرع فوقه، كان له ذلك، فإن حقه في باطنها و ظاهرها، فإن شاء ترك حقه في باطنها، وإن شاء استوفاه". (فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن: ۱۴۱/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، الخ: ۴۷۲/۲، رشيديه)

(۲) "إلا أن لا يوجد، فيضم عظام الأول، و يجعل بينهما حاجزاً من تراب". (فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن: ۱۴۱/۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر جانوروں سے حفاظت مقصود ہو، یا یہ اندیشہ ہو کہ بغیر احاطہ کے اس کی زمین دوسروں کے قبضہ میں چلی جاوے گی تو اس کی چاردیواری بنالینا درست بلکہ بہتر ہے، یہ اسراف اور تبذیر نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

قبرستان کی چہار دیواری سینما کی آمدنی سے بنانا

سوال[۷۵۰۹]: یہاں پر قدیم قبرستان ہے جس کی چہاردیواری نہیں کی گئی، اب اس کی صورت یہی ہے کہ کسی طرح اس کی چہاردیواری کرائی جائے۔ چندہ کی تحریک کی جاچکی ہے، مگر مسلمانوں کی بدحالی کی وجہ سے چندہ اکٹھا نہیں ہورہا ہے اورخرچ کا تخمینہ بہت زیادہ ہے۔ ایسی صورت میں اگر دوچار شوسینما کے کرا کر اس کی آمدنی سے چہاردیوار کرادی جائے تو شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر کوئی دوسری صورت ہو تو اس سے بھی آگاہ کرنے کی زحمت فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اس مقصد کے لئے سینما کرانے اوراس سے رقم حاصل کرنے کی اجازت نہیں، معصیت ہے(۲)۔ اگر

---

(۱) "أرض لأهل قرية جعلوها مقبرةً وأقبروا فيها، ثم إن واحداً من أهل القرية بنى فيها بناءً لوضع اللبن وآلات القبر، وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلک، قالوا: إن كان في المقبرة سعةٌ بحيث لايحتاج إلى ذلک المكان، فلا بأس. وبعد مابنى لو احتاجوا إلى ذلک المكان، رفع البناء حتى يقبر فيه، كذا في فتاویٰ قاضي خان". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر الخ: ۲/۴۶۷، ۴۶۸، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۳، رشيديه)

(۲) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلک مالاً خبيثاً، ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمةٌ لا "باس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

قبرستان کے چہار طرف دوکانیں تعمیر کر کے ان کو کرایہ پر اٹھادیا جائے، اور کرایہ سے قبرستان کے مصارف پورے کئے جائیں تو اس کی گنجائش ہے جب کہ ان تعمیرات سے قبرستان میں تنگی واقع نہ ہو(۱)۔ تعمیر کے لئے رقوم قرض میں لی جائیں، ایسے آدمی آج کل بسہولت مل جائیں گے جو پیشگی رقم دیدیں، اور دوکان اس کو دیدی جائے اور پیشگی دی ہوئی رقم کرایہ میں محسوب ہوتی رہے۔ ایک کمیٹی بنالی جائے اور سب کام باہمی مشورہ واتفاق سے کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۶ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۶ھ۔

قبرستان میں پڑے پتھروں کو اس کے کمپاؤنڈ بنانے میں خرچ کرنا

سوال[۷۵۱۰]: ہمارے گاؤں کا قبرستان صدیوں پرانا ہے، کہیں کہیں پتھروں اور اینٹوں کا خاصہ انبار لگا ہوا ہے، لیکن قبرستان کا کوئی محافظ کمپاؤنڈ نہیں اور قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے، اس لئے کمپاؤنڈ بنانے کا ارادہ ہے۔ کیا مذکورہ اینٹ، پتھروں کو اس کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

---

(۱) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، و تكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً يؤاجرها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۲/۴۱۴ رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۶۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۶/۲۵۴، رشيديه)

"أرض لأهل قرية جعلوها مقبرةً، وأقبروا فيها، ثم إن واحداً من أهل القرية بنى فيها بيتاً لوضع اللبن وأداة القبر، وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية، أو رضي بذلك بعضهم، قالوا: إن كان في المقبرة سعةٌ بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان، لا بأس به. وبعد ما بني لو احتاجوا إلى ذلك المكان، رفع البناء حتى يقبر فيه". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۱۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۶۷، ۴۶۸ رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

پرانے قبرستان میں اینٹوں کا انبار ہے جن کا مالک کوئی نہیں (۱)، اس کا احاطہ حفاظت کے لئے بنانا ہے تو ان اینٹوں کو اس چہار دیواری بنانے میں خرچ کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۴/۱۲/۲۵ھ۔

عیدگاہ اور قبرستان بستی کی کس جانب میں ہو؟

سوال [۷۵۱۱]: کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ عیدگاہ ہمیشہ آبادی کے مغرب میں ہونی چاہیئے اور قبرستان آبادی کے مشرق میں ہونا چاہیئے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

آبادی سے جانب مغرب عیدگاہ ہونا ضروری نہیں، جس جانب بھی موقع ہو بنالی جائے، ان دونوں چیزوں کی یہ پابندی بے اصل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۲۵ھ۔

مخصوص قبرستان میں بلا اجازت دفن کرنا

سوال [۷۵۱۲]: ایک زمین قبرستان کے نام سے ایک خاندان کے لئے نامزد ہے، زمین مذکورہ میں خاندان موصوفہ کی میتیں مدفون ہوں، عوام الناس کو عام طریقہ پر اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت نہیں ہے، اور نہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص غیر متعلق اپنا مردہ بلا اجازتِ اشخاص خاندان موصوفہ قبرستانِ مذکورہ میں دفن

---

(۱) اینٹ یا پتھر اکثر لوگ قبروں پر رکھنے کے لئے لاتے ہیں، بعض اوقات ضرورت سے زائد ہوتے ہیں وہ بغیر استعمال کے رہ جاتے ہیں، لہٰذا ایسے مواقع میں ان کا استعمال درست ہے: "وقد اعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظاً للقبور عن الاندراس والنبش، ولا بأس به". (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، فصل: فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قديمی)

(۲) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "واليوم اعتادوا التسنيم باللبن صيانةً للقبر عن النبش، ورأوا ذلک حسناً، وقال صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "ما رآه المسلمون حسناً، فهو عند الله حسنٌ".

(ردالمحتار، مطلب فی وقف الميت: ۲/۲۳۷، سعيد)

کردے تو یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اگر اجازت حاصل کرنی چاہیئے تو جملہ خاندان کے اشخاص کی ضرورت ہے، یا صرف ایک دو شخصوں کی کافی ہے؟ اگر صرف دو چار اشخاص نے اجازت دیدی اور دیگر انکار کردیں تو اس اجازت پر عوض جائز ہے یا ناجائز ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین شرعی طریق پر وقف ہے تو واقف کی شرائط کے موافق عمل کرنا چاہیئے، اگر واقف کی طرف سے اجازت ہے تو دفن کرنا درست ہے، اگر غیر متعلق اشخاص کے دفن کرنے کی ممانعت ہے تو دفن کرنا ناجائز ہے:

"شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً، وله أن يخص صنفاً من الفقراء ولو كان في كلهم قربة، اهـ". ردالمحتار (۱)۔

اگر وقف نامہ موجود نہیں، نہ شرائطِ واقف کا علم ہے اور عمل پہلے سے یہ ہے کہ غیر متعلق اشخاص کو اس میں دفن کرنے سے روکا جاتا ہے تو اس میں دفن نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر وہ وقف نہیں، بلکہ مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے دفن کرنا چاہیئے، بلا اجازتِ مالک کے دفن کرنا ناجائز ہے (۲)۔ جو جو اس کے مالک ہیں، مشترک اور مقسوم ہونے کی وجہ سے سب کی اجازت ضروری ہے، اگر تمام نے کسی ایک دو کو اس میں تصرفات اور اجازت وممانعتِ دفن کے لئے اپنا وکیل بنادیا ہے تو اس ایک دو کی اجازت کافی ہے (۳)، بلا اجازت دفن کی صورت میں مالک کو اختیار ہوگا کہ میت کو قبر سے باہر نکال دے، یا قبر کو برابر کردے:

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۴/۳۴۳، سعيد)

(۲) "فإن أحب صاحب الأرض أن يسوى القبر ويزرع فوقه، كان له ذلك، فإن حقه في باطنها وظاهرها، فإن شاء ترك حقه في باطنها، وإن شاء استوفاه". (فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن: ۲/۱۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"ولو بلي الميت و صار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعهُ والبناءُ عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، سعيد)

(۳) "ولو قال: أنت وكيلي في كل شئ جائز أمرك، يصير وكيلاً في جميع التصرفات المالية كبيع وشراء و هبة و صدقة". (ردالمحتار، كتاب الوكالة: ۵/۵۱۰، سعيد)

"إذا دفن الميت في أرض غيره بغير إذن مالكها، فالمالك بالخيار: إن شاء أمر بإخراج الميت، وإن شاء سوّى الأرض وزرع فيها، كذا في التجنيس". فتاوى عالمگیری(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/شعبان/۵۴ھ۔

قبرستان کی مینڈھ باندھنے کے لئے وہاں کی مٹی لینا

سوال[۷۵۱۳]: قبرستان کی مینڈھ باندھنا چاہتے ہیں، مگر مینڈھ میں بعض جگہ مٹی قبر پر سے اٹھانی پڑتی ہے، اگر مینڈھ(۲) چاروں طرف کی نہ باندھی گئی تو مویشی پیشاب پاخانہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے قبرستان کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اس حال میں مینڈھ باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرور مینڈھ باندھ کر حفاظت کردیں (۳) لیکن مٹی قبروں کے آس پاس سے یا کسی دوسری جگہ سے لے لیں، قبروں کی مٹی نہ اتاریں، ایسا نہ ہو کہ قبریں کھل جائیں۔ ہاں! اگر قبروں پر مقدار شرع سے زائد مٹی ہو تو اس کو اتار سکتے ہیں (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۱۷/۸۸ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن: ۲/۱۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) ''مینڈھ: بغیر''ھا'' کے بمعنی: حد، کنارہ۔ مینڈ بندی بمعنی حد بندی، حد باندھنا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۳۳، فیروز سنز، لاهور)

(۳) "و قد اعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظاً للقبور عن الاندراس والنبش، ولا بأس به". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في حملها و دفنها، ص: ۶۱۱ قديمي)

(۴) "ولا يخرج منه بعد إهالة التراب، اهـ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائزة، مطلب =

قبر کی مٹی تبرکاً لیجانا

سوال[۷۵۱۴]: اگر کوئی شخص بزرگوں کی قبر پر سے مٹی اٹھا کر کے تبرکاً اپنے پاس رکھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر شقِ ثانی ہوتو ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اگر شقِ اول ہے تو قرآن وحدیث سے ثبوت ہونا چاہئیے۔ اور اگر کوئی بزرگوں کے مزار سے مٹی لے بھی آوے تو اس کو کیسی جگہ پر ڈالنا چاہئیے، عام راستہ میں پھینک دینا درست ہے یا نہیں، ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

شبیر علی، متعلم مدرسہ ہذا، ۷/صفر/۵۴ھ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

قبرستان وقف سے مٹی اٹھا کرلانا ناجائز ہے، لأنہ وقف(۱) اور اپنے مملوک قبرستان سے مٹی اٹھا کر لانا جائز ہے "لأنہ ملکہ"۔ البتہ تبرکاً کسی بزرگ کی قبر سے مٹی لانا اور اپنے پاس رکھنا امرِ مُحدَث ہے۔ میت جب تک خاک بن جائے تو قبر کی جگہ بشرطیکہ مملوک ہو کھیتی کرنا درست ہے(۲)، اس سے معلوم ہوا کہ قبر کی مٹی کا

= فی دفن المیت: ۲/۲۳۸، سعید)

وقال العلامة الکاسانی رحمه الله تعالیٰ: ومقدار التسنیم أن یکون مرتفعاً من الأرض قدر شبر أو أکثر قلیلاً". (بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فی سنة الدفن: ۲/۳۵۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۱) "وعندهما: هو حبسها علی حکم ملک الله تعالیٰ، وصرف منفعتها علی من أحب و لو غنیاً، فیلزم". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: فیلزم) تفریعٌ علی ما أفاده التعریف من خروج العین عن ملک الواقف، لثبوت التلازم بین اللزوم والخروج عن ملکه باتفاق أئمتنا الثلاثة". (رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۳۸، ۳۳۹، سعید)

"فإذا تم ولزم، لا یملک ولا یملّک ولا یعار ولا یرهن". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

(۲) "و لو بلی المیت و صار تراباً، جاز دفن غیره فی قبره، وزرعُه والبناءُ علیه". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

کوئی خاص احترام شریعت نے نہیں بتایا، بلکہ میت کا احترام بتایا ہے، لہذا اس مٹی کو عام راستہ میں پھینکنا بھی درست ہے۔ اگر عالم کسی قبر کی مٹی تبرکاً لا کر اپنے پاس رکھے گا تو جاہل قبر کو سجدہ کرنے سے دریغ نہ کرے گا، لہذا اجتناب چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/۵۴ھ۔

قبرستان کی مٹی کا حکم

سوال[۷۵۱۵]: قبرستان کی مٹی یا قبرستان کی جگہ پاک ہے یا نجاستِ غلیظہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی نجاست نہیں ہے تو محض قبروں کے اندر میت ہونے کی وجہ سے اوپر کی مٹی کو نجس نہیں کہا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۹ھ۔

قبرستان میں نماز عید

سوال[۷۵۱۶]: یہاں ایک وقف کردہ قبرستان ہے، قبرستان کے چاروں طرف چہار دیواری ہے، شہر کی بیشتر میت اسی قبرستان میں دفن کئے جاتے ہیں، قبرستان کے اندر کچھ زمین ابھی خالی ہے، اس خالی زمین کے پیچھے جو زمین ہے اسی میں میت دفن کئے جاتے ہیں، جب ضرورت ہوگی سامنے کی اس خالی زمین میں بھی میت دفن کی جائے گی۔ فی الحال شہر کو عیدین کی نماز ادا کرنے کے لئے ایک عیدگاہ کی ضرورت ہے، کچھ لوگوں کا ارادہ ہے کہ قبرستان کے باہر ایک غیر مذہب آدمی کی زمین قبرستان کے متصل ہے اُسے خرید کر عیدگاہ بنایا جائے، اکثر لوگ اسی کو پسند کر رہے ہیں، لیکن دو چار لوگ کہتے ہیں کہ ابھی عیدگاہ خریدنے کی ضرورت نہیں، بعد میں

---

(۱) "أی فإن التراب طاهر ولایحل أكله". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه: ۱/۲۰۹، سعید)

خریدیں گے، ابھی عید کی نماز قبرستان کے اندر جو زمین خالی ہے اس میں پڑھیں گے۔

لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر وقف شدہ قبرستان کی اسی خالی زمین (جس کے سامنے قبر وغیرہ نہیں ہے) میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدی جائے تو قبرستان کی وہ زمین ایک دن عیدگاہ بن جائے گی اور قبرستان کے قبضہ سے زمین نکل جائے گی اور جب ضرورت ہوگی تو اس میں مردے دفن نہیں کرسکیں گے اور ایک عیدگاہ خریدنے کی جو بات مکمل ہوگئی ہے وہ ختم ہوجائے گی۔

اب اہل شہر آپ کے جواب کے منتظر ہیں کہ جو جواب آپ عنایت کردیں گے اس پر عمل کیا جائے گا، اگر قبرستان کی زمین میں نماز پڑھنے کی ذرا بھی اجازت مل گئی تو شہر میں ہنگامہ کھڑا ہوجائے گا۔ امید ہے کہ اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جواب دیں گے۔

نقشۂ قبرستان ملاحظہ فرمائیں:
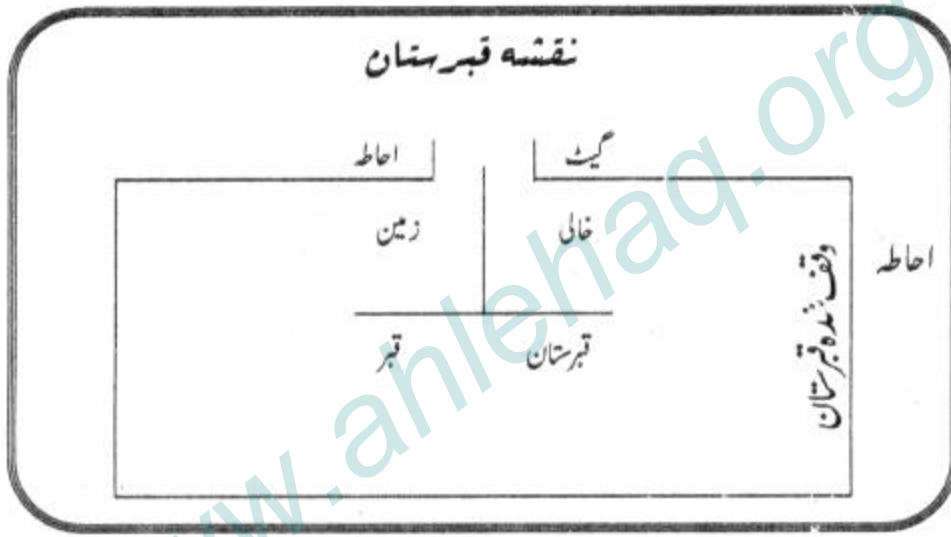
الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ اس قبرستان میں مردے دفن ہوتے ہیں اور وہاں قبریں نئی پرانی ہر قسم کی موجود ہیں تو وہاں نمازِ عید ادا نہ کی جائے (۱)، بلکہ اس کے قریب جو جگہ موجود ہے اور اس کو خرید کر عیدگاہ بنانے کی تجویز ہے تو اسی کو خرید

---

(۱) "سئل الأوزجندی عن المقبرة فی القری إذا اندرست، ولم یبق فیها أثر الموتی، لا العظم ولا غیره: هل یجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حکم المقبرة، کذا فی المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۱/ ۴۷۰، ۴۷۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی المقابر: ۳/ ۳۱۴، رشیدیه)

کر عیدگاہ بنالیں، اس میں خلفشار وانتشار نہ کریں۔ واقف جس نیک مقصد کے لئے جو جگہ وقف کرے اس مقصد کو ختم نہ کیا جائے اور دوسرے مقصد کے لئے وہ جگہ متعین نہ کی جائے، حتی الوسع شرعاً منشائے واقف کی رعایت لازم ہے: "لأن شرط الواقف کنص الشارع" (۱)۔ قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت حدیث وفقہ سے ثابت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/ ۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/ ۹۱ھ۔

جو قبریں راستہ میں ہوں ان کو وہاں سے ہٹانا

سوال [۷۵۱۷]: یہاں کارپوریشن کے ذمہ دار حضرات کا کہنا ہے کہ راستے میں جتنے مزارات آتے ہیں اس کو ہم کرین سے اٹھا کر دوسری جگہ دفن کردیں گے، پورے احترام کے ساتھ۔ تو کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ بعض علماء مزارات توڑنا یا ہٹانا اپنے نزدیک مداخلت فی الدین سمجھتے ہیں، جب کہ پونا کارپوریشن کے ذمہ داروں کا خیال ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی باعزت سمجھوتہ ہوجائے تو بہتر ہے۔ لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ فوراً جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ قبریں اگر وقف زمین میں ہیں تو اس زمین کو منشائے واقف کے خلاف دوسرے کام میں استعمال کرنا

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"شرط الواقف کنص الشارع: أی فی المفهوم والدلالة". (تنقیح الفتاوی الحامدیة، شرط الواقف کنص الشارع: ۱/۱۲۶، مکتبه میمنیه مسر)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، الفن الثانی، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "عن أبی مرثد الغنوی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لا تجلسوا علی القبور، ولا تصلوا إلیها". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز: ۱/۲۰۳، سعید)

"بقی فی المکروهات أشیاء أخر .... منها .... والصلاة فی مظان النجاسة کمقبرة و حمام". (ردالمحتار، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها، مطلب فی بیان السنة والمستحب، الخ: ۱/۶۵۴، سعید)

درست نہیں:"لأن شرط الواقف كنص الشارع، الخ"(۱)۔ اگر مملوک زمین میں ہیں اور اتنی پرانی ہیں کہ اب صرف قبور کے نشانات موجود ہیں، لیکن میت مٹی بن چکی ہے تو اب قبور کا حکم بدل چکا ہے، مالک کو اختیار ہے کہ اس زمین کو کاشت، تعمیر وغیرہ جس کام میں چاہے استعمال کرے، چاہے فروخت کر دے(۲)۔ لیکن اگر وہاں کسی بزرگ کا مزار ہے جس کی وجہ سے اس جگہ کاشت یا راستہ بنانے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کا لحاظ ضروری ہے، وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ دفن کرنا مفاسد سے خالی نہیں، اس لئے اس کی اجازت نہیں (۳)۔

"جاز زرعه (أي: القبر) والبناء عليه إذا بَلِيَ و صار تراباً، اهـ". درمختار(٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه، لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى فى وجوب العمل به، و فى المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، الفن الثانى، الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچى)

(و كذا فى تنقيح الفتاوى الحامدية، شرط الواقف كنص الشارع: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "وذكر أصحابنا إذا خرب ودثر، لم يبق حوله جماعة، والمقبرة إذا عفت ودثرت، تعود ملكاً لأربابها، فإذا عادت ملكاً، يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً، وموضع المقبرة مسجداً وغير ذلك". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، باب: هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

"إن صاحب الأرض مخير: إن شاء أخرجه منها، وإن شاء ساواه مع الأرض، وانتفع بها زراعةً أو غيرها". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشيديه)

(۳) "لاينبغى إخراج الميت من القبر إلا إذا كانت الأرض مغصوبةً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن: ۱/۱۶۷، رشيديه)

"وبعد مادفن لايسع إخراجه بعد مدة طويلة أو قصيرة إلا بعذر". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب فى غسل الميت ومايتعلق به: ۱/۱۹۵، رشيديه)

(۴) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز: ۲/۲۳۸، سعيد) .... =

قبرستان میں جوتا پہن کر چلنا

سوال[۷۵۱۸]: قبرستان میں جوتہ پہن کر جانا کیسا ہے، اگر قبریں بہت کثیر تعداد میں ہوں تو ادھر سے گزر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبروں پر راستہ بنانا منع ہے(۱) خواہ جوتا پہن کر ہو یا برہنہ پاؤں۔ اور قبروں سے بچ کر جوتا پہنے ہوئے بھی چلنا درست ہے: "والمشی فی المقابر بنعلین لا یکرہ عندنا، کذا فی السراج الوهاج". فتاوی عالمگیری(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= "ولو بلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ، وزرعُه والبناءُ علیه". (تبیین الحقائق، کتاب الصلوۃ، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن: ۱/۱۶۷، رشیدیه)

(۱) "وکرہ أبو حنیفة رحمه الله تعالیٰ أن یوطأ علی قبر، أو یجلس علیه، أو ینام علیه". (بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل فی سنة الدفن: ۲/۶۵، رشیدیه)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، فصل فی الجنائز، ص: ۵۹۹، سهیل اکیڈمی لاهور)

"و یکرہ أن یوطأ علی القبر، یعنی بالرجل أو یقعد علیه، أو یقضی علیه حاجته". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاۃ، الجنائز، القبر والدفن: ۲/۱۷۱، إدارۃ القرآن کراچی)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیه)

"ولا یکرہ المشی فی المقابر بالنعلین عندنا". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوۃ، فصل فی زیارۃ القبور، ص: ۶۲۰ قدیمی)

"ولو وجد طریقاً فی المقبرۃ، و هو یظن أنه طریق أحدثوا، لا یمشی فی ذلک، وإن لم یقع ذلک فی ضمیرہ، لا بأس بأن یمشی فیه". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوۃ، بیان أن النقل من بلد إلی بلد مکروہ، الخ: ۱/۱۹۵، رشیدیه) .... =

قبرستان میں برہنہ پا ہونا

سوال[۷۵۱۹]: بعض ممالک کا رواج ہے کہ قبرستان پر سے گزرتے ہوئے برہنہ پا ہوجانا چاہیے، چونکہ پاپوش کے ساتھ گزرنے کے اندر مردہ کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ مع حوالہ وصفحہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

قبر کے اوپر چلنا بے حرمتی ہے، خواہ جوتہ پہن کر ہو یا برہنہ پا۔ اور تمام قبرستان میں جوتہ پہن کر چلنا بے حرمتی نہیں ہے: "کرہ وطئها بالأقدام، اهـ". مراقی الفلاح، ص: ٣٦٤(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/محرم/ ۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۹/محرم/ ۵۹ھ۔

قبرستان میں راستہ بنانا

سوال[۷۵۲۰]: قبرستان کے درخت وغیرہ صاف کرکے بیچ میں راستہ بنانا کیسا ہے؟ اور راستہ میں مرد وعورت سب چلتے ہیں۔ مع حوالہ تحریر کیجئے۔

= (وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، القبر والدفن: ۱۷۱/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فی زيارة القبور، ص: ۶۲۳ قديمی)

"قال فی الفتح: و يكره الجلوس على القبر و وطؤه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۴۵/۲، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱۶۶/۱، رشيديه)

(و كذا فی الحلبی الكبير، فصل فی الجنائز، ص: ۵۹۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

"ويكره أن يوطأ على القبر، يعنی بالرجل، أو يقعد عليه، أو يقضی عليه حاجته". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، القبر والدفن: ۱۷۱/۲، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان وقف ہوتو وہاں کو راستہ، سڑک بنانا درست نہیں (۱)، درختوں کو کاٹ کر جتنی جگہ کو راستہ بنایا جاوے گا، اس میں مردے دفن نہیں کئے جا سکیں گے، یہ منشائے واقف کے خلاف ہے: "شرط الواقف کنص الشارع". شامی (۲)۔ ہاں! اگر مردے لے جانے کے لئے راستہ نہیں تو راستہ بنایا جاوے تاکہ وہاں کو مردے لے جا سکیں، تو اس میں مضائقہ نہیں ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

قبرستان میں بیڑی پینا

سوال [۷۵۲۱]: ۱..... قبرستان میں بیڑی پینا کیسا ہے؟

قبرستان میں آگ جلا کر کھانا پکانا

سوال [۷۵۲۲]: ۲..... قبرستان میں آگ جلا کر کھانا پکانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... وہ عبرت کی جگہ ہے، بیڑی وغیرہ سے احتراز چاہیئے (۴)۔

۲..... قبرستان کو مطبخ نہ بنانا چاہیئے، بلکہ وہاں جا کر قرآن پاک پڑھ کر ایصال ثواب کریں اور میت کے لئے

---

(۱) "ولو وجد طریقاً فی المقبرة و هو یظن أنه طریق أحدثوا، لا یمشی فی ذلک، وإن لم یقع ذلک فی ضمیره، لا بأس بأن یمشی فیه". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، بیان أن النقل من بلد إلی بلد مکروه، الخ: ۱/۱۹۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة ،الجنائز، القبر والدفن: ۲/۱۷۱، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم: شرط الواقف کنص الشارع: ۴/۴۳۳، سعید)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، الفن الثانی، الفوائد، کتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الوقف، مطلب: شرط الواقف کنص الشارع: ۱/۱۲۲، مکتبه میمنیه)

(۳) "وفی شرح المشکاة: والوطء لحاجة کدفن المیت لایکره. وفی السراج: فإن لم یکن له طریق إلا علی القبر، جاز له المشی علیه للضرورة". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۰، قدیمی)

(۴) "عن سلیمان بن بریدة عن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم:=

اور اپنے لئے دعاء کریں اور سوچیں: ہمیں بھی قبر میں جانا ہے، اس کے لئے تیاری کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۱۱/۸۹ھ۔

قبرستان میں کبڈی وغیرہ کھیلنا

سوال [۷۵۲۳]: عام قبرستان جس کی کچی قبریں برابر ہوگئی ہوں، ان میں کبڈی، گیند، کرکٹ وغیرہ کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہو اس میں یہ سب کام منع ہیں، چاہے قبریں ظاہر ہوں یا برابر ہوگئی ہوں: "لأن شرط الواقف کنص الشارع" (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۴/۱۴۰۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "قد کنت نهیتکم عن زیارة القبور، فقد أذن لمحمد فی زیادة قبر أمه، فزوروها، فإنها تذکّر الآخرة".
(جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی الرخصة فی زیارة القبور: ۱/۲۰۳، سعید)

(۱) "وإذا أراد زیارة القبور، یستحب له أن یصلی فی بیته رکعتین، یقرأ فی کل رکعة الفاتحة، وآیة الکرسی مرةً واحدةً، والإخلاص ثلاث مرات، و یجعل ثوابها للمیت، یبعث الله تعالیٰ إلی المیت فی قبره نوراً، ویکتب للمصلی ثواباً کثیراً، ثم لا یشتغل بما لا یعنیه فی الطریق، فإذا بلغ المقبرة .... یقول: السلام علیکم یا أهل القبور! یغفر الله لنا ولکم، أنتم لنا سلف، ونحن بالإثر، کذا فی الغرائب". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السادس عشر فی زیارة القبور و قرأة القرآن فی المقابر: ۵/۳۵۰، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، نوع فی المسجد: ۶/۳۵۸، رشیدیه)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم: شرط الواقف کنص الشارع: ۴/۴۳۳، سعید)

"إن شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف کنص الشارع: أی فی وجوب العمل به، و فی المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، الفن الثانی، الفوائد، کتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الوقف، شرط الواقف کنص الشارع: ۱/۱۲۶، مکتبه میمنیه مصر)

باب مایتعلق بالمدارس

الفصل الأول فی تولیة المدارس ونظمها

(مدارس کے نظم ونسق اور اہتمام کا بیان)

مدرسہ کا مہتمم مجلس شوریٰ کے مشوروں کا پابند ہے یا نہیں؟

سوال[۷۵۲۴]: ہمارے یہاں کئی سال ہوئے چند اہلِ خیر حضرات نے مسلم بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے مدرسہ قائم کرنے کا مشورہ کیا، اس پر متفق ہوکر کام شروع کردیا گیا۔ زمین حاصل کی گئی، چندہ جمع کیا گیا، نقشہ میونسپلٹی سے منظور کراکے تعمیر شروع کردی گئی، اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی، مدرسہ بن گیا۔ اس کی ضروریات (دارالاقامہ، مطبخ وغیرہ بھی) فی الجملہ تیار ہوگئیں۔ یہ سب کام مجلسِ انتظامیہ کے تحت ہوا۔ اور یہ طے پایا کہ مدرسہ کے لئے اساتذہ اور دیگر ملازمین کا تقرر وعزل ونصب اور ان کی تنخواہوں کا اور عہدوں کا تعین وغیرہ تمام چیزیں مجلسِ انتظامیہ کیا کرے گی۔ مجلسِ انتظامیہ میں اکثر اہلِ علم ہیں، بعض غیر عالم تعمیر وغیرہ کی دیکھ بھال کے لئے ہیں، مگر سب اہلِ فہم واہلِ تدین ہیں۔ اساتذہ وملازمین کا تقرر ہوگیا، طلبہ داخل ہوئے اور تعلیم شروع ہوگئی۔

مدرسہ سے متعلق ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی، مسجد کے لئے ایک امام صاحب کو رکھا گیا، ایک صاحب کو مدرسہ کا مہتمم تجویز کیا گیا، مہتمم صاحب کو تمام حسابات آمد وخرچ درست رکھنے کا ذمہ دار بنایا گیا۔ مجلسِ انتظامیہ گاہے گاہے (عامۃً تین ماہ گذرنے پر) حسابات کی جانچ کرتی رہی، اور مدرسہ کے لئے جائیداد خرید کر اور وقف کی ترغیب دے کر آمدنی کی صورتیں بڑھاتی رہی۔ مہتمم صاحب کی کوتاہیوں پر حسنِ ادب کے ساتھ توجہ دلاتی رہی، مگر مہتمم صاحب نے کوتاہیوں کی اصلاح نہیں فرمائی جس سے نظام متاثر ہوا۔ بار بار توجہ دلانے پر مہتمم صاحب نے اپنا رخ بدلا اور فرمایا کہ میں مختارِ کل ہوں، آپ لوگوں کی حیثیت تو صرف مشیر کی ہے، میرا دل چاہے

کسی بات میں مشورہ کروں، نہ دل چاہے تو مشورہ نہ کروں اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ میں آپ کے مشورہ پر عمل کروں۔ اب بحث یہ شروع ہوگئی کہ صاحبِ اختیار مہتمم صاحب ہیں کہ جس کو چاہیں ملازم رکھیں، جس کو چاہیں الگ کردیں، یا مجلسِ انتظامیہ جس کو مشیر یا مجلسِ شوریٰ بھی کہا جاتا ہے۔

ادھر مسجد کے امام صاحب نے بھی فرمایا کہ امام پر نکتہ چینی کرنے کا کسی کو حق نہیں، نماز پڑھانے والا صرف ایک شخص ہوتا ہے جو کہ مصلے پر کھڑا ہوتا ہے، وہی امام ہے، بقیہ سب لوگ ارکانِ شوریٰ وغیرہ مقتدی ہیں، سب امام کی حرکت وسکون کے تابع ہیں، کسی کو اختلاف کرنے کا حق نہیں ہے، اگر امام نماز میں غلطی بھی کرتا ہے تو اس میں بھی امام کا اتباع لازم ہے، اگر امام میں کوتاہی ہو تو اس کو بھی برداشت کرنا ضروری ہے۔

مہتمم صاحب اور امام صاحب نے مل کر ایک مقالہ تیار کیا جس میں اپنا اپنا اقتدارِ اعلیٰ ثابت کیا ہے اور سب کو اپنا کلیۃً ماتحت اور تابع قرار دیا، مقالہ طویل ہے، اس میں غیر دینی سیکولر عہدہ داروں کا تذکرہ بطورِ مثال ودلیل کیا ہے، مثلاً: کلکٹر ایک ہوتا ہے اور تمام حکّامِ ضلع اس کے ماتحت اور تابع ہوتے ہیں، گورنر ایک ہوتا ہے، کمشنر ایک ہوتا ہے، وزیرِ اعظم ایک ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان مثالوں کو بطورِ دلیل بیان کیا ہے، ان کے متعلق تو ہمیں کچھ نہیں پوچھنا، کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ مثالیں شرعی مسائل کی بنیادیں نہیں، نہ حکومت نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہماری حکومت شرعی حکومت ہے، بلکہ وہ تو بار بار اعلان کرچکی ہے کہ یہ لادینی حکومت ہے۔ جو شخص لادینی نظام پر دینی نظام کو قیاس کرنا چاہے ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ لغویت کیا ہوگی، اس کے جواب کی تو ضرورت نہیں، کیونکہ کوئی سمجھدار آدمی اس مغالطہ میں نہیں آئے گا۔ البتہ مقالہ کے بعض مندرجہ امور سے شبہ ہوتا ہے، ان کے متعلق دریافت کرنا ہے:

۱...... گھر کا امیر باپ ہوتا ہے، اولاد سب تابع ہوتی ہے، اولاد کو یہ کہنے کا حق نہیں ہوتا کہ ہم کماتے ہیں، آپ ہمارے نوکر کی حیثیت سے رہیئے، گھر کی خدمت انجام دیجئیے اور جو کچھ ہم اس کے معاوضہ میں دیں، لے کر کھالیا کیجئیے۔

۲...... حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہم امور میں حسبِ ارشادِ باری تعالیٰ، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کیا، پھر جو کچھ شرحِ صدر ہوا، اس پر عمل کیا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے اور ان کی کثرتِ رائے کے پابند نہیں ہوئے۔

۳......اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے مشورہ کیا، آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے سلسلہ میں مگر ملائکہ کی رائے کے خلاف عمل کیا، اس سے معلوم ہوا کہ امیرِ مجلسِ شوریٰ کا پابند نہیں۔

۴......کیا امیر کی اطاعت ہر کام میں لازم ہے، جب کہ وہ معصیت نہ ہو؟

۵......کیا امیر کی کسی غلطی پر توجہ دلانا شرعاً حرام اور بغاوت ہے؟

۶......کیا امیر پر اعتراض کرنے والا اور اس کی رائے سے اختلاف کرنے والا واجب القتل یا مستحقِ قتل ہے؟ اسلاف میں اس کے کچھ نظائر ہوں تو پیش فرمادیں۔

۷......مہتمم صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ: مہتمم کی حیثیت سلطانِ وقت کی ہے کہ اس کو پورے اختیارات حاصل ہیں، البتہ اس کے پاس فوج، پولیس، خزانہ نہیں ہے اس لئے وہ شرعی سزائیں نہیں دے سکتا، اس حد تک وہ سلطان معذور ہے۔

۸......کیا امامِ نماز.............بھی ایسا ہی صاحبِ اقتدار ہے کہ مقتدی اس کی تمام غلطیوں میں اتباع کرنے پر مجبور ہیں۔

۹......اگر مقتدی امام صاحب کی غلطیوں کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے ناخوش ہوں تو ایسی حالت میں امام صاحب کا جبراً نماز پڑھانا اور کہنا کہ ''مجھے کوئی الگ نہیں کرسکتا'' کہاں تک درست ہے؟

۱۰......کیا کثرتِ رائے کسی حالت میں بھی معتبر نہیں اور کیا یہ غیر دینی طریقہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے گناہ ہوگا؟

۱۱......امام صاحب، مہتمم صاحب، ملازم صاحب کو کسی حالت میں برطرف بھی کیا جاسکتا ہے، یا وہ ہر حالت میں اپنے عہدوں پر تاحیات برقرار و تنخواہ دار رہیں گے؟

نــــوٹ: سوالات طویل ہوگئے ہیں، مگر امید ہے ہماری مجبوری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مفصل، مدلل جوابات تحریر فرمائیں گے۔ ان اطراف میں مہتمم صاحب کے اس مقالہ سے بہت خلفشار ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

الجواب واللّٰہ الهادی إلی الصواب:

نحمده ونصلي على رسوله الكريم:

محترمی! وعلیکم السلام ورحمة اللّٰه وبرکاته!

۱...... باپ سے متعلق یہ خیال اورقول صحیح ہے کہ باپ کا درجہ بلند ہے، متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کاحکم فرماتے ہوئے والدین کے ساتھ احسان کا بھی حکم فرمایا ہے:

﴿وَ قَضٰی رَبُّکَ أن لَّاتَعْبُدُوْا إلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾(۱)۔ نیز حدیث شریف میں ہے:

"أنت ومالك لوالدك، اھ". مشکوۃ شریف، ص: ۲۹۱(۲)۔

اورفقہاء نے لکھا ہے کہ اگرایک شخص نے ایک دوکان شروع کی، پھراس کا بیٹا بھی اس میں کام کرنے لگا جس سے ترقی ہوئی، پھر باپ بوڑھا ہوگیا، کام کے قابل نہیں رہا تو بیٹا یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں دوکان کا مالک ہوں، یا اس میں شریک وحصہ دار ہوں، کیونکہ میری محنت سے ترقی ہوئی ہے، بلکہ وہ دوکان باپ کی ملکیت ہوگی اور بیٹا معاون شمار ہوگا(۳)۔ نیز یہ بھی فقہاء نے بیان کیا ہے کہ بیٹے کے لئے جائز نہیں کہ باپ سے ملازم کی طرح خدمت لے کہ یہ احترامِ والد کے خلاف ہے(۴)۔

لیکن اس سے مسئلۂ مہتمم پراستدلال کرنا غلط اورمغالطہ ہے، کیونکہ باپ تو اصل ہوتا ہے اوراولا داس

---

(۱) (سورة الإسرآء: ۲۳)

(۲) والحديث بتمامه: "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً أتىٰ إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: إنّ لي مالاً وإنّ والدي يحتاج إلى مالي، قال: "أنت ومالك لوالدك، إن أولادكم من أطيب كسبكم، كلوا من كسب أولادكم". رواه أبوداؤد وابن ماجة". (مشكوة المصابيح، باب النفقات وحق المملوك، ص: ۲۹۱، قديمي)

(۳) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "الأب وابنه يكتسبان في صنعةٍ واحدة، ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله، لكونه معيناً له، ألا ترى لو غرس شجرةً تكون للأب".

(ردالمحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة: ۳۲۵/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الرابع شركة الوجوه والأعمال: ۳۲۹/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الشركة، ص: ۵۱، مكتبه حقانيه پشاور)

(۴) "ولا يجوز استيجار الرجل أباه ليخدمه؛ لأنه مأمور بتعظيم أبيه، وفي الاستخدام استخفاف به، فكان حراماً". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ۵/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

کے ذریعہ وجود میں آتی ہے، وہ اولاد کی پرورش کرتا ہے، تعلیم دیتا اور تربیت کرتا ہے۔ مدرسہ میں شوریٰ کا وجود ومنصب پہلے ہے، اس نے اہتمام کا منصب تجویز کیا اور مہتمم صاحب کو لاکر بٹھایا اور ان کے لئے تنخواہ تجویز کی، پس مہتمم مدرسہ اور شوریٰ کا حال باپ اور اولاد کے حال سے بالکل برعکس ہے۔

۲......حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رسول اور مؤید بالوحی ہونے کے باوجود حکمِ خداوندی: ﴿وشاورهم في الأمر﴾(۱) کے تحت اہم امور میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ بھی فرمایا اور ﴿فإذا عزمت فتوكل على الله﴾(۲) کے تحت شرحِ صدر پر عمل بھی فرمایا۔

اور بعض مواقع میں جو اپنی رائے عالی کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دل جوئی کے پیشِ نظر ترک بھی فرمایا، غزوۂ احد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے مدینہ طیبہ سے باہر جاکر جنگ کرنے کی نہیں تھی، مگر شہادت کے شوقین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے کو اختیار فرمایا(۳)۔ غزوۂ خندق کے موقع پر آپ کی رائے مصالحت کی تھی، مگر انصار کے دو قبیلوں کے سرداروں کی رائے نہیں ہوئی، آپ نے ان کی رائے کو قبول فرمالیا(۴)۔

---

(۱) (سورة آل عمران: ۱۵۹)

(۲) (سورة آل عمران: ۱۵۹)

(۳) "وكان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكره الخروج، فقال رجال من المسلمين، ممن أكرم الله بالشهادة يوم أحد وغيره، ممن كان فاته بدر: يارسول الله! أخرج بنا إلى أعدائنا، لايرون أنا جبنّاعنهم وضعفنا؟ .... فلم يزل الناس برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الذين كان من أمرهم حب لقاء القوم، حتى دخل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيته، فلبس لأمته، وذلك يوم الجمعة حين فرغ من الصلوة .... ثم خرج عليهم". (السيرة النبوية لابن هشام، غزوة أحد، مشاورة الرسول القوم في الخروج أو البقاء: ۶۷/۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البداية والنهاية، غزوة أحد في شوال سنة ثلاث: ۱۲/۴، ۱۳، دارالفكر بيروت)

(وكذا في تاريخ الطبري، غزوة أحد: ۱۸۹/۲، مؤسسة الأعلمي بيروت لبنان)

(وكذا في سيرة ابن هشام: ۶۸/۳)

(وكذا في البداية والنهاية: ۱۳/۴، بيروت)

(۴) "فأراد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يصالح غطفان على أن يعطيهم ثلث الثمرة، ويخذلوا =

"مــن قــال: لا إلــه إلا الله" کے لئے جنت کی خوشخبری سنانے کے واسطے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نعلین شریفین دے کر بھیجا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے نہیں ہوئی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی رائے عالی کو ترک فرمادیا(۱)۔ یہ سب واقعات کتبِ احادیث صحاح میں صاف صاف مذکور ہے۔

= بيـن الناس وينصرفوا عنه، فأبت ذلک الأنصارُ، فترک ماكان أراد من ذلک". (الطبقات الكبرى لابـن سعد، غـزوة رسـول الله صـلـى الله تـعـالـىٰ عـليـه وسـلم الخندق وهي غزوة الأحزاب: ۲/ ۶۹، دارصادر، بيروت)

(وكذا في السيرة النبوية لابن هشام، غزوة الخندق، همّ الرسول بعقد الصلح بينه وبين غطفان ثم عدل: ۳/ ۲۲۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في تاريخ الطبري، ذكر الخبر عن غزوة الخندق: ۲/ ۲۳۸، ۲۳۹، مؤسسة الأعلمي بيروت لبنان)

(وكذا في البداية والنهاية لابن كثير: ۴/ ۱۲۰، مكتبة الرياض الحديثية ودارالفكر بيرت)

(۱) "عـن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا قعوداً حول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، معنا أبـوبـكـر وعـمـر فـي نفرٍ، فقام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من بين أظهرنا .... قال: فأتيت فاحتفرت كما يحتفر الثعلب وهؤلاء الناس ورآني فقال: "يا أباهريرة!" –وأعطاني نعليه– قال: "اذهب بـنـعـلـيَّ هـاتين، فمن لقيتَ من وراء هذا الحائط يشهد أن لا إله إلا الله مستيقناً بها قلبُه، فبشّرُه بالجنة". فـكان أول مَن لقيتُ عمرُ، فقال: ماهاتان النعلان ياأباهريرة!؟ قلتُ: هاتين نعلاَ رسولِ الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بَعَثَني بهما: مَن لقيتُ يشهد أن لاإله إلا لله مستيقناً بها قلبُه، بشّرتُه بالجنة. قال: فضرب عمر بيـده بيـن ثدييَّ ضربةً، فخررت لإستي، فقال: ارجع يا أباهريرة!. فرجعتُ إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عـليـه وسـلـم، فـاجهشـت بكاءً، وركبني عمر، فإذا هو على أثري، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسـلـم: "مالک يا أبـاهريرة"؟ قـلـتُ: لـقيـتُ عـمـر، فأخبرتُه بالذي بَعَثْتَني به، فضرب بين ثَدييَّ ضربةً خـررت لإستـي، قـال: ارجـع. قـال رسـول الله صـلـى الله تـعـالـىٰ عليه وسلم: "ياعمر! ماحملک على مـافـعـلـت"؟ قـال: يـارسول الله! بأبي أنت وأمي! أبَعثتَ أباهريرة بنعليک مَن لقي يشهد أن لا إله إلا الله مستيـقـنـاً بها قلبه، بشّره بالجنة؟ قال: "نعم". قال: فلا تفعل، فإني أخشى أن يتكل الناس عليها، فخلِّهم يـعـمـلـون. قـال رسـول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فخلّهم". الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً: ۱/ ۴۶، قديمي) .... =

ظاہر یہ ہے کہ ان مواقع پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے پر شرحِ صدر اور عزم ہوگیا۔ نبی کا مقام اتنا بلند ہے کہ وہاں غلط چیز پر شرحِ صدر نہیں ہوسکتا، کیونکہ وحی الٰہی عاصم ومحافظ ہے۔

لیکن مجلسِ شوریٰ اور مہتمم کو اس پر قیاس کرنا غلط در غلط ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو رفیع مقامات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم وتزکیہ اور فیضِ صحبت کی بدولت حاصل ہوئے: ﴿یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة﴾(۱)۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منصبِ رسالت نہیں دیا، بلکہ ﴿الله أعلم حيث يجعل رسالته﴾(۲)۔ پھر مہتمم کے منصبِ اہتمام کو جو کہ شوریٰ کا دیا ہوا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منصبِ رسالت پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے۔ أستغفر الله العظيم۔

۳...... ''جماعتِ ملائکہ'' کے لئے ''مجلسِ شوریٰ'' کا لقب بڑا عجیب لقب ہے اور آیت قرآنی: ﴿وإذ قال ربك للملئكة إني جاعل في الأرض خليفةً﴾(۳) کا مطلب ''مشورہ طلب کرنا'' عجیب در عجیب ہے، نہ یہاں شوریٰ ہے، نہ مشورہ ہے، لہٰذا یہ نتیجہ نکالنا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ملائکہ کی شوریٰ کا پابند نہیں اسی طرح مہتمم بھی مدرسہ کی شوریٰ کا پابند نہیں، بالکل بے محل ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ بھیجنے کے لئے ملائکہ سے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا کہ جس طرح دیگر کائنات سے متعلقہ خدمات ملائکہ کے سپرد ہیں، اسی طرح خلیفہ سے متعلقہ خدمات بھی ان کے سپرد کی جائیں گی، ملائکہ کو تخلیقِ آدم -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کی حکمت کا علم نہیں تھا، اس لئے انہوں نے اپنے منصب سے بڑھ کر بات کی جس پر ان کو جواب دیا گیا: ﴿قال إني أعلم مالا تعلمون﴾(٤)، پھر انہوں نے

=(وكذا في إزالة الخفاء، الفصل الثالث في جنس آخر من مقامات اليقين: ۱۶۵/۲، ۱۶۶، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) (سورة ال عمران: ۱۶۴)

(۲) (سورة الأنعام: ۱۲۴)

(۳) (سورة البقرة: ۳۰)

(۴) (سورة البقرة: ۳۰)

اعترافِ قصور کیا(۱)۔

حق تعالیٰ خالق ہیں، ملائکہ مخلوق ہیں، خالق کو مخلوق سے مشورہ لینے کا کیا محل ہے؟ اللہ پاک کا علم ذاتی ہے(۲)، ملائکہ کا علم حصولی (اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا) ہے، پھر وہاں مشورہ کی کیا گنجائش ہے۔ ملائکہ کو ملائکہ اللہ تعالیٰ نے بنایا، اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ ملائکہ نے نہیں بنایا، کیا مدرسہ کے مہتمم اور شوریٰ کا بھی یہی حال ہے۔ نعوذ باللہ من شرور أنفسنا۔

۴......امرِ امیر (سلطان) کی اطاعت واجب ہے، جب کہ موافقِ شرع ہو، معصیت نہ ہو:

"أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع، وإلا فلا". أشباه من القاعدة الخامسة، وفوائدشتی (۳)۔

"فلو أمر قضاته بتحليف الشهود، وجب على العلماء أن ينصحوه ويقولوا له: لا تكلّفْ قضاتك إلى أمر يلزم منه سخطك أو سخط الخالق، اهـ". درمختار۔ "وفی "ط" عن الحموی:

---

(۱) اسی لئے ملائکہ نے کہا: ﴿سبحنک لاعلم لنا إلّا ما علّمتنا إنک أنت العليم الحكيم﴾ (سورة البقرة: ۳۲)

(۲) "والعلم: أی عن الصفات الذاتية وهی، صفة أزلية ....اهـ". (شرح الملا علی القاری علی الفقه الأكبر، ص: ۱۶، حقانیه پشاور)

"والعلم فإنه تعالیٰ عالم بجميع الموجودات ويعلم الجهر ومايخفی بعلمه الذی هو صفة أزلية". (شرح الإمام الماتريدی علی الفقه الأكبر، ص: ۱۰۸، ۱۰۹، مجلس دائرة المعارف النظامية، حيدرآباد دكن)

"العلم وهی صفة أزلية". (شرح العقائد النسفية للتفتازانی، ص: ۴۱، میرمحمد کتب خانه کراچی)

"لم يزل عالماً بعلمه: أی دائماً عالماً بعلمه القديم الأزلی والأبدی .... والعلم صفة فی الأزل: أی العلم الذی هو صفةٌ له تعالیٰ ثابت فی الأزل كذاته تعالیٰ". (أحسن الفوائد شرح الفقه الأكبر، ص: ۵۵، مكتبة شمس العلوم ژوب بلوچستان)

(۳) (الأشباه والنظائر، النوع الثانی، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام علی الرعية منوط بالمصلحة، تنبيه: (رقم القاعدة: ۸۴۰): ۱/۳۳۱، ۳۳۲، إدارة القرآن كراچی)

إن صاحب البحر ذكرناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام فى غير معصيته واجبةٌ، فلو أمر بصوم يوم وجب، اھ". شامی: ٤/٣٤٤(١)۔

لیکن اگراکثر کے نزدیک امام کی رائے میں ضرر ہوتو اکثر کی رائے کا اتباع کیا جائے گا:

"قال فى الملتقى: وينبغي للإمام أن يعرض الجيش عنددخول دارالحرب ليعلم الفارس من الراجل. قال فى شرحه: وأن يكتب أسماء هم لأن يؤمّر عليهم مَن كان بصيراً بأمور دارالحرب وتدبيرها ولو من الموالى، وعليهم طاعته؛ لأن مخالفة الأمير حرام، إلا إذا اتفق الأكثر أنه ضررٌ، فيتبع، اھ". شامی: ٣/٢٣٤(٢)۔

۵...... **نہ بغاوت ہے، نہ حرام ہے، بلکہ ضرر سے بچانے کے لئے خواہ ضرر دنیوی ہو یا اُخروی، امیر کو نصیحت کرنا علماء کے ذمہ واجب ہے، جیسا کہ نمبر:۴ میں گزرا ہے:**"وجب على العلماء أن ينصحوه،اھ"(٣)۔

٦، ٧...... "عن حذيفة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قلت: يارسول الله! أيكون بعد هذا الخير شرٌ كما كان قبله شرٌّ؟ قال: "نعم". قلت: فما العصمة؟ قال: "السيف". قلت: وهل بعد السيف بقية؟ قال: "نعم، تكون إمارة على أقذاء وهدنة على دخن". قلت: ثم ماذا؟ قال:" ثم ينشأ دعاة الضلال، فإن كان لله فى الأرض خليفةٌ، جلد ظهرك وأخذ مالك فأطعه، وإلا فمُتْ

---

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب القضاء: ۴۲۲/۵، سعيد)

"إذا كان فعل الإمام مبنياً على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة، لم ينفُذ أمره شرعاً، إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ينفذ". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۳۷۳/۱، إدارة القرآن كراچی)

"لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصيةٍ فرضٌ". (البحرالرائق، كتاب السير، باب البغاة: ۲۳۶/۵، رشيديه)

(٢) (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المغنم وقسمته، فصل فى كيفية القسمة: ۱۴۵/۴، ۱۴۶، سعيد)

(وكذ فى مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب الغنائم وقسمتها: ۴۳۲/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(٣) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب القضاء: ۴۲۲/۵، سعيد)

وأنت عاضّ علی جذل شجرة". الحدیث(۱)۔

اس کی شرح مرقاۃ:۵/۱۴۳، میں ہے(۲)۔

ایک ہی شخص کوایک ہی وقت دفعِ شر کے لئے سیف (قتال) کاحکم دیااوردوسرے وقت میں جسمانی و مالی اذیت وظلم کوبرداشت کرتے ہوئے اطاعتِ امیر (خلیفہ) کاحکم دیا، نیز"کلمة حقٍ عند سلطان جائر" کو"أفضل الجهاد"قراردیا، کذا فی شرح الجامع الصغیر، ص:۸۱ (۳)۔

چند واقعات واقول امراء (خلفاء) کےنقل کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ امیر کی رائے سے اختلاف اوراس پراعتراض کی ان کے یہاں کیاسزااورکیاقدرتھی:

۱-سب سے اول اورسب سے افضل خلیفہ حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جب وہ خلیفہ

---

(۱) (مشکوة المصابیح، کتاب الفتن، الفصل الثانی، ص: ۴۶۳، قدیمی)

(۲) "وفیه: "قلت: ثم ماذا؟" قال: "ثم ینتج المهر، فلا یرکب حتی تقوم الساعة". وفی روایةٍ: "هدنة علی دخن وجماعة علی أقذاء". قلت: یارسول الله! الهدنة علی الدخن ماهی؟ قال: "لاترجع قلوب أقوام" وفیه: قال: "نعم، تکون إمارة علی أقذاء" .... وفی النهایة: الأقذاء جمع قذی، وهی: مایقع فی العین والماء والشراب من تراب أو تبن أو وسخ أو غیر ذلک، وأراد أن اجتماعهم یکون علی فساد قلوبکم، فشبّهه بقذی العین. قال القاضی رحمه الله: أی إمارة مشوبة بشیء من البدع وارتکاب المناهی "وهدنة علی دخن": أی مع خداع ونفاق وخیانة. وفی الفائق: هدن: أی سکن ضربه مثلاً، لما بینهم من الفساد الباطن تحت الصلاح الظاهر، ویمکن اجتماع الناس علی من جعل أمیراً بکراهیة نفس لابطیب قلب .... اهـ". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح: ۹/۲۷۲، ۲۷۳، کتاب الفتن، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۵۳۹۶)، رشیدیه)

(۳) "عن أبی سعید رضی الله تعالیٰ عنه......... أفضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر". وقال العلامة شمس الدین رحمه الله تعالیٰ تحت هذا الحدیث: "لأن مجاهد العدو متردد بین رجاء وخوف، وصاحب السلطان إذا أمره بمعروف تعرض للتلف، فهو أفضل من جهة غلبة خوفه، ولأن ظلم السلطان یسری إلی جم غفیر، فإذا کفه فقد أوصل النفع إلی خلق کثیر بخلاف قتل کافر". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۳/۱۱۶۷، (رقم الحدیث: ۱۲۴۲)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز، الریاض)

(ومسند الإمام أحمد: ۶/۳۳۳، (رقم الحدیث: ۲۱۶۵۴)، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

ہوئے تو خطبہ دیا اور فرمایا:

"ثم تكلم أبوبكر، فحمدالله وأثنىٰ عليه، ثم قال: أما بعد! أيها الناس! فإنى قد وُلّيتُ عليكم ولستُ بخيركم، فإن أحسنتُ فأعينونى، وإن أسأت فقوِّمونى، اهـ". تاريخ الخلفاء، ص: ٥٨(١)۔

"فإذا رأيتمونى استقمتُ فاتبعونى، وإذا رأيتمونى زغت فقوّ مونى، اهـ". تاريخ الخلفاء، ص: ٦٠(٢)۔

یعنی: "اگر میں سیدھا سیدھا چلوں تو میری اتباع کرو اور میری اعانت کرو، اگر میں ٹیڑھا پن اختیار کروں تو اس میں میری اتباع مت کرو، بلکہ مجھے ہی سیدھا کردو"۔

اسی ارشاد سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے نتیجہ نکالا:

"قال مالك: لايكون أحدٌ إماماً أبداً إلا على هذا الشرط، اهـ". تاريخ الخلفاء، ص: ٦٠(٣)۔

"کوئی شخص کبھی بھی امام نہیں بن سکتا، مگر اسی شرط کے ساتھ" (جو خلیفہ اول نے بیان فرمائی)۔

۲- خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"لا تزيدوا فى مهور النساء على أربعين أوقية، فمن زاد ألقيت الزيادة فى بيت المال. فقالت امرأة: ما ذاك لك. قال: ولِمَ؟ قالت: لأن الله يقول: ﴿وآتيتم إحداهن قنطاراً﴾ فقال عمر رضى الله تعالىٰ عنه: امرأةٌ أصابت ورجلٌ أخطأ، اهـ". مرقاة المفاتيح: ٣/٤٤٧(٤)۔

---

(١) (تاريخ الخلفاء للسيوطى، ذكر أبى بكر، فصل فى مبايعته، ص: ۵۸، نور محمد كتب خانه كراچى)

(٢) (تاريخ الخلفاء للسيوطى، فصل فى مبايعته، ص: ۶۰، نور محمد كتب خانه كراچى)

(٣) (تاريخ الخلفاء، المصدر السابق)

(۴) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الصداق، الفصل الثانى، (رقم الحديث: ۳۳۰۴): ۳۵۹/۶، ۳۶۰، رشيديه)

ایک عورت نے امیر المؤمنین کی رائے سے اختلاف کیا، اس کی قدر فرمائی، عتاب نہیں فرمایا۔

۳- "عن أبی وائل قال: جلستُ مع شیبة علی الکرسی فی الکعبة، فقال: لقد جلس هذا المجلس عمر، فقال: لقد هممتُ أن لاأدَعَ فیها صفراء ولا بیضاء إلا قسّمته. قلت: إن صاحبیك لم یفعلا. قال: هما المرآنِ أقتدی بهما". بخاری شریف، باب کسوة الکعبة، ص: ۳۱۶(۱)۔

یہاں بھی کوئی عتاب نہیں فرمایا، بلکہ اپنی رائے کو ترک فرمایا۔

۴-- وفیه روی أن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالیٰ عنه کان یعسّ بالمدینة اللیل، فسمع صوت رجل فی بیتٍ یتغنیّ، فتسور علیه فوجد رجلاً عنده امرأةٌ، وخمرٌ، فقال: یا عدوّ اللّٰه! أظننت أن اللّٰه یسترك وأنت علی معصیةٍ؟ فقال: وأنت یا أمیر المؤمنین! فلاتعجل علی أن أكُ عصیت اللّٰه فی واحدة، فأنت عصیته فی ثلاث: قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿ولا تجسسّوا﴾ وقد تجسّستَ، وقال: ﴿ وأتوا البیوت من أبوابها﴾ وقد تسوّرتَ علیّ، وقال اللّٰه تعالیٰ: ﴿لاتدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی أهلها﴾ وقد دخلت بیتی بغیر إذن ولاسلام. فقال عمر: فهل عندکم من خیر إن عفوت عنك؟ قال: نعم یاأمیر المؤمنین لئن عفوت عَنّی لاأعود لمثلها أبداً، فعفا عنه، اهـ". إزالة الخفاء: ۲/۴۳(۲)۔

دیکھئے! یہاں نہ صرف اختلاف کیا، بلکہ کتنی سخت گرفت کی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سزا نہیں دی۔

خلیفہ ہونے کے بعد خطبہ دیا، اسی خطبہ میں فرمایا:

"وروی أنه قال یوماً علی المنبر: یامعاشر المسلمین! ماذا تقولون لو

---

(۱) (صحیح البخاری، کتاب المناسک، باب کسوة الکعبة: ۱/۲۱۷، قدیمی)

(۲) (إزالة الخفاء، مطلب: حکایات گشت حضرت ایشان: ۲/۷۷، ۷۸، سهیل اکیڈمی، لاهور)

مِلتُ برأسی إلی الدنیا کذا —ومیّل رأسه— فقام إلیه رجل فاستلّ سیفه، وقال رجل: کنا نقول بالسیف کذا —وأشار إلی قطعه— فقال: إیای تعنی بقولك؟ قال: نعم، إیاك أعنی بقولی. فنهره عمر ثلاثاً وهو ینهره عمر. فقال عمر: رحمك الله! الحمد لله الذی جعل فی رعیّتی مَن إذا تعوّجتُ قوّمنی". إزالة الخفاء: ٤/٥٦، چهارم مترجم(۱)۔

"قال عمر (رضی الله تعالیٰ عنه) فی مجلسٍ فیه المهاجرون والأنصار: أرأیتم لو ترخصتُ فی بعض الأمور ماذا کنتم فاعلین؟ فسکتنا، فقال ذلك مرّتین أو ثلثاً: لو ترخصتُ لکم فی بعض الأمور ماذا کنتم فاعلین؟ قال بشر بن سعد: لو فعلتَ ذلك لقوّمناك تقویم القدح. فقال عمر (رضی الله تعالیٰ عنه): أنتم إذاً أنتم". إزالة الخفاء: ٤/١٢٢(۲)۔

خلیفہ ہوتے ہی عام اجازت دی کہ میری جو بات قابلِ اعتراض ہو، سرِ دربار مجھے ٹوک دیا جائے۔ آپ کی طرف سے اعلان دیا گیا کہ:

"أحَبّ الناس إلیّ من رفع إلیّ عیوبی" (۳)۔

یعنی "سب سے زیادہ میں اس شخص کو پسند کروں گا جو میرے عیوب پر مجھے اطلاع دے"۔

"اس کے بعد ادنیٰ ادنیٰ لوگوں نے سرِ دربار آپ پر نکتہ چینی شروع کی اگرچہ وہ نکتہ چینی غلط ہوتی تھی، مگر آپ اس پر خوش ہوتے تھے اور بڑی توجہ سے سنتے تھے اور اس کا

---

(۱) (إزالة الخفاء، الفصل الثانی فی جنس من مقامات الیقین أشیر إلیه فی قوله: ﴿أشدّاء علی الکفار﴾: ۲/۱۵۷، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۲) (إزالة الخفاء، الفصل الخامس، قبول قول الناصح وإن شدوا: ۲/۱۷۶، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۳) (إزالة الخفاء، الفصل الخامس، مطلب: قبول قول الناصح: ۲/۱۷۶، سهیل اکیڈمی، لاهور)

جواب دیتے تھے، اھ"۔ سیرت فاروق اعظم، ص:۱۵(۱)۔

آپ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ خطبہ پڑھنے کے لئے تشریف لائے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ٹوکا:

"أتت برودٌ من اليمن إلى عمر بن الخطاب (رضى الله تعالىٰ عنه)، فقسمها بين أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم برداً برداً، ثم صعد المنبر يوم جمعة، فخطب الناس فى حلة منها —والحلة عند العرب ثوبان من جنس واحد، وكان ذلك من أحسن زيّهم— فقال: ألا! اسمعوا، ألآ! اسمعوا، ثم وعظ الناس. فقام سلمان، فقال: والله! مانسمع، والله! مانسمع. قال: وما ذلك؟ قال: إنك أعطيتنا ثوباً ثوباً ورحت فى حلة، فقد تفضّلت علينا بالدنيا. فتبسّم، ثم قال: عجلتَ ياأبا عبدالله، رحمك الله! إني كنتُ غسلت ثوبى الخلق، فاستعرتُ برد عبدالله بن عمر فلبسته مع بردى. فقال سلمان: الآن نسمع". إزالة الخفاء: ١٢١/٤(٢)۔

"قال ابن عون: كان الرجل يقول لمعاوية رضى الله تعالىٰ عنه: والله! لتستقيمنّ بنا يامعاوية! أو لنقوّمنّك. فيقول: بماذا؟ فيقول: بالخشب؟ فيقول: إذاً نستقيم، اه". تاريخ الخلفاء، ص: ١٤٩(٣)۔

دیکھئے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتنا سخت کلمہ کہا، مگر انہوں نے کیا معاملہ کیا۔

یزید کو جب ولی عہد بنانے کا قصہ پیش آیا، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے گفتگو کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نمبر آیا:

---

(۱) (الفاروق سیرت فاروق اعظم: ۳۸۲/۲، دارالإشاعت، کراچی)

(۲) (إزالة الخفاء، الفصل الخامس: التفوق على الإخوان: ۱۷۵/۲، ۱۷۶، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۳) (تاريخ الخلفاء للسيوطى، فصل: معاوية بن أبى سفيان، ص: ۱۴۹، میر محمد کتب خانه، کراچی)

"ثم أرسل إلى ابن الزبير رضى الله تعالىٰ عنه، فقال: يا ابن الزبير! إنما أنت ثعلب روّاغ، كلما خرج من جحرٍ دخل فى آخر، وإنك عمدتَّ إلى هذين الرجلين، فنفخت فى مناخرهما وحملتهما على غير رأيهما. فقال ابن الزبير: إن كنت قد مللت الإمارة فأعتزلها، وهلم ابنك فلنبايعه، أرأيت إذا بايعنا ابنك معك لأيّكما نسمع ونطيع، لا تجتمع البيعة لكما أبداً، اھ". تاريخ الخلفاء، ص: ۱۵۰، ۱۵۵(۱)۔

غور کیجئے اور جاریہ بن قدامہ کا مکالمہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتنا سخت ہے، اس کو بھی دیکھئے:

"إن قوائم السيوف التى لقيناك بها بصفّين فى أيدينا، قال (معاوية رضى الله تعالىٰ عنه): إنك لتهدّدنى؟ قال: إنك لن تملكنا قسرة ولم تفتتحنا عنوةً، ولكن أعطيتنا عهوداً ومواثيق، فإن وفيتَ لنا، وفّينا، وإن ترغب إلى غير ذلك فقد تركنا وراء نا رجالاً مداداً وأذرعاً شداداً وأسنّةً حداداً، فإن بسطتَ إلينا فتراً من غدر، زلفنا إليك بباعٍ من ختر. قال معاوية: لا أكثر الله فى الناس أمثالك، اھ". تاريخ الخلفاء، ص: ۱۵۳(۲)۔

یزید الناقص ابوخالد بن الولید نے جو خطبہ دیا اس میں صاف صاف اعلان کیا:

"فإن أردتم بيعتى على الذى بذلت لكم فأنا لكم، وإن منت فلا بيعة لى عليكم. وإن رأيتم أحداً أقوى منى عليها، فأردتم بيعته، فأنا أول من يبايعه، ويدخل فى طاعته، وأستغفر الله لى ولكم، اھ". تاريخ

(۱) (تاريخ الخلفاء للسيوطى، فصل: معاوية بن أبى سفيان، ص: ۱۵۰ – ۱۵۵، مير محمد كتب خانه، كراچى)

(۲) (تاريخ الخلفاء للسيوطى، معاوية بن أبى سفيان، فصل فى نبذة من أخباره، ص: ۱۵۲، مير محمد كتب خانه، كراچى)

الخلفاء للسیوطی، ص: ۱۹٤(۱)-

دیکھئے! ان اکابر اسلاف کے پاس فوج اور پولیس بھی تھی، بیت المال کا خزانہ بھی تھا، مگر اپنے سے اختلاف کرنے والوں اور اعتراض کرنے والوں کو قتل نہیں کیا، نہ قید کیا، بلکہ غایتِ تحمل سے کام لیا اور تاکیدی اعلانات کئے کہ ہم سے جو کوئی کوتاہی ہو جائے وہ بلاخوف ہمارے سامنے پیش کردو، تاکہ ہم اس کی اصلاح کریں۔ اگر اختلاف کرنے والے کو قتل کرنا واجب ہوتا تو یہ حضرات قدرت کے باوجود ترکِ واجب کا گناہ اپنے سر نہ لیتے۔

۸......امام کا مقام بہت بلند ہے، اس کو حق جل شانہ کی بارگاہ میں اپنا نمائندہ بنا کر نماز ادا کی جاتی ہے(۲) وہ اعلیٰ صفات کے ساتھ متصف ہونا چاہیئے، احکامِ نماز کا وہاں سب سے زیادہ عالم ہو، قرآن کریم تجوید کے ساتھ صحیح پڑھتا ہو، سب سے زیادہ متقی ہو، وغیرہ وغیرہ:

"الأحق بالإمامة تقديماً بل نصباً الأعلم بأحكام الصلوة بشرط اجتنابه الفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقرأة، ثم الأورع: أى الأكثر اتقاءً للشبهات، اهـ". درمختار على هامش ردالمحتار: ۱/۳۷٤(۳)-

---

(۱) (تاريخ الخلفاء، ذكر يزيد الناقص أبو خالد بن الوليد، ص: ۱۹۴، مير محمد كتب خانه، كراچى)

(۲) "فإن الإمام من يؤتم به فى أمور الدين من طريق النبوة، وكذلك سائر الأنبياء أئمة عليهم السلام. لما ألزم الله تعالىٰ الناس من اتباعهم، والائتمام بهم فى أمور دينهم، فالخلفاء أئمة؛ لأنهم رتبوا فى المحل الذى يلزم الناس اتباعهم وقبول قولهم وأحكامهم، والقضاة والفقهاء أئمة أيضاً، ولهذا المعنى الذى يصلى بالناس يسمّى إماماً؛ لأن من دخل فى صلاته، لزمه الاتباع له والائتمام به".

وقال المصنف رحمه الله تعالىٰ بعد أسطر: وإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ماذكرناه، ثم العلماء والقضاة العدول ومن ألزم الله تعالىٰ الاقتداء بهم، ثم الإمامة فى الصلوة ونحوها". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۹۷، ۹۸، قديمى)

(۳) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس فى الإمامة، فصل فى بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۸۳، رشيديه) .... =

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام نے بھول کر غلطی کی تو مقتدی کو اس غلطی میں بھی اتباع لازم ہوتا ہے، تاکہ امام کی مخالفت فعلاً لازم نہ آئے، مثلاً: قنوت، تکبیرات العید، قعدۂ اُولیٰ، سجدۂ سہو، سجدۂ تلاوت، اگر امام ترک کردے تو مقتدی بھی اتباعِ امام میں ترک کردے، امام کی مخالفت نہ کرے:

"تجب متابعة الإمام فی الواجبات فعلاً، وكذا تركاً إن لزم من فعله مخالفة الإمام فی الفعل كتركه القنوت أو تكبيرات العيد أو القعدة الأولى أو سجود السهو والتلاوة، فيتركه المؤتم أيضاً، اه". شامی: ۱/۳۱٦(۱)-

لیکن ہر غلطی کا یہ حکم نہیں، جو امور بدعت ہوں، یا منسوخ ہوں، یا نماز سے ان کا تعلق نہ ہو ان میں امام کا اتباع نہیں کیا جائے گا، مثلاً: ایک سجدہ زائد کرے، یا تکبیراتِ عید میں اقوالِ صحابہ پر زیادتی کرے، یا نمازِ جنازہ میں چار سے زائد تکبیر کہے، یا پانچویں رکعت کے لئے بھول کر کھڑا ہو جائے تو ان صورتوں میں امام کا اتباع نہیں کیا جائے گا:

"وانه ليس له أن يتابعه فی البدعة والمنسوخ ومالا تعلق له بالصلوة، فلا يتابعه لوزاد سجدةً، أو زاد على أقوال الصحابة فی تكبيرات العيدين، أو على أربعٍ فی تكبير الجنازة، أو قام إلى الخامسة ساهياً، اه". شامی: ۱/۳۱٦(۲)-

سنن میں فعلاً امام کا اتباع واجب نہیں، مثلاً: امام تکبیر تحریمہ کے لئے رفع یدین نہ کرے، یا ثناء نہ پڑھے، یا رکوع وسجود کے لئے تکبیر نہ کہے، یا سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الأعلى نہ پڑھے، یا سمع اللّٰہ لمن حمدہ نہ کہے تو ان امور میں امام کا اتباع واجب نہیں:

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "وانه لاتجب المتابعة فی السنن فعلاً وكذا تركاً،

= (وكذا فی بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فی بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/٦٦٩، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: مهمّ فی تحقيق متابعة الإمام: ۱/۴۷۰، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

فلا یتابعه فی ترك رفع الیدین فی التحریمة والثناء وتکبیر الرکوع والسجود والتسبیح فیهما والتسمیع، اه". شامی: ۱/۳۱۶(۱)۔

اگر امام کسی واجبِ قولی کو ترک کردے جس کے کرنے سے واجبِ فعلی میں مخالفت لازم نہ آتی ہو، مثلاً: تشہد، سلام، تکبیر تشریق کو ترک کردے تو اس میں امام کا اتباع نہیں کیا جائے گا:

"وکذا لایتابعه فی ترك الواجب القولی الذی لایلزم من فعله المخالفة فی واجبٍ فعلی کالتشهد والسلام وتکبیر التشریق، اه". شامی: ۱/۳۱۶(۲)۔

ہر فرض میں اتباعِ امام کو کلیتاً فرض کہنا بھی صحیح نہیں:

"وکون المتابعة فرضاً فی الفرض لایصح علی الإطلاق؛ لما صرّحوا به من أن المسبوق لوقام قبل قعود الإمام قدر التشهد فی الصلوة، تصح صلوته إن قرأ ماتجوز به الصلوة بعد قعود الإمام قدر التشهد، وإلا لا، مع أنه لم یتابع فی القعدة الأخیرة، فلو کانت المتابعة فرضاً فی الفرض مطلقاً، لبطلت صلوته، اه". شامی: ۱/۳۱۶(۳)۔

۹......جس شخص کی امامت کو قوم ناپسند کرے اس لئے کہ اس میں خرابی ہے، یا اس سے زائد لائقِ امامت دوسرے آدمی موجود ہیں، پھر وہ شخص جبراً امام بن کر نماز پڑھائے تو اس کے لئے ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس کی نماز مقبول نہیں:

"ولو أمّ قوماً وهم له کارهون، إن الکراهة لفسادٍ فیه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه، کره له ذلك تحریماً، لحدیث أبی داؤد: "لا یقبل اللّٰه صلوة من تقدّم قوماً وهم له کارهون، اه". درمختار: ۱/۳۷۶(٤)۔

---

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار، باب صفة الصلوة، مطلب: مهمّ فی تحقیق متابعة الإمام: ۱/۴۷۰، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: مهمّ فی تحقیق متابعة الإمام: ۱/۴۷۰، سعید)

(۳) (ردالمحتار، المصدر المتقدم: ۱/۴۷۱، سعید)

(۴) (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعید)

(والحدیث رواه أبوداؤد فی سننه فی باب الرجل یؤم القوم وهم له کارهون: ۱/۹۵، إمدادیه ملتان)

قدرِسنت سے قرأت واذکار کوطویل کرنا جوکہ قوم پر بار ہو، مکروہ تحریمی ہے: "ویکرہ تحریماً تطویل الصلوۃ علی القوم زائداً علی قدر السنۃ فی قراءۃ وأذکار، اھ". ۱/۳۷۹(۱)۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عشاء کی نماز میں قرأت طویل کی، ایک مقتدی نے نماز توڑ دی، معاملہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو امام صاحب ہی کو تنبیہ فرمائی:

"فأقبل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی معاذ قال: "یامعاذ! أفتانٌ أنت، اقرأ ﴿والشمس وضحاھا﴾. ﴿والضحی واللیل إذا یغشی﴾. ﴿سبح اسم ربك الأعلی﴾". متفق علیہ، الخ". مشکوۃ شریف، ص: ۷۹(۲)۔

یہاں سے قرأتِ مسنونہ کا اندازہ ہوا۔

ایک شخص نے حاضرِ خدمت ہوکر شکایت کی کہ فلاں شخص صبح کی نماز طویل پڑھاتا ہے جس کی وجہ سے میں شریکِ نماز نہیں ہوتا، یہ شکایت سن کر امام پر بہت شدید عتاب فرمایا:

"عن قیس بن حازم قال: أخبرنی أبو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رجلاً قال: واللہ یارسول اللہ! إنی لأتأخر عن صلوۃ الغداۃ من أجل فلان مما یطیل بنا، فما رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی موعظۃ أشدّ غضباً منہ یومئذٍ، ثم قال: "إن منکم منفرین، فأیکم مَن صلی بالناس، فلیتجوّز، فإن فیھم الضعیف والکبیر وذا الحاجۃ". متفق علیہ".

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الإمامۃ: ۱/۵۶۴، سعید)

(۲) الحدیث بتمامہ: "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان معاذ بن جبل یصلی مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ثم یأتی، فیؤمّ قومہ. فصلی لیلةً مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم العشاء، ثم أتی قومہ، فأمّھم، فافتتح بسورۃ البقرۃ، فانحرف رجلٌ، فسلّم، ثم صلی وحدہ، وانصرف، فقالوا: أنافَقْتَ یا فلان!؟ قال: لا واللہ! ولاٰتینّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلأخبرنّہ، فأتیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: یارسول اللہ! إنا أصحاب نواضح نعمل بالنھار، وإن معاذاً صلی معک العشاء، ثم أتی قومہ فافتتح بسورۃ البقرۃ، فأقبل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی معاذ، فقال: "یامعاذ! أفَتّانٌ أنت؟ اقرأ: ﴿والشمس وضحٰھا﴾ ﴿والضحی واللیل إذا یغشیٰ﴾ ﴿وسبح اسم ربک الأعلیٰ﴾". متفق علیہ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب القراءۃ فی الصلوۃ، ص: ۷۹، قدیمی)

مشکوۃ شریف: ۱/۱۰۱(۱)۔

تمام عالی صفات کے باوجود اگر امام سے نماز میں غلطی ہوجائے خواہ سہواً ہی ہو، اس سے کلیۃً صرفِ نظر نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کو متنبہ کیا جائے گا، اگر قرأت میں غلطی ہوجائے تو نماز کو فساد سے بچانے کے لئے لقمہ دیا جائے گا، غلطیٔ فاحش ہوجانے کی صورت میں اعادہ نماز کا حکم ہوگا۔ اگر صلوۃِ رباعی میں تیسری رکعت پڑھ کر بیٹھنے لگے تو اس کو یاد دلایا جائے گا کہ کھڑا ہوجائے، اگر چوتھی پڑھ کر کھڑا ہونے لگے تو اس کو بٹھایا جائے گا، اگر وہ نہ بیٹھے تو اس کا اتباع نہیں کیا جائے گا(۲)۔

اگر امام سے سہواً کوئی واجب ترک ہوجائے تو سجدۂ سہو سے مکافات کی جائے گی، اگر نماز میں واجب کا ترک ہونا یاد ہی نہ آیا، یا قصداً سجدۂ سہو نہ کیا، یا عمداً واجب کو ترک کیا تو اعادۂ نماز کا حکم ہوگا(۳)۔ غرض اصلاحِ نماز کی کوشش میں امام کے بلند درجات حائل و مانع نہیں۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھول ہوگئی تو مطلع ہونے پر مکافات فرمائی، نیز ارشاد فرمایا:

"إنما أنا بشرٌ مثلكم أنسى كما تنسون، فإذا نسيتُ فذكّروني". متفق عليه".

مشکوۃ، ص: ۸۲(۴)۔

یہ بھی حکم فرمایا کہ: میرے قریب اہلِ عقل وفہم کھڑے ہوا کریں، تا کہ اگر کوئی بات پیش آجائے تو نماز کو فساد سے بچانے میں سہولت رہے:

"لِيَلِيَني منكم أولو الأحلام والنهى، الخ". شامی: ۱/۳۸۴(۵)۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۱۰۱، قديمی)

(۲) "وأنه ليس له أن يتابعه في البدعة والمنسوخ ومالا تعلق له بالصلوة فلا يتابعه لو زاد سجدة..... أو قام إلى الخامسة ساهياً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب مهمّ في تحقيق متابعة الإمام: ۱/۴۷۰، سعيد)

(۳) "(ولها واجبات) لاتفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقاً آثما". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۵۶، سعيد)

(۴) (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب السهو فی الصلوة، ص: ۹۲، قديمی)

(۵) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب فی الكلام على الصف الأول: ۱/۵۷۱، سعيد) =

مسلمانوں میں دینی انحطاط بڑھتا جارہا ہے، امامت کے اوصاف بھی کم ہوتے جارہے ہیں۔ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھنا پڑا: "الجهل في القرّاء غالب، الخ". شامي: ۱/ ۴۰۳(۱)۔

امامت کو بہت سے حضرات نے پیشۂ معاش بنالیا ہے، متولی صاحبان بھی ان سے تاجروں کی طرح معاملہ کرتے ہیں، جو امام کم نرخ کا ملتا ہے اس کو رکھتے ہیں۔مختلف علاقوں میں اماموں کی ذمہ داریاں بھی عجیب عجیب دیکھنے میں آتی ہیں اوران کی آمدنی کے شعبے بھی عجیب عجیب ہیں۔

ایک امام صاحب سے ملاقات کے لئے جانا ہوا، ان کے حجرے میں پانی کے متعدد گھڑے رکھے ہوئے تھے، دریافت کرنے پر بتایا کہ محلّہ کی مستورات جب ایامِ ماہواری سے فارغ ہوتی ہیں تو وہ پانی کا گھڑا امام صاحب کے پاس بھیجتی ہیں، امام صاحب چند مخصوص آیتیں اور سورتیں پڑھ کر اس پر دم کرتے ہیں، اس پانی سے مستورات غسل کرتی ہیں تب پاک ہوتی ہیں، ہر گھڑے پر دم کرنے کا معاوضہ بھی ہوتا ہے۔اگر امام صاحب سفر میں گئے ہوں تو جب تک وہ واپس آکر پانی پر دم نہ کریں تو وہ پانی غسل کے لئے کارآمد نہ ہوگا، وہ مائے طہور نہ بنے گا، امام صاحب کے دم کرنے سے اس میں طہوریّت کی صفت آئے گی۔اس دم کرنے میں امام صاحب کسی کو اپنا نائب بھی نہیں بناتے، اس لئے مستورات کئی کئی روز بلاغسل اور بلانماز رہتی ہیں۔إنا لله وإنا إليه راجعون۔

اہلِ محلّہ کی میت کو غسل دینا، اس کی نماز پڑھانا، اس کو قبر میں رکھنا، پھر سوئم و چہلم وغیرہ یہ سب چیزیں امام صاحب ہی کے متعلق رہتی ہیں، اوران میں ہر کام کا معاوضہ بھی ہوتا ہے۔مرغی، بکری وغیرہ ذبح کی جائے تو وہ بھی امام صاحب ہی ذبح کریں گے اوراس کا معاوضہ لیں گے۔عیدالاضحیٰ میں چرمِ قربانی اور عیدالفطر میں صدقۃ الفطر میں امام صاحب کا حق سمجھا جاتا ہے۔

= "عن أبي مسعود الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يمسح مناكبنا في الصلوة ويقول: "استووا، ولا تختلفوا، فتختلف قلوبكم، لِيَلِيَنِي منكم أولوا الأحلام والنُّهى، ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف، ص: ۹۸، قديمي)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۹۹، سعيد)

فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے:

"وأما الفاسق، فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتمّ لأمردينه، وبأن في تقديمه تعظيمٌ، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً. ولايخفى أنه إذا كان أعلم من غيره، لاتزول العلّة، فإنه لا يؤمَن عليه أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشىٰ في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لِما ذكرنا. قال: ولذا لم تجز الصلوة خلفه أصلاً عند مالك ورواية عن أحمد، اهـ". شامی: ۱/۳۷۶(۱)۔

اگر کوئی غیر متقی، بے عمل، فاسق امام مسلط ہو جس کو الگ کرنے پر قدرت نہ ہو تو مجبوراً اس کے پیچھے نماز ادا کرلی جائے، تاکہ جماعت ترک نہ ہو:

في حديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: "والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم، براً كان أوفاجراً وإن عمل الكبائر، اهـ". مشكوة شريف، ص: ۱۰۰(۲)۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حجاج کے پیچھے ایسی ہی مجبوری میں نماز پڑھی ہے (۳)۔

۱۰..... اگر مجلسِ شوریٰ میں امام اور مہتمم کے انتخاب یا عزل کا مسئلہ پیش ہو اور اس میں اختلافِ رائے ہو تو شرعی دلائل سے ترجیح دی جائے، اگر دلائل مساوی ہوں تو قرعہ اندازی کرلی جائے، یا اہلِ علم کی کثرتِ رائے

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۴، ۸۵، رشيديه)

(۲) والحديث بتمامه: "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجبٌ عليكم مع كل أمير، برّاً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر. والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم، برًّا كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر. والصلوة واجبة على كل مسلم، برًّا كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". رواه أبوداود". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۱۰۰، قديمي)

(۳) "(قوله: ولايجب الخروج عليه)؛ لأن فساد الخروج أكثر من ظلمه وفسقه .... وبقاؤه في إمامته أخف عن الفتن، وقد صبر الصحابة في إمامة بني أمية وزَمَن يزيد والحجاج ولم يخرجوا عليه بالعزل". (تقريرات الرافعي، باب الإمامة: ۱/۶۸، سعيد)

کو ترجیح دی جائے، بے علم اور بے عمل عوام کی کثرت رائے معتبر نہیں:

"فإن استووا یُقرع بین المستویین، أو الخیار إلی القوم، فإن اختلفوا اعتُبِر أکثرهم. وإن قدموا غیر الأولیٰ، أساء وا بلا إثم". درمختار: ۱/۳۷۵(۱)۔

"فإن اختلفوا فالعبرة بما اختاره الأکثر، اه". "قال فی شرح المشکوة: لعله محمولٌ علی الأکثر من العلماء إذا وجدوا، وإلا فلا عبرة لکثرة الجاهلین، قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿ولکن أکثرهم لایعلمون﴾، اه". طحطاوی، ص: ۲۰۳(۲)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے لئے چند حضرات میں سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اکثریت کی رائے کے پیشِ نظر انتخاب کیا جس سے پھر سب ہی نے اتفاق کرلیا (۳)، شروحِ بخاری: فتح الباری (۴)، عمدۃ القاری وغیرہ میں تفصیل مذکور ہے (۵)۔

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۸، ۵۵۹، سعید)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۳، دارالمعرفة، بیروت)

(ومرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، باب الإمامة، (رقم الحدیث: ۱۱۲۳): ۳/۱۹۹، رشیدیه)

(۳) "وأنه دار تلک اللیالی کلها علی الصحابة ومن وافی المدینة من أشراف الناس، لایخلو برجل منهم إلّا أمره بعثمان". (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، باب قصة البیعة، والاتفاق علی عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنه: ۷/۸۶، قدیمی)

"وأیضاً: "قال (عبدالرحمن): ارفع یدک یاعثمان، فبایعه، فبایع له علیٌّ وولج أهل الدار فبایعوه". (فتح الباری، المصدر السابق: ۷/۸۶، قدیمی)

(۴) "عن الزهری أن حمید بن عبدالرحمن أخبره أن المسور بن مخرمة أخبره أن الرهط الذین ولّاهم عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنه- اجتمعوا فتشاوروا. فقال لهم عبدالرحمن: لستُ بالذی أُنَافِسُکم علی هذا الأمر، ولکنکم إن شئتم اخترتُ لکم منکم، فجعلوا ذلک إلی عبدالرحمن، فلما وَلّوا عبدالرحمن أمرهم، فمال الناس علی عبدالرحمن حتی ماأریٰ أحداً من الناس یتبع أولئک الرهط ولایطأ عقبه. ومال الناس إلی عبدالرحمن یشاورونه تلک اللیالی، حتی إذا کانت اللیلة التی أصبحنا منها فبایعنا عثمان. قال المسور: طرقنی عبدالرحمن بعد هجع من اللیل، فضرب الباب حتی استیقظتُ، فقال: أراک نائماً، فواللہ! ماا کتحلتُ هذه الثلاث بکثیر نوم، انطلق فادْعُ الزبیر وسعداً فدعوتُهما له فشاورهما =

نیز سوال نمبر:۴ کے جواب میں امام (سلطان) کی رائے کے خلاف کرنے کی ممانعت کے ذیل میں شامی کی عبارت نقل کی گئی ہے:"إلا إذا اتفق الأكثر أنه ضرر، فيتبع، اه".(۱)۔

کثرتِ رائے کو اگر چہ وہ اہلِ علم اور اہلِ تدیّن کی ہو، بالکل نا قابلِ اعتبار قرار دینا اور یہ کہنا کہ یہ غیر دینی طریقہ ہے، غلط ہے۔ایک مسئلہ میں اگر فقہائے کرام کا اختلاف ہو تو دیگر وجوہِ ترجیح کے علاوہ اس کو بھی بیان کیا گیا ہے:"وعليه الأكثر"۔ علامہ شامی نے ردالمحتار(۲)، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ(۳)، شرح

= ثم دعاني، فقال: ادُعُ لي عليًّا. فدعوتُه، فناجاه حتى ابهارّ الليل، ثم قام عليٌّ من عنده وهو على طمع .... ثم قال: ادُعُ لي عثمان، فدعوتُه، فناجاه حتىٰ فرّق بينهما المؤذن بالصبح. فلما صلى الناس الصبح واجتمع أولئك الرهط عند المنبر، فأرسل إلى مَن كان حاضراً من المهاجرين والأنصار، وأرسل إلى أمراء الأجناد وكانوا وافوا تلك الحجة مع عمر. فلما اجتمعوا تشهَّدَ عبدالرحمن، ثم قال: أما بعد! يا عليُّ! إني قد نظرتُ في أمر الناس فلم أرهم يعدلون بعثمان، فلا تجعلنّ على نفسك سبيلاً. فقال : أبا يعك على سنة الله وسنة رسوله والخليفتين من بعده، فبايعه عبدالرحمن وبايعه الناس المهاجرين والأنصار وأمراءُ الأجناد والمسلمون". (صحيح البخاري، كتاب الأحكام، بابٌ: كيف يبايع الإمام الناس: ۱۰۶۹/۲، ۱۰۷۰، قديمي)

(وراجع للتفصيل فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الأحكام، بابٌ: كيف يبايع الإمام الناس: ۳۳۸/۱۳، قديمي)

(وأيضاً فتح الباري، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، باب قصة البيعة، والاتفاق على عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه : ۷۴/۷، قديمي)

(۵) (راجع عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب قصه البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه: ۲۰۷/۱۶، ۲۱۰، إدارة الطباعة المنيرية، بيروت)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المغنم وقسمته، فصل في كيفية القسمة: ۱۴۵/۴، ۱۴۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب الغنائم وقسمتها: ۴۳۲/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "فإن اختلفوا، يؤخذ بقول الأكثرين، ثم الأكثرين ممّا اعتمد عليه الكبارُ المعروفين منهم".

(ردالمحتار، المقدمة، مطلب في رسم المفتي: ۷۱/۱، سعيد)

(۳) "متى اختلف في المسألة، فالعبرة بما قاله الأكثر". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، المقدمة فوائد =

عقود رسم المفتی (۱) میں اس کی تصریح کی ہے، حدود کے اندر رہتے ہوئے اس پر عمل کرنا گناہ نہیں، اور "للأکثر حکم الکل" تو ایسا مشہور ہے کہ فقہاء نے جگہ جگہ اس سے استدلال کیا ہے۔

۱۱......حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوبہ کوفہ کے گورنر تھے، عشرۂ مبشرہ میں سے تھے، بہت قدیم الاسلام تھے، مستجاب الدعوات تھے، جنہوں نے نماز براہِ راست حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھی تھی، جنہوں نے کسریٰ کو شکست دی، ملکِ فارس کو فتح کیا۔ ان کی شکایت کی گئی، جس میں تھا کہ یہ نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے: "انہ لایحسن یصلی"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان سے نماز کی کیفیت کو دریافت کیا اور سن کر فرمایا کہ میرا بھی یہی خیال ہے کہ تم اس طرح پڑھاتے ہوں گے (یعنی شکایت غلط ہے)۔

پھر آدمی کوفہ بھیج کر تحقیق کی تو سب نے ان کی تعریف کی، مگر ایک شخص نے شکایت کی۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی: یا اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اس کے ساتھ ایسا ایسا ہو، چنانچہ اس کا بہت بُرا حال ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکایت غلط ہونے پر بھی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول فرمادیا اور ان کی جگہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متعین فرمادیا، بخاری شریف، ص: ۱۰۴ میں یہ واقعہ مذکور ہے (۲)۔

= تتعلق بآداب المفتی: ۱/۳، مکتبه میمنية، مصر)

(۱) "وإذا لم يوجد في الحادثة منهم جواب ظاهر وتكلم فيه المشايخ المتأخرون قولاً واحداً، يؤخذ به. فإن اختلفوا، يؤخذ بقول الأكثرين مما اعتمد عليه الكبارُ المعروفين". (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۲۶، ۲۷، دارالإشاعت، کراچی)

(۲) "عن جابر بن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: شكى أهل الكوفة سعداً إلى عمر رضي الله تعالىٰ عنه، فعزله واستعمل عليهم عمّاراً، فشكوا حتى ذكروا أنه لايحسن يصلّي فأرسل إليه، فقال: ياأبا اسحٰق! إنّ هؤلاء يزعمون أنك لاتحسن تصلي. قال: أما أنا والله! فإني كنتُ أصلي بهم صلوة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ماأخرم عنها، أصلي صلوة العشاء فأركد في الأوليين وأخفّ في الأخريين، قال: ذاك الظنّ بك ياأبا إسحٰق! فأرسل معه رجلاً أو رجالاً إلى الكوفة يسأل عنه أهل الكوفة، ولم يَدَعْ مسجداً، إلاسأل عنه، ويثنون عليه معروفاً، حتى دخل مسجداً لبني عبس، فقام رجلٌ منهم يقال له: =

اَور بھی متعدد مقامات پر اپنی عادت کے موافق امام بخاری نے اس کو بیان فرمایا ہے۔

جس نے جو عہدہ دیا تھا اسی نے واپس لے لیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بددعا دی، نہ ان سے ناراض ہوئے، نہ کوئی احتجاج کیا کہ مجھے بلاقصور علیحدہ کر دیا، نہ نظام میں کوئی فرق آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برأت بھی فرمادی کہ ان کا قصور نہیں تھا، بلکہ مصلحۃً وانتظاماً علیحدہ کیا ہے، ازالۃ الخفاء، ص: ۳۲۵، میں یہ صاف صاف مذکور ہے (۱)۔ اس سے معلوم ہوا کہ علیحدہ کرنے کے لئے قصوردار ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ مصلحتاً وانتظاماً بھی علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول فرمایا جس کی تفصیل ازالۃ الخفاء، ص: ۲۳۴ میں ہے (۲)۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہدۂ سپہ سالاری سے علیحدہ ہوکر بھی ناخوشی کا اظہار نہیں کیا، بلکہ یہ فرمادیا کہ میرا مقصود عہدہ نہیں بلکہ خدمتِ اسلام ہے، اب سپاہی ہوکر خدمت کروں گا۔ الجواہر المضیئہ میں متعدد فقہاء وقضاۃ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کو فلاں عہدہ دیا گیا، پھر معزول کیا گیا، پھر عہدہ دیا گیا (۳)۔

= أسامة بن قتادة يكنى أبا سعدة، فقال: أما إذ نشدتنا فإن سعداً كان لايسير بالسرّية، ولا يقسم بالسَّويَّة، ولا يعدل في القضيَّة. قال سعدٌ: أما والله! لأدعُونّ بثلٰث: اللّهمّ إن كان عبدك هذا كاذباً، قام ريآءً وسمعةً فأطِلْ عُمره، وأطل فقره، وعرّضه بالفتن. كان بعدُ إذا سُئل يقول: شيخ كبيرٌ مفتون أصابتني دعوة سعدٍ. قال عبدالملك: فأنا رأيتُه بعدُ قد سقط حاجباهُ على عينيه من الكبر، وانه ليتعرّض للجواري في الطرق يغمظهنّ". (صحيح البخاري، بابٌ: وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلّها في الحضر والسفر: ۱/۱۰۴، قديمي)

(۱) "وہمچنین چون سعد را از عراق معزول فرمود بجہتِ خوفِ اختلاف قوم بروے ہیچ فتنہ برنخاست، ودر آخر عمر تصریح نمود بآنکہ عزلِ سعد نہ بنا بر عجز او بود یا بسبب صدور خیانتے از وے، بل بجہتِ احتیاط از مظانِ اختلاف"۔ (إزالة الخفاء، حكاياتِ سياستِ فاروق اعظم: ۲/۶۶، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "دیگر آنکہ خالد بن ولید شاعرے را بر مدیح خود دہ ہزار درھم صلۃً داد، چو رسمِ فاسد بود، گوارائے طبیعتِ حضرت فاروق نیفتاد، خالد را از حکومت قنسرین معزول ساختہ، ودر مدینہ نشاند، والی آخر العمر اورا الحکومتے نامزد نہ کرد"۔ (إزالة الخفاء، حكايات سياست فاروق اعظم: ۲/۶۵، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) "محمد بن إبراهيم بن داؤد بن حازم الأسدي .... رجع إلى دمشق ودرس بالشبلية سَنَةً، ثم =

جب کہ باہم طے کیا گیا کہ عزل ونصب مجلسِ انتظامیہ کے اختیار میں ہے تو جس طرح مجلسِ انتظامیہ نے امام صاحب، مہتمم صاحب، مدرس صاحب، ملازم صاحب کو عہدہ دیا، ان کے لئے تنخواہ مقرر کی، کام سپرد کیا، اسی طرح مجلسِ انتظامیہ کو عہدہ واپس لینے اور معزول کردینے کا بھی حق ہے، مگر اس میں نفسانیت نہ ہو، للّٰہیت ہو، ان کی خدمات اور وقار کا لحاظ رکھا جائے، تذلیل وتحقیر ہرگز نہ کی جائے۔ امام صاحب ومہتمم صاحب وغیرہ کو خود بھی علیحدہ ہوجانے کا اختیار ہے، وہ بھی مجلسِ انتظامیہ کی تذلیل وتحقیر سے پورا پرہیز کریں۔

اجارہ کا معاملہ طرفین کی رضامندی پر ہوتا ہے، ابتداءً بھی بقاءً بھی (۱)، اگر ماہانہ پر معاملہ ہوا ہے تو جو اس معاملہ کو ختم کرنا چاہے، وہ ایک ماہ قبل اطلاع کردے تاکہ طرفِ ثانی اپنا دوسرا انتظام کرلے۔ معاملۂ ملازمت ختم ہوجانے پر بھی تعلقات میں ناگواری اور کشیدگی نہ ہونے پائے۔

اگر آپ پورا رسالہ ارسال کردیتے تو ممکن ہے معلومات میں اضافہ ہوتا اور جواب کے لئے مزید بصیرت حاصل ہوتی۔

ایقاظ:

جو شخص امارت کی حرص یا طلب کرے، وہ اس کا مستحق نہیں:

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "إنكم ستحرصون علی الإمارة، وستكون ندامةً يوم القيامة، فنعم المرضعة وبئست الفاطمة". الخ"(۲)۔

"عن أبی موسیٰ رضی الله تعالیٰ عنه قال: دخلتُ علی النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أنا ورجلين من قومی، فقال أحد الرجلين: أمّرنا يارسول الله!، وقال الآخر مثله. فقال:

= تولیٰ القضاة بدمشق .... عوضاً عن ابن الحريری سَنةً كاملةً، ثم توجه إلی ديار المصرية وهو معزول". (الجواهر المضيئة: ۲/۲، قديمی)

(۱) "ويشترط فی صحة الإجارة رضی العاقدين". (شرح المجلة لسليم رستم، كتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۴۷) : ۱/۲۵۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) (صحيح البخاری، كتاب الأحكام، باب مايكره من الحرص علی الإمارة : ۲/۱۰۵۸، قديمی)

"إنا لانولّی هذا مَن سأله ولامَن حرص علیه. الخ". بخاری شریف، ص: ۱۰۵۸ (۱)۔

امارت کی حرص وطلب کو ناپسند فرمایا گیا اور اس کا انجام قیام میں خراب بتایا گیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو عہدۂ قضاء پیش کیا گیا، مگر انہوں نے انکار فرمادیا، اس کی سزا میں دس کوڑے روزانہ لگتے تھے اور جیل میں ڈال کر زہر دے کر ان کو ختم کردیا گیا، مگر وہ اپنے استقلال پر قائم رہے، عہدۂ قضاء قبول نہیں کیا (۲)۔ رحمه الله تعالیٰ ورفع درجته آمین ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تنبیہ: مجلسِ منتظمہ (شوریٰ) کی جو کیفیت سوال میں بیان کی گئی ہے، اسی کے متعلق جواب تحریر کیا گیا ہے، اگر کسی مجلسِ منتظمہ (شوریٰ) کی کیفیت اس سے مختلف ہو تو اس کا حکم بھی مختلف ہوسکتا ہے۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور، ۱۸/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۷۵ھ۔

کثرتِ رائے کا فیصلہ شریعت کی نظر میں

سوال [۷۵۲۵]: دینی مدارس میں اہم امور مثلاً: ملازمین کا عزل ونصب، عہدوں کا تقرر، ترقی وتنزل، تعمیرات، آمدنی کے ذرائع، خرید جائیداد وغلہ وغیرہ اور ہنگامی حوادث پر غور وخوض اور ان کی انجام دہی کے لئے مجلسِ شوریٰ کے نام سے چند افراد پر مشتمل ایک کمیٹی ہوتی ہے، اس میں فیصلہ کثرتِ رائے پر ہوتا ہے۔

زید کا کہنا ہے کہ کثرتِ رائے پر فیصلہ کرنا غیر دینی اور مغربی طریق ہے، یہ ہمارے دینی اداروں میں انگریزوں سے آیا ہے، اس کو خارج کرنا لازم ہے، جو شخص مجلس کا صدر ہو فیصلہ اس کی رائے پر ہونا چاہیے، کثرتِ رائے کی قرآن کریم میں بہت جگہ مخالفت کی گئی ہے:

---

(۱) (صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب مایکره من الحرص علی الإمارة: ۱۰۵۸/۲، قدیمی)

(۲) "حَکَّمَ ابنُ هبیرة أبا حنیفة أن یَلِیَ له قضاء الکوفة، فأبیٰ علیه، فضربه مأة سوط وعشرة أسواط، فی کل یوم عشرة أسواطٍ، وهو علی الامتناع .... اهـ". (تاریخ بغداد: ۳۲۶/۱۳، بیروت)

"وروی جماعة أنه رُفع إلیه قدحٌ فیه سمٌ لیشرب، فامتنع، فقال: إنی لأعلم مافیه ولا أعِینُ علی قتل نفسی، فطرح، فصُبّ فی فیه قهراً، فمات". (الخیرات الحسان، ص: ۱۶)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلبٌ: أبو حنیفة دُعی إلی القضاء ثلاث مرات، فأبیٰ: ۳۶۸/۵، سعید)

﴿أكثرهم لايعلمون﴾(١)، ﴿أكثرهم لايعقلون﴾(٢)، ﴿أكثرهم فاسقون﴾(٣) وغیرہ وغیرہ۔ ہر دائرہ اور ہر طبقہ کا یہی حال ہے کہ فاسق ونافرمان اکثر ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں زید نے متعدد آیات پیش کی ہیں۔

دریافت طلب یہ بات ہے کہ زید کا قول کہاں تک صحیح ہے؟ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور ان کے مسلک پر چلنے والے دیگر مدارس کے ذمہ دار حضرات کے یہاں کثرتِ رائے پر فیصلہ ہوتا ہے، اور یہ انگریزوں کا طریقہ ان حضرات نے کیوں اختیار فرمایا؟ شرعی دلائل سے جواب دیا جائے، اکابرِ دیوبند، سہارنپور، تھانہ بھون کی کوئی سند مل جائے تو زیادہ باعثِ اطمینان ہوگی۔

المستفتی: محمد سعید، مدرس ومفتی دارالعلوم آزادول، جنوبی افریقہ، ۱۵/۳/۱۴۱۰ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دینی مدارس کی مجلس شوریٰ میں جو مسائل پیش ہوتے ہیں، ان میں تفصیل ہے:

۱- ایسے مسائل جن میں نص موجود ہو، وہاں عمل کے لئے نص متعین ہے (۴)۔

---

(١) (سورة الأنعام: ٣٧)

(٢) (سورة المائدة: ١٠٣)

(٣) (سورة التوبة: ٨)

(٤) "عن معاذ بن جبل رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما بعثه إلى اليمن قال: "كيف تقضى إذا عرض لک قضاء"؟ قال: أقضى بكتاب الله. قال: "فإن لم تجد فى كتاب الله"؟ قال: فبسنّة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. قال: "فإن لم تجدُ فى سنة رسول الله"؟ قال: أجتهد برأيى ولا اٰلوا. قال: فضرب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على صدره وقال: "الحمدلله الذى وفّق رسول رسول الله لِمَا يرضى به رسول الله". الحديث. (مشكوة المصابيح، باب العمل فى القضاء والخوف منه، الفصل الثانى، ص: ٣٢٤، قديمى)

(وجامع الترمذى، أبواب الأحكام، باب ماجاء فى القاضى كيف يقضى: ١/٢٤٧، سعيد)

(وكذا فى مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء (رقم الحديث: ٣٧٣٧): ٧/٣٠٨، رشيديه)

"لامساغ للاجتهاد فى مورد النص .... ومعنى هذه المادة أنه لايسوغ الاجتهاد بقضيةٍ =

۲-ایسے مسائل جن میں نص موجود نہیں اوران میں دو پہلو ہیں: ۱-جلبِ منفعت،۲-دفعِ مضرت۔ وہاں دفعِ مضرت کی رعایت غالب رہتی ہے(۱)۔

۳-ایسے مسائل جن میں نص موجود نہیں اور دفعِ مضرت کا ضابطہ بھی رہنما و کارفرمانہیں، جیسے: دو شخصوں میں کس کومہتمم بنایا جائے، یا کس کوصدر مدرس تجویز کیا جائے، یا مطبخ کے لئے سامان کس دوکان سے خریدا جائے، یا طلبہ کتنی تعداد میں داخل کئے جائیں، یا امتحان کن تاریخوں میں لیا جائے وغیرہ وغیرہ۔اورارکانِ شوریٰ کی رائے میں اختلاف ہولیکن سب ارکان اس بات پر متفق ہوجائیں کہ معاملہ صدرمحترم کی صوابدیداور شرحِ صدر کے سپرد کردیا جائے تو یہ بھی درست ہے(۲)۔اگرصدرصاحب کا شرحِ صدر نہ ہوتو کثرتِ رائے پر عمل کرلیا جائے، یہ بھی درست ہے۔

۴-جس رائے پرمتفق ہوکرارکانِ شوریٰ اجماع کرلیں اورصدرِمحترم کی رائے ان سب کی متفقہ رائے کے خلاف ہوتو صدرِمحترم اپنی رائے پراصرار نہ کریں۔

زید کا یہ خیال کہ:''کثرتِ رائے پرفیصلہ کرنا کلیۃً مغربیت ہے، غیردینی طریقہ ہے، انگریزوں کی

= شرعيةٍ وَرَدَ عليها النص صراحةً؛ لأن الاجتهاد إنما يكون فيما لانصّ عليه مثلاً: وَرَدَ النص بمنع الظلم ولعب القمار، فلا مساغ للاجتهاد بتجويز هما............ اهـ". (شرح المجلة لسليم رستم، المقالة الثانية فى القواعد الفقهية، (رقم المادة: ١٤) : ١/٢٥، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الظهار، مطلب: مايسوغ فيه الاجتهاد: ٣/٤٦٦، سعيد)

(١) "درء المفاسد أولىٰ من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدةٌ ومصلحةٌ، قدّم دفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشدّ من اعتنائه بالمأمورات". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الخامسة: ١/٢٩٠، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ٣٠)، المقالة الثانية فى بيان القواعد الفقهية: ١/٣٢، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى قواعد الفقه، ص: ٨١، الصدف پبلشرز، كراچى)

(٢) قال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالىٰ: "لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصيةٍ فرضٌ، فكيف بما هو طاعة". (الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ٤/٢٦٤، سعيد)

تقلید و پیروی ہے، کسی حال میں درست نہیں، اس کو دینی اداروں سے خارج کردیا جائے''، صحیح نہیں۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب ولی عہد بنانے کا مسئلہ آیا اور چند حضرات کے نام پیش کئے گئے جن کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ آپ ان کی کمزوریوں سے بھی واقف تھے (ہر شخص میں کچھ صلاحیت ہوتی ہے، کچھ کمزوری بھی ہوتی ہے) تو آپ نے کسی کو متعین نہیں فرمایا، بلکہ مجلسِ شوریٰ بنادی کہ وہ انتخاب کرلے اور اختلاف کی صورت میں کثرتِ رائے پر عمل کرنے کی سخت تاکید فرمادی:

"عن عمرو بن ميمون الأودی قال: قال عمر رضی الله تعالیٰ عنه حين طعن لصهيب: صلِّ بالناس ثلاثاً وليدخل علی عثمان وعليّ وطلحة والزبير وسعد وعبدالرحمن بن عوف، وليدخل ابن عمر فی جانب البيت، وليس له من الأمر شیء، فقم ياصهيب! علی رؤوسهم بالسيف وإن بايع خمسة ونكص واحد، فاجلد رأسه بالسيف، وإن بايع أربعة ونكص رجلان فاجلدوه سهماً حتی يستوثقوا علی رجل، اه". الاعتصام للشاطبی: ۲/۲٦٥ (۱).

"الطريقة الثالثة أن عمر رضی الله تعالیٰ عنه لما ضُرِب وأحس بالموت، خاف أن يترك المسلمين بدون خليفة لئلا يختلفوا، ولم يكن أمام نظره مَن لو استخلفهٔ يكون مطمئنّ النفس من قبله، فلم يشأ أن يتحمل أمر المسلمين حياً وميتاً، فاختار ستةً من كبار الصحابة وممن يری أنه لايتطلع لأمر الخلافة غيرهم، ووضع لهم نظاماً ينتخبون به الخليفة من بينهم، فأمر أن يجتمعوا بعد وفاته فی حجرة عائشة ويختاروا الخليفة فی مدةٍ لاتزيد علی ثلاثة أيام، وجعل للأغلبية الرأی القبول، فيجب علی الأقلية الرضوخ لحكمها، وإلا اعتبر خارجاً يستحق القتل". تاريخ الأمم الإسلامية، ص: ٦٤٤ (۲).

---

(۱) (الاعتصام للشاطبی، باب فی السبب الذی لأجله افترقت المبتدعة عن جماعة المسلمين: ۲/۵۲۰، دارالمعرفة، بيروت)

(والحديث رواه البخاری فی صحيحه فی كتاب المناقب، باب قصة البيعة والاتفاق علی عثمان بن عفان، ومقتل عمر بن الخطاب: ۱/۵۲۳، قديمی)

(۲) (تاريخ الأمم الإسلامية، باب: مقتل عمرو عثمان رضی الله تعالیٰ عنهما، وكيف انتخب: ۲/۲۰-۲۴، المكتبة التجارية الكبریٰ، مصر) .... =

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسنِ تدبیر سے کثرتِ رائے کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ منتخب ہوگئے، پھر سب ہی نے بیعت کی اور اتفاق کرلیا اور یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منتخب و متعین فرمادیا ہو(۱)۔

پھر خلیفۂ ثالث کی شہادت کے بعد اربابِ حل وعقد کی کثرتِ رائے سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے، ہر دو کی تفصیل تاریخ الخلفاء میں ہے(۲)، یہ حضرات انگریزوں کی پیروی کرنے والے نہیں تھے۔

کثرتِ رائے کو کلیۃً نظر انداز کردینا غلط ہے، علامہ شامیؒ اصولِ افتاء تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واختلف الذین قد تأخروا　　　یرجح الذی علیه الأکثر

وإذا لم یوجد فی الحادثة عن واحد منهم جواب ظاهر، وتکلم فیه المشایخ المتأخرون قولاً واحداً، یؤخذ به، فإن اختلفوا یوخذ بقول الأکثر، الخ". شرح عقود رسم المفتی، ص:۳۳(۳)۔

= (وکذا فی تاریخ الأمم والملوک لأبی جعفر محمد بن جریر الطبری، قصة الشوریٰ: ۳۳/۳-۳۸، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

(۱) "بویع (أی عثمان بن عفان رضی الله تعالیٰ عنه) بالخلافة بعد دفن عمر بثلث لیال، فروی أن الناس کانوا یجتمعون فی تلک الأیام إلی عبدالرحمن بن عوف رضی الله تعالیٰ عنه یشاورونه ویناجونه، فلا یخلو به رجل ذو رأی فیعدل بعثمان أحداً. ولما جلس عبدالرحمن للمبایعة حَمِد الله وأثنی علیه، وقال فی کلامه: إنی رأیت الناس یأبون إلا عثمان .... وفی روایة : أمّا بعد! یا علی! فإنی قد نظرتُ فی الناس فلم أرهم یعدلون بعثمان، فلا تجعلن علی نفسک سبیلاً، ثم أخذ بید عثمان، فقال: نُبایعک علی سنة الله وسنة رسوله وسنة الخلیفتین بعده، فبایعه عبدالرحمن وبایعه المهاجرون والأنصار رضی الله تعالیٰ عنهم". (تاریخ الخلفاء للسیوطی، عثمان بن عفان، فصل فی خلافته، ص: ۱۱۹، نور محمد کتب خانه کراچی)

(۲) "فی مبایعته ومانشأ عن ذلک، قال ابن سعد: بویع علیّ بالخلافة الغد من قتل عثمان بالمدینة فبایعه جمیع من کان بها من الصحابة". (تاریخ الخلفاء، ذکر علی بن أبی طالب، فصل فی مبایعته، ص: ۱۳۳، نور محمد کتب خانه کراچی)

(۳) (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۴۷، میر محمد کتب خانه کراچی)

"السادس ما إذا كان أحد القولين المصححين قال به جلّ المشايخ العظام، ففی شرح البیری علی الأشباه: أن المقرر عن المشايخ أنه متی اختلف فی المسئلة، فالعبرة بما قاله الأكثر، انتهی. وقدّمنا نحوه عن الحاوی القدسی، اه". ص: ٤٠(١)۔

یعنی مشائخِ فقہاء کی طرف سے یہ بات طے شدہ ہے کہ اختلاف کے وقت کثرتِ رائے ہی معتبر ہوگی، اگر انتخابِ امام میں اختلاف ہو اور دلائل متساوی ہوں تو قرعہ اندازی کرلی جائے، یا اہلِ علم کی کثرتِ رائے سے ترجیح دی جائے:

"فإن استووا، يُقرع بين المستويين، أو الخيارُ إلى القوم، فإن اختلفوا فالعبرة بما اختاره الأكثر، اه". درمختار: ١/٣٧٥(٢)۔

"قال فی شرح المشكوة: لعله محمول على الأكثر من العلماء إذا وجدوا، وإلا فلا عبرة لكثرة الجاهلين، قال الله تعالى: ﴿ولكن أكثرهم لايعلمون﴾، اه". (٣) طحطاوی، ص: ٢٠٣(٤).

کیا صاحبِ درمختار اور شامی اور شارحِ مشکوۃ اور طحطاوی انگریزوں کی تقلید میں کثرتِ رائے کو ترجیح دینے کی تلقین کررہے ہیں۔

۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا اور اس کے چھ ماہ بعد مظاہر علوم سہارنپور قائم ہوا، ان دونوں درسگاہوں کے قائم کرنے والے، پھر ان کو چلانے والے، ان کی نگرانی کرنے والے، ان کی شوریٰ کے ارکان اور سرپرست اور صدر مدرس اپنے اپنے وقت کے اعلیٰ درجہ کے بے مثال فقیہ، محدّث، مفسر، متکلم، مناظر، عارف، روشن ضمیر، مجاہد، اولیاء اللہ ہوئے جن کے دینی کارنامے آفتاب سے زیادہ روشن ہیں۔ میدانِ شاملی کے ذرات، مالٹا کے خاردار حوالات، کراچی کی تنگ و تاریک کوٹھریاں گواہ ہیں کہ یہ حضرات ہرگز ہرگز انگریز کی پیروی کرنے

---

(١) (شرح عقود رسم المفتی، ص: ٨٩، میر محمد کتب خانه کراچی)

(٢) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٥٥٨، ٥٥٩، سعيد)

(٣) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، (رقم الحديث: ١١٢٣): ٣/١٩٩، رشيديه)

(٤) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٢٤٣، دارالمعرفة،بيروت)

والے نہیں تھے۔

اصلاحِ انقلاب اُمّت، اصلاح الرسوم، بہشتی زیور، حجۃ الاسلام، تقریر دل پذیر وغیرہ کو پڑھنے والا ہرگز یقین نہیں کرے گا کہ ان حضرات نے کثرتِ رائے پر فیصلہ کرنا انگریزوں سے لیا اور سیکھا۔ جو حضرات ذرا ذرا سی جزئیات میں خلافِ سنت کا ادنیٰ شائبہ برداشت نہ کرسکتے ہوں وہ دینی اداروں کے فیصلہ کا مدار انگریزوں کی تقلید پر رکھ دیں گے، ہرگز نہیں۔ چند اکابر کے نام یہ ہیں:

''حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، قطبُ الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند دیوبندی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، محدثِ کبیر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نوّر اللہ مراقدہم''۔

اب تھانہ بھون، دیوبند، سہارنپور تینوں جگہ کے اکابر کی تحریرات بھی نقل کی جاتی ہیں:

تحریر تھانہ بھون

''ایک مرتبہ حضرت مرشدی (حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی) نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ: جب اہلِ دیوبند مجلسِ شوریٰ میں شریک ہونا چاہتے تھے اور حضرتِ گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تو اس پر بہت شور تھا اور فتنہ کا اندیشہ تھا تو میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ حضرت دفعِ شورش کے لئے کیا حرج ہے، اگر ایک دو کو مجلسِ شوریٰ میں لے لیا جائے، آخر تو تعداد ہمارے حضرات ہی کی زیادہ رہے گی اور کثرتِ رائے پر فیصلہ ہوتا ہے۔ تو جواباً مولانا گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا کہ: نااہل کا ممبر بنانا معصیت ہے جو سبب ہے ناراضیٔ خدا و رسول کا، اس لئے ہم نااہل کو مدرسہ کا ممبر نہ بنائیں گے، چاہے مدرسہ رہے یا نہ رہے، ہم کو رضائے الٰہی مقصود ہے مدرسہ مقصود نہیں''۔

(جامع، ص: ۱۴۰۔ جدید ملفوظات مجموعہ سہ رسائل :۱- اشرف التنبیہ ملقب بہ محفوظات، ۲- ملفوظات، ۳- محظوظات، من ابتدائے صفر، ۱۳۴۸ھ۔ضبط کردہ: مولانا محمد نبیل صاحب واصل ٹانڈوی، شائع کردہ: مولانا ظہور الحسن صاحب از تھانہ بھون)(۱)۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کے سرپرست حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں لکھا ہے، اس میں صراحت کے ساتھ تحریر فرمایا کہ: فیصلہ کثرتِ رائے پر ہوتا ہے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر نکیر نہیں فرمایا۔

اگر یہ طریقہ غلط تھا تو جس طرح بحیثیتِ سرپرست حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی درخواست (مشورہ) کو رد فرمایا اور اس کی وجہ بھی بیان کردی جو کہ قابلِ قبول ہے اور اس پر عمل بھی کیا گیا، اسی طرح کثرتِ رائے کی تردید فرمادیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کثرتِ رائے پر فیصلہ اُس وقت سے بلانکیر جاری ہے۔

تحریرِ دیوبند

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے ایک اجلاس کا حال لکھتے ہیں:

> ''ممبروں کی پوری جماعت نہیں آتی تھیں، مگر آراء آتی تھیں، حاضرین کی پارٹیاں اگر چہ ایک ہی خیال نہ رکھتی تھیں، مگر آخر میں سب اس پر متفق ہوگئیں کہ ہم مولانا تھانوی کے ان ہی اختیارات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں جو ۴۵ھ، میں مولانا نے تحریر فرمائے تھے اور جنہیں ۴۹ھ، میں مولانا نے ترمیم بھی کی تھی، الغرض! وہ اختیارات مع ترمیم کے تسلیم کرتے ہیں بشرطیکہ مولانا خود جلسہ میں شرکت فرمایا کریں۔ مگر ''شرط'' کے لفظ کو حامیین نے صراحۃً کہنا پسند نہیں کیا، اس لئے یہ لکھا گیا تھا کہ: ہم فلاں فلاں دفعہ کو مع ترمیم قبول کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مولانا خود شرکتِ جلسہ فرمایا کریں۔ مولانا نے خوشی سے

(۱) (مجموعۂ سہ رسائل، اشرف التنبیہ، محفوظات، محظوظات، جمع کردہ مولانا محمد نبیل صاحب واصل ٹانڈوی، ص: ۴۸، برق پریس دھلی)

(وکذا فی فی تحفة العلماء، نااھل کو ممبر بنانا: ۱/ ۹۸، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

اس کو قبول فرمالیا۔

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ سرپرست کو متفق علیہ تجویز میں کوئی اختیارِ مداخلت نہیں، مختلف فیہ میں اختیارِ مداخلت ہے، جس جانب کو چاہیں ترجیح دے دیں، خواہ اکثریت کو یا اقلیت کو، بشرطیکہ ان کو کسی جانب میں شرحِ صدر ہو جائے، ورنہ اکثریت ہی کو ترجیح ہوگی، اھ"۔

(مکتوباتِ شیخ الاسلام، :۱/ ۱۶، مکتوب نمبر:٦٦)(۱)۔

حضرت حکیم الامت نے بخوشی قبول فرمایا کہ سرپرست کو متفق علیہ میں اختیارِ مداخلت نہیں، مختلف فیہ بشرطِ شرحِ صدر ہے، جس کو چاہیں ترجیح دیں اور بوقتِ عدمِ شرحِ صدر کثرتِ رائے کو ترجیح ہوگی۔ کیا یہ انگریز کی پیروی میں قبول فرمایا گیا۔

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"محترما! میں نے جو کچھ لکھا تھا کہ "ہم تینوں کا اشتراکِ عمل مدرسہ کی بہبود اور ترقی کے لئے ضروری ہے" اس کا مطلب یہی تھا کہ اپنی انفرادی زندگی کے لئے تو ہر ایک ایسے سامان رکھتا ہے کہ جن کی بناء پر کسی کو کسی کی حاجت نہیں، مستقل طور پر گذر بسر کرتا اور کرسکتا ہے، مگر دارالعلوم کی بہبود اور ترقی کے لئے ہم تینوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی حاجت ہے، آپس میں سر جوڑ کر ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں، تمام امورِ مہمہ میں مشورہ کو قبول کریں، کبھی اپنی رائے پر ہٹ نہ کریں، جو مفید اور حق بات ہو قبول کریں، خواہ اپنی رائے اس کے خلاف ہو، اپنی بات کی پچ نہ ہونی چاہئے، جیسا کہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ العزیز کی ہدایت ہے: منفرد ہوکر، یا آمر وڈکٹیٹر بن کر کام نہ چلائیں (۲)۔

میں نے اپنے آپ کو امور بالخصوص انتظامات میں اسی درجہ کا سمجھا ہے اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ممبروں نے بھی ہم تینوں کو یہی درجہ دیا ہے۔ بحیثیتِ اہتمام اگرچہ قوتِ

(۱) (مکتوبات شیخ الإسلام، (مکتوب نمبر: ٦٥) : ۱/ ۱۵۱، مکتبہ دینیہ، دیوبند)

(۲) "ڈکٹیٹر: آمر، حاکمِ مطلق، مطلق العنان حکمران"۔ (فیروز اللغات ص:٦٧٩، فیروز سنز، لاہور)

عاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے اور تھی، مگر یہ قید کہ تینوں کی رائے کا اعتبار ہو، اور اختلاف کی صورت میں کثرتِ رائے کا اعتبار ہو، اسی لئے تھی، اھ''۔

(مکتوبات شیخ الاسلام: ۱۹۲/۲، مکتوب نمبر: ۶۲) (۱)۔

تحریر سہارنپور

سوال: ''ہر دو سوال پیش کر کے شرعی فتویٰ چاہتا ہوں:

۱- ہمارے دونوں مدرسوں: سہارنپور، دیوبند میں ایک مجلس شوریٰ ہے اور دوسرے ایک صاحب مہتمم یا ناظم کے نام سے ہیں جو کار مدارس کے ذمہ دار کہلائے جاتے ہیں، آپ کے نزدیک ان میں سے امیر کون ہے، آیا مجلسِ شوریٰ یا مہتمم یا ناظم؟ اور ﴿إذا عزمت فتوكل على الله﴾ (۲) کا حکم کس کو ہے؟

۲- امور جو بھی ہوں اس کے اختیارات کیا ہیں اور فرائض شرعاً کیا ہیں؟ یہ سوال اس لئے ہے کہ میں اپنی نسبت دیکھ سکوں کہ میں وہ فرائض ادا کر سکتا ہوں یا نہیں؟ والسلام۔

احقر شبیر علی عفی عنہ، ۹/ ربیع الثانی/ ۱۳۶۴ھ۔

الجواب: ۱- مدرسہ مظاہر علوم کے دستور العمل میں سرپرستان اور مہتمم و ناظم کے اختیارات وفرائض بیان کئے گئے ہیں، ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل اختیارات سرپرستان کو ہیں اور ناظم و مہتمم اس کے ماتحت ہیں، کام کی نگرانی کا ذمہ دار ہے، اس دستور میں اختلافِ آراء کی صورت میں فیصلہ کی تصریح نہیں ہے، لیکن قدیم سے معمول یہ ہے کہ فیصلہ کثرتِ رائے پر ہوتا ہے، اس لئے یہ دستور کثرتِ رائے پر مبنی معلوم ہوتا ہے، اس میں کسی کو امیر تسلیم نہیں کیا گیا ہے، ناظم یا مہتمم سرپرستان کی اکثریت کے تابع ہو کر عمل کرتا ہے۔ اب یہ بحث علیحدہ ہے کہ شرعاً کثرتِ رائے پر عمل کرنے کا کیا درجہ ہے، دیوبند کا

---

(۱) (مکتوبات شیخ الإسلام سید حسین أحمد المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ، (مکتوب نمبر: ۶۲): ۲۳۵/۲، مکتبہ دینیہ دیوبند ضلع سہارنپور)

(۲) (سورۃ آل عمران: ۱۵۹)

دستورالعمل میرے پاس نہیں ہے۔ سنا یہ ہے کہ وہاں بھی کثرتِ رائے پر فیصلہ ہوتا ہے۔

مدرسہ مظاہر علوم کے دستور میں سرپرستان کے یہ اختیارات مذکور ہیں:

دفعہ ۱: سرپرستانِ مدرسہ کو تمام امور مدرسہ: ترقی، تنزل، عزل، نصبِ ملازمان، تغیر وتبدل دفعات آئین وغیرہ کا کلی اختیار ہے اور ان کی تجویز جملہ امورِ مدرسہ میں قطعی ہوگی۔

دفعہ ۲: مہتمم کو مہتم بالشان امور میں تمام سرپرستان سے استفسار اور رائے لینا ضروری ہوگا۔ (معائنہ جات، ص: ۳۶) (۱)۔

اختیارات وفرائضِ ناظم ومہتمم:

دفعہ ۱: مہتمم جملہ ملازمینِ مدرسہ کے ہر کام کی نگرانی اور درستی حساب کا ذمہ دار ہے۔

دفعہ ۲: امورِ انتظامیہ اور مصارفِ روزمرہ معمولی میں مہتمم مجاز ہے، حسبِ صوابدید خود عمل کرے اور جزئی اور معمولی خرچ بھی کرسکتا ہے، مگر کثیر اخراجات غیر معمولی اور خاص انتظامات بلا استصوابِ سرپرستان نہ ہوں گے۔

ان دفعات سے سرپرستان اور ناظم کے فرائض اختیارات ظاہر ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ کلی اختیارات اس دستوری سرپرستان کے ہیں اور ہر کام کی نگرانی اور جزئی اختیارات ناظم کے ہیں، شرعاً بھی کسی ادارہ کے کارکنان پر وہی فرائض اور ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو اس ادارہ کے دستور میں تسلیم کی گئی بشرطیکہ کوئی امر خلافِ شرع نہ ہو"۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ربیع الأول/ ۶۴ھ"۔

(منقول از فتاویٰ مظہریہ، ۲۳/ ۲۷۰) (۲)۔

---

(۱) (لم أجده)

(۲) (فتاویٰ مظهری للمفتی مظهر الله دهلوی رحمه الله: ۲۳/ ۲۷۰، مدینه پبلشنگ کمپنی کراچی)

دنیا کا حال

اہلِ علم اقل ہیں اہلِ جہل اکثر، مومن اقل ہیں کافر اکثر، موحد اقل ہیں مشرک اکثر مخلص اقل ہیں منافق اکثر، مطیع اقل ہیں فاسق اکثر، مصلح اقل ہیں مفسد اکثر، کامل العقل اقل ہیں ناقص العقل اکثر، ایسی اکثریت قابلِ تقلید وترجیح نہیں: ﴿وإن تطع أكثر من فى الأرض يضلوك عن سبيل الله﴾ (۱)۔

غالباً زید کا ذہن "کثرتِ رائے" کے لفظ سے ایسی ہی اکثریت کی طرف متوجہ ہوگیا جس کا مشاہدہ آج کل کے الیکشنوں میں ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ کا ممبر ایسی ہی اکثریت سے منتخب ہوتا ہے اور اکثریت کی رائے بھی کہیں روپیہ وعہدہ وغیرہ کے لالچ میں کہیں قسم قسم کے دباؤ سے حاصل کی جاتی ہے، کہیں ووٹ بھی جعلی ڈالے جاتے ہیں۔ مگر ایسی اکثریت کے سامنے دینی مدارس کے مسائل پیش نہیں کئے جاتے، ایسی کثرتِ رائے پر ارکانِ شوریٰ کی کثرتِ رائے کو قیاس کرنا بدیہہ البطلان اور روزِ روشن کو شبِ تاریک بنانا ہے۔ دینی مدارس میں جو ارکانِ شوریٰ ہیں جن کے چند اسمائے گرامی اوپر تحریر کئے گئے ہیں وہ اس اکثریت کے افراد نہیں جن کے ذمائم، قبائح، رزائل زید نے بیان کئے ہیں، بلکہ اس کے مقابل و برعکس مدائح، محاسن، فضائل کے حامل ہیں۔

جیسے پہاڑوں میں لاکھوں مَن کے پتھر ہیں اور ان میں خال خال کوئی ہیرا ہوتا ہے، ہیرا روشن ہوتا ہے، اگر ایک جگہ دو ہیرے ہوں اور دوسری جگہ دس ہیرے ہوں تو یہ کثرت مذموم وقبیح نہیں، بلکہ ممدوح وقابلِ تحسین ہے۔ ایک کارخانہ کی ایک سائز کی موم بتی میں جتنی روشنی ہوتی ہے، دو میں اس سے زائد، تین میں اس سے زائد، چار میں اس سے زائد ہوگی۔ کوئی اہلِ عقل اس کثرت کو موجبِ ظلمت اور قبیح نہیں کہے گا۔ ایک پھول میں جتنی خوشبو ہے، متعدد پھولوں میں خوشبو زائد ہی ہوگی، پھولوں کی کثرت سے سارا چمن بلکہ اس کا ماحول بھی مہک جائے گا۔

ایسا ہی حال ان اکابر اہل اللہ کا اور ان کی کثرت کا ہے کہ ان کی آراء کی کثرت سے قلوب واذہان منور ومعطر ہوجائیں گے۔

زید کا یہ کہنا کہ "ہر دائرہ اور ہر طبقہ کی اکثریت کا یہی حال ہے کہ وہ فاسق ونافرمان ہوتے ہیں" زید کو لازم ہے کہ وہ اس پر نظرِ ثانی کرے اور غور سے سوچے کہ طبقۂ محدثین کی اکثریت ایک حدیث کو صحیح قرار دے تو

(۱) (سورة الأنعام: ۱۱۶)

کیا اس کثرتِ رائے پر وہ سارے ذمائم، قبائح، رذائل چسپاں کردے گا۔ استغفر اللّٰہ العظیم۔

اسی طرح طبقۂ مجتہدین، فقہاء اور دوسرے اہل علم واہلِ حق کے طبقاتِ پر غور کرے۔ دینی مدارس میں جس قدر اساتذۂ کرام درسِ حدیث دیتے ہیں، خانقاہ میں زید کے کسی بزرگ مرشد کے تحت جو لوگ تزکیۂ باطن میں مشغول ہیں ان کی اکثریت کے متعلق وہ کیا الفاظ اختیار کرے گا؟

''فاسق'' کے معنیٰ ''طاعت سے خارج ہونے والا''۔ ابلیس کے متعلق ارشاد ہے: ﴿کان من الجن ففسق عن أمر ربه﴾(۱)۔ اہل کتاب نے انبیاء کو دیکھا، ان کے معجزات کا مشاہدہ کیا، ان پر نازل شدہ کتابوں کو پڑھا پھر بھی اکثر ایمان نہیں لائے، ان کے اکثر کو فاسق کہا گیا۔

لعنت وغیرہ کے الفاظ ان کے لئے استعمال کئے گئے:

﴿لعن الذين كفروا من بني إسرائيل على لسان داؤد وعيسىٰ بن مريم .... ولكن كثيراً منهم فاسقون﴾(۲)۔ ﴿يا أهل الكتاب هل تنقمون منا .... وأن أكثركم الفاسقون﴾(۳)۔ ﴿ولو امن أهل الكتاب لكان خيراً لهم، منهم المؤمنون وأكثرهم فاسقون﴾(٤)۔

یہاں ''أكثرهم الفاسقون'' کو ''منهم المؤمنون'' کے مقابلہ میں لایا گیا: ﴿أفمن كان مؤمناً كمن كان فاسقاً لا يستوون﴾(۵)۔ جس طرح ''الذين يعلمون'' اور ''الذين لا يعلمون'' میں مساوات نہیں، بلکہ صریح تقابل ہے(۶) اور اعمیٰ وبصیر میں مساوات نہیں، بلکہ صریح تقابل ہے(۷)۔ اسی طرح مومن

---

(۱) (سورة الكهف: ۵۰)

(۲) (سورة المائدة: ۸۱)

(۳) (سورة المائدة: ۵۹)

(۴) (سورة آل عمران: ۱۱۰)

(۵) (سورة الٓمٓ السجدة: ۱۸)

(۶) قال الله تعالىٰ: ﴿قل هل يستوى الّذين يعلمون والّذين لا يعلمون﴾ (سورة الزمر: ۹)

(۷) قال الله تعالىٰ: ﴿قل هل يستوى الأعمىٰ والبصير أم هل تستوى الظلمٰت والنّور﴾ (سورة الرعد: ۱۶) =

اور فاسق میں مساوات نہیں، بلکہ صریح تقابل ہے، پھر دونوں کے انجام کو الگ الگ بتایا گیا ہے:

﴿أما الذين اٰمنوا وعملوا الصالحات، فلهم جنات المأوى نزلاً بما كانوا يعملون، وأماالذين فسقوا فمأواهم النار، كلما أرادوا أن يخرجوا منها أعيدوا فيها﴾ الخ (۱)۔

منافقین کے متعلق ارشاد ہے: ﴿إن المنافقين هم الفاسقون﴾ الخ (۲)۔

امید ہے کہ غور کرنے سے سمجھ میں آجائے گا کہ قرآنِ کریم میں ﴿أكثر هم فاسقون﴾ کی ضمیر کا مرجع دینی مدارس کے ارکانِ شوریٰ نہیں، اہلِ حق کی خانقاہوں کے ذاکرین، شاغلین نہیں، اساتذۂ حدیث وفقہ نہیں، محدثین وفقہاء، مجتہدین نہیں۔ غرض کوئی بھی اصحابِ تقویٰ وخشیت اس کا مرجع نہیں۔

جو آیات مشرکین، کافرین، منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، خوارج ان کو مؤمنین پر چسپاں کیا کرتے تھے، كما في صحيح البخاري (۳)۔ یہ ان کا زیغ وضلال تھا، اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ وضلال سے محفوظ رکھے۔ زید کو چاہیئے کہ اس سے پورا پرہیز وگریز کرے۔

الحاصل: دینی مدارس سے متعلق جزئیات غیر منصوص میں اختلافِ آراء کے وقت مصالحِ مدرسہ کے

= وقال الله تعالىٰ: ﴿وما يستوى الأعمىٰ والبصير، ولاالظلمٰتُ ولا النُّور، ولا الظِّلُّ ولا الحرور﴾ (سورة الفاطر: ۱۹-۲۱)

(۱) (سورة آلمّ السجدة: ۱۹، ۲۰)

(۲) (سورة التوبة: ۶۷)

(۳) "باب قتال الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجّة عليهم، وقول الله ﴿ماكان الله ليضل قوماً بعد إذ هداهم حتى يُبيّن لهم مايتقون﴾ وكان ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما يراهم شرار خلق الله، وقال: إنهم انطلقوا إلى آياتٍ نزلت فى الكفار، فجعلوها على المؤمنين". (صحيح البخارى، كتاب استتابة المعاندين والمرتدين وقتالهم، باب قتال الخوارج والملحدين: ۲/۱۰۲۴، قديمى)

(وراجع للتفصيل، فتح البارى كتاب استتابة المرتدين والمعاندين، باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم: ۱۲/ ۳۵۰-۳۵۴، قديمى)

(وأيضاً عمدة القارى شرح البخارى، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين، باب قتل الخوارج والملحدين: ۲۴/۸۴، إدارة الطباعة المنيرية، بيروت)

پیشِ نظر ارکانِ شوریٰ کی اکثر رائے کو ترجیح دے کر عمل کرنا انگریزوں کی پیروی نہیں، شرک نہیں، کفر نہیں بلکہ شرعاً درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵/۳/۱۴۱۰ھ۔

مدارس کا نظام کیسا ہونا چاہیئے؟

سوال[۷۵۲۶]: مدرسہ اسلامیہ کا شرعی نظم وضبط کیسا ہو، اس کا دستور العمل کیسا ہونا چاہیئے؟ نیز امامِ مسجد کو چھٹی مع تنخواہ و بلا تنخواہ کس قدر رہنی چاہیئے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دارالعلوم کا نظام چھپا ہوا ہے، اس کو منگا کر دیکھ لیں۔ اس کے علاوہ اربابِ مدرسہ حدودِ شرع میں جو معاملہ طے کرلیں، درست ہے۔ امام سے بھی جو معاہدہ ہو جائے، حسبِ صوابدید ومصالح درست ہے(۱)۔ اس کا لحاظ کرلیا جائے کہ نہ امام کو تنگی ہو، نہ نمازیوں کو، نہ مسجد غیر آباد ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۴/۴/۹۵ھ۔

بے دین لوگوں کو ورکنگ کمیٹی کا ممبر بنانا

سوال[۷۵۲۷]: کسی ادارہ کی ورکنگ کمیٹی میں ایسے افراد کا رکھنا جو علماء پر تنقید کرتے ہوں، کیسا ہے؟ ایسے افراد جن کی وضع قطع خلافِ شرع ہو، صلوۃ وصوم کے پابند نہ ہوں، ان کو مجلسِ شوریٰ میں رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دینی ادارہ کا ذمہ دار ایسے لوگوں کو بنایا جائے جو خود بھی دیندار ہوں اور دین کا جذبہ رکھتے ہوں، باسلیقہ ہوں (۲)، ورنہ نظام صحیح نہیں رہے گا۔ اور اہلِ علم کی جو تحقیر ہوگی اس کا سبب بڑی حد تک

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فاتقوا اللہ وأصلحوا ذات بینکم، وأطیعوا اللہ ورسوله إن کنتم مؤمنین﴾ (سورۃ الأنفال: ۱)

(۲) "قال في الإسعاف: ولا یولّی إلّا أمینٌ قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولایة مقیدة بشرط النظر، ولیس من النظر تولیة الخائن؛ لأنه یخلّ بالمقصود". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشیدیه) .... =

وہی لوگ ہوں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جب مدرسہ کا دستور نہ ہو تو اس وقت کیا کیا جائے؟

سوال [۷۵۲۸]: مدرسہ میں کسی قسم کا کوئی قانون نہیں ہے اور نہ کوئی دستور بنا ہوا ہے، ناظم جس وقت جو کچھ زبان سے نکال دے وہی دستور ہے، جب چاہتا ہے بلا اطلاع تنخواہ کاٹ لیتا ہے، بلا عذر مدرّسوں کو ملازمت سے الگ کر دیتا ہے۔ اس کا یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اربابِ خیر واہلِ صلاح کی ایک کمیٹی بنالی جائے اور کسی باوجاہت اہلِ علم، اہلِ تقویٰ، تجربہ کار کو سرپرست تجویز کرلیا جائے تاکہ حساب وکتاب درست رہے (۲)، ہر مدّ کا پیسہ اسی مدّ میں خرچ ہو، اور کسی بڑے

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۰۸، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينما النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يحدث إذ جاء أعرابي، فقال: متى الساعة؟ قال: "إذا ضُيعت الأمانة فانتظر الساعة". قال كيف إضاعتها؟ قال: "إذا وُسد الأمر إلى غير أهله، فانتظر الساعة". (مشكوة المصابيح، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة، الفصل الأول، ص: ۴۶۹، قديمي)

"إذا وُسّد": أي أسند وفوّض "الأمر" إلى غير أهله": أي ممن لم يوجد فيه شرائط الاستحقاق: كالنساء والصبيان، والجَهَلة، والفَسَقة، والبخيل، والجبان .... وأرباب المناصب من التدريس، والفتوىٰ والإمامة، والخطابة، وأمثال ذالك مما يتفاخر به الأقران". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة (رقم الحديث: ۵۴۳۹) : ۹/۳۳۳، ۳۳۴، رشيديه)

(۲) "قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه، أو بنائبه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۰۸، رشيديه)

مدرسہ کا دستور سامنے رکھ کر (مثلاً: دارالعلوم دیوبند کا) اس مدرسہ کے مناسب دستور بنالیا جائے تاکہ بے راہ روی نہ ہونے پائے اور لوگوں کو یہ اعتراض وبدگمانی کا موقع نہ ملے۔

مسجد کا روپیہ مدرسہ میں اور مدرسہ کا روپیہ مسجد میں صَرف کرنا جائز نہیں (۱) ایسا کرنے سے ضمان لازم ہوگا۔ زکوۃ کا پیسہ بے محل صَرف کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی اور ضمان لازم ہوگا (۲)۔ مدرسہ ومسجد کا پیسہ امانت ہے، اس کو تاجروں کو دینا کہ وہ اپنے کام یں خرچ لیں، پھر وقت پر دے دیں، درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۵/ ۹۲ھ۔

ادارہ کو مخالف گروپ کی تباہی سے بچانے کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے؟

سوال [۷۵۲۹]: ایک شخص ایک ادارہ کا سربراہ ہے، عالم بھی ہے، کچھ روز سے اس میں انانیت آ گئی ہے، نوجوان لڑکیوں کو بے پردہ تعلیم دلاتا ہے، چونکہ کمیٹی میں اس کی اکثریت ہے، اس لئے اس کو الگ کرنا بھی دشوار ہے۔ اس ادارہ کے استاذ بھی تنگ آکر چلے گئے ہیں اور نئے استاذ آ گئے۔ دو پارٹیاں ہیں، دونوں

---

(۱) "الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لايصرف، وإنه صحيح، ولكن يشترى به مستغلاً للمسجد .... سئل القاضى شمس الإسلام محمد الأزوجندى رحمه الله تعالىٰ عن أهل المسجد تصرفوا فى أوقاف المسجد يعنى آجروا المستغل، وله متول، قال: لايصح تصرفهم". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثانى فى الوقف على المسجد وتصرف القيم: ۲/ ۴۶۳، رشيديه)

(۲) "ولو خلط زكاة موكليه، ضمن" (الدرالمختار). "وهُنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/ ۲۶۹، سعيد)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/ ۲۹۹، رشيديه)

(۳) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه فى بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم فى حاجة نفسه، ثم ردّ بدلها فى نفقة المسجد، لايسعه أن يفعل ذلك. وإذا فعل إن كان يعرف صاحب المال ردّعليه الضمان، أو يسأله ليأذن له بإنفاق الضمان فى المسجد". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً: ۳/ ۲۹۹، رشيديه)

میں شدید اختلاف ہے۔ اس شخص نے مخالف پارٹی کو پریشان کرنے کے لئے پولیس میں رپورٹ اور مقدمہ بازی شروع کردی ہے۔ اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے لوگوں کو دباتا ہے، بعض کی آبروریزی کرتا ہے۔ پولیس اور غنڈوں کو روپیہ کھلاتا ہے اور خود بھی ایک ہزار روپیہ ماہانہ ہڑپ کر رہا ہے۔

لوگوں کو اس کے ظلم سے بچانے کے لئے کچھ حضرات کہتے ہیں کہ اس پر بھی مقدمہ چلایا جائے، خواہ جھوٹا ہی ہو اور خواہ جھوٹی گواہی دینی پڑے۔ عوام کو سرر سے بچانے کے لئے اور اس کی فلاح کے لئے ہمارا یہ فعل از روئے شرع جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو چیز حرام اور معصیت ہے، وہ سربراہ کے حق میں بھی حرام و معصیت ہے، کارکنوں، ممبروں، عوام کے حق میں بھی حرام ہے(۱)۔ ادارے کو تباہی سے بچانا سب کی ذمہ داری ہے، مگر اس کے لئے غلط طریقہ اختیار نہ کیا جائے (۲)۔ تنازع اور تقابل کے وقت ہر فریق اپنے کو حق پر سمجھتا ہے، مخلص و ہمدردِ اسلام اور ادارے کا

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن قريشاً أهمّهم شان المرأة المخزومية التي سرقت، فقالوا: من يكلم فيها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ فقالوا: من يجترئ عليه إلا أسامة حِبّ رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- فكلمه أسامة. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أتشفع في حد من حدود الله". ثم قام فاختطب فقال: "أيها الناس! إنما أهلك الذين قبلكم، إنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه، وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحدود، وأيم الله! لو أن فاطمة بنت محمد سرقت، لَقطعتُ يدها". (الصحيح لمسلم، كتاب الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره، والنهي عن الشفاعة: ۶۴/۲، قديمي)

(۲) قال الله تبارک وتعالىٰ: ﴿و لا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

قال العلامة السيد محمود الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "واستدل بالآية على أن الطاعة إذا أدت إلى معصية راجحة، وجب تركها، فإن ما يؤدي إلى الشر شرٌّ". (روح المعاني: ۲۵۲/۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وكل ما أدى إلى ما لا يجوز، لا يجوز". (الدر المختار: ۳۶۰/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، سعيد) .... =

خیر خواہ قرار دیتا ہے، دوسرے فریق کو ناحق، غیر مخلص، اسلام سے بے تعلق، خود غرض قرار دیتا ہے، اس لئے دونوں فریق مل کر کسی کو ثالث تجویز کر لیں اور اس کے فیصلہ پر آمادہ ہو جائیں (۱)، پھر وہ سب کے بیان لے کر حالات کی تحقیق کر کے جو کچھ فیصلہ کردے اس کو قبول کر لیں، خواہ سربراہ کے موافق ہو یا مخالف۔ اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ نزاع ختم ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقتِ ضرورت خرچ نہ کرنا بھی خیانت ہے

سوال [۷۵۳۰]: مدرسہ اسلامیہ کی رقم مبلغ ۴۰۰/ روپے ہے، اور یہ روپے مدرسہ کے صدر پر ہے، وہ مدرسہ کا روپیہ نہ تو مدرسہ میں لگاتے ہیں اور نہ طلب کرنے پر دیتے ہیں، کچھ لوگ اس کے گروپ کے ہیں، اس کو صدر رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کو صدر رکھا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مدرسہ میں خرچ کرنے کی ضرورت ہے، اس کے باوجود یہ رقم وہ مدرسہ میں نہیں دیتا، نہ خود ضرورت پوری کرتا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا روپیہ اپنے کام میں صَرف کرلیا، تو مدرسہ کے ممبر و بااثر لوگ مطالبہ

= "ووسيلة الحرام حرامٌ". (مرقاة شرح المشكوة: ۱۶/۲، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۲۷۶۳)، رشيديه)

(۱) قال الله تبارك و تعالىٰ: ﴿وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حَكَماً من أهله وحكماً من أهلها﴾. (سورة النساء: ۳۵)

"حكّما رجلاً معلوماً، فحكم بينهما ببينة أو إقرار أو نكول و رضيا بحكمه، صح". (الدرالمختار، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۴۲۸/۵، سعيد)

"وإذا حكّمَ رجلان رجلا فحكم بينهما ورضيا بحكمه جاز؛ لأن لهما ولاية على أنفسهما، فصح تحكيمهما وينفذ حكمه عليهما". (الهداية، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۱۴۴/۳، شركة علميه ملتان)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱۱۹۳/۲، (رقم المادة: ۱۸۴۱)، الباب الرابع في المسائل المتعلقة بالتحكيم، مكتبه حنفيه كوئٹه)

کریں۔ اگر خدانخواستہ خیانت ثابت ہوجائے تو اس کو صدارت سے الگ کردیں (۱) اور رقم وصول کرکے کسی دیانتدار کو ذمہ دار بنائیں۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۲ھ۔

غبن کے اتہام پر حساب دینا

سوال [۷۵۳۱]: ایک مذہبی ادارہ کے صدر وسیکرٹری پر عام معاونینِ ادارہ ودیگر مسلمانوں کو غبن کا شبہ ہوا، لوگوں نے آمد وخرچ کی رپورٹ طلب کی، صدر حساب دینے سے کترا رہے ہیں اور کہتے ہیں (کہ) ادارہ کی تشکیل میں میری ذاتی کوششوں کا نتیجہ ہے، مجھ سے کوئی حساب نہیں لے سکتا۔ جس سے لوگوں کو غبن کا یقین ہوگیا۔ کیا ایسے ادارے سے تعلقات ختم کرلینا موجبِ گناہ ہے؟ اور صدرِ مذکور کا جواب اطمینان بخش وصحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدر، سیکرٹری کا دعویٰ مذکورہ صحیح نہیں ہے، وہ محض وکیل ہیں، مالک نہیں (۲)۔ انہیں حساب دینے سے گریز نہیں کرنا چاہیے، خاص کر جب کہ ان پر غبن کا شبہ کیا جارہا ہے (۳)۔ ان کو لازم ہے کہ ذمہ داران وممبران

---

(۱) "وينزع وجوباً لو الواقف –فغيره بالأولىٰ– غير مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق". (الدرالمختار).

"مقتضاه إثم القاضي بتركه والإثم بتولية الخائن، ولا شك فيه، بحر. لكن ذكر في البحر أيضاً عن الخصاف أن له عزله أو إدخال غيره معه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

"الثالث: إذا ظهرت خيانته، فإن القاضي يعزله وينصب أميناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۳، رشيديه)

(۲) "فإذا تم ولزم، لايملك ولايملك ولايعار ولا يرهن". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"وعن هذا أفتى في الحامدية: بأنه ليس للمتولي التصرف في أمور الوقف بدون إذن المشرف". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: ليس للمشرف التصرف: ۴/۴۵۸، سعيد)

(۳) "لاتلزم المحاسبة في كل عام، ويكتفي القاضي منه بالإجمال لو معروفاً بالأمانة. ولو متهماً، يجبره =

وغیرہ کو حساب دکھلا کر مطمئن کردیں اور بدگمانیوں اور تہمتوں کو دور کرکے اپنی پوزیشن صاف کرلیں (۱)۔ اگر کوئی رقم بے احتیاطی یا غلط فہمی سے بے موقع خرچ ہوگئی ہے تو اس کا انتظام کریں۔ اگر بدگمانی عام ہوگئی ہے تو حساب لکھ کر شائع کردیں کہ مسلمانوں کی زبانیں طعن وتشنیع سے محفوظ رہیں اور اس مقصد کے لئے حسنِ تدبیر اور فہمائش سے کام لے کر ان پر اخلاقی زور بھی ڈالا جائے اور ادارہ سے تعلقات ختم نہ کئے جائیں۔

تنبیہ: بلا دلیلِ شرعی کسی کو متہم کرنا بھی معصیت ہے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۸۸ھ۔

مدرسہ عربیہ کی مخالفت اور دیگر خیانتوں کے سبب قوم کے امام پر اشکالات

سوال [۷۵۳۲]: جناب مفتی صاحب! ہماری پونڈا کے مسلمانوں کی ایک جماعت ہے، جوکہ مسجد کا

= على التعين شيئاً فشيئاً، ولا يحبسه بل يهدده، ولو اتّهمه يحلفه". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۴۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۷، رشيديه)

(۱) "اتقوا مواضع التهم": ذكره في الإحياء. وقال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه بمعنى قول عمر: "من سلك مسالك الظن، اتّهم". ورواه الخرائطي في مكارم الأخلاق: "من أقام نفسه مقام التهم، فلا يلومنّ من أساء الظن به". وروى الخطيب في المتفق والمفترق عن سعيد بن المسيب قال: وضع عمر بن الخطاب ثماني عشرة كلمةً .... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلا يلومنّ من أساء به الظن". (كشف الخفاء، الهمزة مع التاء المثناة، (رقم الحديث: ۸۸): ۱/۴۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا اجتنبوا كثيراً من الظنّ، إن بعض الظن إثم﴾ (سورة الحجرات: ۱۲)

"يقول تعالىٰ ناهياً عباده المؤمنين عن كثير من الظن وهو التهمة والتخون للأهل والأقارب والناس في غير محله؛ لأن بعض ذلك يكون إثماً محضاً، فليجتنب كثير منه .... وقال مالك: عن أبي الزناد عن الأعرج عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث". (تفسير ابن كثير، (سورة الحجرات: ۱۲): ۴/۲۱۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

انتظام کرتی ہے اورقوم کی مذہبی ضروریات کی نگرانی کرتی ہے۔ یہ ادارہ پچھلے تیس سال سے قاضی محمد مصطفیٰ کی نگرانی میں کام کررہا تھا، مولانا ہونے کی وجہ سے ان پر پورا اعتماد تھا اوران کا عہدہ بغیر جھگڑے کے رہا، انہوں نے جماعت کی کبھی میٹنگ طلب نہیں کی اور نہ ہی کبھی حساب داخل کیا، بعض اوقات اہم انتظامی معاملات میں کچھ حضرات سے مشورہ کیا ہے۔

انہوں نے کبھی قوم کوکوئی مذہبی منفعت پہونچانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ ان کا رجحان گورنمنٹ کی ملازمت کی طرف ہوگیا اور مسلم قوم کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے شعبۂ تعلیم میں ایک جگہ مل گئی، یہ بہت اچھی تنخواہ کی جگہ ہے۔ وہ قوم کی خدمت کی طرف کم توجہ دیتے ہیں، اس سے تنگ آکر جماعت کے نوجوان اور باعزت ممبران نے ایک عربی مدرسہ شروع کیا، کیونکہ ہمارے بچوں کے لئے ایسی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ مذکورہ مولانا نے اس مدرسہ کی مخالفت کی، کیونکہ ان کے خیال میں اگر دوسروں نے عربی پڑھ لی تو ان کی اہمیت کم ہوجائے گی۔

دعوت نامہ کے باوجود انہوں افتتاحیہ میٹنگ میں شرکت نہیں کی اور نہ کوئی پیغام بھیجا، بلکہ اس مدرسہ کے خلاف پروپیگنڈا شروع کیا۔ اب یہ مدرسہ گذشتہ ۴/ ماہ سے چل رہا ہے اوراس وقت ۱۲۰/ طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔ اس نیک کام کو برداشت نہ کرتے ہوئے مولانا صاحب نے ایک عربی مدرسہ کے لئے چندہ شروع کردیا، جب جماعت کے ذہن میں یہ بات آئی تو ان سے معلوم کیا گیا کہ آپ کس کے حق میں چندہ جمع کررہے ہیں، کیا جماعت نے آپ کو مقابلہ پر مدرسہ قائم کرنے کے لئے کوئی اختیار دیا ہے؟ جواب دینے کے بجائے انہوں نے ڈرانا دھمکانا شرع کردیا۔

باوثوق ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے ہزار ہا روپیہ مسلم قوم سے بغیر جماعت کے اختیار دیتے ہوئے جمع کیا ہے۔ پہلے انہوں نے چندہ جمع کرنے سے انکار کیا، لیکن جب ان کے سامنے رسیدات پیش کیں تو انہوں نے کہا کہ چند سال قبل جماعت نے چندہ جمع کرنے کے لئے اختیار دیا تھا۔ اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لئے انہوں نے ایک میٹنگ بلائی اوراپنے ہم خیال ۶/ممبران کے دستخط کرائے جب کہ کمیٹی کے ممبر ۲۰۰/ ہیں۔ جب ان سے درخواست کی گئی کہ وہ جماعت کی میٹنگ میں تشریف لائیں اور بیان دیں، لیکن وہ تشریف نہیں لائے۔

اب جماعت نے بالاتفاق ان کو صدارت سے علیحدہ کردیا، اس کے ردِ عمل میں انہوں نے نئے منتخب صدر کو ایک نوٹس بھیجا ہے کہ ان کو ان کے عہدہ سے کوئی علیحدہ نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ ان کا تعلق ایک معزز خاندان سے ہے جو دوسرے مسلمانوں پر فوقیت رکھتا ہے جو کہ غریب اور جاہل ہے۔ اپنے زمانۂ صدارت میں ایک پیشِ امام کے خاندان کو مسجد کے احاطہ میں رہنے کی اجازت دے دی تھی، اس کے خاندان کی عورتیں مسجد کی تمام چیزوں کو استعمال کرتی ہیں، جب ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں عالم ہوں اور تم سے بہتر جانتا ہوں۔

مذکورہ بالا مولانا صاحب کہتے ہیں کہ مسجد اور اس کی متعلقہ جائیداد ان کی اور ان کے خاندان کی ہے، جس وقت سے ان کے خسر نے وقف کی، لیکن مسجد کی تعمیر قوم کے ممبران کے عطیہ سے تیار ہوئی اور ان کے خسر کو کچھ رقم ادا کی گئی ہے، حالانکہ دستاویز پر دستخط بحیثیتِ وقف کے کئے گئے ہیں۔ مولانا نے چندہ اکھٹا کرکے مسجد میں کچھ ترمیمات کی ہیں، مگر اس کا کوئی حساب کتاب نہیں دیا ہے۔ جب شہادت لی گئی تو معلوم ہوا کہ انہوں نے رقم کا ناجائز استعمال کیا ہے۔ مولانا کو دمہ اور مختلف امراض ہیں، وہ کسی کو بحیثیتِ نمائندہ امام بنادیتے ہیں۔

ان مولانا صاحب کا ایک بھائی شہر کا ایک بدمعاش ہے، اس نے بہت سے یتیم بچوں کا مال ہضم کرلیا ہے اور جیل میں بھی گیا ہے، لیکن ہمارے مولانا صاحب اس کے ساتھ قیام کرتے ہیں اور بھائی کے گندے کام میں شریک ہیں۔ تمام لوگوں میں یہ صرف ایک مولانا ہیں جنہوں نے پُرتگالی حکومت کے دور میں درخواست دی کہ آغا خان کے حقوق ان کو دے دیئے جائیں تاکہ پوری مسلم قوم کے کام انجام دے سکیں۔ اس طرح سے وہ پیغمبری کا دعویٰ مسلمانوں میں کرنا چاہتے تھے جو کہ شرک ہے۔ تمام مسلمانوں نے اس کی مخالفت پوری مستعدی سے کی۔

ہماری جماعت کے ممبر اس بات پر غور کررہے ہیں کہ مندرجہ بالا کاموں کی وجہ سے ان کے خلاف قانونی کارروائی کریں، اور ذمہ داران کی معرفت ان سے کہلایا گیا کہ حسابات وغیرہ دے دیں اور باعزت طریقہ سے اس عہدہ سے سبکدوش ہوجائیں۔ ہم ممبر نہیں چاہتے کہ مولانا کو مصیبت میں گرفتار کرائیں، لیکن اگر وہ سخت رہے تو قوم کے مفاد کو نظر انداز کرکے ایک شخص کی عزت نہیں بچائی جاسکتی۔ اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ ہمیں بتایا جائے کہ اگر ہم ان کی امامت برداشت کریں تو کیا ان کی امامت جائز ہے اور ہمیں ان کے

خلاف کارروائی کرنی چاہیے یانہیں؟ برائے مہربانی ہمارے اس مسئلہ کو بذریعہ فتویٰ حل کردیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کا انتظام وحساب رکھنا ضروری ہے، دیانت دار اور منتظم آدمی وقف کا متولی ہوسکتا ہے، اور رہ سکتا ہے(۱)، جس متولی کے متعلق خیانت ثابت ہوجائے وہ اس قابل ہے کہ اس کو عہدۂ تولیت سے الگ کردیا جائے (۲)۔ دینی تعلیم کے لئے مدرسہ ہونا بہت ضروری ہے، اس کی مخالفت کرنا ہرگز جائز نہیں۔ مولانا صاحب اپنی رَوش پر نظرِ ثانی کرلیں اور جو شکایات ان سے ہیں ان کی اصلاح کرلیں۔ مسجد ومدرسہ کا شریعت کے مطابق انتظام اور حساب صاف رکھیں۔ اگر ایسی چیزوں سے پرہیز کریں جن سے ان کی حیثیت شرعاً مجروح ہوتی ہے تو ان کو برقرار رکھا جائے (۳)، ورنہ پھر لامحالہ کام صحیح رُخ پر چلانے کے لئے دوسرے لائق آدمی کا انتظام ناگزیر ہوگا (۴)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) "قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(۲) "وينزع وجوباً لو الواقف .... غير مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق". (الدر المختار). "مقتضاه إثم بتركه والإثم بتولية الخائن، ولاشك، بحر. وذكر في البحر أيضاً عن الخصاف أن له عزله أو إدخال غيره معه .... وفيه: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يأثم بتولية الخائن: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم: ۲/۴۰۸، رشيديه)

(۳) "وكذا لو أخرجه لفسق وخيانة فبعد مدةٍ تاب إلى الله وأقام بينةً أنه صار أهلاً لذلك، فإنه يعيده".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۲/۴۲۶، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۲)

مہتمم مدرسہ اور ملازمین کو بلا وجہ معزول کرنا، برطرفی کے مہینہ کی تنخواہ کا استحقاق

سوال[۷۵۳۳]: ایک پرانے مدرسہ میں نئی کمیٹی کے برسرِ اقتدار آتے ہی پہلی میٹنگ میں مدرسہ میں تقریباً تیس برس پرانے انتہائی صادق، امانت دار، دیانت دار مہتمم کو کسی خامی وغلطی بتائے وثابت کئے بغیر معزول کر دیا گیا۔ نئی کمیٹی کی ماتحتی میں مدرسہ کے پرانے مدرسین حسبِ سابق کام کرتے رہے، معمول کے مطابق ششماہی سالانہ امتحانات ہوئے۔ امتحان سالانہ کے بعد حسبِ معمول مدرسہ میں تعطیل ہوگئی کہ اچانک ۴،۵/ رمضان المبارک کو مدرسہ کے نئے مہتمم کی طرف سے پرانے تمام مدرسین کو - جن کی تعداد نو ہے - مدرسہ سے معطّلی کا نوٹس مل جاتا ہے۔ معطّلی کا نوٹس ملتے وقت رمضان سمیت مدرسین کی چار چار ماہ کی تنخواہ مدرسہ کے ذمہ باقی تھیں، وسطِ رمضان میں تین ماہ کی تنخواہیں مدرسین کو مل گئیں، مگر رمضان کی تنخواہ دینے سے صاف انکار کر دیا گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح بلاقصور تیس سالہ ناظم کو معزول کر دینا از روئے شرع کیسا ہے؟ مذکورہ بالا حالات میں مدرسین رمضان کی تنخواہ پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اور نئے ناظم کا مدرسین کی تنخواہیں رمضان کی روک لینا از روئے شرع کیسا ہے؟

محمد نیاز الدین، پیش امام جامع مسجد چمپانگر، بھاگل پور (بہار)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ ناظم اور مدرسین صحیح طریقے پر حسبِ ضوابطِ مدرسہ پابندی سے کام کر رہے ہوں تو بلاوجہ ان کو معزول یا معطل کرنے کا حق نہیں، نہ تنخواہ روکنے کا حق ہے، هكذا يفهم مما في ردالمحتار، ص: ۳۸۶، تحت مطلب: لايصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة(۱)۔ پوری بات جب معلوم ہوگی کہ فریقِ ثانی کا

---

(۱) "قال في البحر: واستفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمُها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة وعدم أهلية .... خصوصاً إن كان المقرر عن مدرسٍ أهلٍ، فإن الأهل لم ينعزل، وصرح البزازي في الصلح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لايصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة: ۳۸۲/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۱/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۴۲/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

بیان بھی سامنے آئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۹۵ھ۔

ناظمِ مدرسہ کا ماتحت مدرسین سے باز پرس کرنا

سوال[۷۵۳۴]: مدرسہ کے ناظم صاحب کا اپنے ماتحت مدرسین کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ سیاست میں حصہ نہ لیں۔ تو اگر کوئی مدرس یا صدر مدرس اس کے خلاف کرے اور سیاست میں حصہ لے تو ناظم صاحب کو باز پُرس کا حق ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں ناظم صاحب کو باز پرس کرنے کا حق حاصل ہے، کہ اس نے خلافِ عہد کیوں کیا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

"عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قلّما خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم إلا قال: "لاإيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لاعهد له". رواه البيهقي". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الثاني، ص: ۱۵، قديمي)

(وكذا في مسند أحمد: ۴/۷۵، (رقم الحديث: ۱۲۷۸۷)، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

مہتم اور منتظم کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اس قسم کی شرائط اپنے مدرسین کے لئے مقرر اور وضع کریں، کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں ایسے نظائر موجود ہیں جن میں حاکم کا اپنے محکوم کے لئے ایسی شرائط مقرر کرنا مصرح ہے:

"عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه: أنه كان إذا بعث عمّاله، شرط عليهم أن لا تركبوا برزَوناً، ولا تأكلوا نقيًّا، ولا تلبسوا رقيقاً، ولا تغلقوا أبوابكم دون حوائج الناس، فإن فعلتم شيئاً من ذلك فقد حلت بكم العقوبة، ثم يشيّعُهم". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب ماعلى الولاة من التيسير، الفصل الثالث، ص: ۳۲۴، قديمي)

اسی طرح قوانین اور قواعد کے تحت فرائضِ منصبیہ کو پورا نہ کرنے کی صورت میں بھی حاکم کو باز پرس کا حق حاصل ہے، جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ممکنہ کوتاہی عمل کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ "اگر =

مہتمم کا ملازم کو اجازت سے چندہ کے سفر کا ٹکٹ بنوانے کے بعد روکنا

سوال[۷۵۳۵]: زید مدرسِ مدرسۂ دینیہ بیمار تھا، آب وہوا کی تبدیلی کی غرض سے بسلسلۂ چندہ مدرسہ سے یعنی منجانب مدرسہ باغونوالی سفر کرنا چاہتا تھا، مہتمم مدرسہ سے ذکر کرنے پر زبانی اجازت دے دی، اور زید نے مہتمم مدرسہ سے ذکر کر کے ٹکٹ روانگی بنوالیا۔ ٹکٹ بن جانے پر مہتمم مدرسہ نے سفر سے بسلسلۂ چندہ انکار کردیا اور رخصت دینے کا وعدہ کرلیا ہے۔ زید نے سفر کے روز سے تقریباً ایک ہفتہ قبل رخصت کی درخواست دے دی، مہتمم نے مدرسہ سے سفر کے روز عینِ وقت پر رخصت دینے سے انکار کردیا۔

اگر ایسی صورت میں زید نے اپنے ذاتی صرفہ سے سفر کرلیا تو زید شرعاً مجرم ثابت ہوگا یا نہیں؟ نیز مہتمم صاحب کا بعد وعدہ کئے عین وقت پر انکار کرنا جرم ہے یا نہیں؟ نیز صورتِ بالا میں زید کو برخاست کرنا صحیح ہے یا غلط ہے؟

ضابطۂ مدرسہ

۱-طلباء ہوں یا مدرس، تحریری رخصت لینا ضروری ہے، اس کے خلاف کرنے پر تدارک کیا جائے گا۔

۲- باستثناء رخصت اتفاقیہ ایک ماہ بیشتر درخواست دینا ضروری ہے، قانون غیر معمول بہا ہے، زید بلکہ جملہ ملازمین حتی کہ محرر قانون سے وقت سفر تک ناواقف ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرس کو ملازمت کا معاملہ کرتے وقت مدرسہ کے کم از کم ان ضوابط کا معلوم کرنا ضروری ہے، جن کی

= میں نیک کام کروں تو میری اتباع کرو اور اگر برا کام ہو تو میری اصلاح کرو" جب کہ حاکم اپنی اصلاح کے لئے رعایا سے اپنی اصلاح کی التجا کرتا ہو تو اسی طرح حاکم کو بھی حق ہے کہ اپنے ماتحت کی اصلاح کرے:

"وروی أنه قال یوماً علی المنبر: یامعاشر المسلمین! ماذا تقولون: لوملت برأسی إلی الدنیا کذا -ومیّل رأسه- فقام إلیه رجل فاستلّ سیفه، وقال: أجل کنا نقول بالسیف کذا -وأشار إلی قطعه- فقال: إیای تعنی بقولک؟ قال: نعم إیاک أعنی بقولی، فنهره عمر ثلثاً وهو ینهر عمر، فقال عمر: رحمک الله، الحمد لله الذی جعل فی رعیتی من إذا تعوّجت قوّمنی". (إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، الفصل الثانی فی جنس من مقامات الیقین الخ، ص: ۱۵۷، سهیل اکیڈمی لاهور)

پابندی اس کے ذمہ لازم ہے، یا جن کے تحت اس کو مراعاۃ دی جاسکتی ہے، ضوابطِ مدرسہ سے ناواقف رہنا بڑی کوتاہی ہے۔ ذمہ دارانِ مدرسہ (مہتمم وغیرہ) کو بھی لازم ہے کہ مدرس ملازم کو ضوابط سے آگاہ کردیا کریں، تاکہ نظم میں خلل پیدا نہ ہو۔ بعض مدارس میں زبانی اجازت لینا بھی کافی ہوتا ہے، پھر رجسٹر میں اندراج ہوتا ہے اور زبانی انکار بھی کافی ہوتا ہے، اگر وہاں کا معمول یہی ہے تو یہ اجازت کافی تھی (۱)۔ اور اگر مصالحِ مدرسہ کے پیشِ نظر سفر سے مہتمم صاحب نے منع کردیا تو یہ منع بھی صحیح ہے، البتہ ٹکٹ کی واپسی میں جو پیسہ خرچ ہوں وہ مہتمم صاحب دے دیں (۲)۔

پھر حسبِ وعدہ سفر کی رخصت دینا مہتمم صاحب کے ذمہ تھا، لیکن اگر عینِ وقت پر مانعِ قوی پیش آنے کی وجہ سے رخصت نہیں دی تو وہ وعدہ خلافی کے مجرم نہیں (۳) اور اس سفر کے کام کا معاوضہ پانے کا بھی حق

---

(۱) اس لئے کہ امور غیر منصوصہ میں عرف کا اعتبار ہوگا:

"ومالم ينص عليه، حمل على العرف". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۱۷۶/۵، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، (رقم القاعدة: ۶۲۸): ۲۶۹/۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۸۵)، ص: ۹۲، الصدف پبلشرز كراچی)

(۲) واضح رہے کہ مذکورہ صورت میں مدرس وکیل اور سفیر ہے، مہتمم مؤکل ہے اور وکیل کی آمد ورفت کا خرچہ موکل کے ذمہ ہوگا:

"إذا اشترطت الأجرة في الوكالة وأوفاها الوكيل، استحق الأجرة. إطلاقه يدل على أنه لافرق فيما إذا وقّت وقتاً معلوماً لإيفاء الوكالة، أولا". شرح المجلة، (رقم المادة: ۱۴۶۷): ۷۸۹/۲، مكتبه حنفيه)

(وكذا في الفقه الإسلامي، كتاب الوكالة، البحث الأول في تعريف الوكالة: ۴۰۵۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، كتاب الوكالة، ص: ۱۳۶، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۵۷۲/۳، ۵۷۳، سعيد)

(۳) "عن زيد بن أرقم رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي له، فلم يف ولم يجئ للميعاد، فلا إثم عليه". رواه أبوداؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الوعد، الفصل الثاني، ص: ۴۱۶، قديمی)

(وتفصيله في مرقاة المفاتيح، باب الوعد، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۸۸۱): ۶۱۵/۸، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، إدارة القرآن كراچی)

نہیں، لیکن اگر اپنی ذاتی ضرورت سے رخصت لے کر سفر کرے اور مدرسہ کے لئے چندہ بھی لا کر دے اور اس کا معاوضہ طلب نہ کرے تو یہ مدرسہ کے ساتھ خیر خواہی ہے جو کہ موجبِ اجر ہے۔ ہاں! اس میں بھی کوئی مفسدہ ہو تو بچنا لازم ہے۔

مدرسہ کے خیر خواہ کا معمولی بےعنوانی کی وجہ سے الگ کر دینا غلط ہے، پھر اچھا آدمی میسر نہیں ہوتا، لیکن جس کی ذات سے فتنہ پیدا ہوتا ہو، بعد تحقیق اس کو الگ کر دینا لازم ہے، ذاتی تعلقات کی بنا پر ایسے آدمی کو مدرسہ میں رکھنا خیانت ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۵/۹۰ھ۔

دینی مدارس کی مثال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کے دور میں

سوال[۷۵۳۶]: فی زماننا ہمارے ملک میں بہتیرے دینی مدارس قائم ہیں جن میں تعلیم کے ساتھ طلبہ کے طعام و قیام کا بھی بندوبست ہے، آمدنی کے تمام ذرائع عام طور پر عوام کے چندے، زکوۃ وصدقات ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟ کیا اس کی مثال صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ سے ملتی ہے۔ اگر نہیں تو پھر جواب کی کیا صورت ہوگی؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دَورِ حاضر کے دینی مدارس اور موجودہ زمانہ کی درسگاہوں کی مثال عہدِ نبوت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں اصحابِ صُفّہ کی زندگی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وینزع وجوباً لو الواقف غیر مأمون، أو عاجزاً، أو ظهره به فسق کشرب خمر ونحوه". (الدرالمختار). "مقتضاه إثم القاضی بترکه والإثم بتولیه الخائن، ولا شک .... وقدمنا أنه لایعزله القاضی بمجرد الطعن فی أمانته، بل بخیانة ظاهرة بیّنة". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الوقف: ۴/۲۷۰، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۲) اصحاب صفہ بھی فقر، تنگی اور مشقتوں کی زندگی گزار کر علم دین حاصل کرنے میں مصروف رہا کرتے تھے: .... =

مدارس اور تبلیغ کی صورت میں خدمتِ دین کا طریقہ

سوال[۷۵۳۷]: حضرتِ والاسلام مسنون! مجھے دارالعلوم کا اجازت نامہ بھیجا جائے تاکہ میں یہاں دین کی خدمت کرسکوں اور تحریر کریں کہ کون کون سے کام خادمِ دین کے سپرد ہوتے ہیں، تاکہ میں لوگوں کو دین بتلاسکوں؟

سید عبدالحمید، موہڑا پونڈی راجوری، کشمیر۔

= "عن عبادة بن الصامت رضی الله تعالیٰ عنه قال: علّمت ناساً من أهل الصفة الكتابة والقرآن، فأهدى إليّ رجلٌ منهم قوساً ليست لي بمال ....اهـ". (مسند الإمام أحمد، حديث عبادة بن الصامت رضی الله تعالیٰ عنه: ۲/۰ ۴۳۰، (رقم الحديث: ۲۲۱۸۱)، دارإحياء التراث العربی، بيروت)

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه .... قال فی حديث طويل: قال: "يا أباهريرة! قلت: لبيك يارسول الله! قال: "ألحِق! أهل الصفة فادعوهم لی". قال: وأهل الصفة أضياف الإسلام لايأوون على أهل ولامال ولا على أحد، إذا أتته صدقة، بعث بها إليهم .... اهـ". (صحيح البخاری، كتاب الرقاق، باب: كيف كان عيش النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: ۲/۹۵۵، قديمی)

"عن عمارة بن غزية أن ربيعة بن أبی عبدالرحمن أخبره أنه سمع أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه يقول: أقبل أبو طلحة يوماً فإذا النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قائم يقرئ أصحاب الصفة –على بطنه فصيلٌ من حجر يقيم به صلبه من الجوع– كان شغلهم تفهم الكتاب وتعلمه ....اهـ".

"وعن أبی سعيد الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: أتیٰ علينا رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ونحن أناس من ضعفة المسلمين ورجل يقرأ علينا القرآن ويدعولنا". الحديث". (حلية الأولياء، ذكر أهل الصفة: ۱/۳۴۲، دارالكتاب العربی بيروت)

"والصفّة كانت موضعاً مظللاً فی مسجد النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، كان فقراء المهاجرين الذين ليس لهم منزل يسكنونها. وقيل: سُمّوا بأصحاب الصفة؛ لأنهم كانوا يصفون على باب المسجد؛ لأنهم غرباء". (عمدة القاری، باب نوم الرجال فی المسجد: ۴/۱۹۸، إدارة الطباعة المنيرية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دارالعلوم دیوبند میں جوقرآن کریم، حدیث شریف، تفسیر، فقہ، اصولِ کلام اور افتاء کی تعلیم با قاعدہ ہوتی ہے جس میں کئی سال صَرف ہوتے ہیں، سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحانات لئے جاتے ہیں، تب سند دی جاتی ہے۔ اور ہر شخص خدائے پاک کی توفیق سے اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق تدریس، تالیف، تذکیر وغیرہ دینی علمی خدمات انجام دیتا ہے۔ محض کسی کی درخواست پر اس کو کوئی سند نہیں دی جاتی۔ آپ کو خدمت کا شوق وجذبہ ہے تو تبلیغ کیجئے، مرکزِ تبلیغ نظام الدین دہلی سے جماعت بلوا لیجئے وہ جماعت گشت کر کے لوگوں کو مسجد میں نماز کے لئے جمع کرتی ہے، کلمہ سنتی ہے، نماز سنتی ہے، تعلیمی حلقہ قائم کرتی ہے، اس کا پورا نظام سمجھ لیجئے۔

بہتر صورت یہ ہے کہ پہلے آپ خود دہلی نظام الدین جایئے وہاں سب کام دیکھئے، پھر اپنے مقام پر بھی کام شروع کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے اور آپ سے اپنے دین کی خدمت لے اور ہدایت پھیلائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۲۷ھ۔

مدرس کو دوسری جگہ ملازمت کر کے پہلے مدرسہ کو ویران کرنا

سوال[۷۵۳۸]: زید ایک مستند عالم ہے اور ایک مذہبی بین الاقوامی ادارہ میں کام کرتا ہے، چار سال کام کیا، اس کے ساتھ بڑے احسانات کئے گئے، مگر اس سے ایسی کوتاہیاں ہوئیں کہ اگر مہتمم وصدر مدرس نہ سنبھالتے تو یہ کہیں کا نہ رہتا، مگر زید نے اس ادارہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی کوشش کی۔ طلباء میں پارٹی بندی کرا دی اور طلباء سے کہہ دیا کہ میں شوال میں نہیں آؤں گا، تم بھی نہ آنا۔ اور چندہ دہندگان کو سمجھایا کہ فلاں ادارے میں نہ کوئی طالب علم ہے نہ استاد ہے، وہاں نہ لڑکوں کو بھیجنا نہ چندہ دینا۔ اس طرح قدیم ادارہ کو توڑنا اور جدید جگہ پر طلباء کو لے جانا، یا ادھر ادھر منتشر کر کے ادارے کو بند کرانے کی سعی کرنا زید کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟

ایم مجاہد فارسٹ رینجر (ریٹائرڈ) بیلگام، کرناٹک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ حرکت سخت مذموم، قابلِ نفرت، قابلِ ملامت ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۱/۳/ ۹۵ھ۔

بلاوجہ دینی مدرسہ کو بند کرنا

سوال[۷۵۳۹] : ایک قصبہ میں عرصہ سے ایک مدرسہ اسلامیہ چل رہا ہے، جس کا انتظام چند ممبرانِ کمیٹی اور ایک منیجر کے سپرد ہے، جملہ مسلمان مدرسہ میں چندہ دے کر مدرسہ کی اعانت کرتے ہیں اور عام مسلمانوں کے پیسہ سے مدرسہ کا کام چلتا ہے، سبھی مسلمانوں کے بچے مذہبی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔اب عرصہ ایک ماہ ہوا کہ بغیر کسی وجہ اور میٹنگ اور بغیر کسی مشورہ کے منیجر مذکورہ نے مدرسہ کو تالا لگا دیا، بچوں کی دینی تعلیم بند ہوگئی۔اب جملہ مسلمان پریشان ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ منیجر کو بدل دیں۔اگر از روئے شرع کوئی جرم ثابت ہوتا ہے تو تحریر فرمائیں، جب کہ علمِ دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس کا بند کرنے والا کس جرم کا مرتکب ہوا، اور اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاوجہ دینی مدرسہ کو بند کرنا اور تالا ڈالنا درست نہیں، منیجر کوئی وجہِ معقول پیش نہ کرے تو علیحدگی کا مستحق ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۸/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۸/ ۸/ ۹۲ھ۔

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا تبغ الفساد فی الأرض، إن اللہ لایحب المفسدین﴾ (سورة القصص: ۷۷)

قال الحافظ ابن کثیر تحتها: "﴿ولا تبغ الفساد﴾: أی لاتکن همتک بما أنت فیه أن تفسد به فی الأرض وتسیئ إلی خلق اللہ". (تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۹۹، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۲) "وینزع وجوباً لو الواقف -فغیره بالأولی- غیر مأمون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق کشرب خمر ونحوه". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۸۰، سعید) ....=

جدید مدرسہ بنانے پر قدیم مدرسہ کا حکم

سوال[۷۵۴۰]: ایک واقف نے حسبِ ذیل شرائط کے ساتھ اپنا مکان مدرسہ کے لئے میمن جماعت کو وقف کرکے سپرد کیا تھا، شرائط یہ تھیں:

۱- مدرسہ میں اہل سنت والجماعت کی بچوں کو تعلیم دی جائے۔

۲- تعلیم کی کوئی فیس نہ لی جائے۔

۳- مدرسہ میں انگریزی تعلیم نہ دی جائے۔

ان شرطوں کے ساتھ یہ مدرسہ تقریباً ساٹھ برس سے چلتا ہے۔ فی الحال میمن جماعت نے مدرسہ کے لئے نیا مکان بنوایا ہے، اور اس مدرسہ کو متولی کو واپس کردیا ہے، اب یہ مدرسہ چھ ماہ سے بند پڑا ہے۔ مدرسہ قدیم کی کوئی آمدنی نہیں ہے کہ جس سے مدرسہ کو چلایا جاسکے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ مذکورہ مدرسہ کو کسی بھی اہل سنت والجماعت کی جماعت برادری کو دیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- جو حضرات بھی قرآن پاک اور دینی تعلیم کا انتظام کرسکیں ان کے حوالہ کردیا جائے (۱) تاکہ واقف کو ثواب پہونچتا رہے اور مدرسہ کو چالو کردیا جائے۔

۲- اگر آمدنی کی کوئی صورت نہیں تو بالائی حصے میں تعلیم کا انتظام کردیا جائے اور تحتانی (نیچے) کا حصہ

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۲/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۳/۲، رشيديه)

(۱) "ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر. وليس من النظر تولية الخائن، وكذا تولية العاجز؛ لأنه يخل بالمقصود". (ردالمحتار: ۳۸۰/۴، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۷۸/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۸/۲، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، رشيديه)

کرایہ پر دیدیا جائے، تاکہ اس کی آمدنی سے مدرسہ کی ضروریات پوری ہوسکیں (۱)۔

۳-اعلیٰ بات یہ ہے کہ تمام مسلمانوں سے چندہ کرکے مدرسہ چلایا جائے اور دونوں منزلوں میں مدرسہ ہی رہے (۲)، کرایہ پر دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۵ھ۔

دینی مکتب ومدرسہ کو ذاتی ملک سمجھنا

سوال[۷۵۴۱]: ایک دینی مکتب ومدرسہ جو عوام کے تعاون سے چلتا ہو، جس میں مقامی مسلمانوں کا کم اور بیرونی مسلمانوں کا تعاون زیادہ ہو، کیا ایسے مکتب یا مدرسہ کو کوئی مخصوص قوم، یا کوئی مخصوص خاندان، یا کوئی مخصوص انسان اپنی ملکیت یا جاگیر سمجھے، یا اپنی ملکیت بنانے کی سعی کرے تو ایسی صورت میں ایسی ملکیت اور مدرسہ کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ اور ایسی قوم، ایسے خاندان، ایسے انسان کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا مدرسہ کسی شخص یا کسی خاندان کی ذاتی ملک نہیں، نہ اس پر دعوائے ملکیت صحیح وقابلِ تسلیم ہے (۳)،

---

(۱) "وهذا كالخان الموقوف على الفقراء إذا احتيج فيه إلى خادم، يكسح الخان ويفتح الباب و يسده، فيسلم المتولي بيتاً من بيوته إلى رجل بطريق الأجرة له ليقوم بذلك، فهو جائز". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۱۴/۲، ۴۱۵، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۷۴۶/۵، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۴۳/۷، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و تعاونوا على البر والتقویٰ﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۳) "فإذا تم (الوقف) ولزم، لايملك و لا يرهن". (الدرالمختار). "(قوله لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه (ولايملك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۲۰/۵، كتاب الوقف، رشيديه) .... =

جو چیز اپنی ملک نہ ہواس کو اپنی ملکیت سمجھنا، یا قرار دینا غلط ہے، کسی ایسے غلط عمل کی وجہ سے دینی مدرسہ سے تعلق منقطع نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اس کے ساتھ تعاون کرتے رہنا چاہیئے۔ جو لوگ غلط طور پر اس کو اپنی ملک سمجھتے ہیں ان کو فہمائش کی جائے۔ اور یہ بات سمجھ میں بھی نہیں آتی کہ ایسے مدرسہ کو وہ لوگ اپنی ذاتی ملک کیسے سمجھتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۹۹ھ۔

مدرسہ کا مہتمم کس کا وکیل ہے؟ اور کیا مدرسہ کا چندہ وقف ہے؟

سوال[۷۵۴۲]: ۱...... بعض حضرات رقوم اداروں کے مہتمم صاحبان یا ان کے نمائندوں کو ادا کر دیتے ہیں اور کسی ذاتی مجبوری کی وجہ سے، سفر وغیرہ کی مجبوری سے وہ رقم ادارے کو بہت دیر میں پہونچتی ہے، اس دوران میں دینے والے کا انتقال ہو جاتا ہے۔ تو ان اداروں کے نمائندگان اور مہتمم ومنتظم حضرات کے ذمہ اس رقم کی واپسی واجب ہے یا نہیں؟

۲...... نیز اگر مہتمم ومنتظم، سفیر وغیرہ کے قبضہ میں بعینہ رقم موجود ہو، یا مدرسہ کے خزانہ میں، یا بینک میں جمع ہے مگر ابھی تک غرباء ومساکین پر خرچ نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی تملیک کرائی گئی تھی کہ دینے والا کا انتقال ہو گیا تو اس رقم کی واپسی اس کے ورثاء کو واجب ہے یا نہیں؟

۳...... نیز جن اداروں کو زکوۃ کی رقم دی جا چکی ہے اور وہ اس کو خرچ بھی کر چکے ہیں، مگر انہوں نے شرعی طریقہ پر تملیک نہیں کرائی، بغیر تملیک کرائے اس کو خرچ کر چکے ہیں تو ان اداروں کو دینے سے زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

۴...... سفیر اور مہتمم صاحبان کے نمائندگان امداد دینے والوں کے وکیل، یا غرباء ومساکین ومصارفِ صدقات وزکوۃ کے وکیل ہیں، جب کہ ان اداروں میں مصارفِ زکوۃ موجود ہیں اور ان کے اخراجات کی کفالت وہ ادارہ کرتا ہے؟

محمد احمد تھانوی، مدرسہ اشرفیہ سکھر۔

= (وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۲۸۵، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۶۴۰، كتاب الوقف، مكتبه شركة علميه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......اس مسئلہ سے متعلق حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ سے سوال کیا تھا، وہ اور اس کے جواب مع حذفِ مکرر امداد الفتاویٰ ۲/۲۷۲-۲۷۷، میں منقول ہے جو کہ درج ذیل ہے:

سوال: ''مدرسہ میں جو روپیہ آتا ہے اگر یہ وقف ہے تو بقائے عین کے ساتھ انتفاع کہاں ہے؟ اور اگر یہ ملک معطی کا ہے تو اس کے مر جانے کے بعد واپسی ورثاء کی طرف واجب ہے''؟

جواب: ''عاجز کے نزدیک مدارس کا روپیہ وقف نہیں، مگر اہلِ مدرسہ مثلِ عمالِ بیت المال، معطین وآخذین کی طرف سے وکلاء ہیں، لہٰذا نہ اس میں زکوۃ واجب ہوگی اور نہ معطین واپس لے سکتے ہیں''۔

سوال: ''عمالِ بیت المال منصوب من السلطان ہیں اور سلطان کی ولایت عامہ ہے، اس لئے وہ سب کا وکیل بن سکتا ہے اور مقیس میں ولایتِ عامہ نہیں، اس لئے آخذین کا وکیل کیسے بنے گا؟ کیونکہ نہ توکیل صریح ہے نہ دلالۃً، اور مقیس علیہ میں دلالت ہے کہ جب وہ اس کے زیرِ اطاعت ہیں تو وہ واجب الاطاعت ہے''۔

جواب: ''بندہ کے خیال میں سلطان میں دو وصف ہیں: **ایک حکومت:** جس کا ثمرہ ہے تنفیذِ حدود وقصاص۔ دوسرا: انتظام حقوقِ عامہ ہے۔

امرِ اول میں کوئی اس کا قائم مقام نہیں ہوسکتا، امرِ ثانی میں اہلِ حل وعقد بوقتِ ضرورت قائم مقام ہوسکتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ اہل حل وعقد کی رائے ومشورہ کے ساتھ نصبِ سلطان وابستہ ہے جو بابِ انتظام سے ہے، لہٰذا مالی انتظام مدرس جو برضائے مالک وطلبہ بقائے دین کے لئے کیا گیا ہے، بالا ولیٰ معتبر ہوگا، ذرا غور فرماویں انتظام جمعہ کے لئے عامہ

کا نصب امام معتبر ہونا ہی جزئیات میں شاید اس کی نظیر ہوسکے"(۱)۔

ایک تحریر تذکرۃ الرشید: ۱/۱۶۴ میں زیرِ عنوان "شبہاتِ فقہیہ و مسائلِ مختلف فیہا" موجود ہے، اس کو بھی نقل کرتا ہوں:

سوال: "مدرسہ میں چندہ وغیرہ کا جو روپیہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک؟ اگر وقف ہے تو بقائے عین واجب ہے اور صَرف بالاستہلاک ناجائز۔ اگر مملوک ہے اور مہتمم صاحب وکیل ہے تو معطیٔ چندہ اگر مر جائے تو غرباء اور ورثاء کا حق ہے، اس کی تفتیش وکیل کو واجب ہے۔ زمانۂ شارع علیہ السلام وخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جو بیت المال تھا اس میں بھی یہ اشکال جاری ہے، بہت سوچا مگر قواعدِ شرعیہ سے حل نہ ہوا۔ اور مختلف چندوں کو خلط کرنا استہلاک ہوجانا چاہیے اور مستہلک (بفتح اللام) ملک مستہلِک ہوکر جو صَرف کیا جائے اس کا تبرع ہوگا اور مالکوں کا ضامن ہوگا۔ اگر یہ ہے تو اہلِ مدرسہ یا امینِ انجمن کو سخت دقت ہے۔ امید ہے کہ جواب باصواب سے تشفی فرماویں گے"۔

جواب: "مہتمم، مدرسہ کا قیّم و نائب جملہ طلباء کا ہوتا ہے جیسا کہ امیر نائب جملہ عالَم کا ہوتا ہے، پس جو شئے کسی نے مدرسہ کو دی، مہتمم کا قبضہ خود طلباء کا قبضہ ہے، اس کے قبضہ سے ملکِ معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہوگیا، اگر چہ وہ مجہول الکمیۃ والذوات ہوں، مگر نائب معین ہے، پس بعد موتِ معطی کے ملک ورثاءِ معطی کی اس میں نہیں ہوسکتی۔ اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہوسکتا ہے۔ بہر حال نہ یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورثۂ معطی کی ہوگی اور نہ خود معطی کی ملک۔ واللہ اعلم"(۲)۔

---

(۱) (إمداد الفتاویٰ، کتاب الوکالۃ، مہتمم مدرسہ معطین چندہ کی طرف سے وکیل ہے اور زکوۃ کا روپیہ تنخواہ مدرسین میں صرف نہیں کرسکتا، الخ: ۳/۳۱۵، ۳۱۶، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲) (تذکرۃ الرشید، عنوان: شبہات فقیہ ومسائل مختلف فیہا: ۱/۱۶۴، إدارہ اسلامیات، لاھور)

(وکذا فی جواھر الفتاویٰ للمفتی عبدالسلام چاٹگامی: ۱/۶۳-۷۵، عنوان: "تملیک زکوۃ میں مولانا گنگوہی اور مولانا سہارنپوری رحمہما اللہ تعالیٰ کا موقف"، اسلامی کتب خانہ کراچی)

اس تحریر میں شبہ مولانا صادق الیقین رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور جواب حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کا ہے،امید ہے کہ آپ کا مسئلہ ان تحریرات سے حل ہو جائے گا۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۸۸ھ۔

مدرسہ سے متعلق ایک وصیت نامہ

سوال[۷۵۴۳] : ذیل کی لکھی ہوئی وصیت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

''حبیب اللہ! تم میرے انتقال کے بعد جامع مسجد میں تمام نمازیوں سے چند باتیں بتلا دینا، کیونکہ میری طبیعت ٹھیک نہیں چل رہی ہے:

۱-میں نے جو تحریر مدرسہ اور مسجد کے بارے میں لکھی ہے، ان پر عمل کیا جائے، وہ لوگوں کو پڑھ کر سنا دینا۔

۲-تمام لوگ مل کر ایک مجلسِ انتظامیہ بنالیں اس میں ہر طرف کے آدمی ہونے چاہیے، اگر مجلس ٹھیک کام نہیں کرتی تو اس کو بدلا بھی جاسکتا ہے اور دوسری مجلسِ انتظامیہ بنائی جاسکتی ہے۔

۳-جو بھی رقم مسجد یا مدرسہ کے لئے وصول کی جائے اس کی رسید باقاعدہ لوگوں کو دی جائے، بغیر رسید کے کسی کی رقم نہ لینی چاہیے، اور جو رقم وصول کی جائے اسے فوراً ڈاکخانے میں جمع کر دیا جائے، کیونکہ آج کل زمانہ بہت نازک ہے۔

۴-میری تحویل بمدِ زکوۃ وصدقات کو تم ڈاکخانے میں جمع کر دینا، مدرسہ کے نام جو منتظمہ کمیٹی بنائی جائے اس کو ڈاک خانے کی کتاب دے دینا۔

۵-کسی عالم ہم خیال وعقیدۂ حنفی دیوبندی کو تعلیم کے واسطے مدرسہ میں ضرور مقرر کرنا، میرے بعد تعلیم سے غافل نہ ہونا، ورنہ مجھے بڑا دکھ ہوگا۔ دیکھو! آئندہ اپنے فعل کے تم سب ذمہ دار ہوگے''۔

سائل: حبیب اللہ معرفت مولانا سکندر حسین سمدھن، فرخ آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب باتیں شرعاً درست اور مفید ہیں (۱)۔ڈاک خانہ میں ایسی صورت بھی ہے جس میں سود کا معاملہ نہیں، اسی صورت میں جمع کریں اور جو رقوم واجب التملیک ہوں ان کو مستحقین تک پہونچانے کا مناسب انتظام کریں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۲/۹۴ھ۔

درسگاہ میں گھنٹہ بجنے سے پہلے نشانی رکھ دینا

سوال [۷۵۴۴]: طلبائے دار العلوم دیوبند عام طور پر ایسا کرتے ہیں کہ اسباق میں بیٹھنے کے لئے گھنٹہ بجنے سے پہلے ہی درسگاہوں میں اپنی نشانی رکھ دیتے ہیں۔اس طور پر نشانی رکھنے سے اس جگہ پر ان کے بیٹھنے کا استحقاق ہوجاتا ہے یا نہیں؟ براہِ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

مختار احمد سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے ہی سے محض اس نشانی کو رکھ دینے کی وجہ سے ان کا حق لازم ومستقر نہیں ہوجاتا، کوئی دوسرا طالب علم آکر وہاں بیٹھ جائے تو گنہگار نہیں ہوگا۔البتہ دوسری جگہ موجود ہو تو نشانی والے کو وحشت میں ڈالنے سے اخلاقاً

---

(۱) "وإن مات القيم وقد أوصى إلى أحد، فوصيُّ القيم بمنزلة القيم. وهذه المسئلة دليلٌ على أن للقيم تفويضاً إلى غيره عند الموت بالوصية؛ لأنه بمنزلة الوصّي عند الموت، وللوصيّ أن يوصي إلى غيره".

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في نصب المتولي ومايملكه: ۳/۲۵۱-۲۵۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: الوصيّ يصير متولياً بلا نص: ۴/۴۲۲، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم: ۲/۴۰۹، رشيديه)

(۲) مذکورہ رقم منتظمین کے پاس امانت ہے اور امانت کو مستحقین تک پہنچانا ضروری ہے:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدّوا الأمٰنٰتِ إلى أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

احتراز مناسب ہے۔

ہاں! اگر کوئی شخص پہلے سے آکر بیٹھ چکا تھا، پھر کسی عارض کی وجہ سے مثلاً تجدید وضووغیرہ کی وجہ سے اٹھ کر گیا اور نشانی رکھ گیا تاکہ ضرورت سے فارغ ہوکر بلاتشویش آکر بیٹھ جائے تو اس کی جگہ دوسرے کو بیٹھنے کا حق نہیں۔ شامی (۱) وعالمگیری (۲)، شرح اشباہ (۳)، شرح بخاری شریف (۴) میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "فی القنية: له فی المسجد موضع معين يواظب عليه، وقد شغله غيره، قال الأوزاعی: له أن يزعجه، وليس له ذلک عندنا، اهـ: أی لأن المسجد ليس ملكاً لأحد. قلت: وينبغی تقييده بما إذا لم يقم عنه علی نية العود بلا مهلة كمالوقام للوضوء مثلاً، ولا سيما إذا وضع فيه ثوبه لتحقق سبق يده .... وكذا كل مايكون المسلمون فيه سواء كالنزول فی الرباطات والجلوس فی المساجد للصلوة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب فيمن سبقت يده إلی مباح: ۱/۶۶۲، سعيد)

(۲) "ذكر الفقيه رحمه الله تعالیٰ فی التنبيه: حرمة المسجد خمسة عشر .... والتاسع أن لا ينازع فی المكان، والعاشر أن لايضيق علی أحد فی الصف". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس فی آداب المساجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۳) "وقال فی شرح المهذب فی باب الجمعة: لايقام أحد من مجلسه ليجلس فی موضعه، فإن قام باختياره، لم يكره". (شرح الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة من الفن الأول: ۱/۳۲۱، إدارة القرآن كراچی)

"يجوز لكل واحد الانتفاع بالمباح، لكنه يشترط أن لايضرّ بالعامة". (شرح المجلة، الفصل الثالث فی أحكام الأشياء المباحة الخ رقم المادة: ۱۲۵۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۴) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما، عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أنه قال: "من ترک الصف الأول مخافة أن يؤذی مسلماً، أضعف الله له أجر الصف". (شرح صحيح البخاری لابن بطال رحمه الله، كتاب الأذان، باب الصف الأول: ۲/۳۴۶، مكتبة الرشد، رياض)

الفصل الثانی فی مصارف المدرسة واستبدالها

(مدرسہ کے مصارف اور اس کو بدلنے کا بیان)

مصرف بدلنا

سوال [۷۵۴۵]: زید نے ایک جوڑی بیل مدرسہ کو دے دی، مدرسہ نے اس کو فروخت کر دیا، اب زید کہتا ہے کہ بیلوں کی قیمت بجائے مدرسہ کے مسجد کی تعمیر میں صرف کی جائے۔ کیا زید کا یہ کہنا شرعاً درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ بیل مسجد کو نہیں دیئے، بلکہ مدرسہ کو دیئے ہیں اور مدرسہ نے ان کو فروخت کر دیا تو اب زید کا یہ کہنا کہ "قیمت مسجد میں خرچ کی جائے" بے محل ہے، قابلِ اتباع نہیں۔ وہ قیمت مدرسہ ہی میں صرف کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

---

(۱) "فإذا تم (أی الوقف) ولزم، لايملک ولايملّک ولا يرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لايملک): أی لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولايملّک): أی لا يقبل التمليک لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليک الخارج عن ملكه". (ردالمحتار: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"(قوله: اتحد الواقف والجهة) من أنه ليس له إعطاء الغلة لغير مَن عيّنه، لخروج الوقف عن ملكه بالتسجيل، فإنه صريح فی عدم صحة الرجوع عن الشروط .... وفی الإسعاف: و لا يجوز له أن يفعل إلا ماشرط وقت العقد .... و فی فتاوی الشيخ قاسم: وماكان من شرط معتبر فی الوقف، فليس للواقف تغييره و لا تخصيصه بعد تقرره و لا سيما بعد الحكم". (ردالمحتار: ۴/۴۵۹، كتاب الوقف، مطلب: لايجوز الرجوع عن الشروط، سعيد)

مدرسہ کی آمدنی سے امارتِ شرعیہ کی امداد

سوال[۷۵۴۶]: ایک مدرسہ کی آمدنی کی رقم سے دوسرے مدارس یا امارتِ شرعیہ وغیرہ کا تعاون جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایک مدرسہ کی وقف کی آمدنی دوسرے مدارس، یا امارت شرعیہ کے تعاون میں صرف کرنا جائز نہیں ہے:

"اتحد الواقف والجهة وقلّ مرسوم بعض الوقف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الأخر عليه؛ لأنهما حينئذٍ كشيئ واحد. وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً ومدرسةً، و وقف عليها أوقافاً، لايجوز له ذلك". درمختار على هامش الشامية: ۳/۵۱۵(۱)۔ "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع". شامی: ۳/۴۹۹(۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۶۰/۴، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، سعيد)

"قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى". (ردالمحتار: ۳۶۱/۴، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه، سعيد)

"و قد علم منه أنه لا يجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر".

(البحرالرائق: ۳۶۲/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، : ۳۴۳/۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف، فصل: ۶۰۸/۲، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، مطلب: شرط الواقف كنص الشارع: ۱۲۶/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

چندہ کا روپیہ جلسۂ انعامی میں خرچ کرنا

سوال[۷۵۴۷]: یہاں مدرسہ اسلامیہ کے لئے قصبہ سے سالانہ چندہ کیا جاتا ہے، جس میں زیادہ تعداد صدقاتِ واجبہ: زکوۃ، چرم قربانی کی ہوتی ہے اور مصارفِ مدرسہ: تنخواہِ مدرسین اور خرچ یتیم خانہ دو بڑی مدیں ہیں، اس کے علاوہ روزمرہ کے کچھ متفرق خرچ ہوجاتا ہے۔ چندہ دہندگان کے ذہن میں اخراجاتِ مدرسہ کی تفصیل نہیں ہوتی اور نہ ہر ہر وقت ان سے ہر ہر خرچ کی اجازت لی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دو تین سال میں جلسہ انعامی بھی ہوتا ہے جس میں طلباء کو کتابیں انعام میں اور علماء کا خرچِ آمدورفت دیا جاتا ہے۔

آیا یہ خرچِ جلسہ بھی مدرسہ کے چندہ کی رقم میں سے کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر بلا اجازت نہیں کیا جاسکتا تو اجازت زکوۃ دہندگان سے لی جایا کرے، یا تملیک کرنے والے جو زکوۃ کی رقم اپنی ملک میں لے کر مدرسہ میں داخل کردیتا ہے، یا قرض لے کر مدرسہ میں دیدیتا ہے، ان کو صدقات کی رقم اپنا قرض ادا کرنے کے لئے دیدی جاتی ہے۔ امید ہے کہ جواب سے مشرف فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر چندہ دہندگان نے مصرف کی تعیین کردی ہے تو اسی مصرف پر چندہ صرف کیا جائے گا، اس کے خلاف نہ کیا جائے (۱)۔ اگر مصرف کی تعیین نہیں کی، بلکہ مہتمم کو مصالحِ مدرسہ میں صرف کرنے کا کلی اختیار دیدیا ہے تو پھر ہر مصلحت میں صرف کرنا درست ہے (۲)۔ جن رقوم میں تملیک واجب ہے، ان کو بغیر تملیک کے غیر

---

(۱) "ومن اختلاف الجهة: ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهى واقعة الفتوىٰ، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۳۶۱/۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشيديه)

"وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲۶۹/۲، سعيد)

(۲) "مسجدٌ له أوقاف مختلفة، لا بأس للقيم أن يخلط غلتها كلها، وإن خرب حانوت منه، فلا بأس بعمارته من غلة حانوت آخر؛ لأن الكل للمسجد". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشيديه) =

محل: یعنی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں (۱)۔

جب انعامی جلسہ ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ چندہ دہندگان بھی کثیر مقدار میں جمع ہوتے ہوں گے، ان کے سامنے مدرسہ کا پورا آمد وصرف کا حساب مدّ وار پیش کیا جاتا ہوگا، یہ ان کے لئے ذریعۂ علم ہے، پھر ہر شخص سے علیحدہ علیحدہ ہر ہر مد بتلا کر مصرف (یعنی جو رقم زکوۃ وصدقات کے علاوہ یکمشت مدرسہ میں آتی ہے اس کے لئے تفصیل کی ضرورت نہیں، اجمالی علم ان مدات کا ان کو ہوتا ہی ہے وہ کافی ہے) کا دریافت کرنا ضروری نہیں۔ ہاں! اگر قرائن سے معلوم ہوجائے کہ یہ صاحب اپنا روپیہ فلاں مد میں صرف کرنا پسند نہ کریں گے تو ان کا روپیہ اس مد میں بلا اجازت صرف نہیں کرنا چاہئے۔

اگر اب تک چندہ دہندگان کے سامنے جملہ مدات کو پیش نہیں کیا گیا تو بہتر یہ ہے کہ ان کو ضرور پیش کردیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہوجائے کہ ہمارا روپیہ کہاں کہاں صرف ہوتا ہے اور جس شخص کو اس طرح چندہ دینے سے گریز ہوتو وہ اس میں خرچ کرنے سے منع کردے۔ جلسۂ انعامی بھی مصالحِ مدرسہ میں سے ہے۔ رقم واجب التملیک میں مستحقین کو انعام دینا درست ہے اور غیر مستحقین کو بلا تملیک درست نہیں۔ جب رقم واجب التملیک کی تملیک ہوگئی تو اصل دہندہ کی زکوۃ وغیرہ ادا ہوگئی، اب اگر کسی مد میں صرف کرنے کے لئے اجازت کی ضرورت ہوتو جو شخص مالک بننے کے بعد از خود مدرسہ میں دے گا اس سے اجازت لی جائے، سابق دہندہ سے اجازت کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور ۲۲/۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

مجلسِ شوریٰ نے جس کے لئے جو چیز تجویز کردی وہ اسی کے لئے ہے

سوال [۷۵۴۸]: مدرسین کا اس مال سے تنخواہ لینا کیسا ہے جو زکوۃ، صدقہ، امداد میں مخلوط ہو، اور بلا

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ٢٦٩/٦، ٢٧٠، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ٣٦٠/٤، سعيد)

(١) "وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء. وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر: نعم". (الدر المختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ٣٤٥/٢، سعيد)

تملیک ہو، اگر شوریٰ نے کوئی شئ کسی ایک کے لئے عملہ میں سے منتخب کردی تو کیا دوسرا آدمی اسی عملہ کا اس سے چیزیں لے سکتا ہے، ضرورت کے پیشِ نظر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ وصدقہ سے تنخواہ لینا درست نہیں ہے (۱)۔ شوریٰ نے جس کے لئے جوشئ تجویز کردی، بغیر شوریٰ کی اجازت کے کسی دوسرے کو اُس کے لینے کا حق نہیں (۲)، ضرورت ہوتو شوریٰ سے کہے۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مدرسہ کے لئے دی ہوئی رقم اپنے رکھے ہوئے مدرس کو دینا

سوال[۷۵۴۹] : ا......میں کمیٹی کی طرف سے بنایا ہوا ایک مدرسہ کا مہتمم ہوں۔ زید مدرسہ کے نیچے کی منزل کا کرایہ دار ہے، مدرسہ کو کرایہ دیتا چلا آیا ہے۔ میری زید سے مخالفت ہوگئی تو زید نے یہ عمل کیا کہ مدرسہ کے ایک کمرہ میں ایک مدرس کو اپنی ذمہ داری پر تعلیم کے لئے بٹھا دیا، میں نے بوجہٗ فتنہ کوئی مخالفت نہیں کی۔ زید کے اوپر دوسال کا کرایہ مدرسہ کا واجب ہوگیا، اس سے کرایہ کا مطالبہ کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے

---

(۱) زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک بلاعوض شرط ہے اور تنخواہ عوض میں دی جاتی ہے لہٰذا یہ جائز نہیں: "هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۶، ۲۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب الأول: ۱/۱۷۰، رشيديه)

(۲) "وقفٌ له متولٍّ ومشرف، لايكون للمشرف أن يتصرف في مال الوقف؛ لأن ذلك مفوّض إلى المتولي، والمشرف مأمور بالحفظ لاغير". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً: ۳/۲۹۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم: ۲/۴۱۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الوقف، الفصل الثاني: ۴/۴۱۱، امجد اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۴۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

رکھے ہوئے مدرس کوتنخواہ دیتا ہوں، آپ کونہیں دوں گا۔اس کا یہ عمل کیسا ہے؟ میں اس کے اس عمل سے متفق نہیں ہوں، تومدرسہ کادوسال کا کرایہ اس پر واجب ہے، یا شرعاً ادا ہو گیا؟

ایضاً

سوال[۷۵۵۰] : ۲......شادی وغیرہ کے موقع پر بعض لوگ مدرسہ کورقم دیتے ہیں، مذکورہ شخص وہ رقم لےکر مدرسہ میں دینے کے بجائے اپنے مدرس کوتنخواہ دیتا ہے۔اس کا یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟ اور یہ سب کچھ میری مخالفت کی وجہ سے کررہا ہے، اور وہ شادی وغیرہ کی رقم اس کے ذمہ واجب الاداء ہے یا نہیں؟

لئیق احمد، مدرسہ خادم القرآن، سردھنہ میرٹھ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱..... حسبِ معاہدہ زید کے ذمہ کرایہ کا ادا کرنا واجب ہے(۱)، اپنی ذمہ داری پر کسی مدرس کوتنخواہ دینے سے کرایہ ساقط نہیں ہوگا، بلکہ اگر بطورِ چندہ مدرسہ میں وہ روپیہ یا سامان دے، یا طلباء کوکھانا دے اس سے بھی کرایہ ساقط نہیں ہوگا(۲)۔

۲......جو چیز رقم وغیرہ کسی نے اس کومدرسہ میں دینے کے لئے دی ہے وہ چیز امانت ہے، اس کے ذمہ لازم ہے کہ مدرسہ کے ذمہ دار کے حوالہ کرے، خود اپنے رکھے ہوئے مدرس کو دینا درست نہیں، اس طرح سے حقِ امانت ادا نہیں ہوتا(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۲ھ۔

---

(۱) "واعلم أن الأجر لایلزم بالعقد، فلا یجب تسلیمه به، بل بتعجیله أو شرطه فی الإجارة .... أو الاستیفاء للمنفعة أو تمکنه منه". (الدرالمختار، کتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعید)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجیل أو بالتعجیل أو باستیفاء المعقود علیه، فإذا وجد أحد هذه الثلاثة، فإنه یملکها". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الثانی: ۴/۴۱۳، رشیدیه)

(۲) چونکہ مدرس کو زید ہی نے رکھا ہے، لہٰذا زید ہی کے ذمہ اس کی تنخواہ ہے، مدرسے کی رقم سے نہیں دے سکتا ہے، کما تقدم فی الحاشیة المتقدمة.

(۳) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿إن اللہ یأمرکم أن تؤدوا الأمٰنٰت إلی أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

سفر بکارِ مدرسہ میں اپنا ذاتی سامان ضائع ہوجائے تو اس کا بدل

سوال[۷۵۵۱]: مدرسہ کے کام سے کہیں گئے اور اپنا ذاتی سامان کھوگیا تو کیا مدرسہ سے مطالبہ کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۱۴۰۶ھ۔

دینی مدرسہ کے لئے وقف شدہ زمین کی پیداوار اسکول میں دینا

سوال[۷۵۵۲]: والد مرحوم نے اپنی حیات میں ایک دینی مدرسہ کی خدمت کے واسطے مدرسہ میں زمین وقف کی تھی، پہلے دینی تعلیم اور اسی کورس کی تعلیم ہوتی تھی، چند سال بعد ممبرانِ مدرسہ نے اسے بدل کر انگریزی، ہندی شامل کرکے پورا ہائر سکنڈری کورس کے مطابق چلایا۔ اس وقت وہ کالج ہے، طلبہ کی وضع قطع بالکل بدل گئی۔ گورنمنٹ کی طرف سے روپیہ مدرسہ کو ملتا ہے، سرکاری امتحانات ہوتے ہیں، سرکاری مشورہ سے نصاب میں ترمیم وتنسیخ بھی ہوتی ہے۔ والد صاحب اس وقت مخالف ہوئے اور ممبری سے استعفا دیدیا، اور وقف زمین کی پیداوار غلہ دھان وغیرہ بجائے اس مدرسہ میں دینے کے دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مدارس کو جہاں دینی تعلیم ہو، دینے لگے۔

اب والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، ہم چار بھائی ہیں، ہم سب کا بھی وہی خیال ہے جو والد صاحب کا تھا۔ کمیٹی والے ہم کو زور دے رہے ہیں کہ تم بھی دو، کیونکہ تمہارے والد صاحب نے مدرسہ میں زمین وقف کی تھی۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ رجسٹرڈ نہیں ہے کہ آپ کا مدرسہ جس حال میں بھی ہو قیامت تک اس کا غلہ دیا جائے۔ بہرحال زمین رجسٹرڈ نہیں ہے۔

---

(۱) "الأصل أن الضمانات في الذمة لاتجب إلا بأحد الأمرين: إما بأخذ أو بشرط، فإذا عدما، لم تجب. قال: الأخذ وهو الغصب وقبض الرهن والتقاط من غير إشهاد ونحوها، والشرط قبول العقد كالشراء والاستيجار ونحوها". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۶)، ص: ۱۵، الصدف پبلشرز، کراچی)

(وكذا في شرح المجلة: ۱/۵۴، (رقم المادة: ۸۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں اس کا غلہ اس مدرسہ میں دیا جائے یا دوسرے مدارسِ اسلامیہ کو جہاں دینی تعلیم ہوتی ہے؟ جواب سے نوازیں۔

عبدالمنان چودھری جبدامانک، گنج کچھاڑ، آسام۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جس دینی خدمت کے لئے آپ کے والدِ مرحوم نے وہ زمین مدرسہ کو دی تھی جب وہ خدمت وہاں نہیں رہی، بلکہ اس کے خلاف کا سلسلہ قائم ہوگیا، اور والد صاحب نے خود بھی اس جگہ اس زمین کا غلہ دینا بند کردیا تو آپ سب بھی وہاں غلہ نہ دیں، بلکہ دینی تعلیم پر خرچ کریں۔ واقف کی غرض فوت ہونے کی وجہ سے ممبروں کو اس کے مطالبہ کا حق نہیں۔ غرض! واقف کی رعایت لازم ہوتی ہے، جیسا کہ بحر (۱) تبیین (۲) ردالمحتار وغیرہ میں موجود ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۹۴ھ۔

ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ کے طالب علم کو دینا درست نہیں

سوال [۷۵۵۳]: مدرسہ کے نام پر وصول کی ہوئی رقم کسی ایسے محتاج طالب علم کو دینا جو اس مدرسہ میں داخل نہ ہو، درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو رقم ایک مدرسہ کے لئے وصول ہوئی ہو، وہ کسی غیر متعلق آدمی کو دینا درست نہیں، اگر چہ وہ کسی

---

(۱) "لو شرط عندالإيقاف ذلک، اعتبر شرطه". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۶۸/۱، رشيديه)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحرالرائق: ۴۱۱/۵، کتاب الوقف، رشيديه)

(۲) "لأن شرط الواقف معتبر، فيراعى كالنصوص". (تبيين الحقائق: ۲۶۹/۴، کتاب الوقف، دارالکتب العلمية بيروت)

(۳) "وماخالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص .... سواء كان نصه في الوقف نصاً أو ظاهراً .... وشرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴۹۵/۴، کتاب الوقف، سعيد)

دوسرے مدرسہ کا طالب علم ہی ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۵/ ۹۲ھ۔

ایک مدرسہ کے لئے جمع شدہ روپیہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۷۵۵۴]: ایک جماعت نے مدرسہ اسلامیہ قائم کرکے اس کے نام رسید وغیرہ بھی جاری کرکے چندہ وصول کیا اور چند ماہ تک مدرسہ کو اس چندہ سے چلاتے رہے، بعد میں کافی رقم ہونے پر چند اشخاص نے دوسری جگہ مدرسہ اسلامیہ جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اب وہ روپیہ جو مدرسہ موجودہ کے لئے جمع کیا گیا تھا دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ پہلے مدرسہ میں روپیہ کی سخت ضرورت ہے اور مدرسہ روپیہ کا سخت محتاج ہے۔ صاف ومدلل جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مدرسہ کے لئے متعین طور پر چندہ وصول کیا ہے جب تک وہ مدرسہ آباد ہو اور اس میں وہ روپیہ خرچ ہوسکتا ہو تو دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا شرعاً جائز نہیں (۲)، کیونکہ جماعت چندہ وصول کنندہ امین ہے،

---

(۱) متولی اور مہتمم مدرسہ رقم دینے والوں کی طرف سے وکیل ہے، اور وکیل کو مؤکل کی تصریح کے خلاف خرچ کرنے کا حق نہیں ہے: "و هنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل و قد أمره بالدفع إلىٰ فلان، فلا يمك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار: ۲/ ۲۶۹، کتاب الزكاة، مطلب: في زكاة ثمن المبيع وفاء، سعيد)

"و لو اشترى بغلة الوقف ثوباً و دفعه إلى المساكين، يضمن ما نقد من مال الوقف، لوقوع الشراء له". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۴۱۸، كتاب الوقف، الباب الخامس، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق: ۵/ ۳۶۰، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) "قال الخير الرملي: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى". (ردالمحتار: ۴/ ۳۶۱، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه، سعيد)

"وأما إذا اختلف الواقف، أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسةً و مسجداً وعيّن لكلٍ وقفاً، و فضل من غلة أحدهما، لايبدل شرط الواقف .... و قد علم منه أنه لا يجوز لمتولى =

جس مدرسہ کے لئے وصول کیا ہے اس میں خرچ کرنا ضروری ہے اور دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا امانت اور دیانت کے خلاف ہے، اور جو خیانت کرے وہ متولی و مہتمم بننے کا مستحق نہیں: "وفي الإسعاف: لا يولّى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه، اهـ". عالمگیری: ۲/۴۰۸ (۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

اگر پہلا مدرسہ غیر آباد ہو جائے تب دوسرے مدرسہ میں صرف کرنا درست ہے، بشرطیکہ چندہ دہندگان منع نہ کریں (۲)۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایک مدرسہ کا روپیہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال [۷۵۵۵]: بارات کے سدھی (معطی) نے بعد تحقیق و تفتیش یہ واضح طور پر بتلایا کہ میں نے کھیڑے والی مسجد اور مدرسہ میں پچاس روپے لوجہ اللہ دیئے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان روپیوں کو کسی دوسرے مدرسہ کے متولی نے عیاری سے لے لیا۔ استفتاء یہ ہے کہ ان روپیوں کا کھیڑے والی مسجد اور مدرسہ کے علاوہ کسی دوسرے مسجد یا مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ جبکہ معطی بار بار یہ کہہ رہا ہے کہ میری یہ خیرات کھیڑے

= الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق: ۵/۳۶۲، كتاب الوقف، رشيديه)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۴۰۸، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۴/۳۸۰، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۷۸، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) " عن شمس الأئمة الحلواني: أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه، لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ قال: نعم". (ردالمحتار: ۴/۳۵۹، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۲۲، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۴۷۸، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها، رشيديه)

والے مدرسہ اور مسجد کے لئے ہے۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جس جگہ خرچ کرنے کے لئے وہ روپیہ دیا ہے اسی جگہ خرچ کرنا لازم ہے(۱)، اگر دوسری جگہ خرچ کردیا تو ضمان لازم ہوگا۔ اس لئے کہ متولی امین اور وکیل ہے، معطی کی تصریح کے خلاف خرچ کرنے کا اس کو حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۲/۵/۹۰ھ۔

طلبہ کی انجمن کا روپیہ دارالعلوم میں دینا

سوال[۷۵۵۶]: افریقی طلباء کی ایک انجمن ہے جس کا نام ''افریقا مسلم اسٹوڈنٹس یونین'' ہے، یہ وقتی طور پر معطل قرار دی گئی ہے، اس کا چندہ اکثر جنوبی افریقہ سے آتا تھا، ہم نے وہاں کے ایک رسالہ کے ذریعہ انجمن کے معطل ہونے کا عام اعلان کیا ہے اور یہ بھی اعلان کیا کہ انجمن کا معمولی سامان ڈابھیل کے مدرسہ جامعہ اسلامیہ میں امانت رہے گا، اور رقم دارالعلوم دیوبند میں بطورِ عطیہ دی جارہی ہے۔ کیا اس صورت میں اس رقم کو دارالعلوم میں داخل کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

چندہ دینے والوں کو اگر یہ منظور ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں تو ایسا کرنا شرعاً درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۸/۹۵ھ۔

---

(۱) ''وماخالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص .... وشرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه''. (ردالمحتار: ۴/۴۹۵، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۲/۱۰۶، كتاب الوقف، الفن الثاني، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۶۰۸، كتاب الوقف، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) ''وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلیٰ فلان، فلا يمک الدفع إلى غيره''. (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب: في زكاة ثمن المبيع وفاء، سعيد)

(۳) ''الإذن والإجازة توكيل''. (شرح المجلة لخالد آتاسي: ۴/۴۰۵، (رقم المادة: ۱۴۵۲)، كتاب =

موقوفہ کتب کوایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ میں منتقل کرنا

سوال[۷۵۵۷]: ایک قدیم مدرسہ ہے جس میں بہت سی کتب ہیں، اس وقت وہ بند ہے، کوئی بھی فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ دیمک کی نذر ہورہی ہے تو کیا شرعی رو سے اگر کوئی شخص جو کسی دوسرے مدرسہ میں پڑھ رہا ہو ان سے استفادہ کرسکتا ہے؟ یا ایک مدرسہ جو جاری ہے البتہ وہ کتب جن کی ضرورت ہے اس وقت رکھی ہوئی ہیں، کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہا ہے، فی الحال مدرسہ کو ضرورت ہے، تو کیا کسی کو بطورِ استفادہ دے سکتے ہیں، واپسی ہر حالت میں ضروری ہے بعد استفادہ کے؟ جواب مع حوالہ عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

واقف و مہتممِ مدرسہ اور دیگر اصحابِ رائے باہمی مشورہ کرکے ان کتب کو ایسے مدرسہ میں منتقل کرسکتے ہیں جہاں ان سے استفادہ کیا جاسکے اور دیمک سے بھی حفاظت ہوجائے، واقف کا مقصد بھی فی الجملہ ہو، جیسا کہ درمختار کی جزئیات سے مستفاد ہوتا ہے(۱)۔ دوسرے مدرسہ میں پڑھنے والا قابلِ اطمینان ہو کہ کتابیں واپس

= الوکالة، حقانیہ پشاور)

"یشترط أن یکون المؤکل ممن یملک التصرف بالنوع الذی وکله؛ لأن الوکیل یستفید ولایة التصرف من المؤکل و یقدر علیه من قبله". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۲/۴۷۷، (رقم المادة ۱۴۵۷)، کتاب الوکالة، الباب الثانی فی بیان شروط الوکالة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/۲۶۹، کتاب الزکاة، سعید)

(۱) "جاز للحاکم أن یصرف من فاضل الوقف الآخر علیه؛ لأنهما کشئ واحد". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعید)

"وحکی أنه وقع مثله فی زمن سیدنا الإمام الأجل فی رباط فی بعض الطرق خرب ولاینتفع المارّة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل یجوز نقلها إلی رباطٍ آخرٍ ینتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، ویحصل ذلک بالثانی". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۰، سعید)

"وقف مصحفاً علی أهل مسجد للقراء ة إن یحصون، جاز. وإن وقف علی المسجد، جاز، ویقرأ فیه، ولایکون محصوراً علی هذا المسجد، وبه عرف حکم نقل کتب الأوقاف من محالها =

کردے گا تو اس کو استفادہ کے لئے دینا بھی درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

شیخ کے مہمانوں کا مدرسہ کے کلوخ استعمال کرنا

سوال [۷۵۵۸]: جو لوگ سہارنپور میں حضرت شیخ کے مہمان بنتے ہیں وہ رمضان میں قبلۂ، یا بعدہ مدرسہ کے کلوخ بیت الخلاء وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رمضان المبارک کے سلسلہ میں جو مہمان حضرت شیخ کی وجہ سے سہارنپور آتے ہیں وہ خود بھی براہِ راست مدرسہ کی خدمت واعانت بڑی مقدار میں کرتے ہیں اور کھانے، بجلی وغیرہ کا وہاں پورا خرچ حضرت شیخ ادا کرتے ہیں، جس میں ڈھیلے بھی شامل ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۱۱/ ۹۵ھ۔

مدرسہ کا کھانا تبلیغی جماعت کو کھلانا

سوال [۷۵۵۹]: ایک مدرسہ میں مہتمم صاحب نے تبلیغی مرکز قائم کر رکھا ہے، ہر جمعرات کو جماعتیں آتی ہیں تو انہیں مدرسہ کی طرف سے کھانا کھلایا جاتا ہے۔ مدرسہ کے روپے سے تبلیغی جماعت کو کھانا کھلانا درست ہے یا نہیں؟ جماعت میں غریب امیر سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان مہتمم صاحب کا یہ طریقہ غلط ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۱۲/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۱۲/ ۹۲ھ۔

= للانتفاع بها، والفقهاء بذلك مبتلون". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۶۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۸۱، ۳۸۲، رشيديه)

(۱) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۲) واضح رہے کہ جب حضرت شیخ مدرسہ کے تمام اخراجات خود برداشت کرتے ہیں تو مہمان گویا حضرت شیخ ہی کی چیز کو استعمال کرتے ہیں، اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۳) (راجع، ص: ۴۷۷، رقم الحاشية: ۱)

طلبہ کا غلہ تبلیغی جماعت کو کھلانا

سوال[۷۵۶۰]: کسی مدرسہ میں بچے تعلیم پاتے ہیں اور تبلیغی جماعت بھی آتی ہے، چندہ مدرسہ خیر السلام اور دار المسافرین کے نام سے ہوتا ہے، پھر لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ جس مدرسہ میں ہم غلہ دیتے ہیں اس میں تبلیغی جماعت کے آدمی کھاتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو غلہ مدرسہ میں پڑھنے والے بچوں کے لئے دیا گیا ہے اس میں سے تبلیغی جماعت کے لوگوں کو کھلانا درست نہیں، جب تک دینے والوں کی طرف سے اجازت نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۲/ ۵/ ۹۱ھ۔

مدرسہ کا روپیہ تبلیغ میں خرچ کرنا

سوال[۷۵۶۱]: ۱...... مدرسہ کا روپیہ تبلیغ میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... مدرسہ کے نام سے جو کچھ وصول ہوتا ہے: روپے، دھان، چاول، پاٹ، آلو، پیاز وغیرہ ان سب چیزوں سے تبلیغ کے مہمانوں اور مبلغین اور سامعین کو کھلانا کیسا ہے، جائز ہے یا نہیں؟

۳...... مدرسہ کے روپے سے کسی آدمی یا مبلغ کو خرچہ دیکر کلکتہ دہلی وغیرہ کسی مرکز، یا اجتماع میں بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً و مدرسةً، و وقف عليهما أوقافاً، لا يجوز له ذلك". (الدرالمختار). "(قوله: لا يجوز له ذلك): أى الصـ...

الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان

للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى

مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه، سعيد)

"فإن كان الوقف معيناً على شيء، يصرف إليه بعد

كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۵۷، ر

الفر

(وكذا ر

بجعل دار ه مسـ

۴......روزانہ جو مٹھی کھانا پکنے کے وقت نکالی جاتی ہے (مدرسہ کے نام) وہ چاول یا آٹا تبلیغ میں خرچ کرنا اور تبلیغ والوں کو کھلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جو روپیہ مدرسہ میں طلباء کے کھانے، کپڑے کے لئے دیا گیا ہے اس کو تبلیغ میں باہر بھیج کر خرچ نہ کیا جائے (۱)۔

۲......یہ چیزیں بھی طلباء پر خرچ کرنے کے لئے دی گئی ہوں تو ان کو مواقعِ مسئولہ پر خرچ نہ کریں۔

۳......اس کا جواب نمبر:۱ سے ظاہر ہے۔

۴......اس کا جواب نمبر:۲ میں آ گیا، غلہ وغیرہ دینے والوں کو اگر بتا دیا جائے کہ اس کو تبلیغ وغیرہ میں بھی خرچ کیا جائے گا اور وہ اس کی اجازت دیدیں تو درست ہے (۲)۔

مدرسین کے لئے خاص کھانا

سوال[۷۵۶۲]: ۱......مجلسِ منتظمہ کی اجازت سے اگر مدرسہ کے روپے سے مدرسہ کے طلباء کے لئے عام اور مدرسین کے لئے خاص کھانا پکے تو یہ خاص کھانا مدرسین کے لئے جائز ہے یا نہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) تقدم تخریجه تحت عنوان: "طلبہ کا غلہ تبلیغی جماعت کو کھلانا"۔

(۲) "مسجدٌ له مستغلات و أوقاف أراد المتولي أن يشترى من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً .... قالوا: إن وسع الواقف ذلک للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشترى للمسجد ما شاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر: ۲/ ۴۶۱، رشيديه)

"فإن فعل، فإن عرف صاحب ذلک، ردّ المال عليه، أو سأله تجديد الإذن فيه".

(التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها: ۵/ ۸۷۹، إدارة [القر]آن كراچى)

في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/ ۲۹۹، كتاب الوقف، باب الرجل [يجعل دار]ه مسجداً أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً، رشيديه)

۲......عام اور خاص کا برتاؤ ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

۳......کیا اسلام میں اس کی کوئی نظیر یا دلیل موجود ہے؟ اگر ہے تو مہربانی فرما کر تحریر فرمائیں۔

۴......کیا ایک ہی مجلس میں بیٹھ کر بعض لوگ عام اور بعض لوگ خاص کھانا کھا سکتے ہیں؟ کیا حدیث شریف میں عام وخاص کا کوئی ثبوت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث پاک میں ہے "أنزلوا الناس منازلهم" جیسا کہ مسلم (۱) اور ابوداود (۲) کی روایت سے جامع صغیر ۱/۱۰۸ میں مذکور ہے (۳)۔ اس حدیث کے پیشِ نظر تخصیص وتعمیم کے بے شمار واقعات ظاہر ہوئے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں ایک سائل آیا تو اس کو معمولی چیز دے کر چلتا کر دیا، ایک مہمان آیا تو اس کو بٹھا کر اہتمام سے کھانا کھلایا (۴)۔ نماز میں بڑے آدمیوں کا صفِ اول میں کھڑا ہونا اور بچوں کا پیچھے ہونا کتبِ فقہ میں مذکور ہے (۵)۔ امام کے قریب اہلِ علم، اہلِ عقل کا کھڑا ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے:

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أنها قالت: أمرنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أن ننزل الناس منازلهم". (الصحیح لمسلم: ۱/۴، المقدمة، قدیمی)

(۲) "عن میمون بن أبي شبیب، أن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها مرّ بها سائل، فأعطته كسرةً، ومرّ بها رجل علیه ثیاب وهیأة، فأقعدته فأكل، فقیل لها في ذلك، فقالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أنزلوا الناس منازلهم". (سنن أبي داؤد: ۲/۳۱۷، كتاب الأدب، باب في تنزیل الناس منازلهم، امدادیه)

(۳) قال العلامة المناوي رحمه الله تعالیٰ: "أنزلوا الناس منازلهم": أي احفظوا حرمة كل أحد علی قدره، وعاملوه بما یلائم حاله في دین و علم وشرف، فلا تسوّوا بین الخادم والمخدوم، والرئیس والمرؤوس، فإنه یورث عداوةً وحقداً في النفوس .... و قد عدّ الأسكري هذا الحدیث من الأمثال والحكم، وقال: هذا مما أدّب به المصطفی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أمته من إیفاء الناس حقوقهم من تعظیم العلماء والأولیاء و إكرام ذي الشیبة و إجلال الكبیر وما أشبه". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۵/۲۳۲۲، (رقم الحدیث: ۲۷۳۵)، مكتبه نزار مصطفی الباز ریاض)

(۴) (راجع سنن أبي داؤد، المصدر المتقدم)

(۵) "(یصفّ الرجال) ظاهره یعم العبد (ثم الصبیان، ثم الخناثیٰ، ثم النساء)". (الدر المختار). =

"لِيَلِيَنِيْ منكم أولوا الأحلام والنهى"(۱)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعوت میں عوام وخواص کا فرق کیا کرتے تھے(۲)۔

نشست میں بھی، نوع طعام میں بھی، اَور چیزوں میں کافی فرق ہوتا ہے، مثلاً: مدرس کی تنخواہ زیادہ ہوتی ہے، طالب علم کا وظیفہ کم ہوتا ہے، مدرس اچھے کپڑے پہنتا ہے اور طالب گھٹیا، مدرس کے بیٹھنے کی جگہ نمایاں ہوتی ہے، کبھی دری ہوتی ہے کبھی گدا، کبھی تکیہ بھی، اور طلباء کے واسطے یہ چیزیں نہیں ہوتیں، مدرس کا کمرہ مخصوص ہوتا ہے، عامۃً وہ تنہا رہتا ہے، طلباء ایک کمرے میں کئی کئی رکھے جاتے ہیں۔

غرض تمام ہی چیزوں میں فرق ہوتا ہے اور ان پر اشکال نہیں کیا جاتا، تو کھانے میں ہی اشکال کی کیا وجہ ہے۔ اگر مدرسہ کی طرف سے مدرسین کو کھانا کچھ مخصوص دیا جائے جو کہ جز وتنخواہ ہے اور طلباء کو عام کھانا دیا جائے جو کہ کسی تنخواہ کا جز ونہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۱۳۹۹ھ۔

خرچ شدہ رقم سے زائد مدرسہ سے وصول کرنا

سوال [۷۵۶۳]: ہمارے یہاں ایک مدرسہ ہے، مدرسہ کا کوئی کام کیا اور دس روپے خرچ ہوئے اور مدرسہ میں ساڑھے بارہ روپے لکھواتے ہیں۔ تو کیا اس طرح پر مدرسہ کے پیسے لینا جائز ہے؟

= "(قوله: ظاهره يعم العبد) أشار به إلى أن البلوغ مقدم على الحرية، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لِيَلِيَنِيْ منكم أولوا الأحلام والنهى": أي البالغون". (ردالمحتار: ۱/۵٦۸-۵۷۱، كتاب الصلوة، باب الإمامة، سعيد)

(۱) الحديث بتمامه: "عن أبي مسعود الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يمسح مناكبنا في الصلوة، ويقول: "استووا و لاتختلفوا، فتختلف قلوبكم، لِيَلِيَنِيْ منكم أولو الأحلام والنهىٰ، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف، الفصل الأول، ص: ۹۸، قديمي)

(۲) لم أقف عليه

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ جھوٹ اور فریب ہے جس کا ناجائز ہونا بالکل واضح ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۹ھ۔

کمرۂ مسجد میں مدرسہ کا کرایہ مسجد کو دینا

سوال[۷۵۶۴]: ہمارے محلّہ کی مسجد میں ایک کمرہ ایسا ہے جس میں عرصۂ دراز سے پیش امام رہتا تھا اوراس میں بچوں کو دینی تعلیم دیتا تھا۔ایک موقع پر جب کوئی پیش امام نہیں تھا، زید نے مسجد مذکور کے متولی عمر کے کہنے سے کسی تنخواہ کا معاملہ کئے بغیر امامت شروع کردی اوراس کمرہ میں خود رہنے کے بجائے ایک مولوی صاحب کو بچوں کی تعلیم کے لئے مقرر کردیا، بچوں سے کوئی فیس نہیں رکھی گئی۔مولوی صاحب کی تنخواہ آٹے کی چٹکی (۲) اور چندہ سے اہلِ محلّہ کی طرف سے دی جاتی رہی۔متولی عمر نے اس کمرہ کا راستہ بیرونِ مسجد کردیا اور کہا کہ اب اس کمرہ کو کرایہ پر دے گا، زید نے کہا کہ آپ اس کمرہ کا کرایہ نہ لگائیے، ہم نماز تو پڑھایا ہی کرتے ہیں، اس کمرہ کا کرایہ ہماری تنخواہ سمجھ لینا۔

مدرسہ کرایہ دینے سے مجبور ہے، لیکن عمر اپنی بات پر جم گیا۔اکثر واقفینِ مسجد متولی عمر کی اس رائے کے خلاف ہیں، سب کا خیال یہی ہے کہ جب تک امام کے لئے دوسرا کمرہ نہ بن جائے اس وقت تک اس کمرہ کا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال الإمام القرطبي رحمه الله تعالىٰ: "الخطاب بهذه الآية يتضمن جميع أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، والمعنى: لا يأكل بعضكم مال بعض بغير حق، فيدخل فيه القمار، والخداع، والمغصوب، وجحد الحقوق، وما لا تطيب به نفس مالكه، أو حَرّمَتْه الشريعة وإن طابت نفس مالكه".

(تفسير القرطبي: ۲/ ۲۲۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في معالم التنزيل للبغوي: ۲/ ۵۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم: ۱/ ۷۰، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غشنا، قديمي)

(۲) "چٹکی: مٹھی بھر آٹا، مٹھی بھر چکنا"۔(فيروز اللغات، ص: ۵۲۱، فيروز سنز لاهور)

کرایہ لگانا مناسب نہیں۔ متولی عمر نے وعدہ کیا کہ کچھ عرصہ کرایہ دے دو تا کہ مسجد اس پیسہ سے دوسری طرف کھپریل (۱) ڈال دے اور پھر اس طرف مدرسہ منتقل کر دینا۔

اس معاہدہ کے تحت مدرسہ نے چودہ ماہ تک مبلغ ۲۱۰/ روپیہ مسجد کو کرایہ دیا اور مدرسہ کے ذمہ دار زید برابر نماز پڑھاتے رہے۔ اس درمیان میں متولی عمر سے کرایہ کی پریشانی برابر کہی جاتی رہی، لیکن متولی عمر نے دوسری طرف کھپریل کا انتظام نہیں کیا، حتی کہ وہ وقت بھی آگیا جب کہ مدرسہ کرایہ دینے سے بالکل مجبور ہوگیا اور تاہنوز مجبور ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد متولی عمر نے مسجد کے دوسرے حصے کی طرف چھت بنوائی ہے، لیکن ایک دوسرے پیش امام کو مقرر کر دیا اور وہ نئی جگہ ان کے حوالہ کر دی اور مدرسہ کے معزز سیکرٹری کے نام عدالت میں کرایہ داری اور تخلیہ کا مقدمہ دائر کر دیا۔

زید اور دیگر واقفینِ مسجد کے لئے یہ صورتِ حال بہت پریشان کن ہے، خود عمر کو بھی اس مقدمہ سے تشویش ہے اور اس تنازعہ کا کوئی مناسب حل شریعت کی روشنی میں چاہتا ہے۔ زید کا کہنا ہے کہ چونکہ ہم نے متولی عمر کے کہنے سے امامت کی ہے اس لئے ہمیں تنخواہ کے مطالبہ کا حق ہے، متولی عمر ہمیں امامت کا معاوضہ سابقہ پیش امام حضرات کی تنخواہ کی مناسبت سے دے دیں۔ وہی روپیہ ہم مدرسہ کی طرف سے بطورِ کرایہ ادا کر دیں گے۔

دریافت طلب یہ امور ہیں کہ:

۱......کیا زید کو اب صورتِ مسئولہ میں اپنی تنخواہ کے مطالبہ کا حق حاصل ہے؟

۲......کیا عمر مسجد کی طرف سے زید کو گذشتہ مہینوں کی تنخواہ دینے اور مدرسہ سے کرایہ لینے کی اس صورت میں معاملہ کرنے کا مجاز ہے؟

۳......اور مسجد کا متنازعہ مدرسہ کرایہ پر دیا جائے یا بلا کرایہ پر دیا جائے؟

عبدالصبور، کان پور۔

---

(۱) ''کھپرا: چھال، چھلکا، مٹی کا ٹھیکرا جو کھپریل پر بچھایا جاتا ہے، کھپریل: کھپروں سے چھائی ہوئی چھت''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، فیروز سنز، لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......تنخواہ کا معاملہ نہیں ہوا تھا، لہٰذا زید کو تنخواہ کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں، خاص کر جب کہ وہاں تنخواہ دار امام کے بغیر ہی نماز و جماعت ہو رہی تھی (۱)۔

۲......عمر کو مسجد سے زید کی گذشتہ امامت کی تنخواہ دینے کا اختیار نہیں (۲)، وہ کمرہ اگر امام کے رہنے اور تعلیم دینے کے لئے بنایا گیا تھا تو اس کو کرایہ پر دینا اور اس کا کرایہ وصول کرنا درست نہیں (۳)۔ اگر کرایہ کے لئے بنایا گیا تھا تو کرایہ پر دینا اور کرایہ وصول کرنا درست ہے (۴)۔

۳...... نمبر:۲، سے ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۹/ ۸۵ھ۔

---

(۱) "وتنعقد بأعرتک هذه الدار شهراً بكذا؛ لأن العارية بعوض إجارة، بخلاف العكس، أو وهبتک، أو أجرتُک منافعها شهراً بكذا؟ أفاد أن ركنها الإيجاب والقبول". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/ ۴، ۵، سعيد)

(۲) "المتولي لو أمياً، فاستأجر الكاتب لحسابه، لايجوز إعطاء الأجرة من مال الوقف. ولو استأجر لكنس المسجد، وفتحه وإغلاقه بمال المسجد، يجوز". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد ومايتصل به: ۶/ ۲۷۲، رشيديه)

(۳) "(قوله: أو جعل فوقه بيتاً، الخ) ظاهره أنه لافرق بين أن يكون البيت للمسجد أولا، إلا أنه يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجداً، فيما إذا لم يكن وقفاً على مصالح المسجد، وبه صرح في الإسعاف، فقال: وإذا كان السرداب، أو العلو لمصالح المسجد، أو كان وقفاً عليه، صار مسجداً، اهـ. شرنبلالية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/ ۳۵۷، سعيد)

(۴) "(قوله: يراعى شرط الواقف في إجارته): أي وغيرها لما سيأتي في الفروع من أن شرط الواقف كنص الشارع، كما سيأتي بيانه إلا في مسائل تقدمت. (قوله: فلم يزد القيم، الخ) يعني إذا شرط الواقف أن لا يوجر أكثر من سنة، والناس لا يرغبون في استيجارها أكثر من سنة أنفع للفقراء، فليس للقيم أن يوجرها أكثر من سنة بل يرفع الأمر للقاضي، حتى يوجرها؛ لأن له ولاية النظر للفقراء، والغائب، =

مدرسہ کے ڈھیلوں کا سفر میں استعمال

سوال[۷۵۶۵]: اپنے مدرسہ کے استنجے کے ڈھیلے ہم طالب علم سفر میں استعمال کر سکتے ہیں، اگر متولی اجازت دے تو وہ شرعاً اجازت سمجھی جاوے گی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ ڈھیلے مدرسہ میں استعمال کرنے کے لئے ہیں، سفر میں لے جانے کے لئے نہیں (۱)، متولی کی اجازت کے متعلق اول تحقیق کیجئے، خود متولی کو اجازت دینے کی بھی اجازت ہے یا نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

مسجد یا مدرسہ کی رقم پر زکوۃ ہے یا نہیں؟

سوال[۷۵۶۶]: اگر کسی مسجد یا مدرسہ کی رقم نصاب کو پہونچ گئی۔ سال بھر گزرنے کے بعد اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ یا مسجد کے پاس جب رقم بقدر نصاب ہو تو اس میں زکوۃ لازم نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

= والميت وإن لم يشترط الواقف، فللقيم ذلك بلا إذن القاضي، كما في المنح عن الخانية".
(ردالمحتار، كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في إجارته: ۴/۴۰۰، سعيد)

(۱) "صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار: ۴/۴۴۵، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، سعيد)

"ما خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص، و هذا موافق لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴/۴۹۵، مطلب: ماخالف شرط الواقف الخ، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۱۱، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) "(قوله: ملك نصاب) فلا زكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة، لعدم الملك". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، مطلب في أحكام المعتوه: ۲/۲۵۹، سعيد)

"فمنها الملك، فلا تجب الزكوة في سوائم الوقف والخيل المسبلة، لعدم الملك. وهذا لأن في الزكوة تمليكاً، والتمليك في غير الملك لا يتصور". (بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل: أما الشروط التي ترجع إلى المال: ۲/۸۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الزكوة: ۲/۱۹، دارالكتب العلمية، بيروت)

الفصل الثالث فی بیع وقف المدرسة والتصرف فیه

(مدرسہ کا وقف فروخت کرنے اور اس میں تصرف کرنے کا بیان)

مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا

سوال[۷۵۶۷]: ۱...... عام مسلمانوں نے مدرسہ بنانے کے لئے چندہ کر کے ایک زمین خریدی اور اس زمین پر مدرسہ کی عمارت بھی بنائی گئی اور اس میں تعلیم بھی عرصہ ۱۵/ سال سے جاری ہے۔ مدرسہ کا نام ''مدرسہ اسلامیہ'' ہے اور اوقاف بورڈ میں ہے، مدرسہ کے نام سے اب تک چندہ بھی مسلمانوں سے کیا جاتا ہے۔ اب شہر رام پور کے کچھ مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ مدرسہ کی عمارت جس میں دینی تعلیم ہوتی ہے جو موقوفہ ہے اور بنام مدرسہ ہے، مدرسہ کی عمارت توڑ کر اس پر مسجد بنائیں گے۔ شرعاً مسجد مدرسہ کی موقوفہ زمین پر بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو جو مسلمان اس کے لئے ازحد سعی کر رہے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟ حالانکہ اس مدرسہ کے تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک بڑی عالیشان مسجد موجود ہے۔

مدرسہ کی زمین کے علاوہ دوسری جگہ بھی زمین مل سکتی ہے، مگر وہ چند مسلمان صرف ضد میں ہیں کہ ہم لوگ مدرسہ کو ہی مسجد بنائیں گے اور یہ کہتے ہیں کہ مدرسہ کی موقوفہ زمین پر مسجد بنانا جائز ہے۔

مدرسہ کی عمارت کو مسجد بنانے کے لئے فروخت کرنا

سوال[۷۵۶۸]: ۲...... اگر اراکینِ مدرسہ موجودہ عمارت مدرسہ کو مسجد بنانے کے لئے فروخت کر دیں تو اراکینِ مدرسہ کو مسجد کے لئے مدرسہ کی موقوفہ زمین کو فروخت کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ چندہ مدرسہ کے لئے کیا گیا اور اسی نیت سے دینے والوں نے دیا ہے اور اس پیسے سے زمین خرید کر مدرسہ کے لئے اس کو وقف کر دیا گیا اور پھر مدرسہ تعمیر کر دیا گیا اور اس میں دینی تعلیم جاری ہے، تو اب اس کو گرا کر مسجد تعمیر کرنا یا مسجد کے لئے اس کو خریدنا ہرگز جائز نہیں ہے، حتی کہ مدرسہ کی آمدنی مسجد میں خرچ کرنا بھی

جائز نہیں:

"فإذا تم (أی الوقف) ولزم، لا یملك ولا یملّك، ولا یعار و لا یرهن". درمختار۔

"(قوله: لایملك): أی لا یکون مملوکاً لصاحبه. (ولایملّك): أی لا یقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیك الخارج عن ملکه، اهـ". شامی: ۳/۷٦٦(۱).

"اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف علیه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاکم أن یصرف من فاضل الوقف الأخر علیه. وإن اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدین أو رجلٌ مسجداً ومدرسةً، و وقف علیهما أوقافاً، لایجوز له ذلك". درمختار(۲).

لہٰذا یہ خرید وفروخت بالکل ناجائز ہوگی، ہرگز ایسا نہ کریں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۲/۸۸ھ۔

مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا

سوال[۷۵۲۹]: ایک شخص نے مدرسہ کے لئے ایک جائیداد وقف کیا اور اس جائیداد کے بعض حصہ میں تو مدرسہ کا گھر بنایا گیا ہے اور بعض قطعۂ زمین اس لئے رکھا کہ اس کو اجارہ پر دے کر منافع سے کل جائیداد کا خراج ادا کیا جائے، البتہ اگر مدرسہ کے متعلق کوئی ضرورت پیش آئے تو اس کو مدرسہ کے کام میں صرف کیا جائے۔ اور خراج کا بندوبست متولی کرے گا۔ یہ بھی واضح رہے کہ مدرسہ میں جماعت سے نماز پڑھنے کی صورت

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۳۴۲، کتاب الوقف، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر: ٦/۲۲۰، کتاب الوقف، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی الهدایة: ۲/٦۴۰، کتاب الوقف، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۲) (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳٦۰، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۳٦۲، کتاب الوقف، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی، کتاب الوقف: ۲/۵۳۸، دار المعرفة، بیروت)

(۳) "إذا صح الوقف، لم یجز بیعه و لا تملیکه". (الهدایة: ۲/٦۴۰، کتاب الوقف، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

تو ہے مگر شرعی مسجد نہیں ہے، اب متولی جائیداد چاہتا ہے کہ مدرسہ کے گھر کے علاوہ جو قطعہ زمین کا ہے اس میں ایک شرعی مسجد بنا کر جماعت سے نماز پڑھ کر ثواب وافر سے بہرہ مند ہو۔ اب قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ مدرسہ میں مسجد شرعی بنانا ضروریاتِ مدرسہ میں شامل ہو کر مسجد شرعی ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر قریب کوئی دوسری مسجد نہیں جس میں اہلِ مدرسہ نماز ادا کر سکیں، یا مسجد تو موجود ہے مگر تنگ ہے کہ سب اس میں سما نہیں سکتے، یا وہاں نماز پڑھنے کے لئے جانے سے مدرسہ کی مصالح فوت ہوتی ہے، مثلاً: وقت کا زیادہ حرج ہوتا ہے، یا مدرسہ کی حفاظت نہیں رہتی وغیرہ وغیرہ تو مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا ضروریاتِ مدرسہ میں شامل ہے، ایسی حالت میں مسجدِ مسجدِ شرعی ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۰/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ شوال/ ۱۳۵۵ھ۔

زمین مدرسہ کو دینے کے بعد واپس لینے کا حق نہیں

سوال [۷۵۷۰]: ایک قطعۂ زمین کو مالکانِ زمین نے مدرسہ بدر الاسلام کو منتقل کیا اور دستاویز مستقل رجسٹری کرایا۔ دستاویز کی اصل عبارت یہ ہے:

نقل از اصل دستاویز

''ہم کو شیخ عبد المجید ولد حاجی حافظ شیخ محمد صاحب مرحوم، ساکن قصبہ شاہ گنج پرگنہ انگلی، ڈاکٹر شاہ گنج جون پور، جو کہ ہم مقرّ قطعہ احاطۂ موقوعہ کوڑیا شاہ گنج پرگنہ انگلی کے مالک

---

(۱) "ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة". (الدر المختار).

"شَرَطَ الواقف أولا، ثم ماأقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة .... ثم السراج والبساط، وكذلك إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۶۶/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد ومايتعلق به: ۴۶۲/۲، رشيديه)

مستقل ہیں، جن پر ہم بنفاذِ جمیع حقوق مالکانہ وقابض دخیل ہیں، علاوہ ہم مقرّ کے کوئی دوسرا شریک وسہیم جائیداد مفصلہ میں نہیں ہے اور ہم مقر حصرطور پر اس کے کریں گے۔ شاہ گنج میں ایک مدرسہ موسوم مدرسہ بدرالاسلام واسطے تعلیم دینی وغیرہ قائم وجاری ہے جس کے لئے عمارت و درسگاہ کی سخت ضرورت ہے، لہذا ہم مقر کی اپنی خواہش ہوئی کہ بنظرِ ثوابِ عقبیٰ ہم مقر جائیداد متصلہ ذیل کو اغراضِ مدرسہ کے لئے دے دیں، لہذا ہم مقر بحالتِ صحت وبدرستیٔ ہوش وحواس، بلا جبر واکراہ، برضاء ورغبت اپنے بلاتحریکِ ترغیبِ دیگرے ذریعہ تحریر تملیک نامہ پابند شرائطِ ذیل کے ہوتے ہیں، اورحسبِ ذیل اقرار کرتے ہیں:

الف: ہم مقر نے زمین احاطۂ متصلہ ذیل مبلغ ایک سورو پیہ مدرسہ اسلامیہ موسومہ بدرالاسلام کے لئے دیدیا ہے، کارکنان ومنتظمینِ مدرسہ کو اختیار ہے کہ احاطۂ ذیل میں درسگاہ یا دارالاقامہ تیار کرادیں، یا مدرسہ کے واسطے بطریقِ مناسب استعمال کریں۔

ب: تا قیامِ مدرسہ مذکورہ جائیداد مذکورہ صرفہ ذیل مکتب مدرسہ میں رہے گی، اگر خدانخواستہ کسی وقت مدرسہ قائم نہ رہے تو اس حالت میں جائیداد مذکورہ مصرحہ ذیل ہم مقر خواہ ورثاء ہم مقر کی طرف عود کر جائے گی اور ہم مقر زندہ رہے تو ہم مقر ورنہ ورثاء کا حق ہو جائے گا۔

ج: تا قیامِ مدرسہ ہم مقر خواہ ہم مقر کے ورثاء کو احاطۂ مذکورہ کو واپس لینے یا قبضہ کرنے کا استحقاق نہیں ہوگا، لہذا ہم مقر نے تملیک نامہ لکھدیا تاکہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے''۔

مدرسہ بدرالاسلام نے زمین ملنے کے بعد اس پر قبضہ کیا اور کچھ تعمیری سلسلہ میں بھی کام ہوا، مگر سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے تعمیر کی تکمیل نہ ہوسکی اور عرصہ سے تعمیری کام رُکا رہا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ مدرسہ بدرالاسلام کو دی ہوئی یہ زمین مدرسہ بدرالاسلام کے مہتمم وناظم کی مرضی کے بغیر جب کہ مدرسہ بدرالاسلام پہلے کی طرح اب بھی جاری ہے، بلکہ ترقی پذیر ہے، زمین کو دینے والے لوگ واپس لے کر کوئی مدرسہ یا مکتب جس کا مدرسہ بدر اسلام سے کوئی تعلق نہ ہو، تعمیر کرنا چاہیں تو کیا ازروئے شرع جائز ہوگا یا نہیں؟

مہتمم مدرسہ بدرالاسلام، شاہ گنج جون پور، ۴/صفر ۱۳۹۳ھ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ احاطہ دوام کے لئے مدرسہ بدرالاسلام کو دیا گیا ہے جیسا کہ (الف نمبر) میں تصریح ہے، اس پر تا قیامِ مدرسہ، مدرسہ کی ملکیت رہے گی جیسا کہ (الف نمبر) میں مذکور ہے۔ اس کے واپس لینے کا نہ معطی کو حق ہے نہ معطی کے ورثہ کو حق ہے جیسا کہ (ج) میں مذکور ہے۔ مدرسہ بدرالاسلام حسبِ مصالح اس پر تعمیر کا حق رکھتا ہے، اور کسی کو مدرسہ بدرالاسلام کے علاوہ کوئی مکتب ومدرسہ وہاں قائم کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۹۳ھ۔

مدرسہ میں زمین دینے کے بعد اس سے انکار کرنا

سوال [۷۵۷۱]: ایک شخص نے کچھ زمین مدرسہ میں دی اور اعلان کیا کہ میں زمین دے چکا، مگر اب وہ انکار کررہا ہے۔ ایسے شخص کا اعتبار کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر زمین مدرسہ میں دینے اور وقف کرنے کے گواہ موجود ہیں تو اس کے انکار کا اعتبار نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) "فإذا تم (أی الوقف) ولزم، لا یملک ولایملک ولایعار و لا یرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لایملک): أی لا یکون مملوکاً لصاحبه. (ولایملّک): أی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه".

(ردالمحتار: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، کتاب الوقف، سعید)

"إذا جعل أرضاً وقفاً علی المسجد وسلم، جاز، ولایکون له أن یرجع" (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/ ۲۹۱، باب الرجل یجعل دار ه مسجداً، کتاب الوقف، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق: ۵/ ۳۴۲، کتاب الوقف، رشیدیه)

(۲) "إذا جعل أرضاً وقفاً علی المسجد وسلم، جاز، ولایکون له أن یرجع". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/ ۲۹۱، باب الرجل، یجعل دار ه مسجدا، کتاب الوقف، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۲/ ۶۴۰، کتاب الوقف، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

زمین مدرسہ کو دینے کا ارادہ کرنے سے ملکیت ختم نہیں ہوتی

سوال[۷۵۷۲]: ایک صاحب درسِ نظامی کے مدرسہ میں کچھ زمین دینے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے، بعد میں اس مدرسہ کا تعلق حکومت سے کیا گیا، یہ مدرسہ خالص مذہبی مدرسہ نہیں رہا۔ تو یہ زمین کسی دوسرے مدرسہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض وعدہ وارادہ کر لینے سے وہ زمین اس کی ملک سے خارج نہیں ہوئی (۱)، جس دینی مدرسہ میں اب دینا چاہے تو شریعت کی طرف سے اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/۹۱ھ۔

دینی وقف مدرسہ کو اسلامی اسکول کے لئے دینا

سوال[۷۵۷۳]: ا...... مدرسہ اسلامیہ عربیہ محلّہ بندوقچیان جس جگہ پر قائم ہے وہ موقوفہ ہے اور واقف کی شرط ہے کہ یہ جگہ مدرسہ اسلامیہ کے لئے وقف کی جاتی ہے، اس میں تعلیمی درسگاہیں، مکان رہائشِ طلبہ واساتذہ کرام، یا باغیچہ صرف مدرسہ اسلامیہ کے لئے بنائے جاسکتے ہیں۔ اس وقت مدرسہ کی تعلیمی حالت یہ ہے کہ درجۂ حفظ وناظرۂ قرآن، اردو میں دینی تعلیم کا رسالہ اور تعلیم الاسلام وغیرہ پڑھائے جاتے ہیں، اور درجہ پانچ تک بیسک ریڈر کی تعلیم ہوتی ہے۔ اب کچھ ترقی پسند لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ اس میں مسلم ہائی اسکول قائم کیا جائے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس موقوفہ جائیداد میں جو درسگاہیں تعمیر ہیں ان کو مسلم ہائی اسکول کے لئے مدرسہ کی منتظمہ کمیٹی اجازت دے سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وركنه الألفاظ الخاصة: كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين، ونحوه من الألفاظ كموقوفة لله تعالىٰ، أو على وجه الخير والبر. واكتفىٰ أبو يوسف بلفظ موقوفة فقط. قال الشهيد: ونحن نفتي به، للعرف". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۴/۳۴۰، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۵۱، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۱۷، ۳۲۰، كتاب الوقف، رشيديه)

۲......اس موقوفہ جائیداد میں مسلم ہائی اسکول قائم ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......جب واقف نے اس شرط کی تصریح کردی ہے کہ یہ جگہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کے لئے وقف ہے تو پھر مسلم ہائی اسکول کے لئے منتظمہ کمیٹی کو دینے کی ہرگز اجازت نہیں:"لأن شرط الواقف كنص الشارع". شامی(۱)۔

۲......بالکل نہیں ہوسکتا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کتاب پر وقف لکھ دینے اور موت سے قبل وصیت سے رجوع کرنے کا حکم

سوال[۷۵۷۴]: کسی نے کتاب وغیرہ مدرسہ میں وقف کردیا، یہ لکھ دیا کہ "میرے بعد مدرسہ بیت العلوم سرائے میر پر یہ کتابیں وقف ہیں"۔تو کیا مدرسہ مذکورہ کو ہی دینا ضروری ہے یا دوسرے مدرسہ کو دے سکتا ہے؟ اگر دوسرے غریب کو دے دے تو گنہگار تو نہیں ہوگا؟ دوسرے یہ کہ صاحبِ نصاب کو کوئی چیز وقف کرسکتا ہے یا نہیں؟ میں نے ایک کتاب پر لکھ دیا تھا کہ مدرسہ بیت العلوم پر یہ کتاب وقف ہے، بعد کو مدرسہ کا نام کاٹ دیا، اپنی زندگی میں ان چیزوں کو باوجود ورثاء کے بیچ ڈالے یا کسی کو دے دے تو کوئی گناہ تو نہیں؟

مولانا اصغر حسین صاحب نے مفید الوارثین میں لکھا ہے کہ "قبل مرض الموت کے اپنی چیز جس کو چاہے دے سکتا ہے"۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اپنے (مرنے کے) بعد مدرسہ میں کتاب کو وقف کرنے کے لئے کہنا یا لکھ دینا وصیت ہے، ایک

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴/۴۹۵، كتاب الوقف، سعيد)

"صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار: ۴/۴۴۵، كتاب الوقف، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحرالرائق: ۵/۴۱۱، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۴/۲۶۹، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت)

تہائی مال کے اندر اندر اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ ایسی صورت میں اگر وصیت سے رجوع کرنا چاہے تو اس کو حق ہے:

"شرطه شرط سائر التبرعات، وأن يكون منجزاً، لامعلقاً إلا بكائن، ولا مضافاً، اه".

درمختار۔ "(قوله: ولا مضافاً) يعني إلى مابعد الموت .... سيأتي في الشرح أنه يكون وصية لازمة من الثلث بالموت لا قبله، اه". شامی: ۲٦٠/۳ (۱)۔ "وله: أي للوصيِّ الرجوعُ عنها". درمختار: ٤٢١/٥ (۲)۔

پس جس مدرسہ کے لئے چاہے وصیت کردے، بشرط الانتفاع سے مقید کرنا بھی درست ہے، کیونکہ یہ درحقیقت وصیت ہے جس کا نفاذ موتِ موصی کے بعد ہوگا (۳)۔ مالک کو اپنی چیز کے متعلق پورا اختیار ہے، مرض الوفات سے پہلے جس کو چاہے دے (۴)، البتہ ہونے والے ورثاء کو محروم کرنے کی نیت نہ ہو، ورنہ ظلم ہوگا (۵)۔ محض

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۴/۳۴۱، سعيد)

"لو علق الوقف بموته، ثم مات، صح، ولزم إذا خرج من الثلث". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الوصايا: ٦٥٨/٦، سعيد)

"وله أن يرجع قبل موته كسائر الوصايا". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۲، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية، مايجوز من ذلك، ومايستحب منه، ومايكون رجوعاً منه: ۴/٦٥٦، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۴) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الشركة: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۵) "وفي الخانية: لابأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة .... وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد فسوىٰ بينهم". (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/٦٩٦، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد للولد: ۳/۲۷۹، رشيديه)

کتاب پر وقف لکھنے سے وقف تام نہیں ہوتا جب تک وہ مدرسہ میں نہ دیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۹۴ھ۔

کیا مدرسہ میں گھڑی دینے کی نیت سے اس کا وقف صحیح ہو جائے گا؟

سوال [۷۵۷۵]: ۱...... کسی شخص نے یہ نیت کی تھی کہ میں مدرسہ میں ایک گھڑی وقف کروں گا، ابھی تک گھڑی لایا نہیں، اور مسجد میں گھڑی کی سخت ضرورت ہے تو اس نے کہا کہ مسجد میں رکھدو، تو ایک حافظ صاحب کا کہنا ہے کہ مدرسہ کی نیت کو بدل کر اب مسجد کی نیت نہیں کر سکتے۔ لہذا اس مسئلہ کو واضح کردیں کہ وہ گھڑی کہاں رکھیں؟

تبدیلِ نیت کا وکیل کو حق نہیں

سوال [۷۵۷۶]: ۲...... ایک شخص کے بھائی نے مدرسہ کے واسطے روپیہ بھیجا، اسی کا بھائی اب کہتا ہے کہ مدرسہ کے منتظمین صحیح استعمال نہیں کرتے۔ اس لئے اس روپیہ کی کوئی خرید کر جس کی مدرسہ میں ضرورت ہو مدرسہ میں دیدے تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... محض نیت وارادہ کرنے سے گھڑی کا مدرسہ میں وقف کرنا لازم نہیں ہوگا (۲)، اس کو یہ بھی حق ہے

---

(۱) "ولو قال: وهبت داري للمسجد أو أعطيتها له، صح، ويكون تمليكاً، فيشترط التسليم، كما لو قال: وقفت هذه المأة للمسجد، يصح بطريق التمليك إذا سلمه للقيم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني منه: ۲/۴۶۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۵۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف وصحته: ۷/۱۱، مكتبه غفاريه، كوئٹه)

(۲) "وركنه الألفاظ الخاصة: كأرضي هذه صدقةٌ موقوفةٌ مؤبدةٌ على المساكين، ونحوه من الألفاظ: كموقوفةٌ لله تعالیٰ، أو على وجه الخير والبر. واكتفیٰ أبو يوسف بلفظ موقوفة فقط. قال الشهيد: ونحن نفتي به، للعرف". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۴/۳۴۰، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۳۵۱، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه) .... =

کہ بالکل گھڑی کہیں بھی نہ دے، یہ بھی حق ہے کہ کسی دوسرے مدرسہ میں دیدے، یہ بھی حق ہے کہ مسجد میں دیدے(۱)۔

۲......جس نے مدرسہ کے لئے روپیہ بھیجا ہے، اگر وہ اس کی طرف سے اجازت ہوتو چاہے روپیہ دیدے، چاہے کوئی چیز مدرسہ کی ضرورت کی خرید کر دیدی جائے، تب تو یہ حق ہے کہ روپیہ نہ دے، بلکہ حسبِ صواب دید کوئی چیز خرید کر دیدے، اگر اجازت نہ ہوتو پھر روپیہ ہی دینا چاہئے (۲)۔ اگر مدرسہ کے انتظام پر اعتماد نہیں تو بھائی کو مشورہ دیکر اجازت حاصل کرلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

لاوارث زمین میں مدرسہ بنانا

سوال [۷۵۷۷]: ایک مدرسہ ہم لوگوں نے ایسی جگہ قائم کیا ہے جو زمین تکیہ دار کے نام سے مشہور تھی، پھر وہاں امام باڑہ بنایا گیا تو اس نام سے مشہور ہوگئی۔ اس زمین میں آٹھ قبریں تھیں، قبریں مسمار ہونے پر لوگ رہنے لگے۔ امام باڑہ کی تعمیر کا نشان ابھی تک باقی ہے، ہم نے اس میں دینی تعلیم کا مدرسہ قائم کرلیا ہے، کچھ دیواریں بھی بنالی ہیں۔ تو اس جگہ دینی مدرسہ رکھنا مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہ قبروں کے لئے تھی اور مدت دراز سے وہاں کسی کو دفن نہیں کیا گیا، پرانی قبریں ختم ہوجانے پر لوگ وہاں رہنے لگے، پھر وہاں امام باڑہ بنالیا گیا۔ گویا کہ وہ جگہ لاوارث اور

= (وكذا في البحر الرائق: ۳۱۷/۵، ۳۱۸، كتاب الوقف، رشيديه)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۶۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، كتاب الشركة، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلىٰ فلان، فلايملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار: ۲۶۹/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم: ۷۷۴/۲، (رقم المادة: ۱۴۵۷)، كتاب الوكالة، الباب الثاني، مكتبه حنفيه كوئٹه)

وقف ہے یعنی اس کا کوئی مالک ہی نہیں، جو چاہتا ہے قبضہ کر لیتا ہے۔ ایسی جگہ دینی تعلیم کا مدرسہ بنالیا جائے تو درست ہے (۱)، مگر ایسا طریقہ اختیار نہ کریں کہ فساد برپا ہو، بلکہ حسنِ تدبیر سے کام لیا جائے۔ نیز ایسی جگہ کوئی اپنا ذاتی مکان نہ بنائے (۲)، یا غلط کام کے لئے اس کو استعمال نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۸۹ھ۔

---

(۱) "وأما المقبرة الداثرة إذا بُني فيها مسجد ليصلى فيه، فلم أرفيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعنا هما واحد". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، باب: هل تنبش قبور مشركى الجاهليةُ يتخذ مكانها مساجد: ۱۷۴/۴، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

"فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنىٰ قوم عليها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك؛ لأن المقابر وقفٌ من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقفٌ من أوقاف المسلين، لايجوز تملكه لأحد، فمعنا هما على هذا واحد". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، المصدر السابق: ۱۷۹/۴)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره فى قبره، وزرعه والبناء عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب فى دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن: ۱۶۷/۱، رشيديه)

(۲) "فإذاتم ولزم، لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لايملك): أى لايكون مملوكاً لصاحبه (ولايملك): أى لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولاتمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا فى فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۵/۳، رشيديه)

مدرسہ کے لئے وقف زمین انگریزی اور بنگلہ تعلیم آنے کی وجہ سے نئے مدرسہ کو دینا

سوال[۷۵۷۸]: زید نے کسی مدرسہ میں پچاس سال پہلے زمین وقف کی تھی، آج تک مدرسہ کو اس کا فائدہ ملتا رہا۔ پہلے نصاب میں صرف، نحو، فارسی، فقہ، منطق تھا اور اب قرآن وحدیث تفسیر تک ترقی ہوچکی ہے، ضرورت کی بنا پر بنگلہ (بنگلہ دیشی زبان) اور انگریزی کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ اب واقفوں کا کہنا ہے کہ چونکہ اس میں انگریزی اور بنگلہ آ گئی ہے، اس لئے ہمارے نئے مدرسہ میں اس کو دیدیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کرتے وقت مدرسہ غالبًا ابتدائی حالت میں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ترقی دی اور حدیث وتفسیر کی تعلیم بھی شروع ہوگئی، یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے اور اس میں واقف کا اخلاص بھی کارفرما ہے۔ جس طرح منطق اور ادب مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ مُعین اور مددگار کی حیثیت سے بقدرِ ضرورت تبعاً پڑھاتے ہیں، اسی طرح اگر کچھ بنگلہ اور انگریزی بھی بقدرِ ضرورت تبعاً پڑھائی جائے تو اس کی وجہ سے واقف کو وقف کے واپس لینے کا حق نہیں (۱)۔

مگر اس کا لحاظ ضروری ہے کہ خدانخواستہ یہ بنگلہ اور انگریزی آہستہ آہستہ مقصود بن کر غالب نہ آ جائے، جیسا کہ بہت سے مدارس جو کہ اصالۃً دینی مدراس تھے اور کچھ مدت کے بعد ختم ہوگئے اور دینی تعلیم ختم ہوگئی وہ اسکول اور کالج بن گئے، اس لئے اس کا انتظام پہلے کرلیا جائے، اگر انتظام نہ ہوسکا تو پھر وہاں بنگلہ اور انگریزی کو ہرگز داخل نہ کیا جائے، واقف کے ورثاء کو اس میں جدوجہد کا پورا حق ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولا یجوز الرجوع عن الوقف إذا کان مسجلاً". (الدر المختار: ۴/۳۵۹، کتاب الوقف، سعید)

"إذا جعل أرضه وقفاً علی المسجد وسلم، جاز، ولا یکون له أن یرجع". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۲۹۱، باب الرجل یجعل داره مسجداً، کتاب الوقف، رشیدیه)

"فإذا تم (أی الوقف) ولزم، لایملک ولا یرهن". (الدر المختار: ۴/۳۵۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۳۴۲، کتاب الوقف، رشیدیه)

مدرسہ کی زمین سے مدرسہ کے زیرِ تولیت مسجد کی توسیع

سوال[۷۵۷۹]: مسجد چھتہ جودارالعلوم دیوبند کے زیرِ تولیت ہےاورازاول تا آخراس کا انتظام وانصرام دارالعلوم سے متعلق ہے، دارالعلوم کی جانب سے ہی اس کے امام اور مؤذن کا تقرر عمل میں آتا ہےاور دارالعلوم ہی کی جانب سے اس کی صفائی اور فرش وشامیانہ کا انتظام ہوتا ہے، اس کی طرف سے اس کی مرمت وغیرہ پر مصارف کئے جاتے ہیں۔ کیا مسجد کے تنگ ہوجانے کی وجہ سے اس کی توسیع کے لئے مدرسہ کی زمین لے کراس کی توسیع کیا جاسکتی ہے؟ آیا حضرت مہتمم صاحب یا مجلسِ شوریٰ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مدرسہ کی ضرورت سے مسجد کی توسیع کی خاطر مدرسہ کی زمین کومسجد میں شامل کردیں؟ اس مسجد کی توسیع جانبِ مغرب ہی ممکن ہے جہاں مدرسہ کی زمین واقع ہے، بقیہ جوانب توسیع کرنے میں دشواری ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جوزمین مصالحِ مدرسہ کے لئے ہواوراہلِ مدرسہ کے نزدیک مسجد کی توسیع کی ضرورت ہےتواس زمین کوداخلِ مسجد کرکےتوسیع کی اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۳/۹۷ھ۔

مدرسہ کودوسری جگہ منتقل کرنا

سوال[۷۵۸۰]: اگر مدرسہ دوسری جگہ منتقل ہوا، یا درمیان میں نام بدل دیا گیا، پھراس کا نام وہی

---

(۱) "ویرفع من غلاتها ما یحتاج إلیه لنوائبها، فما فضل من ذلک، یُصرف إلی عمارة المسجد بموضع کذا .... و ما فیه مصلحة للمسجد علی أن للقیم أن یتصرف فی ذلک ما یری فیه". (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۸۵۲/۵، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، إدارة القرآن کراچی)

"فیقدم أولاً العمارة الضروریة، ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر بقدر ما یقوم به الحال، فإن فضل شیء یعطی لبقیة المستحقین؛ إذ لا شک أن مراد الواقف انتظام حال مسجده أومدرسته، لامجرد انتفاع أهل الوقف". (ردالمحتار: ۳۶۸/۴، کتاب الوقف، مطلب: یبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إلیها، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۳۳۰/۵، کتاب الوقف، رشیدیه)

رکھا گیا تو کیا مہتمم مدرسہ کسی شرعی قباحت میں ماخوذ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاضرورت مدرسہ کو دوسری جگہ منتقل کرنا غرضِ واقف کے خلاف ہے اور منشائے واقف کو حتی الوسع پورا کرنا لازم اور اس کی مخالفت ممنوع ہے(۱)، البتہ اگر پہلی جگہ غیر آباد ہوجائے تو دوسری جگہ منتقل کرنا اور نام بدلنا کچھ درست ہے کہ اس میں اضاعت سے حفاظت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۳/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الاول/ ۶۷ھ۔

مدرسہ کی زمین سے راستہ

سوال[۷۵۸۱]: نقشہ میں جو قدیمی راستہ دکھایا گیا ہے جو مدرسہ کے آخری سرے پر واقع ہے، اس کو اہلِ مدرسہ اب بند کررہے ہیں، چونکہ اہلِ مدرسہ نے راستہ سے بالکل ملی ہوئی زمین اندازاً دوسو روپیہ میں خرید

---

(۱) "و ما خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص، سواء كان نصه في الوقف نصاً أو ظاهراً .... شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴/۴۹۵، كتاب الوقف، سعيد)

"صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار: ۴/۴۴۵، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۱۱، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) "نقل عن شمس الأئمة الحلواني أنه يجوز للقاضي و للمتولي أن يبيعه و يشتري مكانه آخر وإن لم ينقطع، و لكن يؤخذ بثمنه ما هو خيرٌ منه للمسجد لا يباع. وقد روى عن محمد: إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال، والقيم يجد بثمنها أخرى هي أكثر ريعاً، كان له أن يبيعها و يشتري بثمنها ما هو أكثر ريعاً". (البحر الرائق: ۵/۳۴۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۵/۸۷۷، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها و ما يتصل به، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۴/۳۷۹، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب ولم يكن عمارته، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۴۰۱، كتاب الوقف، الباب في ما يتعلق بالشرط في الوقف، رشيديه)

لی ہے۔اب اہل محلّہ کو مسجد میں جانے اور سڑک دہرہ دون پر جانے میں بہت تکلیفیں ہوں گی۔

اس لئے اہل محلّہ چاہتے ہیں کہ جو زمین نئی مدرسہ نے خریدی ہے، اس میں سے ہمیں چار پانچ فٹ کا ایک راستہ دیدیا جائے۔سوال یہ ہے کہ مدرسہ کی زمین میں سے یہ راستہ دینا جائز ہے یانہیں، جبکہ ہم اپنے قدیمی راستہ کو دے رہے ہیں؟ فقط۔

سعید احمد کیلاشپوری۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جو عام راستہ قدیم زمانے سے ہے جس پر بے روک ٹوک سب ہی چلتے اور گزرتے رہے ہیں، اس کو بند کرنے کا حق نہیں، اہلِ محلّہ اگر کچھ راستہ مانگتے ہیں تو ان کو راستہ دینا چاہیئے، مدرسہ کی دیوار متصل بنانے پر جب راستہ بند ہوجائے اور اہلِ محلّہ اس کے لئے آمادہ ہیں کہ مدرسہ کی خرید کردہ زمین سے دیوار کے برابر راستہ دیدیا جائے اور جو راستہ صحن میں تھا اس کو مدرسہ کی حدود میں لے لیا جائے تو شرعاً اس میں مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۹۵ھ۔

مدرسہ کی رقم سے تجارت اور عمارتِ مدرسہ میں مسجد

سوال [۷۵۸۲]: ۱......ایک مدرسہ میں مدرسہ کی تحویلدار غلہ وغیرہ خرید لیتے ہیں، اگر نفع ہوتا ہے تو مدرسہ کو دیدیتے ہیں، نقصان کو وہ اپنی جیب سے پورا کرتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟

۲......ایک شخص نے مدرسہ کی عمارت میں اوپر کی منزل پر مسجد بنوائی ہے، یوں کہتے ہیں کہ محلّہ کی مسجد

---

(۱) "أخرج إلی طریق العامة کنیفاً أو میزاباً أو جرصناً کبرج و جزع و ممر علو وحوض طاقة ونحوها............ جاز إحداثه إن لم یضرّ بالعامة، ولم یمنع منه. فإن ضرّ، لم یحل .... و لکل أحد منعه ومطالبته بنقضه و رفعه بعده: أی بعد البناء .... هذا إذا بنی لنفسه بغیر إذن الإمام .... وإن بنیٰ للمسلمین کمسجد و نحوه، لا ینقض. وإن کان یضر بالعامة، لایجوز إحداثه، لقوله علیه السلام: "لا ضرر و لا ضرار فی الإسلام". (الدرالمختار: ۶/۵۹۲، ۵۹۳، کتاب الدیات، باب ما یحدث فی الطریق، سعید)

"قوم بنوا مسجداً واحتاجوا إلی مکان لیتسع، وبجنبه طریق المسلمین، فأخذوا شیئاً من الطریق، وأدخلوه فی المسجد، فإن کان لا یضر بأصحاب الطریق، رجوتُ أن لا یکون به بأس". (التاتارخانیة: ۵/۸۴۲، کتاب الوقف، باب أحکام المسجد، إدارة القرآن کراچی)

"قوم بنوا مسجداً و احتاجوا إلی مکان لیسع المسجد، فأخذوا من الطریق، وأدخلوه فی المسجد، إن کان یضرّ بالطریق لا یجوز، وإلا فلا بأس به". (البحرالرائق: ۵/۴۲۸، کتاب الوقف، رشیدیه)

ہیں لوگ طلباء پر اعتراض کرتے ہیں کہ بدھنی توڑتے ہیں (۱)، شور کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ شرعاً مسجد کے حکم میں ہے؟ اور اگر محلّہ کا کوئی شخص اس مسجد میں نماز پڑھے تو اس کو مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... تحویلدار امین ہے، اس کو امانت کے روپیہ میں اس طرح تصرف کرنے کا حق نہیں، آئندہ احتیاط رکھے (۲)۔

۲...... یہ شرعی مسجد نہیں جب کہ تحتانی منزل مدرسہ کی ہے، یہاں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ہوگا، مگر نماز ادا ہو جائے گی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۳/۳/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۹۳/۳/۲۱ھ۔

---

(۱) "بدھنی: مٹی کی ٹونٹی دار لٹیا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸۹، فیروز سنز لاھور)

(۲) "أهل المسجد لو باعوا غلة المسجد، أو نقض المسجد بغير إذن القاضي، الأصح أنه لايجوز .... وفي فتاویٰ النسفية: سئل عن أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل عمارة المسجد، قال: لايجوز بأمر القاضي وغيره". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر: ۲/۴۶۳، ۴۶۴، رشيديه)

"ولا يجوز للقيم شراء شئ من مال المسجد لنفسه .... ولا البيع له وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد". (البحر الرائق: ۵/۴۰۱، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۵/۸۶۱، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل بابه إلى الطريق وعزله، أو اتخذ وسط داره مسجداً وأذن للناس بالدخول، فله بيعه ويورث عنه؛ لأنه لم يخلص لله تعالیٰ، لبقاء حق العبد متعلقاً به .... وحاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المساجد: ۴/۳۵۷-۳۵۸، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچی)

مدرسہ کے روپیہ سے تجارت

سوال [۷۵۸۳]: درسِ نظامی کورس کے مطابق ایک خالص دینی مدرسہ ہے، اس مدرسہ میں مختلف عطایا بطورِ امداد کے لوگ دیتے ہیں، مثلاً: زکوۃ، صدقۂ فطر، چرمِ قربانی اور اس کی قیمت، منت وغیرہ کی۔ اور وہ روپیہ مدرسہ کے لڑکوں کے کھانے وغیرہ میں خرچ ہوتا ہے، لیکن مدرسہ کے سیکریٹری صاحب نے مدرسہ کے مفاد کے لئے تجارت کی نیت سے کئی ہزار روپیہ مدرسہ کے فنڈ سے لیکر گول آلو خرید کر برف گھر میں رکھ دیئے، کئی مہینہ کے بعد جب بیچنے کا ارادہ کیا اس وقت آلو کا دام بازار میں گر گیا تھا جس سے سولہ سو روپے کا نقصان ہوا۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ سے جمع شدہ روپیہ کو لیکر اس طریقہ سے آلو یا اَور کوئی چیز تجارت کی نیت سے خریدنا سیکرٹری صاحب کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور جو روپیہ نقصان ہوا اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اور اگر نفع ہوتا تو نفع کے روپیہ کا مالک کون ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کا روپیہ سیکرٹری کے پاس امانت ہے، اس سے تجارت کرنا جائز نہیں، جتنا نقصان ہوا، اس کا ضمان سیکرٹری پر لازم ہوگا (۱)۔ اگر وہ روپیہ زکوۃ کا تھا تو اتنی مقدار زکوۃ دینے والوں کو واپس کرے، اگر وہ لوگ پھر دیدیں کہ اس کو طلباء پر خرچ کردو تو مستحق طلباء کے لئے اس روپیہ سے کھانے کپڑے کا انتظام کردے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۹ھ۔

---

(۱) "و مقتضى ماقاله أبو السعود أنه يُقبل قوله فى حق براءة نفسه، لا فى حق صاحب الوظيفة؛ لأنه أمين فيما فى يده، فيلزم الضمان فى الوقف؛ لأنه عامل له، وفيه ضرر بالوقف". (ردالمحتار: ۴/۴۴۹، كتاب الوقف، مطلب: إذا كان الناظر مفسداً لا يقبل قوله، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۵/۴۰۲، كتاب الوقف، رشيديه)

"ولا يجوز للقيم شراء شئ من مال المسجد لنفسه.......... ولا البيع له وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد". (البحر الرائق: ۵/۴۰۱، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية: ۵/۸۶۱، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه فى بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم فى حاجة نفسه، ثم رد =

مدرسہ کی رقم کسی دوسرے مدرسہ کو قرض دینا

سوال [۷۵۸۴]: اراکینِ مدرسہ حسینیہ تجوید القرآن منصور پور مدرسہ کی تحویل میں سے کچھ رقم قرضِ حسنہ شرعیہ کسی مدرسہ کو دینا چاہتے ہیں، ایسی رقم قرضِ حسنہ کے طور پر دینا درست ہے یا نہیں؟ بحکم جناب مہتمم صاحب مدرسہ ہذا یہ امر استفسار طلب ہے۔

عبدالوحید صدر مدرس مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اراکینِ مدرسہ امین ہیں، مدرسہ کی تحویل امانت ہے، امین کو امانت سے قرض دینا جائز نہیں (۱)۔ ہاں! اگر چندہ کی رقم ہو اور چندہ دینے والوں کی طرف سے اجازت ہو تو گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۴ھ۔

= بدلها في نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك. وإذا فعل إن كان يعرف صاحب المال، ردّ الضمان عليه، أو يسأله ليأذن له بإنفاق الضمان في المسجد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۹۹/۳، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية. ۸۷۹/۵، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "وأما حكمها، فوجوب الحفظ على المودع، وصيرورة المال أمانةً في يده، ووجوب أدائه عند طلب مالكه. والوديعة لا تودع و لا تعار و لا تواجر ولا ترهن. وإن فعل شيئاً منها، ضمن". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۸/۴، كتاب الوديعة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۶۷/۷، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۶۶۹/۵، كتاب الوديعة، سعيد)

(۲) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد، فأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه، ثم ردّ بدلها في نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك. فإن فعل فإن عرف صاحب ذلك، ردّ المال عليه، أو سأله تجديد الإذن فيه". (التاتارخانية: ۸۷۹/۵، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف =

مدرسہ کا روپیہ قرض دینا

سوال[۷۵۸۵]: ایک مکتب ہے جس کی زیادہ تر آمدنی چرم قربانی، صدقۂ فطر، غلہ کا چالیسواں حصہ ہے۔ مہتمم مدرسہ نے ایک مدرس کو بطورِ قرض کے کچھ روپیہ دیا تھا، اتفاق سے ان کی موت ہوگئی۔ اب اس قرض کی واپسی کی کوئی شکل نہیں ہے اور نہ مہتمم صاحب ہی موجود ہیں کہ خود قرض کو اپنی طرف سے ادا کردیں۔ اس بارِ قرض کو ختم کرنے کے لئے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فطرہ کی آمدنی میں سے کسی غریب کے حوالہ کردیا جائے اور اس غریب ماسٹر صاحب کے قرض کی ادائیگی میں روپیہ مدرسہ میں جمع کرایا جائے۔ اگر یہ صورت شرعاً جائز ہو تو دونوں صاحبان قرض کے بارے میں سبکدوش ہوجائیں گے۔ اور کیا مدرسہ کی اس طرح کی آمدنی سے کسی ضرورت مند کو قرض دیا جاسکتا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح قرض ادا کردینا مناسب ہے جب کہ اَور کوئی صورت نہ ہو(۱)۔ مدرسہ کا روپیہ قرض دینے کی اجازت نہیں، مہتمم امین ہے اور امانت میں ایسا تصرف کرنے کا حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= التي يستغنى عنها، إدارة القرآن كراچى)

"مسجد له مستغلات و أوقاف أراد المتولى أن يشترى من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً .... قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشترى للمسجد ما شاء". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر: ۲/۴۶۱، رشيديه)

(۱) "وحيلة الجواز أن يعطى مديونه الفقير زكاته، ثم يأخذها عن دينه". (الدرالمختار). "(وحيلة الجواز): أى فيما إذا كان له دين على معسر وأراد أن يجعله زكاةً عن عين عنده أو عن دين له على آخر". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۷۱، سعيد)

"ومن له على فقير دينٌ، وأراد جعله عن زكاة العين، فالحيلة أن يتصدق عليه، ثم يأخذ منه عن دينه، وهو أفضل من غيره". (الأشباه والنظائر، الفن الخامس، الفصل الثالث فى الزكوة: ۳/۲۹۶، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "أما حكمها، فوجوب الحفظ على المودع وصيرورة المال أمانةً فى يده، ووجوب أدائه =

مدرسہ کا روپیہ اپنے کام میں بطورِ قرض خرچ کرنا

سوال[۷۵۸۶]: مدرسہ کے روپے پیشگی چھ سو سات سو روپے اپنے کام میں خرچ کر دینا جائز ہوگا، مدرسہ کے کام کے وقت نہ دے سکے اور ہر مہینہ کی تنخواہ میں کاٹ دیا جائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس کے پاس مدرسہ کا روپیہ امانت رکھا ہو اس کو وہ روپے اپنے کام میں خرچ کرنا جائز نہیں، یہ خیانت ہے جو کہ بروئے حدیث منافق کی علامت ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۹ھ۔

= عند الطلب. والوديعة لا تودع ولا تعار، ولا تواجر ولا ترهن. وإن فعل شيئاً منها، ضمن". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة والأمانة، الباب الأول: ۳۳۸/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۴۶۷/۷، رشيديه)

"وليس للقيم أن يأخذ مافضل عن وجه عمارة المدرسة ديناً ليصرفها إلى الفقهاء وإن احتاجوا إليه".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم: ۴۱۵/۲، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قالَ: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح البخاري: ۱۰/۱، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۵۶/۱، قديمي)

"و مقتضى ماقاله أبو السعود أنه يقبل قوله في حق براء ة نفسه، لا في حق صاحب وظيفة؛ لأنه أمين فيما في يده، فيلزم الضمان في الوقف؛ لأنه عامل له، و فيه ضرر بالوقف". (ردالمحتار: ۴۴۹/۴، كتاب الوقف، مطلب: إذا كان الناظر مفسداً لا يقبل قوله، سعيد)

"رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد و أنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه، ثم رد بدلها في نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك. وإذا فعل إن كان يعرف صاحب المال، رد الضمان عليه، أو يسأله ليأذن له بإنفاق الضمان في المسجد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۹۹/۳، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً، رشيديه) =

مدرسہ ومسجد کا روپیہ سود پر قرض دینا

سوال[۷۵۸۷] : اگر مسجد، یتیم خانہ، مدرسہ عربی کا چندہ یا دوکان وجائیداد کی آمدنی امام، مہتمم ومدرس کی تنخواہ دینے کے بعد رقم تحویل میں بچ رہتی ہے، اگر کوئی دیانتدار ہزار روپیہ یکمشت اس آمدنی سے لے بغرضِ تجارت اور طے شدہ رقم سالانہ مثلاً دوسو روپیہ دیتا رہے، خواہ اس کو نفع ہو یا نقصان، اور جس وقت رقم طلب کی جاوے گی یکمشت ادا بھی کردے گا۔ تو ایسی چندہ وآمدنی والی رقم دینا شرعاً درست ہے یا نہیں۔ جس کی آمدنی مدرسہ وغیرہ میں صرف ہو جس میں ترقی زیادہ ہو۔

الجواب حامداًومصلیاً:

دوسو روپے سالانہ کی جو رقم بطورِ ترقی وآمدنی حاصل ہوگی یہ سود ہے، سود کا معاملہ حرام ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مدرسہ کی آمدنی ذاتی ضروریات میں بطورِ قرض خرچ کرنا

سوال[۷۵۸۸] : مدرسہ کی آمدنی سکریٹری یا ارا کینِ مدرسہ اپنی نجی ضرورتوں میں صرف کر لیتے ہیں، مگر جب ضرورت پڑتی ہے تو دے دیتے ہیں اور مدرسہ کے کام میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

= (وكذا في التاتارخانية : ۵/ ۸۷۹، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها، إدارة القرآن كراچى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و أحل الله البيع وحرّم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين اٰمنوا اتقوا الله، و ذروا ما بقي من الربوا، إن كنتم مؤمنين﴾ (سورة البقرة: ۲۷۸)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الربوا و موكله و كاتبه و شاهديه، وقال: "هم سواءٌ". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الأول، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

جوروپیہ مسلمانوں نے چندہ میں دیا ہے، یہ روپیہ امانت ہے(۱)، اپنے ذاتی مصارف میں اس کوخرچ کرنا جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

مدرسہ کے ذمہ دار کا مدرسہ کے روپیہ کوکھالینا

سوال[۷۵۸۹]: زید نے مسجد یامدرسہ میں یاکسی بھی نیک کام میں روپے دیئے اورامانت داروں نے وہ روپے کھالئے اورحساب نہیں لگایا، توکیادینے والے کوثواب ملےگا؟

عبدالغفار لکھیم پوری۔

الجواب حامداًومصلیاً:

زیدکوثواب ملےگا(۳) درمیان میں کھانے والوں کی پکڑ ہوگی، ان کے ذمہ ضمان لازم ہوگا(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۹۴ھ۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح البخاری: ۱/۸، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق، قديمی)

(۲) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه فی بناء المسجد، وأنفق من تلک الدراهم فی حاجة نفسه، ثم رد بدلها فی نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلک". (التاتارخانية: ۵/۸۷۹، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فی الأوقاف التی يستغنی عنها، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۲۹۹، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، رشيديه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿إن المصّدّقين والمصّدّقات و أقرضوا الله قرضاً حسناً يضٰعف لهم، ولهم أجر كريم﴾ (سورة الحديد: ۱۸)

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمٰنٰت إلی أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸) =

اسکول فنڈ سے شیرینی تقسیم کرنا

سوال[۷۵۹۰]: دینیات کے امتحان میں بچوں اور حاضرین کو شیرینی تقسیم کرنے میں اسکول فنڈ سے خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

فنڈ میں جمع کرنے والے اگر اس تصرف سے راضی ہیں تو جائز ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

طلبہ کو مدرسہ کی رقم سے انعام دینا

سوال[۷۵۹۱]: ا......کیا مہتمم مدرسہ چندہ کی رقم سے طلباء کو ان کی محنت پر انعام دے سکتا ہے؟

= "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "آیة المنافق ثلاث: إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أوتمن خان". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان،باب خصال المنافق: ۵۶/۱، قدیمی)

"الأمانة غیر مضمونة، فإذا هلکت أو ضاعت بلا صنع الأمین، لایلزمه الضمان. وأما إذا هلکت بتعدی الأمین أو تقصیره، فإنه یضمن". (شرح المجلة: ۴۲۶/۱، (رقم المادة: ۷۶۸)، الکتاب السادس فی الأمانات، الباب الأول فی أحکامه، مکتبه حنفیه کوئٹه)

وکذا ردالمحتار، کتاب الودیعة: ۶۷۹/۵، سعید)

(۱) "إذا أراد أن یصرف شیئاً من ذلک إلی إمام المسجد أو إلی مؤذن المسجد، فلیس له ذلک، إلا إن کان الواقف شرط ذلک فی الوقف". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الثانی منه: ۴۶۳/۲، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد: ۳۶۰/۴، سعید)

"مسجد له مستغلات و أوقاف وأراد المتولی أن یشتری من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصیراً أو حشیشاً .... قالوا: إن وسع الواقف ذلک للقیم وقال: تفعل ما تری من مصلحة المسجد، کان له أن یشتری للمسجد ما شاء". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۹۷/۳، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً أو خاناً، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الثانی منه: ۴۶۳/۲، رشیدیه)

۲......حضرتِ والا! ایک مدرس درکار ہے، ایسا ہو کہ کتبِ متوسط: تلخیص، اصول الشاشی، شرح تہذیب وغیرہ پڑھا سکے، اس کے علاوہ اگر کوئی مدرس درجۂ قرأت کے لئے ہو تو مطلع فرمائیں۔ مولوی محمد یوسف صاحب بہرائچی کا خط جو احقر کے پاس آیا ہے، وہ حضرتِ والا کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں، اگر آنجناب مناسب خیال فرمائیں تو ان ہی کو رکھ لیا جائے، وہ اس سے پیشتر بھی کام کر چکے ہیں۔

عبدالغنی، مدرسہ مدینۃ العلوم سدھن، ضلع فروخ آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جس طرح طلبہ کو وظیفہ دے سکتے ہیں اسی طرح چندہ کی رقم سے طلباء کو ان کی محنت اور امتحان میں کامیابی پر ان کو انعام بھی دے سکتے ہیں (۱)۔

۲......الحمدللہ! سب خیریت ہے، استفتاء کا جواب تحریر کر دیا۔ مولانا محمد یوسف صاحب پہلے وہاں رہ چکے ہیں، وہاں کے آدمی اُنہیں جانتے ہیں، آپ نے بھی ان کو نزدیک سے دیکھا ہے، مجھ سے زیادہ آپ ان سے واقف ہیں، ایسی حالت میں آپ کی رائے ان شاء اللہ خیر ہوگی، استخارہ مسنونہ کر لیں تو زیادہ اچھا ہے۔ اگر ان کا معاملہ ہو جائے تو پھر شاید آپ کو مدرس کی ضرورت نہ رہے، معاملہ نہ ہو یا پھر ضرورت باقی رہے تو مطلع کریں اور مشاہرہ بھی لکھ دیں۔ قاری ابھی موجود نہیں، آخر سال میں امید ہے مل جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/۹۵ھ۔

فساد کے خوف سے مدرسہ کی زمین فروخت کرنا

سوال [۷۵۹۲]: زید، بکر، عمر نے کچھ زمین مدرسہ شاہ پور میں وقف کیا، مدرسہ کے ممبران اس پر دخل

---

(۱) "ویبدأ من غلة الوقف بعمارته، ثم ماهو أقرب كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدرالمختار). "شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة .... وكذلك إلى آخر المصالح. هذا إذا لم يكن معيناً، فإن كان الوقف معيناً على شيء، يصرف إليه بعد العمارة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب: ۴/۳۶۷، سعيد)

"وكذا الوقف على الذين يختلفون إلى هذه المدرسة، أو على متعلميها، أو على علمائها، يجوز للقيم أن يفضّل البعض ويحرم البعض إذا لم يعين الواقف قدرما يعطى لكل واحد". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۸، رشيديه)

نہیں کر سکے، اگر دخل کرتے ہیں تو بڑا فساد ہوگا، خون کا بے حد خطرہ ہے، اس زمین کے خریدار ہیں۔ تو کیا اس کا بیچنا جائز ہے؟ اسے بیچ کر دوسری زمین مدرسہ شاہ پور کے لئے دینا جائز ہوگا اور جن لوگوں نے مدرسہ کو وقف کیا اس کو واپس دینا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین مدرسہ شاہ پور میں دی گئی ہے اگر اس پر قبضہ کرنے میں فساد اور خون ہو جائے گا تو مجبوراً اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری مناسب زمین خرید کر اسی مدرسہ میں دے دینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "سئل شیخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا و تداعى مسجدها إلى الخراب، و بعض المتغلبة يستولون على خشبه وينقلونه إلى دورهم، هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي و يمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذاالمسجد؟ قال: نعم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۳۶۰/۴، سعيد)

"رجل وقف موضعاً في صحته وأخرجه عن يده، فاستولىٰ عليه غاصب، وحال بين الوقف وبينه، قال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالىٰ: يأخذه من الغاصب قيمتها، ويشترى بها موضعاً آخر، فيقفه على شرائط الأول". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۱۲/۳، كتاب الوقف، فصل في وقف المنقول، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۹/۲، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف، رشيديه)

الفصل الرابع فی بیع وقف المدرسة وإجارته

(مدرسہ کے وقف کو بیچنے اور کرایہ پر دینے کا بیان)

زکوٰۃ کی رقم سے خرید کردہ غلہ نرخ کم ہونے کے بعد فروخت کرنا

سوال[۷۵۹۳]: ایک دینی مدرسہ کے صدر نے مدرسہ کے مطبخ کے خرچ کے لئے فصل کے موقع پر گندم اس خیال سے خرید لیا کہ سال گذشتہ غلہ کا نرخ بہت گراں ہوگیا تھا، اس سال نرخ گر گیا کہ ۳۱/ پیسہ فی کلو کا فرق ہوگیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ صدر مدرس نے ایک روپیہ ۳۱/ پیسہ کے حساب سے گندم دس کوئنٹل خرید لیا، اب یہاں کا بھاؤ ایک روپیہ ۵/ پیسہ ہے۔ اب طلباء کے نہ ہونے سے مطبخ بھی بند ہوگیا، اب اس کے فروخت کرنے میں مدرسہ کا خسارہ ہے، گندم بھی زکوٰۃ کی رقم سے خریدا گیا ہے تو اب یہ خسارہ کون دے گا؟ اور زکوٰۃ کی رقم سے گندم کی خریداری درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زکوٰۃ کی رقم سے طلباء کے لئے غلہ خریدا، اس وقت طلباء کے واسطے مطبخ موجود تھا، پھر طلباء موجود نہ رہے، مطبخ بند کردیا گیا، غلہ طلباء ہی کے لئے لیا گیا تھا اور زکوٰۃ طلباء کے کھانے کے واسطے ہی دی گئی تھی، لہذا مطبخ بند ہوجانے پر وہ غلہ معطین کو واپس کردینا چاہئے تھا، یا ان کی اجازت سے دیگر مستحقین کو دینا چاہئے تھا(۱)، مگر ایسا نہ کیا گیا، بلکہ غلہ فروخت کرکے روپیہ بنالیا گیا جس میں خسارہ ہوا، مدرسہ کے ذمہ دار پر اس خسارہ کا ضمان لازم نہیں ہوگا(۲)۔ البتہ اس کو چاہئے کہ معطین کو پوری صورت حال کی اطلاع دے کر قیمت کے متعلق

---

(۱) "و هنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، و قد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يمك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، قبيل باب السائمة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۴، كتاب الزكاة، الفصل التاسع، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "المال الذي قبضه الوكيل بالبيع والشراء و إيفاء الدين واستيفائه، والمال الذي قبضه الوكيل بقبض=

استصواب رائے کریں، وہ اگر اپنی قیمت واپس لینا چاہیں اور خود مستحقین پر صرف کرنا چاہیں تو ان کو واپس دیدے۔ اگر وہ بعد تملیک تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنے کی اجازت دیں تو اس کے موافق عمل کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۹/۲۹ھ۔

قرآن کریم وقف ہونے کے بعد اس کو فروخت کرنا

سوال[۷۵۹۴]: مردہ کے ایصال ثواب کے لئے بعض لوگ مدرسہ میں قرآن شریف وقف کرتے ہیں، مدرسہ والے اس کو فروخت کر کے قیمت کو مدرسہ کے کام میں لگاتے ہیں۔ تو کیا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

وقف ہونے کے بعد اس کو فروخت کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= العين بحسب وكالته، هو في حكم الوديعة بيد الوكيل، فإذا تلف بلا تعدّ ولا تقصيرٍ، لا يلزم الضمان والمال؛ لأن يد الوكيل .... يد نيابة عن المؤكل" (شرح المجلة لسليم رستم: ۷۸۴/۲، (رقم المادة: ۱۴۶۳)، كتاب الوكالة، الباب الثالث، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱۵۸/۴، ۱۵۹، كتاب الوكالة، الفصل الخامس، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۹۳/۷، ۲۹۴، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، رشيديه)

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً، ولا يصرف إلى بناء مسجد و كفن ميت .... لعدم التمليك و هو الركن .... و قدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء".

(الدر المختار: ۳۴۴/۲، ۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، سعيد)

"والحيلة لمن أراد ذلك أن يتصدق ينوي الزكاة على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة، ولذلك الفقير ثواب هذا الصرف". (التاتارخانية: ۲۷۲/۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۲۴/۲، كتاب الزكاة، باب المصرف، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحصكفي: "فإذا تم (أي الوقف) ولزم، لايملك ولايملك ولايعار ولا يرهن". =

اساتذہ کا امتحانی کاپیوں کو فروخت کرنا

سوال[۷۵۹۵]: مکاتب کے امتحان سہ ماہی وسالانہ وغیرہ طلبہ سے کاپیاں بنوائی جاتی ہیں، طلبہ امتحان کے بعد وہ کاپیاں اساتذہ کے پاس جمع کردیتے ہیں بلکہ اساتذہ جمع کرلیتے ہیں، پھر ان کو حسبِ موقع فروخت کرکے قیمت خود استعمال کرلیتے ہیں۔ کیا شرعاً یہ درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر استاذ کی خدمت میں وہ ہدیۃً پیش کردیتے ہیں تو حسبِ قاعدۂ شرعیہ ہبہ تام ہونے پر موہوب لہ کو ان کاپیوں کے اوراق کی قیمت کا اپنے کام میں لانا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تعلیم کے لئے موقوفہ عمارت میں مہتمم کا قیام، یا اس کا کرایہ وصول کرنا

سوال[۷۵۹۶]: مدرسہ کے لئے وقف شدہ عمارت کو صحیح اس وقت سمجھا جاوے گا جب کہ اس میں

= (الدرالمختار). "(قوله: لايملك): أی لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولايملك): أی لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا فی الهداية: ۲/۶۴۰، كتاب الوقف، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا فی فتح القدير: ۶/۲۲۰، كتاب الوقف، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(۱) چونکہ ہبہ کرنے سے شئ موہوبہ اس کی ملک ہوگئی، اور اپنے ملک میں ہر قسم کا تصرف جائز ہے: "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث فی أحكام الهبة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی الدرالمختار: ۵/۶۸۸، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

"كلٌ يتصرف فی ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی ردالمحتار: ۴/۵۰۲، كتاب البيوع، مطلب فی تعريف المال والملك والتقوم، سعيد)

تعلیم ہو، یا منتظمینِ مدرسہ اگر کسی کو کرایہ پر دیدیں اور اس کا کرایہ مدرسہ کو ملے، یا مہتمم مدرسہ قیام کریں اور اس سلسلہ میں ان کی تنخواہ سے بچت ہو۔ کیا ان دونوں صورتوں میں بھی عمارت کو مدرسہ کے لئے وقف سمجھا جائے گا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب کہ واقف کی غرضِ اصلی تعلیم ہے تو اصالۃً اس عمارت کو تعلیم ہی کے کام میں استعمال کرنا چاہئیے، تعلیم کے کام کو بند کرکے رہائش میں استعمال کرنا منشائے واقف کے خلاف اور وقف کے ساتھ خیانت ہے (۱)۔ البتہ اگر تعلیم کے ساتھ ساتھ رہائش کے کام میں بھی تبعاً وضرورۃً اربابِ حل وعقد کے مشورہ سے استعمال کیا جائے تو گنجائش ہے (۲)، مثلاً مہتمم مدرسہ کے پاس کوئی رہنے کا مکان نہیں اور کرایہ پر لینے کی وسعت نہیں اور مدرسہ کا کام کرنے کی وجہ سے مدرسہ میں قیام ضروری ہے تو گنجائش ہے (۳)۔ اسی طرح اگر عمارتِ مدرسہ کے مختلف حصے ہیں، اکثر حصے تعلیمی کام میں مشغول ہیں اور کوئی حصہ خالی اور بیکار رہے جو کرایہ پر چل سکتا ہے تو اس کو

---

(۱) "صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (ردالمحتار: ۴/۴۴۵، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، سعيد)

"ما خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص .... شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴/۴۹۵، کتاب الوقف، مطلب: ما خالف شرط الواقف، سعيد)

"متولى الوقف باع شيئاً منه أو رهن، فهو خيانة، فيعزل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف الباب الخامس فى ولاية الوقف و تصرف القيم: ۲/۴۱۳، رشيديه)

(۲) "للحاكم الديّن أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة إن كان الوقف متحداً؛ لأن غرضه إحياء وقفه، وذلك يحصل بما قلنا".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۰، سعيد)

(۳) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة، يعطون بقدر كفايتهم". (الدرالمختار). "أى من غلته عِمارته شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد، والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم .... وكذلك إلى آخر المصالح".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشيديه)

کرایہ پر دینا درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تعلیم گاہ کو کرایہ پر دینا

سوال[۷۵۹۷]: دینی تعلیم کے لئے ایک عمارت برادری کے پیسے سے بنائی گئی، لیکن شہر کے جو مدرسہ کے ذمہ دار اور امین ومتولی ہیں ان لوگوں نے عام لوگوں کی رائے کے بغیر اس عمارت کو تعلیم کا کام بند کر کے سرکار کو تین سو روپے ماہوار میں کرایہ پر دیدیا۔اب بچے تعلیم کے لئے پریشان ہیں۔کیا امین اور متولی کا ایسا فعل شرعاً جائز ہے؟ ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے جن کو بچوں کی تعلیم سے زیادہ دنیوی روپے پیسے محبوب ہیں؟ جب ان سے کہا گیا کہ دینی تعلیم بھی ضروری ہے اور یہ قوم کی امانت ہے۔تو جواب دیا کہ پڑھاؤ یا نہ پڑھاؤ، ہم نے دے دیا۔اب ان لوگوں کو کس لفظ سے یاد کرنا چاہیئے اور کیا کہنا چاہیئے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو عمارت دینی تعلیم کے لئے عام مسلمانوں کے چندہ سے بنائی گئی اور وہاں دینی تعلیم ہوتی ہے، تو ایسی عمارت کو روپے حاصل کرنے کے لئے کرایہ پر دے دینا اور دینی تعلیم کو بند کر دینا متولی کے لئے شرعاً درست نہیں (۲)، ایسے شخص کو متولی نہ بنایا جائے (۳)۔اگر صورت حال کچھ اور ہے تو اس کو تفصیل سے لکھیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "قال الفقیہ أبو جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ: إذا لم یذکر الواقف .... إجارۃ الوقف، فرأی القیم أن یؤاجرھا و یدفعھا مزارعۃً، فما کان أدرّ علی الوقف و أنفع للفقراء، فعل". (فتاوی قاضی خان علی ھامش الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۳/۳۳۲، کتاب الوقف، فصل فی إجارۃ الوقف، رشیدیہ)

(۲) "فإذا تم (الوقف) ولزم، لا یملک ولا یملک ولایعار و لا یرھن". (الدرالمختار) "(قولہ: لایملک): أی لا یکون مملوکاً لصاحبہ (ولایملک): أی لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ". (ردالمحتار: ۴/۳۵۲، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۵/۳۴۲، کتاب الوقف، رشیدیہ)

"سئل الإمام شمس الإسلام محمود الأزوجندیؒ عن أھل المسجد تصرفوا فی أوقاف المسجد: یعنی آجروا المستغل و لہ متول ؟ قال : لایصح تصرفھم". (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۲/۴۶۳، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الثانی منہ، رشیدیہ)

(۳) "و ینزع وجوباً لو غیر مأمون، أو عاجزاً، أو ظھر بہ فسق کشرب الخمر و نحوہ". (الدرالمختار). =

مدرسہ موقوفہ کی جگہ برات کے لئے کرایہ پر دینا

سوال[۷۵۹۸]: ہمارے گاؤں کھیڑی کی آبادی ۱۹۴۷ء سے پہلے تقریباً چھ سو مسلمان گھرانوں پر مشتمل تھی، اس دوران یہاں ایک چھوٹا مدرسہ قائم کیا گیا، جب اس کے اندر طلباء نہ آسکے تو پھر ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا گیا تھا، مگر خدا کی شان کی بات ہے، گڑبڑ ہو جانے کی وجہ سے تمام مسلمان چلے گئے، صرف پچاس ساٹھ گھر مسلمانوں کے رہ گئے۔ اب جو چھوٹا مدرسہ ہے اس کے اندر ہم لوگ یہاں شادی میں آنے جانے والے آدمیوں کے اتارنے کا سلسلہ چل رہا ہے اور بڑے مدرسہ کے اندر دس پندرہ بچے پڑھنے والے ہیں، وہ وہاں تعلیم پاتے ہیں۔

اب ہمارے یہاں کے لوگوں کی کمزوری ہونے کی وجہ سے قربانی، فطرہ اور خیرات کی رقم اس چھوٹے مدرسہ پر مسافر خانہ کے لحاظ سے لگانا چاہتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹا اور پرانا مدرسہ خالی پڑا ہے، اس میں جو لوگ بیاہ شادی میں مہمانوں کو ٹھہراتے ہیں ان سے کچھ کرایہ لیا جائے اور وہ کرایہ کی رقم نئے مدرسہ میں جو بڑا ہے اور آباد ہے اس میں خرچ کی جائے (۱)۔ فطرہ اور

= "قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود". (ردالمحتار: ۳۸۰/۴، کتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۸/۲، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۹۱/۵، ۳۹۲، كتاب الوقف، رشيديه)

(۱) "قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالىٰ: إذا لم يذكر الواقف .... إجارة الوقف، فرأى القيم، يؤاجرها و يدفعها مزارعةً، فما كان أدر على الوقف و أنفع للفقراء، فعل". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۲/۳، كتاب الوقف، فصل في إجارة الوقف، رشيديه)

"اتحد الواقف والجهة، وقلّ مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما كشيء واحد". (الدرالمختار). "وحكى أنه =

قیمت چرم قربانی مسافر خانہ کی تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مکانِ مدرسہ میں ملازم کا بلا کرایہ رہنا

سوال[۷۵۹۹]: ایک شخص مدرسہ میں ملازمت کرتا ہے اور مدرسہ کے مکان میں بلا کرایہ ادا کئے رہتا ہے اور اپنی ضرورت کے سب ہی کام اس میں کرتا ہے تو اس کے لئے مکان جائز ہونے کی کیا شکل ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بے خطر صورت تو یہ ہے کہ مدرسہ کو کرایہ ادا کرے، لیکن اگر مدرسہ اپنے ملازم کو مکان بھی دیتا ہے اور کرایہ نہیں لیتا اور یہ مکان کا بلا کرایہ دینا بمنزلۂ جزوِ تنخواہ ہے کہ اگر مکان نہ دے تو ملازم زیادہ تنخواہ کا مطالبہ کرتا ہے اور اس کا مفاد اسی میں ہے کہ کم تنخواہ کا ملازم رکھا جائے اور مکان بھی اس کو بلا کرایہ دیا جائے، تو اس میں بھی گنجائش ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب، ولا ينتفع المارّة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر لينتفع به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة به، ويحصل ذلك بالثاني". (ردالمحتار: ۳۶۰/۲، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ ﴿إنما الصدقٰت للفقراء والمسٰكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم، وفي الرقاب والغٰرمين و في سبيل الله و ابن السبيل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"ويصرف إلى كلهم أو إلى بعضهم تمليكاً لا إباحة، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت". (الدرالمختار). "(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات و إصلاح الطرقات و كرى الأنهار و الحج والجهاد و كل ما لا تمليك فيه". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۴۴/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۴۲۴/۲، رشيديه)

(۲) "يبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد و مدرس مدرسة، يعطون بقدر =

مدرسہ کا مکان کرایہ دار سے خالی کرانا

سوال[۷۶۰۰]: ایک مسلمان حجام نے اپنا مکان کرایہ پر دوسرے کودے دیا ہے، اس پر کرایہ دار نے چکی لگادی، کچھ عرصہ کے بعد مالکِ مکان نے خالی کرانے کی کوشش کی، کرایہ دار نے خالی نہیں کیا۔ مالکِ مکان نے نصف مکان مدرسہ اسلامیہ میں دے دیا۔ ہے اور بقیہ نصف مکان عیدگاہ کی مرمت کے لئے وقف کردیا ہے۔ جس نصف مکان کو مدرسہ میں دیا تھا، اس میں تین کمرے تیار ہوئے ہیں جن میں سے دو کمروں میں مدرسہ کا کام ہورہا ہے اور ایک کمرہ سابق کرایہ دار کے قبضہ میں ہے، دوروپیہ ماہوار کرایہ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے لوگ اس کمرے کے ۲۰/ روپیہ ماہوار کرایہ دیتے ہیں، لیکن کرایہ دار خالی نہیں کرتا ہے۔

اور جو نصف مکان مالک مکان نے عیدگاہ کے لئے دیا تھا وہ بھی اسی کرایہ دار نے اپنے قبضہ میں کرلیا ہے جس کا دوروپیہ ماہوار کرایہ دیتا ہے۔ مالک مکان نے محفلِ میلاد شریف قائم کرکے تمام مسلمانوں کے درمیان یہ کہا تھا کہ یہ نصف مکان بیچ کر عیدگاہ کی مرمت کرادی جاوے۔ مالکِ مکان کا انتقال ہو چکا ہے اور اب تمام مسلمانوں کی خواہش ہے کہ اس مکان کو نیلام کرکے عیدگاہ کی مرمت کرادی جاوے، لیکن کرایہ دار خالی نہیں کرتا ہے۔ ایسی صورت مسئولہ میں مسئلہ شرعی کیا ہے اور مسلمانوں کو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کا کمرہ اس چکی والے سے خالی کراکے دوسرے شخص کو آباد کرا دیا جاوے۔ اس کے لئے قانونی چارہ جوئی کی جائے۔ اگر اہلِ مدرسہ مناسب سمجھیں تو موجودہ کرایہ دار کو خالی کرانے کا نوٹس دے دیں کہ مدرسہ کے لئے ضرورت ہے اور قانوناً ایسی صورت میں وہ خالی کرنے پر مجبور ہوگا، پھر اس جگہ بھی مدرسہ کے لئے کمرہ بنادیا جاوے، یا سمجھوتہ کرکے کرایہ میں اضافہ کرالیا جاوے اور کہہ دیا جاوے کہ اگر اضافہ نہ کیا تو مقدمہ کرکے خالی

= كفايتهم". (الدر المختار). "ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة، يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط، و كذلك إلى آخر المصالح".

(ردالمحتار: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵۶/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۵۸۷/۲، كتاب الوقف، غفاريه كوئٹه)

کرایا جائے گا(۱)۔

نصف مکان جوعیدگاہ کے لئے دیا ہے، اگر فروخت کر کے مرمت کے لئے دیا ہے تو اس کوفروخت کردیا جائے (۲)۔ پھر خریدار اگر مضبوط ہوگا تو وہ خالی کرائے گا، یا کرایہ میں اضافہ کرے گا (۳)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۰ھ۔

مدرسہ کے کمرہ میں ملازم کے بچوں کو رکھنا

سوال[۷۶۰۱]: امام صاحب کے بچے اور اہلیہ مدرسہ کے کمرہ میں رہتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو

---

(۱) "الواقف إذا آجر الوقف إجارةً طويلةً إن كان يخاف على رقبتها التلفَ بسبب هذه الإجارة، فللحاكم أن يبطلها، وكذلك إن آجرها من رجل يخاف على رقبتها من المستأجر، فينبغي للحاكم أن يبطل الإجارة". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۵۲، إدارة القرآن كراچی)

"حانوت وقف وعمارته ملك لرجل، أبىٰ صاحب العمارة أن يستأجر بأجر مثله، ينظر: إن كانت العمارة لو رفعت يستأجر بأكثر مما يستأجر صاحب العمارة، كلّف رفع العمارة، ويؤجر من غيره؛ لأن النقصان عن أجر المثل لايجوز.......... وفيه: وكذا إذا آجرها الواقف سنين كثيرةً ممن يخاف أن تتلف في يده، قال: يبطل القاضي الإجارة ويخرجها من يد المستأجر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۷، ۳۹۸-۴۰۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في إجارة الأوقاف: ۳/۳۳۴، ۳۳۵، رشيديه)

(۲) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الوقف معتبرة: ۴/۳۴۳، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: ماخالف شرط الواقف فهو مخالف للنص: ۴/۴۹۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

حرام بتلا کر عوام کو بہکاتے ہیں۔آیا مدرسہ اسلامیہ میں اہلیہ کو رکھنا حرام ہے یا حلال؟ جو حرام بتلاتے ہیں شریعت کے نزدیک وہ کیسے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو شخص امام یا کوئی بھی مدرس ہو اور اس کی ملازمت کے لئے مدرسہ کی طرف سے مکان کا بھی معاملہ ہے تو اس کو اپنے بچوں اور اہلیہ کو مدرسہ میں مکان میں رکھنا شرعاً درست ہے(۱)۔جو شخص اس کو ناجائز کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔پردہ کا لحاظ بہر حال ضروری ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

ملازمِ مدرسہ کی اولاد کا مدرسہ کے مکان میں رہنا

سوال[۷۶۰۲]: ہندوستان سے پانچ سال کی مدت کے لئے ایک استاذ مدرسہ میں پڑھانے کی غرض سے بلائے گئے، یہاں ان کو تنخواہ کے علاوہ مدرسہ کے لئے وقف شدہ مکان بلا کرایہ دیا گیا جس میں ہر ماہ پانی اور بجلی کا خرچ بھی مدرسہ کے ذمہ رہا۔ پانچ سال پورے ہونے پر ملازمت کی تجدید نہیں کی گئی، مگر موصوف نے پڑھانے کا کام جاری رکھا۔اور اس اوقاف کے مکان میں موصوف کے دونوں صاحبزادوں کا قیام ہے، ان میں ایک شادی شدہ اور دوسرا غیر شادی شدہ ہے۔شادی شدہ لڑکے کی دوکانیں ہیں اور غیر شادی شدہ لڑکے کی آمدنی اپنے باپ کی آمدنی سے زیادہ ہے۔یہ دونوں صاحبزادے اسی اوقاف کے مکان میں اپنے باپ کے ساتھ رہتے ہیں۔

---

(۱) "یبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد و مدرس مدرسة، يعطون بقدر كفايتهم". (الدرالمختار). "ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة، يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط، وكذلك إلى آخر المصالح".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۳۵۶/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى على مجمع الأنهر: ۵۸۷/۲، كتاب الوقف، غفاريه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وقرن في بيوتكن و لا تبرجن تبرّج الجاهلية الأولى﴾ (سورة الأحزاب: ۳۳)

لڑکے کی شادی ہوجانے کی وجہ سے مکان تنگ ہورہا ہے اور ساتھ ہی پانی اور بجلی کے خرچ میں اضافہ ہورہا ہے، تو کیا اب بھی مدرسہ، استاذ اور ان کے لڑکوں کی رہائش کا ذمہ دار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب معاملہ ملازمت کا پانچ سال کے لئے تھا کہ مدت پوری ہونے پر ملازمت ختم ہوگئی، نہ مدرسہ کے مکان میں قیام کا حق رہا، نہ تنخواہ کا استحقاق باقی رہا(۱)۔ لیکن پانچ سال گذرنے کے بعد اہلِ مدرسہ نے ان کو بدستور کام پر رکھا، وہ کام کرتے رہے، تنخواہ ملتی رہی، مدرسہ کے مکان میں قیام رہا تو یہ عملی طور پر گویا معاملۂ ملازمت بشرطِ سابق تجدید ہوگئی، جب تک مدرسہ ان کو الگ نہ کرے وہ ملازم ہے(۲)۔ ان کے جولڑکے بالغ اور کمانے والے ہیں اور ان کا نفقہ خود ان کی کمائی سے پورا ہوتا ہے، والد کے ذمہ واجب نہیں (۳)، ان کو مستقلاً مدرسہ کے مکانِ موقوف میں رہنے کا حق نہیں ہے(۴)، خاص کر جب کہ ان کی وجہ سے بجلی و پانی کے مصارف

---

(۱) "لو استؤجر عقاراً كل شهر بكذا من دون بيان عدد الأشهر، يصح العقد. لكن عند ختام الشهر الأول لكلٍّ من الآجر والمستأجر فسخُ الإجارة في اليوم الأول وليلته من الشهر الثاني الذي يليه". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۹۴)، كتاب الإجارة، الباب الرابع: ۱/۲۷۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة: ۶/۸۴، سعيد)

(۲) "لكن عند ختام الشهر الأول لكل من الآجر والمستأجر فسخ الإجارة في اليوم الأول من الشهر الثاني الذي يليه. وأما بعد مضي اليوم الأول، فليس لهما ذلك، بل يصح العقد في الشهر الثاني. وإذا مضى الشهر الثاني ولم يفسخ أحدهما في اليوم الأول وليله من الشهر الثالث، صح العقد أيضاً فيه؛ لأنه إذا مضى اليوم الأول وليله ولم يفسخ أحدهما بحضور الآخر، كان سكوتهما دلالةً على الرضى".

(شرح المجلة، كتاب الإجارة، الباب الرابع: ۱/۲۷۴، (رقم المادة: ۴۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"السكوت في الإجارة يُعدّ قبولاً ورضى". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۴۴، (رقم المادة: ۴۳۸)، كتاب الإجرة، الفصل الأول في ركن الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "ولا يجب على الأب نفقة الذكور الكبار، إلا أن يكون الولد عاجزاً عن الكسب لزمانةٍ أو مرضٍ".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، باب النفقات، الفصل الرابع في نفقة الأولاد: ۱/۵۶۳، رشيديه)

(۴) "يفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه أو إتلافها كما لو سكن بلا إذن أو أسكنه المتولي بلا أجر، كان على الساكن أجر المثل ...... ودخل مالو كان الوقف مسجداً أو مدرسةً سكن فيه، فتجب فيه أجرة المثل". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۰۸، سعيد) .... =

مدرسہ پر زیادہ پڑتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مدرسہ کے کمرہ میں پولیس کا قیام

سوال[۷۶۰۳]: گورنمنٹ کہتی ہے کہ چھٹی کے موقعہ پر آپ کے مدرسہ میں پولیس کے قیام وطعام کا انتظام رہے گا۔ بند خالی کمروں میں پولیس کا رہنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے وقف ہے، غیر متعلق لوگوں کا وہاں قیام وطعام غرضِ واقف کے خلاف ہے، اس لئے اجازت نہیں (۱)، اس کا انتظام دوسری جگہ کیا جائے، ہاں! اگر مدرسہ ہی کے مصالح کے لئے ہوتو اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= "وليس للقيم أن يسكن فيها أحداً بغير أجر". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم: ۷۴۹/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

(۱) "صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (ردالمحتار: ۴۴۵/۴، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، سعيد)

"ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، وهذا موافق لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴۹۵/۴، كتاب الوقف، مطلب: ما خالف شرط الواقف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱۱/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) "نعم! يتصرف القيم في الوقف بما فيه نفع للوقف، والمسئلة في الخيرية والإسعاف". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲۰۹/۱، كتاب الوقف، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في التاتارخانية: ۷۵۷/۵، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم، إدارة القرآن كراچی)

"سئل الإمام شمس الإسلام محمود الأوزجندي رحمه الله تعالىٰ عن أهل المسجد تصرفوا في أوقاف المسجد: يعني آجروا المستغل، و له متول، قال: لايصح تصرفهم". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني منه: ۴۶۳/۲، رشيديه)

الفصل الخامس فی وظائف المدرسین

(مدرسین کی تنخواہوں کا بیان)

جن مہینوں میں خالص مدرسہ کا کام کیا جائے ان مہینوں کی تنخواہ وصول کرنا

سوال[۷۲۰۴]: مہتمم مدرسہ تمام سال اہتمام بلاتنخواہ کرتے ہیں، کچھ اپنا نجی کام بھی کرتے ہیں، مگر جن ایام میں تحصیلِ چندہ کا کام ہوتا ہے، اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ اپنا نجی کاروبار بھی نہیں کر سکتے۔ تو ان مہینوں کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں مہتمم صاحب کو چاہیے کہ مجلسِ شوریٰ کے ارکان کے سامنے اس چیز کو پیش کر دے کہ سال بھر میں مثلاً دو ماہ چندہ کرتا ہوں اپنا نجی کام نہیں کرتا، اس لئے ان دو ماہ کے لئے میری تنخواہ تجویز کر دی جائے، بقیہ دس ماہ حِسبۃً للہ خدمت مدرسہ انجام دوں گا، کوئی معاوضہ نہیں لوں گا (۱)۔ اگر مہتمم صاحب نے اس طرح باقاعدہ معاملہ نہ کیا تو تہمت اور اعتراض کا مظنہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۸۵ھ۔

---

(۱) حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"مدرسہ کے لئے مہتمم صاحب برائے چندہ سفر کریں تو اربابِ شوریٰ (ٹرسٹیوں) کے مشورہ سے مناسب تنخواہ مقرر کر لی جائے اور وہ تنخواہ دی جائے، یا پھر اربابِ شوریٰ سے مناسب انعام دے دیا جائے، دوسری صورت میں الغرض کمیشن کی صورت سے بچتے ہوئے اصحابِ شوریٰ کے مشورہ کے مطابق عمل کیا جائے، معاملہ مخفی رکھنا بالکل مناسب نہیں، اس میں اربابِ شوریٰ نیز عوام کو انگلی اٹھانے کا موقع ملے گا، اور اس میں مہتمم کی بدنامی بھی ہے، اور مہتمم کا اتنی بڑی رقم کا مطالبہ کرنا بھی تعجب خیز معلوم ہوتا ہے اور اصحاب شوریٰ کو بھی مدرسہ کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب فیصلہ کرنا ہوگا، اتنی بڑی رقم قبول کرنے کا ان کو بھی اختیار نہ ہوگا"۔ (فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الإجارۃ، باب مایجوز من الاجارۃ ومالایجوز، بیرون ملک چندہ کے لئے جانے والے مہتمم کا چندہ میں سے ایک بڑی رقم بطور اجرت لینا: ۹/۳۰۴، دارالاشاعت)

(۲) "اتقوا مواضع التهم": ذكره في الإحياء. وقال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه =

تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا استحقاق

سوال[۷۶۰۵]: ایک دینی ادارہ جس میں چند مدرسین چند سالوں سے کام کررہے ہیں۔ اتفاق سے گذشتہ درمیانِ سال میں مہتمم صاحب سے کچھ مدرسین کو شکایت ہوئی جس کی وجہ سے حسبِ قانونِ مدرسہ مدرسین نے استعفیٰ دیدیا یعنی ایک ماہ سے بیشتر، مگر مہتمم صاحب اور دوسرے اراکین نے باصرارِ تمام اس معاہدہ پر کہ آئندہ رمضان کی ۳۰/ تاریخ تک آپ لوگ استعفاء مؤخر کردیں اور ۳۰/ رمضان تک کی تنخواہ آپ لوگوں کو دی جائے گی، گویا کہ آپ لوگ باوجود چھٹیوں کے اور اس کے بعد مدرسہ میں نہ آنے کی صورت میں ۳۰/ رمضان تک مدرسہ میں ملازم ہوں گے، چھٹیوں کے استعمال کا حق آپ لوگوں کو ہوگا۔ اس تصریح کے ساتھ ان مدرسین کو روک لیا۔

اب حسبِ سابق ان مدرسین نے مدرسہ میں آخرِ سال یعنی ۱۸/ شعبان تک کام کیا، اس کے بعد، یا اس سے پہلے ایک دوروز کی رخصت لیکر چلے آئے۔ آنے سے قبل صرف فنڈ کا روپیہ وصول کرلیا اور شعبان ورمضان کی تنخواہ اس وجہ سے کہ پہلے سے یہ تنخواہیں آتے وقت نہیں دیتے تھے، شعبان کی تنخواہ گھر بھیج دیتے تھے اور رمضان کی واپسی پر چھوڑ کر چلے آئے، مطالبہ اور سرکاری رقم جو آئندہ آنے والی ہے، مدرسہ کے ذمّہ باقی ہے۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ اس معاہدہ کے بعد ان مدرسین کو ۱۸/ شعبان کے بعد ۳۰/ رمضان تک کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں اور مہتمم صاحب کو ان تک پہونچانا واجب ہے یا نہیں؟ اور ادا نہ کرنے کی صورت میں مہتمِم مدرسہ عنداللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عموماً دینی مدارس کا ہمارے اطراف میں تعاملِ معروف یہ ہے کہ ختمِ سال ماہ شعبان کی جس تاریخ کو

= بمعنی قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "من سلک مسالک الظن، اتّهم". ورواه الخرائطی فی مکارم الأخلاق: "من أقام نفسه مقام التهم، فلا يلومنّ من أساء الظن به". وروى الخطيب فی المتفق والمفترق عن سعيد بن المصيب قال: وضع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه ثمانی عشرة كلمةً .... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلا يلومنّ من أساء به الظن". (كشف الخفاء، الهمزة مع التاء المثناة، (رقم الحديث: ۸۸): ۱/۴۵، دارإحياء التراث العربی بيروت)

بھی فراغت ہو اس تاریخ کی تنخواہ تو بوجہ کارکردگی لازم ہوتی ہے، اس کے بعد تعطیلِ کلاں ہوتی ہے، اس تعطیلِ کلاں (بقیہ شعبان، کامل رمضان، ابتدائے شوال) کی تنخواہ کا استحقاق اس شرط پر ہوتا ہے کہ ملازم بعد التعطیل حاضر ہوکر کام میں مشغول ہوجائے، اگر ملازم حاضر نہ ہو، بلکہ ملازمت ختم کردے تو استحقاق نہیں ہوتا (۱)۔

لیکن صورتِ مسئولہ میں جب کہ مہتمم صاحب اور دیگر ارکینِ مدرسہ نے وعدہ کرلیا ہے تو اس مدت کی تنخواہ لینے کا مدرسین کو حق حاصل ہے، وعدہ صریح کی بناء پر تعاملِ معروف کو ترک کردیا جائے گا، الأشباہ والنظائر میں ہے: "الخلف فی الوعد حرام" (۲)۔

اگر مہتمم صاحب اور اراکین کے نزدیک اس وعدہ میں مدرسہ کی خیرخواہی مضمر تھی تو ان کو وعدہ کرنے کا حق تھا اور اس کو پورا کرنا لازم ہے، ورنہ مواخذۂ اُخرویہ باقی رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) "المعروف عرفاً کالمشروط شرعاً". (الأشباہ والنظائر، الفن الأول، القاعدة السادسة: ۱/۲۷۸، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی شرح المجلة، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانية فی بیان القواعدالفقهیة: ۱/۳۷، مکتبه حنفیة کوئٹه)

"ومنها البطالة فی المدارس کأیام الأعیاد ویوم عاشوراء وشهر رمضان فی درس الفقة، لم أرها صریحةً فی کلامهم، والمسئلة علیٰ وجهین: فإن کانت مشروطةً، لم یسقط من المعلوم شئ، وإلا فینبغی أ ن یلحق ببطالة القاضی، وقد اختلفوا فی أخذ القاضی مارُتّب له .... فی یوم بطالته، فقال فی المحیط: إنه یأخذ فی یو م البطالة". (شرح الأشباہ والنظائر، الفن الأول فی القواعد، القاعدة السادسة: ۱/۲۷۲، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی استحقاق القاضی والمدرس الوظیفة فی یوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعید)

(۲) (الأشباہ والنظائر، کتاب الحظر والإباحة: ۳/۲۳۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الأداب، باب المزاح، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۸۹۲): ۸/۶۲۷، رشیدیه)

ایامِ تعطیل میں کام کرنے کی تنخواہ

سوال[۷۶۰۶]: ۱...... مدرسینِ مدرسہ رمضان شریف کوموقعہ پر مدرسہ کا کام کرتے ہیں جبکہ وہ ان کی رخصت کا وقت ہوتا ہے۔ اب ان کو اجرت کس حساب سے دی جائے، کیا فیصد مقرر کرکے دی جائے یا بلا تعین دی جائے؟

۲...... جو مدرسین تعلیم کے اوقات میں مدرسہ کا کام کرتے ہیں، ان کو اُجرت دینے کی کیا شرح ہونی چاہئے؟

۳...... دارالعلوم دیوبند میں مدرسین یاسفیرِ مدرسہ کو رخصت اور عدمِ رخصت میں مدرسہ کا کام کرنے پر جو دیا جاتا ہے اس کی کیا شرح ہے، کیا آپ بغیر تنخواہ کام کرتے ہیں؟

مہتمم جامعہ امداد العلوم زید پور بارہ بنکی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... اگر اس کے لئے مدرسہ کی طرف سے کوئی ضابطہ نہیں ہے تو طرفین باہمی مشورہ سے معاملہ طے کرلیں، مثلاً: اس طرح کہ مستقل ملازم اگر ایامِ تعطیل میں فراہمیٔ چندہ کی خدمت حسبِ تجویزِ ارکانِ مدرسہ انجام دے گا تو اس کو اتنے ایام کی تنخواہ دوچندہ دی جائے گی، یا اس سے کچھ زیادہ یا کم، جو کچھ طے ہو جائے، تاکہ جہالت باقی نہ رہے۔ فی صد مقرر نہ کریں کہ اس میں جہالت ہے، کیونکہ یہی متعین نہیں کہ کس قدر وصول ہوگا، بلا تعین دیئے جانے پر قناعت دشوار ہے...... جہالت کی وجہ سے نزاع کا بھی مظنہ ہے، وھذا ظاھر (۱)۔

۲...... اوقاتِ تعلیم کی تو تنخواہ ملتی ہے، اگر تعلیم کے علاوہ کوئی دوسرا کام ان اوقات میں ان سے لینا ہے تو کام کی اور مدرسین کی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے معاملہ کرلیا جائے۔ برضائے طرفین حسبِ مصالحِ مدرسہ جو کچھ

---

(۱) "وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۴۵۱)، كتاب الإجارة، الفصل الثالث: ۱/۲۵۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

بھی طے ہو جائے (۱) اگر وہ اپنی اصلی تنخواہ تدریس پر ہی دوسرا کام انجام دینے کے لئے آمادہ ہو جائیں تو یہ بھی درست ہے جب کہ مفادِ مدرسہ بھی اس میں ہو۔

۳......اس کو دفتر اہتمام سے دریافت کیا جائے، مجھے اس کی شرح معلوم نہیں۔ میں نے خود کبھی دینی خدمات بلا معاوضہ انجام نہیں دی، بلکہ میری تنخواہ مقرر رہتی ہے۔ جس پر معاوضہ کا مسئلہ سامنے آیا ہو، کارِ مفوّضہ کا جو کچھ مشاہرہ مجھے ملتا ہے وہ بھی میری قابلیت وحیثیت سے زیادہ ہے، اس کے علاوہ مدرسہ کبھی کوئی کام لیتا ہے تو اس کے معاوضہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۹۴ھ۔

تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا استحقاق

سوال [۷۶۰۷]: زید ایک ادارے کا مہتمم ہے، بے جا غلط فہمی کی بناء پر انہوں نے بکر مدرس سے ۱۵/ شوال کو مستعفی ہونے کو کہا، بکر نے استعفیٰ پیش کر دیا۔ تو کیا اس صورت میں بکر تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہے، جب کہ مطالبۂ استعفیٰ معزول کر دینے کے ہم معنیٰ ہے اور بصورتِ معزول ادارۂ مذکورہ کے دستور کے مطابق مزید ایک ماہ کی تنخواہ کا مستحق ہوتا ہے؟ غرضیکہ بکر مدرس تنخواہ تعطیل کلاں کا مطالبہ کرتا ہے، اس لئے کہ استعفیٰ مہتمم کے مطالبہ پر دیا گیا ہے اور مہتممِ مدرسہ برعکس اس کے تعطیل کلاں کی کچھ حاصل کی ہوئی تنخواہ کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے اور بکر کا سامان- جو اس کے پاس بطورِ امانت رکھا ہوا ہے- واپس نہیں کرتا۔

مہتمم مذکور کا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بکر کو تعطیلِ کلاں کی تنخواہ ملنی چاہئے یا نہیں؟ اور جو کچھ بسلسلۂ تنخواہ لے چکا ہے اس کو واپس کرنا پڑے گا یا نہیں؟

سائل: مشتاق احمد فیض آبادی، متعلم دارالعلوم دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تعطیل، استعفاء، معزولی کے متعلق مستقلاً کوئی معاملہ نہیں ہوا تھا تو عام دینی مدارس کے عرف کو حکم

---

(۱) "وأما شرائط الصحة، فمنها رضا المتعاقدين، ومنها أن يكون المعقود عليه وهو المنفعة، معلوماً علماً يمنع المنازعة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۱۱۴، رشيديه)

تجویز کیا جائے گا(۱)۔صورت مسئولہ میں جب کہ مدرس نے استعفیٰ نہیں دیا،شوال میں حاضر ہوکر کام کرنا چاہتا تھا تو وہ تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حقدار ہے، پندرہ شوال (تاریخ مطالبۂ استعفاء) تک کی تنخواہ اس کو دی جائے (۲) اور جو سامان اس کا محبوس کرلیا وہ واپس دیا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۴/۳/۹۵ھ۔

مدرسہ کی تعطیلِ کلاں کی تنخواہ جب کہ تعطیل کے ختم پر دوسری جگہ چلا گیا

سوال[۷۶۰۸]: زید بحیثیتِ عربی مدرس ایک ادارہ میں ملازم تھا اور مستقل تھا، جمادی الاولیٰ میں ساز باز کر کے دوسری جگہ ملازمت کی بات کی اور رمضان شریف میں تقرر کرا لیا، شعبان میں رخصت پر گیا اور بعد رمضان نئی جگہ پر چلا گیا اور شعبان اور رمضان کی تنخواہ دھوکہ سے لے لی، جب کہ اس ادارہ کا قانون ہے کہ کم از کم ایک ماہ قبل استعفیٰ دے اور اس ماہ کام بھی کرے تاکہ ادارہ دوسرے معلم کا انتظام کر لے، لیکن زید نے اس کے خلاف کیا، پورے شوال غیر حاضر رہ کر ذی قعدہ میں اپنے نہ آنے کو مطلع کیا۔نصف شعبان اور رمضان کی تنخواہ زید کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۳۷، حنفية كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۱/۲۷۸، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: مسألة الدراهم: ۳/۱۳۰، سعيد)

(۲) "ومنها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقه، لم أرها صريحةً في كلامهم، والمسألة على وجهين: فإن كانت مشروطةً لم يسقط من المعلوم شئ، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي .... فقال في المحيط: إنه يأخذ في يوم البطالة؛ لأنه يستريح لليوم الثاني".

(الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد: ۱/۲۷۲، ۲۷۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۴۹۵)، كتاب الإجارة، الفصل الرابع: ۱/۲۷۴، مكتبه حنفية كوئٹه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وقتِ ملازمت تعطیل کے متعلق کوئی معاملہ طے نہیں ہوا تو دیگر مدارس میں جو کچھ تعامل ہے، اس کے مطابق عمل کیا جائے (۱)، وہ یہ ہے کہ ماہ شعبان میں سالانہ امتحان سے فراغت پر تعطیل ہو جاتی ہے، رمضان المبارک کا پورا مہینہ تعطیل میں گذر جاتا ہے، پھر شوال کا بھی کچھ وقت تعطیل میں محسوب ہوتا ہے، مگر اس سے مستفید ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ بعد تعطیل مدرسہ کھلنے پر ملازم حاضر رہ کر مدرسہ کے کام میں مشغول ہو جائے، ورنہ اس کو ان ایام کی تنخواہ نہیں ملے گی۔ پس جو شخص شوال میں حاضر نہیں ہوا، نہ رُخصت لی (رُخصتِ استحقاقی بھی حاضری کے حکم میں ہے) بلکہ اس نے دوسری جگہ ملازمت کر لی، اس تعطیل کی مدت کی تنخواہ کا مستحق نہیں (۲)، اگر تنخواہ لے چکا ہے تو واپس کر دے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

عارضی مدرس کیلئے تعطیلِ کلاں کی تنخواہ

سوال [۷۶۰۹]: نذیر احمد کو مدرسہ مظہر العلوم شموگہ کے ذمہ داروں نے ماہ ذی الحجہ/۹۴ھ سے آخر سال تعلیم شعبان تک کے لئے عارضی مدرس رکھا۔ اب کیا مسمیٰ مذکور ایامِ تعطیل کلاں از پندرہ شعبان تا پندرہ شوال

---

(۱) "إنما تعتبر العادة إذا اطردت أو غلبت .... المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۱ - ۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۳۷، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: مسألة الدراهم: ۳/۱۳۰، سعيد)

(۲) "ومنها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقه، لم أرها صريحةً في كلامهم، والمسألة على وجهين: فإن كان مشروطةً لم يسقط من المعلوم شيء، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي ....فقال في المحيط: إنه يأخذ في يوم البطالة؛ لأنه يأخذ في يوم البطالة؛ لأنه يستريح لليوم الثاني". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعده السادة: ۱/۲۷۲، ۲۷۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعيد)

پوری دو ماہ کی تنخواہ کا شرعاً حق دار ہے یا نہیں، جب کہ ہر مدرس کو علی حالہ پوری تنخواہ دی جارہی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب کہ عارضی ملازمت ہی شعبان تک تھی تو پھر تعطیل کلاں کی تنخواہ کا استحقاق نہیں، مستقل مدرسین پر قیاس نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۱۱/۹/۹۵ھ۔

تعطیل کلاں کے بعد استعفیٰ پر تنخواہ کا استحقاق

سوال[۷۱۱۰]: پورے سال بھر پڑھانے کے بعد اگر کوئی شخص رمضان کی تعطیل میں استعفیٰ دینا چاہتا ہے تو وہ شرعاً رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو کیا استحقاق کی کوئی صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں قانون یہ ہے کہ رمضان کی تنخواہ کا استحقاق تعطیل ہونے کی صورت میں اُس وقت ہے جب کہ شوال میں مدرسہ کھلنے پر حاضر ہو کر کام کرے ورنہ استحقاق نہیں، وہاں کا قانون بھی یہی ہو تو حکم بھی یہی ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) "إذاعقدت الإجارة في أول الشهر على شهر واحد، أو أكثر من شهر، انعقدت مشاهرةً .... لوعقدت الإجارة في أول الشهر لسَنةٍ، تعتبر اثنى عشرة شهراً". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۷۲، ۲۷۳، (رقم المادة: ۴۸۸، ۴۹۲)، كتاب الإجارة، الفصل الرابع، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۶، كتاب الإجارة، الباب الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة، رشيديه)

"وإذا وقعت على وقت معلوم، فتجب الأجرة بمضي الوقت إن هو استعمله أولم يستعمله، وبمقدارمامضى من الوقت تجب الأجرة". (النتف في الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، ص: ۳۳۸، سعيد)

(۲) "وهل يأخذ أيام البطالة كعيد ورمضان لم أره، وينبغي إلحاقه ببطالة القاضي، واختلفوا فيها، =

بلانوٹس استعفیٰ سے استحقاقِ تنخواہ

سوال[۷۶۱۱]: زید نے ایک مدرسہ میں قوانین مدرسہ کے اقرار پابندی کے ساتھ قریب دوسال تک مدرسی کی، ایک روز افراد کمیٹی نے تعلیمی انحطاط کو دیکھ کر زید کی عزت ووقار سے تعرض کئے بغیر سنجیدگی کے ساتھ بوجۂ انحطاطِ تعلیم کے توجہ الی الطلبہ کی یاددہانی کرائی تو زید کو ناگوار گذری، اس بناء پر مدرسی سے استعفاء دیدیا اور اب قوانینِ مدرسہ کا انکار کرتا ہے، استعفیٰ والے مہینے میں بیس یوم تعلیمی کام کیا اور دس دن باقی رہ گئے ہیں۔ وہ قوانین یہ ہیں:

۱- کسی مدرس کو نوٹس دینے، یا کسی مدرس کو ازخود نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ کم ازکم ایک ماہ قبل اطلاع دی جائے۔

۲- اگر اطلاع کئے بغیر کسی مدرس کو فوری طور پر نکالا گیا تو افراد کمیٹی مدرس کو ایک ماہ کا مشاہرہ دیکر نکال سکتے ہیں۔

۳- اسی طرح سے فوری طور پر نکلنے والے مدرس پر بس ایک ماہ کی تنخواہ عائد ہوتی ہے۔

تو اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ از روئے شرع مدرس کے انکار مع الاقرار کی بناء پر مدرس کی بیس

= والأصح أنه يأخذ؛ لأنها الاستراحة، أشباه. إنه أظهر، فينبغي أن يكون كذلك في المدرس .... فينبغي أن يعطى ليوم البطالة المتعارفة بقرينة ماذكره في مقابلة من البناء على العرف، فحيث كانت البطالة معروفةً في يوم الثلثاء والجمعة، وفي رمضان والعيدين، يحل له الأخذ". (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة: ۳۷۲/۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۲۷۲/۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۹۵)، كتاب الإجارة، الفصل الرابع: ۲۷۴/۱، حنفيه كوئٹه)

"المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانيه في بيان القواعد الفقهية: ۳۷/۱، مكتبه حنفية كوئٹه)

دن کی تنخواہ افراد کمیٹی کے ذمہ واجب الاداء سمجھی جائے یا مجرم قانون شکن مدرس پر بقیہ دس دن کا مشاہرہ عائد کیا جائے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

تعلیمی انحطاط دیکھ کر توجہ دلانا مدرسہ سے علیحدہ کرنا نہیں، اس سے متأثر ہوکر مدرس نے استعفیٰ دیا ہے تو ایک ماہ قبل استعفیٰ دینا لازم ہے، استعفیٰ دیکر ایک ماہ کام کرے تو اس ماہ کی تنخواہ کا مستحق ہوگا (۱)، اب ان بیس یوم کی تنخواہ کا مستحق نہیں اگر استعفیٰ دے کر فوراً کام ترک کر دیا ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۸/ ۹۰ھ۔

فساد کے اندیشہ سے کچھ مدت گھر بھیجے گئے مدرس کو اس زمانہ کی تنخواہ

سوال [۷۶۱۲]: طلباء میں باہمی نزاع کی بناء پر ارباب مدرسہ نے ایک مدرس کو گھر بھیج دیا، پندرہ روز بعد یہ مدرس مدرسہ میں آگئے۔ تو اس پندرہ دن کی تنخواہ دینا اور ان کو لینا کیسا ہے؟

---

(۱) "فإن وقعت على عمل معلوم، فلا تجب الإ جارة إلا بإتمام العمل .... وإن كان يصلح أوّله دون آخره، فتجب الأجرة ما عمل". (النتف فی الفتاویٰ، كتاب الإجارة، ص: ۳۳۸، سعيد)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إمّا بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: ۴/ ۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتا ب الإجارة: ۶/ ۱۰، سعيد)

(۲) "فإن عرض في المدة مايمنع الانتفاع .... سقطت الأجرة بقدر ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة .... الخ: ۴/ ۴۱۳، رشيديه)

"والمعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (الأشباه والنظائر، الفن الأول: ۱/ ۲۷۸، إدارة القرآن كراچی)

"المعروف كالمشروط يوجب إلحاق ماذكر بالمشروط" (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: مسألة الدراهم: ۳/ ۱۳۰، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/ ۳۷، حنفية كوئٹه)

الجواب حامداًومصلیاً:

فساد کے اندیشہ سے مدرسہ کے مصالح کی خاطر مدرسہ کی انتظامیہ کمیٹی نے جب ایک مدرس کو ۱۵/ دن کے لئے اس کے وطن بھیج دیا، پھر فساد کا اندیشہ دفع ہونے پر باہمی مصالحت کے بعد مدرس کو بلالیا تو پندرہ دن کی تنخواہ مدرس کو دی جاسکتی ہے اوراس کو لینے میں بھی مضائقہ نہیں (۱)۔اگر مدرس نے استعفاء دیدیا ہوتا، یا اس کو اہلِ مدرسہ نے الگ کردیا ہوتا، یعنی اس کی ملازمت ختم کردی جاتی اور تقررِ جدید کر کے بلایا جاتا تو اس مدت کی تنخواہ لینا اور دینا درست نہ ہوتی (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زمانۂ قید وبیماری کی تنخواہ

سوال[۷۶۱۳]: زید کو مدرسہ اشرف العلوم برما کی طرف سے چندہ کے لئے مشرقی پاکستان

---

(۱) "منها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقه، لم أرها صريحةً في كلامهم، والمسألة على وجهين: فإن كانت مشروطةً، لم يسقط من المعلوم شئ". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۱/۳۰۰، إدارة القرآن كراچى)

"وهل يأخذ أيام البطالة كعيد ورمضان، لم أره، وينبغي إلحاقة ببطالة القاضي .... والأصح أنه يأخذ". (الدرالمختار). "إن كان الواقف قدّر لكل يوم مبلغاً، فلم يدرس .... لايحل له أن يأخذ .... بخلاف ما إذا لم يقدّر لكل يوم مبلغاً، فإنّه يحل له الأخذ وإن لم يدرس فيها للعرف". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق المدرس والقاضي في يوم البطالة: ۴/۳۷۳، سعيد)

"يشترط في صحة الإجارة رضى العاقدين". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۴۸): ۱/۲۵۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضراً للعمل .... لكن ليس له أن يمتنع عن العمل. وإذا امتنع، لايستحق الأجر". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۴۲۵)، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۱/۲۳۹، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون في بيان حكم الأجير الخاص: ۴/۵۰۰، رشيديه)

بھیجا گیا، مگر بنگلا دیش بننے کی وجہ سے وہ وہاں پر مقید ہو گیا اور دو سال تک مقید رہا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دو سالوں کی زید کو مقررہ تنخواہ ملے گی یا نہیں؟

(الف) اشرف العلوم کی طرف سے زید کے گھر فی ماہ اسّی روپے گزر وقت کے حساب سے دیا جاتا تھا، حسبِ شرع یہ اسّی روپیہ قرض ہوگا، یا اس کی تنخواہ میں شمار ہوگا؟

(ب) زید نے پہلے سال چار مہینے تحصیل کا کام کیا، دوسرے سال وہ بیماری میں مبتلاء ہونے کی وجہ سے تحصیل بھی نہ کر سکا۔ اس صورت میں کیا حکم ہوگا، آیا پورے دو سال کی تنخواہ ملے گی یا صرف ایامِ تحصیل کی تنخواہ ملے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کو مدرسہ نے ملازمت سے برطرف کر کے اطلاع نہیں کی اور زید نے بھی استعفاء نہیں دیا، نہ وہاں کوئی دوسری جگہ ملازمت وغیرہ کا شغل اختیار کیا، بلکہ مدرسہ اشرف العلوم ہی کا ملازم اپنے کو تصور کر کے حتی الوسع کوشش میں لگا رہا تو ان ایام کی اس کو تنخواہ ملے گی (۱)۔

(الف) اگر زید کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ میرے مکان پر اسّی روپیہ یا اہلِ خانہ کے طلب ظاہر کرنے پر جس قدر وہ روپیہ طلب کریں، یا اپنی صوابدید کے موافق مناسب مقدار گھر میں دے دیا کریں، تو اس روپیہ کو تنخواہ میں محسوب کیا جائے گا (۲)۔

---

(۱) "الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضراً للعمل، ولايشترط عمله بالفعل". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۲۵)، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۱/ ۲۳۹، مكتبه حنفية كوئٹه)

"ومنها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقه، لم أرها صريحةً في كلامهم، والمسئلة على وجهين: فإن كانت مشروطةً، لم يسقط من المعلوم شئ، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي .... فقال في المحيط: إنه يأخذ في يوم البطالة". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۱/ ۲۷۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وفيه قال: أنفقْ عليّ أو على عيالي أو على أولادي، ففعل، قيل: يرجع بلاشرطه". (الدرالمختار).

"وكذا لوقال: أنفق من مالك على عيالي أو في بناء داري، يرجع بما أنفق". (ردالمحتار، كتاب =

(ب) اس کے لئے مدرسہ کی طرف سے کوئی ضابطہ ہے تو اس پر عمل کیا جائے، یعنی ایسے ملازم کو بیماری کی وجہ سے سال بھر میں جتنی رخصت مل سکتی ہو وہ مع تنخواہ ملے گی، اس سے زائد پر تنخواہ وضع ہوگی۔ اگر کوئی ضابطہ نہ ہو تو پھر دیگر مدارس میں جو ضابطہ ہو اُسی کے موافق عمل کیا جائے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۴ھ۔

ملازم کے لئے غیر حاضری کی تنخواہ

سوال [۷۶۱۴]: ملازم وقف دو دن کی رخصت لیکر گیا اور چھ روز میں آیا۔ دریافت یہ ہے کہ ملازم کو اس چار دن کی تنخواہ لینی کیسی ہے اور متولی کو دینا چاہیئے کہ نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ملازمت کے شرائط میں یہ ہے کہ بلا تحصیلِ رخصت غیر حاضری پر تنخواہ وضع ہوگی تو صورتِ مسئولہ میں تنخواہ وضع کی جائے گی۔ اگر شرائط میں کچھ مدت بلا تحصیلِ رخصت چھٹی پر رہنے اور حاضر نہ ہونے کی بھی موجود ہے تو اس مدت کی تنخواہ وضع نہ ہوگی۔ غرض! حسبِ شرائط عمل کیا جائے جب کہ وہ موافقِ شرع ہوں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم۔

= الطلاق، باب النفقة، مطلب: أمر غيره بالإنفاق ونحوه هل يرجع: ۲۱۷/۳، ۲۱۸، سعید)

(۱) "المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة السادسة: العادة محكمة: ۲۷۸/۱، إدارة القرآن كراچی)

"إنما تعتبر العادة إذا طردت أو غلبت .... المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۱-۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۳۷/۱، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: مسألة الدراهم: ۱۳۰/۳، سعید)

(۲) "يلزم مراعاة الشرط بقدر الإمكان". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۸۳)، كتاب الإجارة: ۵۴/۱، حنفية كوئٹه) .... =

مدرس کی تنخواہ کا ناغہ کاٹنا

سوال[۷۶۱۵]: ایک شخص امامت ومدرسی پر ملازم ہے، تنخواہ الگ الگ متعین نہیں۔اس حالت میں مدرسہ کے ناغہ پر کیا کاٹنا ضروری ہے، یا منتظمین کی مرضی سے جائے تو کچھ نہ کٹے گا، چاہے وہ تبلیغ میں جائے، یا نجی ضرورت سے جائے، منتظمین اجازت دیدیں اور کچھ تنخواہ نہ کاٹیں تو گنہگار تونہیں ہوں گے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مستقل معاملہ طرفین کی رضامندی سے طے کرلیا جائے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

رخصتِ بیماری میں روحانی بیماری کا توریہ

سوال[۷۶۱۶]: بعض احباب اپنے اخلاقی ومعاشرتی وروحانی امراض کی بناء پر اپنی چھٹی بڑھاتے ہیں، ضابطہ میں جتنی چھٹی ہوتی ہے اس سے زیادہ، مثلاً: ایک ماہ بیماری کے نام سے تار یا خط لکھ کر بڑھوائی، وہ بڑھ گئی، اسے اپنی روحانی بیماری کے علاج میں گذار کر واپس ہوئے، وہاں جاکر پھر ملازمت شروع کردی، اس بیماری کی چھٹی کی تنخواہ بھی مل گئی۔تو اس تنخواہ کا لینا کیسا ہے؟ کیونکہ اس دفتر میں بیماری سے مراد معروف بیماری

= (وكذا في قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۴۹)، ص: ۸۴، الصدف پبلیشرز کراچی)

"أما شرائط الصحة فمنها رضا المتعاقدين، ومنها أن يكون المعقود عليه هو المنفعة معلوماً، ومنها بيان المدة. وأما في حق الأجير الخاص، فلايشترط بيان جنس المعمول فيه، وإنما يشترط بيان المدة فقط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشيديه)

"يعتبر ويراعى كل مااشترط العاقدان". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۷۳)، كتاب الإجارة، الفصل الثاني: ۱/۲۶۴، مكتبه حنفية كوئٹه)

(۱) "يشترط في صحة الإجارة رضى العاقدين". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۴۸)، كتاب الإجارة، الفصل الثالث: ۱/۲۵۴، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشيديه)

جسمانی ہوتی ہے، اس مہینے میں دفتر کا کوئی کام نہیں کیا اور جسمانی بیماری جو معروف ہے وہ بھی نہ تھی، روحانی بیماری کا توریہ کیا تھا تو اس تنخواہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

اگر ناجائز اور واپس کرنے کا حکم ہو اور واپس کرنا مشکل ہو تو اس رقم کا مصرف کیا ہوگا، آیا اپنے ماں باپ یا رشتہ داروں کو دے سکتا ہے، یا غرباء وفقراء پر تقسیم کردیں، یا کیا کرے؟ اور اس ملازمت میں دولتِ مسلم یا غیر مسلم ہونے میں تنخواہ کے جواز وعدمِ جواز میں کیا فرق ہوگا؟ چونکہ ابھی ایک صاحب نے یہ ہم سے پوچھا ہے اور وہ دور ملک کے رہنے والے ہیں، ان کو جلدی جواب دینا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مبتلیٰ بہٖ خود جانتا ہے کہ کونسی بیماری زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے جس کے لئے چھٹی کی ضرورت ہے، صورت مسئولہ میں توریہ درست ہے (۱) اور یہ تنخواہ بھی درست ہے (۲)۔ دولت مسلم اور غیر مسلم سے اس میں فرق نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۵ھ۔

---

(۱) "التورية أن يظهر خلاف ما أضمر في قلبه، إتقاني. قال في العناية: فجاز أن يراد بها هنا اطمينان القلب، وأن يراد الإتيان بلفظٍ يحتمل معنيين". (ردالمحتار، كتاب الإكراه، مطلب: بيع المكره فاسد وزوائده مضمونة بالتعدي: ۱۳۴/۶، سعيد)

"التورية أن يظهر خلاف ما يضمر، فجاز أن يكون المراد بها هاهنا اطمينان القلب، وجاز أن يكون الإتيان بلفظٍ يحتمل معنيين". (فتح القدير، كتاب الإكراه: ۲۴۱/۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الثاني: صيغة اليمين القضائية، :۵۹۲/۶، مكتبة حقانية پشاور)

(۲) "ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وُجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: ۴۱۳/۴، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الإجارة :۱۰/۶، ۱۱، سعيد)

(وكذا شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۶۷، ۴۶۸)، كتاب الإجارة : ۲۶۱/۱، مكتبه حنفية، كوئٹه)

بغیر پڑھائے مدرسہ میں حاضر رہ کر تنخواہ لینا

سوال[۷۲۱۷]: زید کسی عارضی وجہ سے ایک دن مدرسہ کے درسگاہ میں حاضر نہیں ہوا اور نہ سبق پڑھایا، بلکہ مدرسہ کے احاطہ میں اپنے کمرہ میں رہا۔ تو اس کو اس مذکورہ دن کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس مدرسہ کا قانون یہ ہے کہ لڑکے جب غلہ وغیرہ کی وصولی کے لئے جاتے ہیں تو مدرس کے ذمے اگرچہ کوئی کام نہیں رہتا، لیکن اس کو مدرسہ کے احاطہ میں رہنا ضروری ہوتا ہے، چاہے درسگاہ میں رہے یا اپنے حجرہ میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تنخواہ اس دن کی لینے کا حق نہیں (۱)، یہاں سبق نہ پڑھانا اپنی ذاتی ضرورت سے ہے، غلہ کی وصولی کے لئے لڑکے چلے جاتے ہیں اور اس وقت سبق نہیں پڑھایا جاتا تو یہ مدرسہ کی ضرورت ہے اس لئے قیاس صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

مدرس کو مہتمم نے الگ کیا، پھر سرپرست نے رکھ لیا، مدتِ علیحدگی کی تنخواہ کس کو دینی ہے؟

سوال[۷۲۱۸]: مدرسہ اسلامی کے ایک مدرس کو ایک شکایت کے مسموع ہونے پر اپنے طور پر تحقیق کرنے کے بعد- جو ان کے نزدیک درست تھی- مہتمم مدرسہ نے بمشورۂ چند اراکینِ مدرسہ مدرس مذکور کو ملازمتِ

---

(۱) "الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضراً للعمل .... غير أنه يشترط أن يتمكن من العمل، فلو سلّم نفسه ولم يتمكن منه لعذر كالمطر والمرض، فلا أجر له، ولكن ليس له أن يمنع عن العمل. وإذا امتنع، لا يستحق الأجرة". (شرح المجلة لسليم، (رقم المادة: ۴۲۵)، كتاب الإجارة: ۱/۲۳۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"بخلاف غيرهما من أيام الأسبوع، حيث لا يحل له أخذ الأجر عن يومٍ لم يدرس فيه مطلقاً، سواء قدّر له أجر كل يوم أولا". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۹، رشيديه)

مدرسہ سے برخاست کردیا، بعد برخاستگی مدرس مذکور اپنے وطن چلے گئے، سرپرستِ مدرسہ کو جب برخاستگی کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے شکایت مسموع کا شرعی ثبوت فراہم نہ ہونے کی وجہ سے یہ برخاستگی کالعدم قرار دے دی، مدرس مذکور کو ملازمت پر بحال کردیا، چنانچہ ان کو وطن سے بلا کر کار متعلقہ ان کے سپرد کردیئے گئے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مدرس مذکور ایامِ برخاستگی کی تنخواہ پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ اگر مستحق ہیں تو پھر یہ تنخواہ اور جو مالی نقصان ان کو ہوا ہے کس کے ذمہ واجب ہے، آیا ان کو منجانبِ مدرسہ تنخواہ دی جائے یا مہتممِ مدرسہ اور وہ اراکین جن کے مشورہ سے برخاستگی عمل میں آئی تھی، اپنے طور سے ادا کریں گے؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مہتمم کو اختیار تھا برخاست کرنے کا اور اپنے گمان کی حد تک ثبوت کے بعد برخاست کیا ہے تو ان ایام کی تنخواہ مہتمم پر نہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ سرپرست اپنے پاس سے دیدے۔ اگر مہتمم کو بغیر سرپرست کی اجازت کے اختیار نہیں تھا تو مہتمم صاحب پر ذمہ داری ہے(۱)۔ بہتر یہ ہے کہ اس کو قانونی شکل نہ دی جائے، بلکہ مہتمم صاحب وغیرہ خارجی طور پر بہ حیثیتِ اعانت ان کی خدمت کردیں تاکہ ان کے نقصان کی بھی تلافی ہوجائے اور بلا کام کئے تنخواہ کا بار مدرسہ پر بھی نہ پڑے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۹۰ھ۔

عرصہ تک ملازمت کرنے کے بعد معذور ہوا، تو کیا وہ تنخواہ لینے کا حقدار ہے؟

سوال[۷۲۱۹]: ۱......زید نے عرصۂ دراز تک بعوضِ تنخواہ ایک مدرسہ میں رہ کر درسِ کلام پاک کی

---

(۱) "باع القاضي أو أمينه عبداً لدين الغرماء وأخذ المال، فضاع ثمنه عند القاضي، واستحق العبد، لم يضمن؛ لأن أمين القاضي كالقاضي، والقاضي كالإمام، وكل منهم لايضمن بل ولا يحلف". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مسائل شتىٰ: ۵/۴۵۸، سعيد)

"وقفٌ له متولي ومشرف، لا يكون للمشرف أن يتصرف في مال الوقف؛ لأن ذلك مفوض إلى المتولي، والمشرف مأمور بالحفظ لاغير". (فتاوىٰ قاضي خان علىٰ هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً............: ۳/۲۹۷، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: ليس للمشرف التصرف: ۴/۴۵۸، سعيد)

تعلیم انجام دی، اب بوجۂ مسلسل بیمارو بزمانۂ پیرسالی مدرسہ مذکور کی کسی بھی قسم کی خدمت انجام نہیں دے سکتے۔ اب فرمایئے کہ اس صورت میں مدرسہ سے تنخواہ پانے کے مستحق ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

۲......زید مذکوراپنی عادت بد کی وجہ سے مدرسہ کے نظم میں خلل اندازی بھی کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے مدرسہ کے طلباء کی تعلیم وتربیت میں حرج واقع ہوتا ہے۔ زید مدرسہ میں ہی رہتے ہیں، ان کے عزیز واقارب گھر لے جانا چاہتے ہیں اور یہ جاتے نہیں ہیں جس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مدرسہ کے کارکن حضرات زید مذکورہ کے تلامذہ میں سے ہیں، اس لئے زید مذکور کو مدرسہ سے الگ کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ اور مدرسہ کی بدنظمی جو ان کی وجہ سے ہورہی ہے اس کا کارکن حضرات کو بھی سخت احساس ہے۔ اب تحریر فرمائیں کہ کیا کیا جائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......تنخواہ تو کام کا معاوضہ ہے، جب مدرسہ کا کوئی کام نہیں کرتے تو پھر تنخواہ کس بات کی ہے(۱)۔

۲......اس حالت میں ان کو چاہئے کہ وہ مدرسہ کا قیام ترک کردیں (۲)، کارکنانِ مدرسہ جو ان کے تلامذہ ہیں وہ آداب واحترام کے ساتھ ان کو رخصت کردیں اور ان کی جانی مالی خدمت حسبِ استطاعت بحقِ

---

(۱) "الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضراً للعمل، ولايشترط عمله بالفعل، غير أنه يشترط أن يتمكن من العمل، فلو سلّم نفسه ولم يتمكن منه لعذر كالمطر والمرض، فلا أجر له". (شرح المجلّة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۲۵): ۱/۲۳۹، مكتبه حنفية كوئٹه)

"فلو امتنع ولو حكماً كمطر ومرض فلاأجر له". (الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/۵۴۷، غفارية كوئٹه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارة، الفصل الثامن والعشرون في بيان حكم الأجير الخاص والمشترک: ۹/۳۳۱، غفاريه كوئٹه)

(۲) "وليس للقيّم أن يُسكِن فيها أحداً بغير أجر؛ لأنه إتلاف منافع الوقف بغير عوض". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/۴۷، مكتبه غفارية كوئٹه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۴۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۹، رشيديه)

شاگردی کرتے رہیں (۱)۔ ہاں! اگر مدرسہ میں ان کے قیام سے مدرسہ کا نفع ہو، مثلاً: ان کے اثر سے مدرسہ کا نظم وضبط قائم رہتا ہو اور ان کی تجربہ کارانہ رائے سے کارکنوں کو روشنی ملتی ہو اور ان کی صحبت سے اصلاح وتربیت ہو تو پھر مدرسہ میں قیام بھی درست ہے اور تنخواہ کی بھی گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۹۱ھ۔

تنخواہ میں اضافہ کا وعدہ

سوال [۷۶۲۰]: ایک مدرسہ کے عملۂ ملازمین نے بسلسلۂ اضافۂ تنخواہ مدرسہ کے مہتمم کو درخواست دی، مہتمم نے سرپرستِ مدرسہ کے خدمت میں اس درخواست کو پیش کردیا، سرپرستِ مدرسہ اپنی مشغولیت کی وجہ سے چند ماہ غور نہ فرما سکے۔ ملازمینِ مدرسہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد درخواست دیتے رہے، مہتمم نے ملازمینِ مدرسہ سے وعدہ کرلیا کہ جو بھی اضافہ ہوگا وہ گذشتہ ماہ محرم الحرام سے ہوگا، سرپرست مدرسہ نے موجودہ ماہ سے اضافہ فرمایا اور تحریر فرمایا کہ اسی ماہ سے اضافہ ہوگا۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اضافہ گذشتہ ماہ محرم الحرام سے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

احقر: جمیل احمد نذیری۔

---

(۱) قال العلامة برهان الإسلام الزرنوجي: "الحرمة خيرٌ من الطاعة، ألا ترىٰ أن الإنسان لايكفر بالمعصية، وإنما يكفر باستخفافها وبترك الحرمة .... ومن تعظيم العلم تعظيم المعلم .... وقال مشايخنا رحمهم الله: من أراد أن يكون ابنه عالماً، فينبغي أن يراعي الغرباء من الفقهاء ويكرمهم ويطعمهم ويعظّمهم ويعطيهم شيئاً". (تعليم المتعلم للزرنوجي، ص: ۲۱، ۲۲، قديمی)

(۲) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس يعطون بقدر كفايتهم". (الدرالمختار). "ثم ماهو أقرب إلى العمارة وأعمّ للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم .... وكذلك إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة: ۳۶۷/۴، سعيد)

"نعم يتصرف القيّم في الوقف بمافيه من النفع للوقف". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۲۰۹/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر سرپرستِ مدرسہ ہی نے یکم محرم سے تنخواہ کے اضافہ کا وعدہ کیا تھا، لیکن ان کو یاد نہیں رہا، وعدہ پورا کرنے کا موقع نہیں ملا، نیز مصلحتِ مدرسہ کا تقاضا یہ ہے کہ یکم محرم سے اضافہ کردیا جائے، ورنہ بدزبانی وبدگمانی کا دروازہ کھلے گا، اَور بھی کوئی نامناسب صورت پیش آسکتی ہے، مثلاً: خدانخواستہ مدرسین بغاوت کردیں، اپنا کام چھوڑ دیں، یا طلباء کے اندر غلط قسم کے جذبات پیدا کرنے کی کوشش کریں وغیرہ وغیرہ تو یکم محرم سے اضافہ کرسکتے ہیں (۱)۔ اگر سرپرست نے وعدہ نہیں کیا تھا، بلکہ مہتمم نے وعدہ کیا تھا اور مہتمم کو اس کا اختیار نہیں تو مہتمم کو یکم محرم سے اضافہ کرنے کا حق نہیں (۲)۔

بصورتِ دیگر مدرسین کے لئے زیبا یہ ہے کہ گذشتہ ایام کے مطالبہ کا ارادہ نہ کریں، بلکہ جس روز سے باضابطہ تجویز کیا جائے اسی روز سے اس اضافہ کو قبول کریں، یہ ان کے مقامِ بلند کے لئے بہت لائق اور بہتر ہے، ان کا حال اونچا ہونا چاہئے کہ (اُن کی) نظر دینی تعلیم، خدمت اور افادۂ طلباء اور ترقی مدرسہ اور خشیت پر ہو، روپیہ کمانے کی نیت ہرگز نہ ہو کہ یہ تو فیکٹریوں کے ملازمین اور مزدوروں کا حال ہوتا ہے کہ ان کے سامنے بس اپنا

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

"يبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدرالمختار). "ثم ماهو أقرب إلىٰ العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلىٰ قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلىٰ آخر المصالح".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بماهو أقرب إليها: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به: ۴۶۲/۲، رشيديه)

(۲) "وقفٌ له متولي ومشرف، ليس للمشرف أن يتصرف في مال الوقف؛ لأن ذلك مفوّض إلىٰ المتولي، والمشرف مأمور بالحفظ لاغير". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۴۰۸/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان علىٰ هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً .... اهـ: ۲۹۷/۳، رشيديه)

روپیہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قناعت وتوکل کی دولت سے نوازے اور ﴿ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ﴾ (۱) پر پورا اعتماد عطا ہو جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۱۴۰۶ھ۔

تدریس وامامت کی قلیل تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ

سوال [۷۶۲۱]: ۱...... زید ایک مسجد کا امام ہے اور بچوں کو تعلیم بھی دیتا ہے، ۱۷۵/ روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ چند ماہ بعد زید نے تمام نمازیوں کو یہ حکم دیا کہ باری باری ہر فرد مجھے کھانا بھیج دیا کرے، ورنہ وہ سچا مسلمان نہیں ہوسکتا۔ مزید اس نے بچوں کا داخلہ بند کر دیا جس کی وجہ سے بچوں کی تعلیم پر اثر پڑ رہا ہے۔ تو کیا زید اور اس کی حامیوں کی اطاعت از روئے شرع واجب ہے یا نہیں؟

۲...... جو لوگ امام صاحب کی اس بات پر حامی نہیں، ان کو شوقیانہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ کیا یہ اسلامی شعار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... امام صاحب موصوف کو ایسا اعلان نہیں کرنا چاہئے، اس قسم کی وعید سنانے کا حق نہیں، جب معاملہ ۱۷۵/ روپیہ ماہانہ پر ہوا ہے، کھانا شرط نہیں تھا تو اب ایسا طریقہ اختیار کرنا غلط ہے (۲)۔

غلط بات کو تسلیم نہ کرنے سے ایمان میں فرق نہیں آئے گا (۳)، بچوں کی تعلیم کا انتظام کرنا

---

(۱) (سورة الطلاق : ۳)

(۲) "يشترط أن تكون الأجرة معلومةً، سواء كانت من المثليات أو من القيمات، أو كانت منفعةً أخرىٰ؛ لأن جهالتها تفضي إلى المنازعة، فيفسد العقد". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۵۰)، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في شروط الإجارة: ۱/۲۵۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۵، كتاب الإجارة، سعيد)

(۳) غلط بات کو تسلیم نہ کرنا تو ایک امر مستحسن ہے، جبکہ اہلِ سنت وجماعت کے ہاں کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے بھی ایمان زائل نہیں ہوتا: "ولا نكفر مسلماً بذنب من الذنوب وإن كانت كبيرةً: أي ولا نسقط عن المسلم بسبب ارتكاب كبيرة وصف الإيمان". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۷۱، قديمي) =

ضروری ہے (۱)۔

۲...... بلا وجہ شرعی کسی کے لئے شوقیانہ الفاظ اختیار کرنا درست نہیں، یہ ہرگز اسلامی شعار نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مہتمم صاحب کی تنخواہ ماہ رمضان میں دوگنی اور کارِ مفوّضہ انجام نہ دینا

سوال [۷۶۲۲]: ایک دینی مدرسہ کے ذمہ دار (ناظم و مہتمم صاحب) نے اپنی تنخواہیں صدر مدرس اور شیخ الحدیث سے بھی زیادہ کر رکھی ہے اور مفوضہ خدمات یعنی فراہمیٔ مالیات کے لئے صرف ماہ رمضان میں تشریف لے جاتے ہیں، رجسٹر حاضری کے دستخط سے بھی وہ مبرّا ہیں۔ مدرسہ کا پورا عملہ تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے پریشان رہتا ہے، چھ چھ، سات سات، ماہ کی تنخواہیں چڑھ جاتی ہیں۔

رمضان میں گیارہ ماہ آرام کے بعد اور اپنے نجی دھندے کر کے چندہ کو جاتے ہیں تو نام نہاد شواری کے ممبروں کو حلوے انڈے کھلا کر۔ وہ بھی مدرسہ ہی کے۔ ان سے کہا کہ دیکھئے صاحب! ہماری ایک مہینہ کی چھٹی ہوتی ہے اور اسی میں ہم باہر رہتے ہیں، لہذا اسی مہینہ کی ہمیں دوگنی تنخواہ ملنی چاہئے، اب یہ ناظم اور مہتمم صاحب

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۹/۵، رشيديه)

(۱) "عن أبي سعيد وابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهم قالا: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من وُلد له ولد، فليحسن اسمه وأدبه". (مشكوٰة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح، الفصل الثالث، ص: ۲۷۱، قديمي)

"فليحسن اسمه وأدبه": أي معرفة أدبه الشرعيّ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح: ۳۰۰/۶، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيّها الذين اٰمنوا لايسخر قوم من قوم عسىٰ أن يكونوا خيراً منهم .... ولاتلمزوا أنفسكم ولاتنابزوا بالألقاب، بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان﴾ (سورة الحجرات: ۱۱)

"عن علقمة، عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليس المؤمن بالطعان ولااللعان ولا الفاحش ولاالبذيّ". (جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في اللعنة: ۱۸/۲، ۱۹، سعيد)

بجائے بارہ ماہ کے سال میں ساڑھے تیرہ ماہ کی تنخواہ پاتے ہیں۔

آیا یہ ساڑھے تیرہ ماہ کی تنخواہ ایک سال کے لئے درست ہے یا نہیں؟ جب کہ بے چارے مدرسین گیارہ ماہ پوری تندہی، دیانت ومحنت کے ساتھ تعلیم دیتے ہیں اور ماہ مبارک میں چندہ کرکے اپنی تنخواہوں کا خود بندوبست کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر معاملہ اس طرح ہو کہ فلاں ماہ میں اتنی تنخواہ ملے گی تو اس کی گنجائش ہے(۱)، لیکن جو کام سپرد ہوا ہو، اس کو پورا کرنا ضروری ہے، کارِ مفوضہ کا انجام نہ دینا اور تنخواہ لینا جائز نہیں (۲)، ارکانِ شوریٰ اگر علم کے باوجود اجازت دیں تو اس سے وہ تنخواہ حلال نہیں ہوجاتی، البتہ جرم میں وہ بھی شریک ہوجاتے ہیں (۳)، اگر دنیا میں کوئی باز پرس نہ کرسکے تو قیامت میں بہرحال حساب دینا ہے، کوئی بھی نہ ناظم ومہتمم کو بچا سکے گا، نہ مدرسین کو، نہ

---

(۱) "یشترط فی صحة الإجارة رضى العاقدین .... ویشترط أن تکون الأجرة معلومةً". (شرح المجلة لسلیم رستم، کتاب الإجارة، الفصل الثالث، (رقم المادة: ۴۴۸، ۴۵۰) : ۱/۲۵۴، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشیدیه)

(۲) "الأجیر الخاص یستحق الأجرة إذاکان فی مدة الإجارة حاضراً للعمل .... لیس له أن یمتنع عن العمل. وإذا امتنع، لایستحق الأجرة". (شرح المجلة لسلیم رستم، (رقم المادة: ۴۲۵)، کتاب الإجارة، الباب الأول: ۱/۲۳۹، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون فی بیان حکم الأجیر الخاص: ۴/۵۰۰، رشیدیه)

(۳) "وفی الإسعاف: ولایُولّی إلا أمین قادر بنفسة أو بنائبه؛ لأن الولایة مقیدة بشرط النظر ، ولیس من النظر تولیة الخائن؛ لأنه یخل بالمقصود". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: یأثم بتولیة الخائن: ۴/۳۸۰، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشیدیه)

ارکانِ شوریٰ کو(۱)۔

مدرسین کو تنخواہ نہ ملے اور ناظم ومہتمم استحقاق سے بھی زیادہ وصول کریں، یہ صریح ظلم ہے جس کا وبال دنیاوآخرت میں سخت ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ۔

مدرس کو علیحدہ کرنے پر ایک ماہ کی تنخواہ زائد دینا

سوال[۷۶۲۳]: زید عربی مدرسہ میں دوسال سے ملازم تھا، بوقتِ تعطیل کلاں رمضان المبارک میں اس نے مہتمم صاحب سے کہا: میں چندہ کرنے سے قاصر ہوں، میرے بارے میں جو فیصلہ ہوا ہے، آپ ظاہر کردیجئے۔مہتمم صاحب نے کہا کہ تم کو رمضان المبارک کے کچھ دن یہاں مدرسہ میں رہنا ہے، تمہارے بجائے میں جاؤں گا، لہٰذا زید مکان مذکور سے واپس آیا اور مہتمم صاحب کی واپسی تک مدرسہ میں رہا اور مہتمم صاحب کی اجازت سے مکان چلا گیا، راستہ میں مہتمم صاحب کے کہنے پر جو کام بتلایا تھا وہ بھی انجام دیا۔مہتمم صاحب نے شوال کے دوسرے ہفتے میں اطلاع دی کہ تمہاری ملازمت ختم ہوگئی ہے، زید کہتا ہے کہ اس کو شوال کی تنخواہ ملنی چاہیئے۔از روئے شرع وہ کتنی تنخواہ کا حق دار ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مہتمم صاحب نے جس وقت سے اطلاع کی ہے، اس وقت (تک کی) تنخواہ بلاشبہ لازم ہے(۳)۔

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿واتقوا یوماً لاتجزی نفس عن نفس شیئاً، ولایقبل منها عدل، ولاتنفعها شفاعة، ولاهم ینصرون﴾ (سورة البقرة: ۱۲۳)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة :۱۸۸)

"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالی عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "قال اللہ: ثلثة أنا خصمهم یوم القیامة: رجل أعطی بی ثم غدر، ورجل باع حراً فأکل ثمنه، ورجل استاجر أجیراً فاستوفیٰ منه ولم یعطه أجره". رواه البخاری". (مشکوٰة المصابیح، باب الإجارة، الفصل الأول: ۲۵۸/۱، قدیمی)

(۳) "الإجارة لاتخلو من وجهین: إما أن تقع علی وقت معلوم أو علی عمل معلوم، فإن وقعت علی عمل =

پورے ماہ شوال کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ اگر مدرسہ کا کوئی ضابطہ مقرر ہے، یا زید سے اس کے متعلق معاہدہ ہوا ہے (مثلاً جب دل چاہے زید ملازمت ترک کردے اور جب دل چاہے مہتمم صاحب علیحدہ کردیں تو اس وقت معاملہ ختم ہوجائے گا اور آئندہ کا کوئی حساب یعنی بلا کام کئے تنخواہ دینے کا حق باقی نہ رہے گا، اس طرح گذشتہ کام کی تنخواہ ضبط کرنے کا بھی حق نہیں رہے گا) تب تو اس کے مطابق عمل درآمد ہوگا (۱)، ورنہ عمومی مدارس کا طریقہ یہ کہ اگر مہتمم علیحدہ کرنا چاہیں تو ایک ماہ پیشتر اطلاع کردیں کہ یکم ذیقعدہ سے آپ سبکدوش ہیں۔ اگر ایسا نہیں کیا، بلکہ فوری طور پر علیحدہ کیا تو ایک ماہ کی تنخواہ مزید دیکر علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مدرس کا حال ہے کہ وہ اپنی علیحدگی کے لئے ایک ماہ پہلے اطلاع کردے، ورنہ ایک ماہ کی تنخواہ سے دست بردار ہوجائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۸۹ھ۔

= معلوم، فلاتجب الأجرة إلا بإتمام العمل .... إن كان يصلح أوّله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ماعمل .... وإذا وقعت على وقت معلوم فتجب الأجرة بمضي الوقت .... وبمقدار مامضى من الوقت تجب الأجرة". (النتف للفتاوىٰ، كتاب الإجارة ،ص: ۳۳۸،سعيد)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إمابشرط التعجيل أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وُجد أحد هذه الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: ۴/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

(۱) "المعلق بالشرط يجب ثبوته عند ثبوت الشرط". (شرح المجلة لسليم، (رقم المادة: ۸۲): ۱/۵۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يعتبر ويراعى كل مااشترط العاقدان في تعجيل الأجرة وتأجيلها". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۷۳)، كتاب الإجارة، الفصل الثاني: ۱/۲۶۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: العادة محكمة: ۱/۲۷۸، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۳۷، مكتبه حنفية كوئٹه) ....=

سال بھر پورا ہونے پر ایک ماہ کی تنخواہ زائد دینا اور ہر چھٹی پر تنخواہ وضع کرنا

سوال[۷۶۲۴]: زید ایک ایسے مدرسہ میں ملازم ہے جہاں کا قانون یہ کہ پورے سال میں رخصتِ علالت واتفاقیہ ایک دن بھی نہیں ہے، بلکہ رخصت کے بجائے ایک مہینہ زائد کی تنخواہ دی جاتی ہے اور حسبِ ضرورت ناغہ ہونے پر ایک گھنٹہ تک کی بھی تنخواہ وضع کر لی جاتی ہے۔ اب اگر زید نے ناظم یا ممبرانِ مدرسہ کے یہاں کسی ضرورت کی بناء پر یہ درخواست پیش کی کہ مجھے بلا معاوضہ رخصت عطا کی جائے اور ممبرانِ مدرسہ نے اس کو منظور کرلیا تو ازروئے شرع زید کی یہ درخواست پیش کرنا اور ممبران حضرات کا اس کو منظور کر لینا جائز ہے یا نہیں، جب کہ قوم نے ناظم یا ممبران کو اپنا حاکم تسلیم کرلیا ہے؟ درصورتِ عدمِ جواز وجہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو اپنی ضرورت کے تحت درخواست دینے میں تو کوئی اشکال نہیں، وہ یہ بھی درخواست دے سکتا ہے کہ میرے ساتھ اَور بھی خصوصیات برتی جائیں، مگر ہر درخواست لائقِ قبول نہیں، ناظم اور ممبران کو ایسی درخواستوں کے قبول کرنے میں دشواری ہوگی، وجۂ خصوصیت بتلانے میں بھی مشکل ہوگا۔ دوسرے ملازم درخواست دیں تو اس کو رد کرنا بھی مشکل ہوگا، قسم قسم کے الزامات عائد ہوں گے۔ اور قوم نے بھی اس کو نمائندہ اس لئے نہیں بنایا کہ زید کے لئے خصوصی رعایت کریں، بلکہ قانون عام ہوتا ہے(۱)۔

البتہ اگر ناظم وممبران مل کر قانون میں ہی مدرسے کی بہتری کے لئے کوئی اس قسم کی تبدیلی وترمیم کریں

= "ومنها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقة، لم أرها صريحةً .... فإن كانت مشروطةً لم يسقط من المعلوم شيء، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي".

(الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۱/۲۷۲، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "علىٰ أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ماهو صحيحٌ معتبرٌ يعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

جس سے سب نفع اٹھا سکیں اور مدرسہ کا بھی نقصان نہ ہو تو اس کا حق ہوگا پھر اس تبدیلی وترمیم میں قوم کو بھی آگاہ کر دیں تو بہتر ہوگا، تاکہ قوم مطمئن رہے کہ ہمارے نمائندے مدرسہ کا مال صحیح طور پر صرف کررہے ہیں، اپنے ذاتی تعلق والوں پر بے ضابطہ روپیہ خرچ نہیں کرتے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

تنخواہ کیلئے حیلۂ تملیک کی صورتیں

سوال [۷۶۲۵]: یہاں اس شہر میں ایک مدرسہ ہے جس میں شہر کے بچوں کو ناظرۂ قرآن اور نماز وغیرہ کے ضروری مسائل کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اب مندرجہ ذیل امور قابلِ التفات ہیں:

۱...... بچے سب اسی شہر کے ہیں اور صبح کو ایک گھنٹہ اور شام کو ایک گھنٹہ یہاں تعلیم پاتے ہیں اور پورے دن سرکاری پرائمری اسکول میں پڑھتے ہیں۔

۲...... رمضان شریف میں اس مدرسہ کے لئے شہر سے زکوٰۃ کا روپیہ وصول کیا جاتا ہے اور اخراجات میں سوائے تنخواہ مدرسین کے کوئی دوسری مد نہیں ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

۳...... کیا حیلۂ تملیک کے بعد مدرس کو تنخواہ دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیرونی بچے اس مدرسہ میں نہیں، سب مقامی ہیں اور غریب نادار ہیں تو ان کو بطورِ وظیفہ زکوٰۃ کا پیسہ دیدیا جائے جس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے (۲)، پھر ان کے اولیاء سے کہا جائے کہ وہ اس بچے کی فیس مدرسہ میں

---

(۱) "نعم يتصرف القيم في الوقف بما فيه من النفع للوقف". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، : ۱/۲۰۹، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في المصادقة على الاستحقاق : ۴/۴۴۱، سعيد)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿إنما الصدقٰت للفقراء والمسٰكين، والعاملين عليها، والمؤلفة قلوبهم، وفي الرقاب، والغٰرمين، وفي سبيل الله، وابن السبيل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"الزكاة هي تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه مع قطع =

داخل کردیں اور وہ پیسہ بچوں سے لیکر فیس دیدیں، اس فیس سے تنخواہ وغیرہ کا کام چل سکتا ہے(۱)۔ بچے اگر بالغ ہوں تو خود ان سے بھی فیس میں وہ پیسہ لینا درست ہے، اولیاء کا واسطہ واجازت بھی ضروری نہیں۔ جو بچے نادار نہیں ان کو زکوٰۃ کا پیسہ وظیفہ میں دینا درست نہیں (۲)۔ اور اگر کسی غریب مستحقِ زکوٰۃ کو زکوٰۃ دے کر مالک بنادیا جائے اور وہ اپنی طرف سے مدرسہ میں دیدے تو اس کو بھی تعلیم میں خرچ کرنا درست ہے، خواہ تنخواہ میں دیا جائے یا تعمیری کام میں خرچ کیا جائے:

"والحيلة أن يتصدق به على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، اه". درمختار علیٰ هامش ردالمحتار: ۲/۶۳(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۹۱ھ۔

لوگوں کی طرف سے مدرسین کو جو کھانا دیا جائے، وہ اباحت ہے یا تملیک؟

سوال[۷۶۲۶]: یہاں مدرسہ میں تنخواہ کے ساتھ کھانے ناشتہ کا بھی نظم ہے، گاؤں والے کھانا باری سے دیتے ہیں، کم ہوجائے تو مطالبہ نہیں، زیادہ ہوتو واپس نہیں ہوتا، یہی معمول ہے۔ اگر کوئی مسافر ہوتو ساتھ کھالیتا ہے، کسی کو اعتراض نہیں ہوتا ہے۔ کھانا گاؤں کے کسی فرد کو کھلائیں تو اعتراض ہوتا ہے، لیکن لوگ کھل کر کچھ نہیں کہتے۔ ان سے پہلے مدرس تھے وہ کھانا اپنے گھر لیجاکر کھاتے تھے، اس پر لوگوں کا خیال تھا کہ مدرسہ ہی میں کھائیں تو بہتر ہے کہ دوتین کھانوں میں ایک آدمی اگر زائد آجائے تو وہ بھی شریک ہوجائے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کھانا دینا مدرسہ میں اباحت ہے یا تملیک جب کہ دینے والوں کی طرف سے اس

= المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى". (الدرالمختار، كتاب الزكاة: ۲/۲۵۶، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الزكاة، : ۲/۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكاة: ۲/۱۷، ۱۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۲) (راجع، ص: ۵۴۹، رقم الحاشية: ۲)

(۳) (الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۴۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۱۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

کی کوئی تصریح نہیں ہوتی اور دوسروں کو کھانے میں خواہ وہ گھر کے ہی کیوں نہ ہوں شریک کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کھانا مدرس کے پاس بھیج دیا اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ جس مہمان یا جس مسافر کو چاہے اپنے ساتھ شریک کرلے، اور جو کھانا بچ جائے اس کی واپسی نہیں ہوتی، نیز تنخواہ کے ساتھ کھانے کا بھی معاملہ ہے تو یہ سب علامات ہیں کہ یہ کھانا ان کو تملیکاً دیا جاتا ہے، اباحۃً نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۹۳ھ۔

بلا تنخواہ مدرسہ کی خدمت کرنا اور تعمیرِ مدرسہ میں قیام کرنا

سوال [۷۶۲۷]: مہتمم مدرسہ جو بلا مقررہ تنخواہ لئے ہوئے صرف عمارت میں قیام کو اپنی خدمت کا صلہ سمجھتا تھا، وہ شرعی نقطۂ نظر سے گنہگار رہوگا یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب جلد عنایت فرمائیں گے۔

عبدالمنان، تاجر برتن، زیر جامع مسجد سلطان پورا (اودھ)، ۱۴/ جنوری/ ۴۸ء۔

---

(۱) اباحت میں کھانے کے سوا دوسرے تصرفات کی اجازت نہیں ہوتی ہے جب کہ تملیک میں ہر قسم کے تصرف کرنے کا اختیار ہوتا ہے:

"دعا قوماً إلی طعام و فرّقهم علی أخونَة، لیس لأهل خوان مناولة أهل خوان آخر، ولا إعطاء سائل وخادم وهرّة لغیر رب المنزل، ولا کلبٍ ولو لرب المنزل". (الدر المختار: ۵/۷۱۰، کتاب الهبة، فصل فی مسائل متفرقة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۳۴۴، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۳۴۳، کتاب الهبة، الباب الثالث فی الحظر والإباحة والإحلال منه، رشیدیه)

"کل یتصرف فی ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"والتحقیق أن المنفعة ملک لا مال؛ لأن الملک ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار: ۴/۵۰۲، کتاب البیوع، مطلب فی تعریف الملک والمال والتقوم، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں گنجائش ہے، مگر مہتمم کو چاہئے کہ مدرسہ کی خدمت حسبۃً للہ انجام دے اور اس قیام کو خدمات کا صلہ تصور نہ کرے، بلکہ خدماتِ مدرسہ کے لئے مدرسہ کی ضرورت سے مدرسہ میں قیام کی تجویز کردیا جائے تاکہ ہر وقت پوری نگرانی اور حفاظت میں سہولت رہے، جیسا کہ بعض مساجد میں امام یا مؤذن کا قیام مسجد کے حجرے میں تجویز ہوتا ہے کہ وہ خدمت کی صلہ میں نہیں ہوتا، بلکہ خدمت کا معاوضہ مستقل ہوتا ہے، یا خدمت محض ثواب کی نیت سے کرتا رہے اور قیام ضرورت کے لئے، ایسا ہی معاملہ مدرسین کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ وہ مدرسہ کی عمارت میں قیام کرتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۸/۳/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۹/ ربیع الاول/ ۶۷ھ۔

معلم کی تنخواہ میں انجمن کا پیسہ

سوال [۷۲۲۸]: یہاں پر ایک انجمن اصلاح المسلمین قائم ہے جس کا مقصد مکتب کو فروغ دینا ہے، انجمن کی کچھ رقم جمع ہے۔ تو کیا اس رقم کو مکتب کے معلم کی تنخواہ میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب انجمن اصلاح المسلمین کے مقاصد میں سے مکتب کو فروغ دینا بھی ہے تو اس کا پیسہ مکتب کے معلم کی تنخواہ میں دینا شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۹ھ۔

---

(۱) "یبدأ من غلتہ بعمارتہ، ثم ما ھو أقرب لعمارتہ کإمام مسجد ومدرس مدرسۃ یعطون بقدر کفایتھم". (الدرالمختار). "ثم ما ھو أقرب إلی العمارۃ وأعم للمصلحۃ کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسۃ یصرف إلیھم إلیٰ قدر کفایتھم، ثم السراج والبساط کذالک إلیٰ آخر المصالح".

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: یبدأ من غلۃ الوقف بعمارتہ: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق بہ: ۲/۴۶۲، رشیدیہ)

(۲) "یبدأ من غلتہ بعمارتہ، ثم ماھو أقرب لعمارتہ کإمام مسجد، ومدرس مدرسۃ یعطون بقدر =

تنخواہِ مدرسین میں گورنمنٹ کی امداد کا روپیہ

سوال[۷۶۲۹]: مدرسہ عربیہ کو گورنمنٹ سے کچھ روپیہ ملتا ہے، لیکن ان کا صحیح پتہ نہیں چل سکا کہ استاذوں کے ہیں یا مدرسہ کے، بعض لوگوں سے معلوم ہوا کہ مدرسہ کے ہیں، استاذوں کے نہیں۔ تو کیا ان کو استاذوں کی تنخواہ میں خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

گورنمنٹ کی طرف سے جو روپیہ بطورِ امداد مدرسہ میں ملتا ہے، اس کو مدرسین کی تنخواہ میں صَرف کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۸۹ھ۔

کیا دینی معلم کی تنخواہ پرائمری کے معلم سے کم ہونا اہانت ہے؟

سوال[۷۶۳۰]: عربی فارسی کی تعلیم دورۂ حدیث تک ہوتی ہے، نیز اردو ہندی حساب کی تعلیم درجہ

= كفايتهم". (الدرالمختار). "ثم ماهو أقرب إلىٰ العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلىٰ قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلىٰ آخر المصالح".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بماهو أقرب إليها :۴/۳۶۶، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف :۵/۳۵۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد ومايتعلق به :۲/۴۶۲، رشيديه)

(۱) "ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبى وهديتهم .... مصالحنا كسدّ ثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء". (الدرالمختار). "وكذا النفقة علىٰ المساجد كما في زكاة الخانية، فيدخل فيه الصرف علىٰ إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان ونحوهما". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب الجزية، مطلب في مصارف بيت المال:۴/۲۱۷، سعيد)

"والجزية والخراج ومال التغلبى وهدية أهل الحرب .... يصرف في مصالحنا كسدّ الثغور وبناء القناطر والجسور وكفاية القضاة والعلماء". (البحرالرائق، كتاب السير، باب العشر والخراج والجزية:۵/۱۹۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب السير، باب العشروالخراج والجزية :۴/۱۷۰، سعيد)

پنجم تک تو حدیث وتفسیر کے اساتذہ کی تنخواہ خشک اور پرائمری درجات کی معلمین کی تنخواہ مع خوراک وناشتہ کے اس تناسب سے کہ حدیث تفسیر کا درس دینے والے اساتذہ باعتبار پرائمری درجات کے معلمین کے کم تنخواہ پائیں کہ یہ علماء اور علمِ دین کی اہانت نہیں اور کیا واقعۃً پرائمری درجات کے معلم ہی فوقیت کے مستحق ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ علم حضرات کو علوم دین کی خدمت محض اللہ کے لئے کرنی چاہئے، تنخواہ کے لئے نہیں، جو کچھ ملے اس کو مالکِ حقیقی کا عطیہ تصور کرنا چاہئے، خدمتِ دین کا معاوضہ نہیں (۱)، انشاء اللہ اجر وثواب بھی پورا ملے گا، حق تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوگی اور دنیا میں بھی عزت حاصل ہوگی۔ اگر روپیہ وتنخواہ کے لئے کام کریں گے تو رُخ دوسرا ہوگا، تنخواہ زیادہ لینے کی ہوس پیدا ہوگی اور تنخواہ کی زیادتی کو عزت تصور کریں گے کہ تنخواہ پر ذلت واہانت ذہن میں قائم ہوگی اور طرح طرح قلب میں انتشار پیدا ہوگا۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ اصل عزت اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہونا ہے جس کا مدار اخلاص پر ہے، اہانت وذلت اس کی بارگاہ سے مردود ہونا ہے دنیا والوں کی عزت کرنا، یا ذلیل سمجھنا حقیقی عزت وذلت نہیں (۲)۔ جو حضرات مدرسہ کے اربابِ حل وعقد ہیں ان کے ذمہ بھی لازم ہے کہ وہ اہلِ علم کے سامنے ہرگز ایسا معاملہ نہ کریں جس سے اہلِ علم کی تحقیر واہانت ہوتی ہو، ورنہ وہ سخت مجرم ہوں گے اور ان سے باز پرس ہوگی (۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أراد الآخرة وسعى لها سعيها وهو مؤمن، فأولٰئك كان سعيهم مشكوراً. كلًّا نمدّ هؤلآء وهؤلآء من عطاء ربك، وما كان عطاء ربك محظوراً﴾ (سورة الإسراء: ۱۹، ۲۰)

"عن راشد الحبراني قال: قال عبد الرحمن بن شبل رضي الله تعالىٰ عنه: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اقرأوا القرآن ولاتأكلوا به، ولاتستكثروا به، ولاتجفوا عنه، ولاتغلوا فيه". (مسند الإمام أحمد، (رقم الحديث: ۱۵۱۰۷) : ۴۴۶/۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن أكرمكم عند الله أتقكم﴾ (سورة الحجرات: ۱۳)

(۳) "عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه: حامل القرآن حامل راية الإسلام، مَن أكرمه فقد أكرم الله، ومن أهانه فعليه لعنة الله". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۳۶۰) : ۲۹۱۳/۶، مكتبة نزار مصطفى الباز، رياض)

امام اور قاضی کی تنخواہ کا معیار

سوال[۷۶۳۱]: ا......میں اپنے یہاں کی مسجد میں امام ہوں اور قاضی بھی، دین کا کام فی سبیل اللہ عرصہ سے کرتا آرہا ہوں، نیز گاؤں میں ایک عالیشان مسجد اور کنواں بھی تعمیر کروادیا ہے، مگر اب میں مجبور اور ضعیف ہوگیا ہوں، گاؤں کے لوگ میری مجبوری کو دیکھتے ہوئے تنخواہ دینے کو تیار ہیں۔ تو کیا چندہ کی رقم سے گھر کے اخراجات کے لئے تنخواہ لینا درست ہے؟

۲......سفیر امام عالم کو اندازاً کتنا روپیہ لینا چاہئے؟ ضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......آپ نے اتنی مدت تک خدمت کی ہے، حق تعالیٰ اجر عظیم سے نوازے اور آپ کی تنگ دستی دور کرے۔ جو چندہ مسجد وغیرہ کے لئے کرتے ہیں اس میں سے آپ اپنے خرچ کے لئے نہ لیں (۱)، ہاں! آپ کو یہ حق ہے کہ اہلِ مسجد سے کہہ دیں کہ پہلے مجھے ضرورت نہیں تھی تنخواہ کی، اب مجھے ضرورت ہے، اس لئے تنخواہ دی جائے۔ اہلِ مسجد کو بھی چاہئے کہ وہ مناسب تنخواہ مقرر کردیں (۲)۔ قاضی کا کام جن لوگوں کے لئے کرتے ہیں، ان سے بھی مناسب تنخواہ لے سکتے ہیں (۳) اور ان لوگوں کو بھی چاہئے کہ دیدیا کریں۔ اگر یہ صورت نہ ہو سکے تو

---

(۱) چونکہ محصل معطین کی طرف سے وکیل ہے اور وکیل مؤکل کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ نہیں دے سکتا: "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلىٰ فلان، فلا يملك الدفع إلىٰ غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله: "ويفتىٰ اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان".
(الدرالمختار، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)
(وكذا في الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۱، إمداديه ملتان)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الرابع في فساد الإجارة: ۴/۴۴۸، رشيديه)

(۳) "يستحق القاضي الأجر علىٰ كتب الوثائق والمحاضرات والسجلات قدر ما يجوز لغيره كالمفتي، فإنه يستحق أجر المثل علىٰ كتابة الفتوىٰ". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، مسائل شتىٰ: ۶/۹۲، سعيد)
(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب القضاء، الجنس الثاني في الأقضية: ۴/۷، رشيديه)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب القضاء، الباب التاسع في رزق القاضي: ۳/۳۳۰، رشيديه)

جولوگ چندہ دیتے ہیں، ان کوآپ اطلاع کردیں کہ اس میں سے میں اتنا روپیہ اپنے گھر کے لئے رکھوں گا اور وہ اس پر رضامند ہوں تو اجازت کے مطابق لینا درست ہے(۱)۔

۲......سفیر، امام، معلم اپنی حیثیت، ضرورت اور کام کے مناسب جو تنخواہ مقررہ کرے اس کا لینا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مدرس اور امام کی تنخواہ کی حیثیت

سوال[۷۶۳۲]: ائمۂ مساجد اور مدرسین کی تنخواہیں چونکہ مقرر ہوتی ہیں اور قلیل بھی ہوتی ہیں، لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ حق الخدمت ہے، لیکن زید ایک عالمِ دین ہے، اس کا خیال ہے کہ یہ نفقہ ہے، حق الخدمت نہیں ہے، اور تعیین دفعِ نزاع کے لئے ہوتی ہے۔ کیا ان کا یہ کہنا درست ہے، اور اس تنخواہ کا لینا معاوضۂ دین ہونے کی وجہ سے حرام ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اعلیٰ مقام تو یہ ہے کہ مدرسین اور ائمۂ مساجد ان خدمات کو بلا معاوضہ ادا کریں اور نیت محض اللہ پاک کو راضی کرنا ہو، مگر چونکہ ضروریاتِ نفقۂ واجبہ ان کے ذمہ بھی ہے اور ہر شخص کے پاس آمدنی کے ذرائع موجود نہیں، اگر یہ حضرات امامت اور تدریس کی پابندی کرتے ہیں تو نفقاتِ واجبہ کے ادا ہونے کی کوئی صورت نہیں، اگر نفقاتِ واجبہ کی تحصیل میں مصروف ہوتے رہیں تو یہ خدمات معطل رہتی ہیں جس سے دین ضائع ہوتا ہے، اس مجبوری کی بناء پر فقہائے کرام نے اجازت دی ہے، تاکہ نفقاتِ واجبہ بھی ادا ہوتے رہیں اور یہ حضرات بے

(۱) "وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلک إلیٰ إمام المسجد أو إلیٰ مؤذن المسجد، فليس له ذلک، إلا إن كان الواقف شرط ذلک في الوقف .... ولو شرط الواقف في الوقف الصرف إلیٰ إمام المسجد وبين قدره، يصرف إليه إن كان فقيراً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۶۳، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه: ۴/۴۲۶، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۵۵۵، رقم الحاشية: ۲)

فکر ہوکر اپنی دینی خدمات میں مشغول رہیں (۱)۔

تنخواہ اور تعطیل وغیرہ کے معاملہ کو صاف کرلیا جائے، کوئی بات گول مول نہ رہے جس سے نزاع پیدا ہو (۲)، چنانچہ بڑے مدارس میں اس کے متعلق بات صاف رہتی ہے، اور دستور میں چھپی رہتی ہے، چھوٹے مدارس ان کے تابع ہوتے ہیں، اس طرح نزاع نہیں ہوتا۔ بعض مساجد میں بھی یہ طریقہ ہے اور بعض میں عرف کے ماتحت عمل ہوتا ہے، البحر الرائق میں کتاب الوقف میں اس پر بحث موجود ہے (۳)۔

---

(۱) "ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه، ويفتیٰ اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان". (الدرالمختار). "قال فی الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالیٰ استحسنوا الاستيجار علی تعليم القرآن اليوم، لظهور التوانّی فی الأمور الدينية، ففی الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتویٰ .... وزاد فی مختصر الوقاية .... تعليمَ الفقه. وزاد متن المجمع الإمامةَ .... وزاد بعضهم الأذان والإقامة والوعظ". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، ۵۶، سعيد)

(وكذا فی تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب: الفتویٰ علیٰ جواز الإجارة علی تعليم القرآن: ۲/۱۳۷، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا فی الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة :۳/۳۰۱، إمدادية ملتان)

(۲) "والأصل فی شرط المعلم بالأجرة قول النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "من استأجر أجيراً، فليعلمه أجره". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ۶/۲۰، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويشترط أن تكون الأجرة معلومةً .... لأن جهالتها تفضی إلی المنازعة، فيفسد العقد".

(شرح المجلة لسليم رستم، كتاب الإجارة، الفصل الثالث فی شروط صحة الإجارة: ۱/۲۵۴، (رقم المادة: ۴۵۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۵، سعيد)

(۳) "فإن قلت: ما يأخذه صاحبُ الوظيفة أجرةٌ أو صدقةٌ أو صلةٌ؟ قلت: الطرسوسی فی أنفع الوسائل إن فيه شوب الأجرة والصلة والصدقة، فاعتبرنا شائبة الأجرة فی اعتبار زمن المباشرة وما يقابله من المعلوم .... وقد كثر وقوع هذه الحادثة بالقاهرة، فأفتیٰ بعض الحنفية بما قالوا فی حق الأولاد من اعتبار مجئ الغلة، حتیٰ أن بعضهم يفرغ عن وظيفة قبل مجئ الغلة بشهر أو جمعة، وقد كان =

معاہدہ اور معاملہ کرنے والے کے متعلق ایسے سخت الفاظ استعمال کرنے کہ ''وہ حرام لیتے ہیں، حرام کھاتے ہیں'' یہ جہالت اور حدودِ شرعیہ سے تجاوز ہے، ہرگز جائز نہیں (۱)۔ پھر جس کو اپنے دین کا رہبر تجویز کیا اور سب سے بڑی عبادت اس کی اقتدا میں ادا کرتے ہیں اس کے متعلق ایسا کہنا انتہائی بے غیرتی بھی ہے، تاہم نماز ان کی بھی ہوجاتی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۸۹ھ۔

قرض میں تنخواہ کو محسوب کرنا

سوال [۷۶۳۳]: ایک شخص مدرسہ چلاتا تھا، اس نے اپنے کام کے لئے مجبوراً مدرسہ کا روپیہ قرض لیا اور نیت کی کہ ضرور ادا کروں گا، مگر کسی مجبوری کو نہیں بتلایا۔ اس کے بعد بلا تنخواہ چند ماہ کام کیا اور گھر میں ظاہر کیا کہ ہم تو بلا تنخواہ کام کررہے ہیں (گویا کہ قرض میں وضع کردیں گے)، لیکن کسی مجبوری کو نہیں بتلایا۔ تو تنخواہ نہ لینے کا روپیہ قرض میں محسوب سمجھا جائے گا یا نہیں، جبکہ مقروض کا انتقال ہوچکا ہے اور مدرسہ بھی ختم ہوچکا ہے؟

= باشر غالبَ السَّنَة .... ولكن بالقاهرة إنما تعتبر الأقساط .... الخ ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵ /۳۸۲، رشيديه)

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله كفرٌ". متفق عليه". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الأول، ص: ۴۱۱، قديمى)

"عن ابن مسعودٍ رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليس المؤمن بالطّعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذى". رواه الترمذى". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الثانى، ص: ۴۱۳، قديمى)

(۲) "ولو أمّ قوماً وهم له كارهون، إنِ الكراهة لفسادٍ فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذلك. وإن هو أحق، لا، والكراهة عليهم". (الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب الصلوٰة، الفصل السادس، أما الكلام فى بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۰۳، ۶۰۴، إدارة القرآن كراچى)

الجواب حامداًومصلیاً:

پڑھانے کا معاملہ نہیں کیا گیا، تنخواہ مقرر نہیں کی گئی، اس لئے اس قرض کو محسوب کرنے کا حق نہیں (۱)، یہ مدرسہ میں بلاتنخواہ کام کرنا تبرع اور احسان ہے، اس کا اجر ملے گا۔ جتنا روپیہ چندہ کا اپنے کام میں خرچ کیا ہے وہ قرض ہے، ورثہ اگر ادا کرنا چاہتے ہیں تو پورا روپیہ ادا کریں (۲) اور دینی مدرسہ میں -جہاں مناسب ہو- دیدیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تبلیغ کے لئے مدرسہ سے تنخواہ

سوال[۷۶۳۴]: کیا کوئی آدمی تبلیغ کا کام کرکے مدرسہ سے تنخواہ کا پیسہ لے سکتا ہے، مثلاً زید نے یہ طے کیا کہ اگر مجھے تبلیغ کے کام سے دوچار روز چھٹی ملی تو پڑھادوں گا، ورنہ نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اہلِ مدرسہ تعلیم کے لئے بھی ملازم رکھتے ہیں، تبلیغ کے لئے بھی رکھ سکتے ہیں، لیکن اگر معاملہ تعلیم کے

---

(۱) "ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وُجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: ۴/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار ، كتاب الإجارة :۶/۱۰، ۱۱، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۶۷، ۴۶۸)، كتاب الإجارة : ۱/۲۶۱، كوئٹه)

(۲)"رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه. ثم رد بدلها، لايسعه أن يفعل ذلك .... وفي القضاء يكون ضامناً، فيكون ذلك ديناً عليه لصاحب المال". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۹، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها وصرف غلة الأوقاف: ۵/۸۷۹، ۸۸۰، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في خلاصة الفتاوی، كتاب الوقف، الفصل الرابع: ۴/۴۲۳، رشيديه)

لئے کیا گیا ہو تو مدرس کو اس کی پابندی لازمی ہوگی، اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ چار دن، چھ دن موقع مل گیا تو پڑھادوں گا ورنہ تبلیغ کروں گا(۱)، اس سے تعلیم کا حرج ہوگا۔

اور زکوٰۃ سے تنخواہ دینا براہ راست کسی کے لئے جائز نہیں ہے، نہ معلم کو، نہ مبلغ کو(۲)۔ مدرسہ کے ذمہ دار حضرات صرف معطیین کے ہی وکیل نہیں، بلکہ وہ تعلیم کے بھی ذمہ دار ہیں، اسی بناء پر معطیین نے ان کو وکیل بنایا ہے، اس لئے ان کو ایسی صورت اختیار کرنا جائز نہیں جس سے تعلیم کا حرج ہو(۳)، ہاں! اگر سب لوگ تبلیغ کو اصل قرار دیکر تعلیم کو تابع قرار دیں تو پھر دوسری بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۸ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل، نقص من أجرته بقدر ماعمل". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۷۰/۶، سعيد)

"وإنما سمي أجير وَحُدٍ؛ لأنه لايمكنه أن يعمل لغيره؛ لأن منافعه في المدة صارت مستحقة له، والأجر مقابل بالمنافع". (الهداية، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۳۰۸/۳، مكتبه إمداديه ملتان)

(وكذا في شرح المجلة، كتاب الإجارة، الباب الأول، (رقم المادة: ۴۲۲، ۴۲۵): ۲۳۶/۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقٰت للفقراء والمسٰكين والعٰملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغٰرمين وفي سبيل الله﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"ولو دفعها المعلم لخليفة إن كان بحيث يعمل له لولم يعطه صح، وإلا لا". (الدرالمختار).

"(قوله: ولو دفعها المعلم لخليفة) أي: من هو نائب عنه، ونظيره: إذا دفعها المؤجر لمن استأجره أو الشيخ لمن يحضره، (قوله: صحّ)؛ لأنه تمحضّ تبرعاً فإذا نوى به الزكوة صح، (قوله: وإلا لا)؛ لأن المدفوع حينئذٍ بمنزلة العوض". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الزكوة، أخر باب المصرف: ۴۳۲/۱، دارالمعرفة)

(۳) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴۴۵/۴، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ماهوصحيح معتبر يعمل به". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشيديه)

مدرس کو ڈیڑھ سو روپیہ دے کر دو سو پر دستخط لینا

سوال[۷۶۳۵]: ایک دینی مدرسہ گورنمنٹ سے ملحق ہے اور گورنمنٹ کے اسکیل کے مطابق مدرسین کی تنخواہیں متعین ہیں جس میں گورنمنٹ مدرسین کی آدھی تنخواہ ومہنگائی وغیرہ بذریعۂ منیجر مدرسہ مدرسین کو دے دیتی ہے، لیکن منیجر اور مجلسِ منتظمہ اس رقم کا ۱/۴ (چوتھائی) حصہ مدرسین سے جبراً لیتی ہے۔ اور اگر کوئی مدرس دینے کے لئے آمادہ نہ ہو تو اخراج کی دھمکی دے کر خاموش کر دیا جاتا ہے۔ پھر اپنی مرضی کے مطابق مدرسین کو مثلاً کسی کی تنخواہ دو سو روپیہ ہے تو ڈیڑھ سو روپیہ دیکر دو سو پر دستخط لیتے ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا کرنا مجلسِ منتظمہ کے لئے درست ہے یا نہیں؟ اور مدرسین کو اس کٹوتی پر نیکی ملے گی یا نہیں؟ بصورتِ دیگر مدرسین کی خاموشی گناہ کا سبب بنے گی یا نہیں، ایسے ماحول میں مدرسین کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

منتظمہ کا یہ طرزِ عمل جھوٹ ہے، خیانت ہے، بددیانتی ہے، ظلم ہے۔ مدرسین مظلوم ہیں، جتنا صبر کریں گے ان کو اجر ملے گا۔ یہ کاٹا ہوا روپیہ منتظمہ کے لئے نہ خود رکھنا درست ہے، نہ مدرسہ کے کسی کام میں خرچ کرنے کا حق ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي". (مشكوٰة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعيٍّ وإن أخذه .... وجب ردّه". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۶۲، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، باب الغصب: ۶/۲۰۰، سعيد)

زکوٰۃ وعطیات کی مخلوط رقم سے تنخواہ دینا

سوال[۷۶۳۶]: جس ادارہ میں یہ نظم نہیں کہ زکوٰۃ وعطیات کی رقمیں علیحدہ ہوں، بلکہ گڈ مڈ ہوں، اس سے مدرسین وملازمین کی تنخواہ دینا درست ہے یا نہیں؟ اور پھر زکوٰۃ کی رقم میں تملیک نہیں ہوتی وہ زکوٰۃ کی رقمیں معطی کی طرف سے ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زکوٰۃ کی رقم کا تنخواہ دینا جائز نہیں ہے(۱)،مخلوط میں سے جتنی رقم زکوٰۃ کی تنخواہ میں دی گئی ہے اتنی مقدار زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی ہے، معطی کو اطلاع کردی جائے کہ وہ اتنی زکوٰۃ خود ادا کریں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۱۵ھ۔

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿إنما الصدقٰت للفقراء والمسٰکین والعٰملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغٰرمین وفی سبیل اللہ﴾. (سورۃالتوبة: ۶۰)

"ولو دفعها المعلم لخلیفة إن کان بحیث یعمل له لولم یعطه صح، وإلا لا". (الدرالمختار).

"(قوله: و لو دفعها المعلم لخلیفة) أی: من هو نائب عنه، ونظیره: إذا دفعها المؤجر لمن استأجره أو الشیخ لمن یحضره، (قوله: صحّ)؛ لأنه تمحضّ تبرعاً فإذا نوی به الزکوة صح، (قوله: وإلا لا)؛ لأن المدفوع حینئذٍ بمنزلة العوض". (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الزکوة، أخر باب المصرف: ۴۳۲/۱، دارالمعرفة)

(۲) "المذکر إذا سأل للفقیر شیئاً وخلط ما أخذ بعضها ببعض، إن لم یأمره الفقیر بالسؤال والأخذ، یکون ضامناً، فإن أدی ذلک المال بعد ذلک إلی الفقیر، یکو ن متصدقاً لنفسه من مال نفسه، ولایجزئ ذلک عن أرباب الأموال. وإن کانوا دفعوا إلیه بنیّة الزکاة، لاتسقط زکاتهم". (فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً .... الخ: ۲۹۹/۳، رشیدیه)

الفصل السادس فی المبعوثین والتبرعات

(مدارس کے سُفراءاور چندہ کے احکام)

سفیر کی غلطی پر جرمانہ

سوال[۷۶۳۷]: زیدوبکر مدرسہ کا چندہ کرنے کے لئے ایک طویل سفراس لئے کرتے ہیں کہ دوہزار روپیہ ضرروہوجائیں گے، مگر ۱۷/ دن کی دوڑ دھوپ کے بعد کل چندہ چھ سو پچاس روپیہ کے قریب ہوتا ہے اور خرچہ تقریباً دوسوروپیہ ہوتا ہے جس میں ایک روپیہ بھی ناجائز خرچ نہیں کیا۔ اب سفیر چندہ کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے خرچ میں کمی اس صورت سے کرتے ہیں کہ عمر نے پچاس روپے دیئے، اس کو رسید ہی میں پانچ بنادیا اور خرچ کا پرچہ بجائے دوسوروپیہ کے ایک سو پچاس بنا کر مہتمم کو پیش کردیا، اس نیت سے یہ کام کیا کہ ہم پر تو مدرسہ کا کوئی پیسہ نہیں رہا۔

اب کسی وجہ سے مہتمم کو معلوم ہوگیا کہ رسید میں پچاس روپیہ کو پانچ روپیہ بنایا گیا۔ معلوم کرنے پر زید اور بکر نے بتادیا کہ ہم نے یہ غلطی محض اس لئے کی تھی کہ چندہ بہت کم ہوا اور خرچ بہت ہوگیا، نہ تو ہم پر مدرسہ کا کچھ رہتا ہے اور نہ مدرسہ پر ہمارا رہتا ہے صرف لکھنے کا پھیر ہے۔ مہتمم کہتا ہے کہ ۴۵/ روپے تم کو دینے ہوں گے۔ کیاوہ دینا شرعاً جائز ہے۔ جبکہ سفیر غلطی کی معافی طلب کررہے ہیں اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عہد کرتے ہیں؟ کیا زید، بکر کو شرعاً دینا واجب ہے، اگر نہ دیں تو کیا وہ گنہگار رہوں گے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سفیر نے غلطی کی اگرچہ نیک نیتی سے کی، اب اس کی تصحیح کردیں، جرمانہ سفیر سے وصول نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالی: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸) .... =

مدرسہ کے سفیر کا دھوکہ دینا

سوال[۷۶۳۸]: اگر زید کسی بڑے ادارہ میں اس شرط پر سفیر ہے کہ رمضان میں کبھی اس ادارہ کے کام کو نہیں چھوڑے گا اور دستور کا پابند رہے گا، لیکن زید دھوکہ دیکر بغیر استعفیٰ دیئے چلا گیا اور مدرسہ کے خلاف پروپیگنڈہ کیا، کہیں مدرسہ کے نام پر چندہ کیا اور ڈبہ توڑ کر رقم نکال لی۔ تو کیا ایسا شخص قابل لعن وطعن نہیں ہے؟ کیا اس پر مقدمہ دائر کیا جائے اور اس سے تنخواہ واپس لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر معاملہ اسی طرح ہے تو وہ شخص بہت ہی قابلِ ملامت ہے(۱)۔ جس قدر مدرسہ کا مال لیا ہے،

= "عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ألا إلا تظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلابطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(وکذا فی السنن الکبری للبیهقی، (رقم الحدیث ۲ ۹ ۵۴): ۳۸۷/۴، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

"لایأخذ مال فی المذهب .... وفی المجتبی: إنه کان فی ابتداء الإسلام، ثم نسخ". (الدرالمختار). "قال فی الفتح: "وعن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ: یجوز التعزیر للسطان بأخذ المال. وعندهما وباقی الأئمة لایجوز، ومثله فی المعراج. وظاهر ہ أن ذلک روایة ضعیفة عن أبی یوسف. قال فی الشرنبلالیة: ولایفتی بهذا؛ لما فیه من تسلیط الظَّلَمة علی أخذ مال الناس، فیأکلونه .... إذلایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی". (ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فی التعزیر بأخذ المال: ۶۱/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۶۸/۵، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۱۶۵/۳، إمدادیه ملتان)

(۱) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "آیة المنافق ثلث: إذا حدث کذب، وإذاوعد أخلف، وإذا اؤتُمن خان". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب خصال المنافق: ۵۶/۱، قدیمی)

اس سے واپس لیا جائے (۱)۔ غیر حاضر رہ کر جو تنخواہ لی ہے، وہ بھی واپس لی جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

سفیر اور منتظم کے درمیان اختلاف ہو تو ایک کو حَکَم بنالیا جائے

سوال [۷۶۳۹]: ایک صاحب کو مدرسہ میں ملازم رکھا گیا جن سے مندرجہ ذیل باتیں طے پائیں:

۱- سفارت۔ ۲- مدرسہ میں مقیم ہونے پر تعلیم وتدریس کا کام، معاوضہ اَسّی روپے، ترقی پانچ روپے ماہوار، سو روپے پر ترقی بند، سال میں ایک ماہ کی رخصت، آنے جانے کا خرچہ۔

لیکن انہوں نے حسبِ ذیل خلاف ورزیاں کیں:

۱- ایک بار بغیر اجازت صرف اطلاع دے کر مدرسہ میں تالا ڈال کر چلے گئے۔ ۲- گھر سے واپسی پر تاخیر سے پہونچے۔ ۳- سفارت کا پروگرام بنا کر چلے گئے، راستہ سے لکھا کہ ڈیڑھ ماہ سے زیادہ کام نہیں کروں گا اور فلاں مقام پر کام نہیں کروں گا۔ ۴- سفر میں اپنی تنخواہ کی رقم پیشگی نکال لی جبکہ معاملہ یہ طے نہیں ہوا تھا۔

---

(۱) "یلزم رد المغصوب عیناً وتسلیمه إلی صاحبه فی مکان الغصب، إن کان موجوداً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، (رقم المادة: ۸۹)، کتاب الغصب: ۱/۴۸۸، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"هی إزالة ید محقة بإثبات ید مبطلة فی مالٍ متقومٍ قابلٍ للنقل بغیر إذن مالکه. واعلم أن المغصوب مضمون بالإتلاف مع أنه لیس بمملوک أصلاً، صرح به فی البدائع. فلو قال: بلا إذن من له الإذن، لکان أولی. وحکمه الإثم .... وردّ العین قائمةً والغرم هالکةً". (الدر المختار، کتاب الغصب: ۶/۱۷۷، ۱۷۹، سعید)

(وکذا فی المبسوط للسرخسی، کتاب الغصب: ۱۱/۵۳، ۵۴، مکتبه غفاریة کوئٹه)

(۲) "الأجیر الخاص یستحق الأجرة إذا کان فی مدة الإجارة حاضراً للعمل .... لکن لیس له أن یمتنع عن العمل. إذا امتنع، لایستحق الأجرة". (شرح المجلة لسلیم، (رقم المادة: ۴۲۵)، کتاب الإجارة، الباب الأول: ۱/۲۳۹، مکتبه حنفیة کوئٹه)

(وکذا فی النتف للفتاوی، کتاب الإجارة، ص: ۳۳۸، سعید)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الإجارة: ۶/۷۰، سعید)

۵-گوشوارہ نامکمل بنا کے دیا اور کہا: یہ میری ذمہ داری نہیں۔ ۶-ہم نے لکھا کہ آپ رقم نجیب آباد میرے آدمی کے پاس رکھ دیں، انہوں نے لکھا کہ میں رقم ان کو نہیں دوں گا واپس آ کر دوں گا۔ ۷-ایک بار پروگرام بنا کر نہیں دیا تھا تو صرف چار جگہ کام کیا، ایک ماہ پورا لگایا۔ ۸-اس مرتبہ بے ترتیب کام کیا جس سے مدرسہ کے اخراجات بھی زیادہ ہوئے اور دن بھی زیادہ لگے۔ ۹-مدرسہ میں ۲۰/ یوم تاخیر سے پہونچے۔ ۱۰-تعویذ گنڈوں کی اجرت اتنی بڑھا دی جس کو دیکھ کر دل کانپتا ہے۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر بلا کسی مہلت کے سفیر صاحب کو مدرسہ سے خارج کر دیا، انہوں نے دو ماہ رہنے کی اجازت چاہی، ہم نے ان کو لکھا کہ اگر آپ آئندہ کو اصلاح کی کوشش کریں تو دیگر اراکینِ مدرسہ سے گفتگو کریں۔ جس کا جواب حسبِ ذیل ملا:

یہ کام میرے بس کا نہیں، آپ مہلت دیں یا نہ دیں، جو رقم ان کی طرف نکل رہی تھی اس کیلئے پندرہ اگست تک کا وعدہ فرمایا۔ آٹھ ماہ بعد جب تقاضا کیا گیا تو لکھا کہ آپ نے اچانک مجھ کو علیحدہ کیا ہے۔ اس لئے ایک ماہ کی تنخواہ آپ ہی مجھے دیں، ۱۵/ یوم پڑھانے کی تنخواہ۔ ۱۸/ جولائی کو مجھے علیحدہ کیا ہے اس لئے ماہ جولائی کی ۱۸/ یوم کی تنخواہ مزید آپ مجھے دیں۔ شرائط میں یہ باتیں طے نہیں ہوئی تھی کہ ایک ماہ کی تنخواہ دی جائے گی، اگر اچانک علیحدہ کریں گے۔ ۱۸ یوم کی تنخواہ کے لئے ہم ان کو لکھ چکے تھے کہ آپ اپنی تنخواہ کاٹ لیں۔ اب آپ ازروئے شرع بتائیں کہ اراکینِ مدرسہ غلطی پر ہیں یا سفیر صاحب؟ فقط۔

عبدالجبار، ناظم مدرسہ اسلامیہ، اوپر بازار پوری گڑھوال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نزاعی شکل ہے، اس کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ سفیر صاحب اپنا بیان تحریر کر دیں اور دونوں فریق باہم مشورہ کر کے کسی کو ثالث (حَکَم) مان لیں اور اس کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں (۱)، ورنہ یک طرفہ بیان پر حکم

---

(۱) "إذا حكّم رجلان رجلاً، فحكم بينهما ورضيا بحكمه، جاز". (الهداية: ۱۴۳/۳، كتاب آداب القاضي، باب التحكيم، إمداديه ملتان)

"حكما رجلاً معلوماً، فحكم بينهما ببينة أو إقرار أونكول ورضيا بحكمه، صح".

(الدر المختار: ۴۲۸/۵، ۴۲۹، كتاب القضاء، باب التحكم، سعيد) .... =

تحریر کرنے سے نزاع ختم نہیں ہوگا، دوسرا فریق سائل کی تغلیط کردے گا، متفقہ بیان پر حکم کا فیصلہ دونوں کے لئے قابلِ تسلیم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲۰ھ۔

کمیشن پر چندہ وصول کرنا، سفیر کا زکوٰۃ اور دیگر صدقات کو مخلوط کرنا

سوال [۷۶۴۰]: دورِ حاضر میں مدارس کی جانب سے سفراء تحصیلِ چندہ کیلئے بھیجے جاتے ہیں جو خیرات، صدقات، زکوٰۃ وصول کر کے مخلوط رقم جمع کر لیتے ہیں، تنخواہ یا کمیشن دے کر حساب میں جمع کر لی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بہت سے حضرات تو حیلۂ شرعی کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زکوٰۃ بالکلیہ بے محل ہضم کر لی گئی ہے، یا بے محل تعمیر وتنخواہ وغیرہ میں بلاتملیک صرف کردی گئی ہے، وہ ادا نہیں ہوئی (۱)۔ مختلف لوگوں کی زکوٰۃ وصدقات کو معطی کی اجازت سے مخلوط کرنا درست ہے، پھر جب مقدارِ واجبہ مستحقین کو دیدی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، سفیرِ مدرسہ سے کمیشن پر کام لینا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۱۵ھ۔

= (وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۱۸۴۱)، كتاب القضاء، الباب الرابع: ۱۱۹۳/۲، ۱۱۹۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً، لايصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه .... ولا إلى ثمن ما: أي قنٍّ يعتق، لعدم التمليك وهو الركن". (الدرالمختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۴۴/۲، ۳۴۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ۱۸۸/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصارف: ۴۲۴/۲، رشيديه)

(۲) مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کمیشن پر چندہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ دو وجہ سے جائز نہیں: ....=

سفرائے مدارس کا خرچہ کہاں سے دیا جائے؟ کمیشن پر چندہ

سوال [۷۶۴۱]: مدارسِ اسلامیہ کے مدرسین وسفراء جو برائے وصولِ صدقات وزکوٰۃ وغیرہ دیگر مقامات کا سفر کرتے ہیں اور مدارس کے لئے رقمیں وصول کرتے ہیں، ان کا سفر خرچ وغیرہ کس مد سے دیا جائے؟ آیا ان کی حیثیت عاملینِ صدقات کی سی ہے یا نہیں؟

نیز جو لوگ کمیشن پر چندہ وصول کرتے ہیں، یا ان سے اسی طرز سے وصول کرایا جاتا ہے اور فیصد متعین کر کے کمیشن دیا جاتا ہے، یہ عمل عند الشریعہ کیسا ہے؟ جبکہ عوام الناس اس کو بالکل معیوب اور ناپسند سمجھتے ہیں۔ بعض مدارس اس کا شکار ہیں جس سے عوام بے حد بدظن رہا کرتے ہیں۔

= ۱- اجرت من العمل ہے جو ناجائز ہے، ۲- اجیر اس عمل پر بنفسہ قادر نہیں، قادر بقدرۃ الغیر ہے، اس کا عمل چندہ دینے والوں کے عمل پر موقوف ہے بنفسہ شرط ہے، چنانچہ قفیز طحان کے فساد کی علت بھی یہی ہے کہ متاجر قدر علی الأجرۃ بقدرۃ العامل ہے، بنفسہ قدر نہیں۔ حسب تصریح فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ بوقت عقد اجیر کا قادر علی العمل ہونا اور متاجر کا قادر علی تسلیم الأجرۃ ہونا صحت عقد کے لئے شرط ہے۔

معاملہ مذکورہ میں قفیز طحان سے بھی زیادہ فساد ہے، اس لئے کہ قفیز طحان میں اجرت جو حق اجیر ہے وہ اسی اجیر ہی کے عمل پر موقوف ہے اور وہ بذریعہ عمل وصول اجرت پر قادر ہے مگر مسئلہ زیر بحث میں اجیر کو عمل پر کسی قسم کی بھی قدرت حاصل نہیں غیر کا محتاج ہے۔

قفیز طحان اجارۂ فاسدہ ہے اور کمیشن پر چندہ کا معاملہ اجارۂ باطلہ ہے بصورت حصہ مقررہ اس کی اجرت حرام ہے۔ مہتمم اور سفیر دونوں پر اس اجارۂ فاسدہ سے توبہ واجب ہے اور سفیر کو اجرت مسمی واجر مثل میں سے اقل ملے گا۔ (احسن الفتاویٰ، کتاب الإجارۃ، کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں: ۷/۲۷۶، سعید)

"ولو دفع غزلاً لآخر لینسجه له بنصفه، أو استأجر بغلاً لیحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً لیطحن بره ببعض دقیقة، فسدت فی الکل؛ لأنه استأجره بجزءٍ من عمله، والأصل فی ذلک نهیه صلی اللہ علیه وسلم عن قفیز الطحان". (الدرالمختار، کتاب الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ: ۶/۵۶،۵۷، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ: ۳/۳۰۳، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارۃ، الفصل الثالث فی قفیز الطحان: ۴/۴۴۴، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

سفراء کا خرچ زادِراہ زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ سے نہ دیا جائے، بلکہ عطایا سے دیا جائے (۱)۔ان لوگوں کا حال عاملین کا حال نہیں ہے، اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ بیت المال کے عاملین کو دینا لازم ہوتا ہے اور وہ اس کے وصول کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں، اربابِ اموال اگر ان کو زکوٰۃ نہ دیں تو مجرم اور سخت سزا کے مستحق ہوتے ہیں، مدارس کے سفراء کی یہ حیثیت نہیں (۲)

کمیشن پر سفیر کو رکھنا کہ جتنا چندہ لاؤ گے اتنا فیصد اس میں سے تم کو تملیکاً دیا جائے گا شرعاً غلط اور ممنوع

---

(۱) "هی (أی الزکوۃ) تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملّک من کل وجه لله تعالی". (البحرالرائق: ۲/۳۵۲، کتاب الزکوۃ، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۲/۲۵۲، کتاب الزکوٰۃ، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۷۰، کتاب الزکوٰۃ، الباب الأول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها، رشیدیه)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: لما توفی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، استخلف أبوبکر رضی الله تعالیٰ عنه بعده، وکفرمن کفر من العرب .... فقال أبوبکر: والله لأقاتلن من فرق بین الصلوة والزکاة، فإن الزکاة حق المال، والله! لومنعونی عناقاً کانوا یؤدّونها إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم لقاتلتُهم علی منعها". الحدیث. (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الزکوٰۃ، الفصل الثالث، ص: ۱۵۷، قدیمی)

"وعامل یعم الساعی والعاشر". (الدرالمختار). "(قوله: یعم الساعی) هو من یسعی فی القبائل لجمع صدقة السوائم. والعاشر: من نصبه الإمام علی الطرق لیأخذ العشر ونحوه من المارة".

(ردالمحتار: ۲/۳۳۹، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف، سعید)

"هو من نصبه الإمام لیأخذ الصدقات من التجار". (البحرالرائق: ۲/۴۰۲، کتاب الزکوٰۃ، باب العاشر، رشیدیه)

"(قوله: والعامل) تقدم تفسیره فی باب العاشر، وعبربالعامل دون العاشر لیشمل الساعی أیضاً". (البحر الرائق: ۲/۴۲۰، کتاب الزکوۃ، باب المصرف، رشیدیه)

ہے، یہ اجارہ درست نہیں، یہ قفیز طحان کے تحت داخل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۱۳۹۹ھ۔

سفیر کا خود تملیک کرنا

سوال[۷۶۴۲]: ۱...... ایک سفیر نے چندہ کیا، کیا اس کی تملیک خود کرسکتا ہے جبکہ وہ خود بھی کچھ جائیداد کا مالک ہے، لیکن نقد اس کے پاس کچھ نہیں ہے؟

سفیر کا قبل التملیک قرض دینا

سوال[۷۶۴۳]: ۲...... یہ سفیر باہر جمع شدہ روپے کو قبل التملیک کسی کو قرض دے سکتا ہے یا نہیں؟

مدرس کا قبل التملیک خرچ کرنا

سوال[۷۶۴۴]: ۳...... ایسے ہی اگر مدرسہ کے مدرس نے چندہ کیا اور خرچ کرلیا اور اپنی تنخواہ میں سے جو خرچ کیا ہے حساب کردیا، تو کیا مدرس کے لئے تملیک سے قبل اپنے لئے خرچ کرنا درست ہے یا نہیں اگرچہ اس روپیہ کی تملیک یقیناً ہوئی ہے جو اس نے تنخواہ میں کٹوایا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... لوگوں نے سفیر کو اس لئے چندہ نہیں دیا کہ وہ خود مالک بن بیٹھے بلکہ اس لئے دیا ہے کہ طلبہ پر کھانے کپڑے میں خرچ کیا جائے، اس لئے اس کا خود مالک بننا درست نہیں(۲)۔

---

(۱) "لو دفع غزلاً لآخر لينسجه، له بنصفه أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن براً ببعض دقيقة، فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزءٍ من عمله". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۷/۶، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۰۳/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في قفيز الطحان: ۴۴۴/۴، رشيديه)

(۲) "وهنا الوكيل: إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا، ليس للوصي الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲۶۹/۲، سعيد)

۲......اس کو حق نہیں، وہ امین ہے(۱)۔

۳......اس کو بھی حق نہیں، وہ امین ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۹۵ھ۔

کیا سفیر کی خوراک جزوِ تنخواہ ہے؟

سوال[۷۶۴۵]: مدرسہ کا چندہ کرنے کے لئے جو مدرس یا سفراء باہر جاتے ہیں ان کی تنخواہوں کے ساتھ ان کا کھانا بھی منجانبِ مدرسہ طے ہوتا ہے، چنانچہ کہیں سستا کہیں مہنگا جیسا بھی ملتا ہے مدرسہ کا خرچ ہوتا ہے، اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے۔ اگر یہ غیر معین ہونے کے باوجود اس لئے درست ہو کہ مستاجر کے ذمہ اجیر کا کھانا بھی سفر کی حالت میں ہوگا تو فبہا، ورنہ کیا یہ صورت جواز کی ہوسکتی ہے کہ جن اوقات میں اہلِ خیر حضرات اس سفیر کو کھانا کھلائیں جیسا کہ عام دستور ہے کہ مدرسہ کی اعانت سمجھ کر سفیر کو کھانا کھلا دیتے ہیں، ان اوقات کے علاوہ کو وہ سفیر درج کرلے اور وقت یا دن کے حساب سے، مثلاً: فی یوم ایک روپیہ تنخواہ پر مزید اضافہ کیا جائے، یا مطلقاً جتنے دن سفر کرے اتنے دن کے ایک روپیہ کے حساب سے مثلاً مقرر کردیا جائے، خواہ وہ خرید کر کھائے یا کوئی اس کو کھلائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسی ذیل میں یہ کھانا داخل کرلیا جائے جس کو آپ نے ''فبہا'' لکھا ہے۔ اگر تنخواہ کا جز قرار دے کر ایک روپیہ یومیہ مثلاً مزید تجویز ہوجائے، تو اس کی بھی گنجائش ہے(۲)، خواہ یہ ''مزید'' کل یا جز خرچ ہوجائے یا نچ

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿إن اللہ یأمر أن تؤدوا الأمانات إلی أهلها﴾ (سورۃ النساء: ۵۸)

"وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع، وصيرورة المال أمانةً في يده ووجوب أدائه عند طلب مالكه. والوديعة لاتودع ولاتعار ولاتواجر ولاترهن. وإن فعل شيئاً، منها ضمن". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۳۸/۴، كتاب الوديعة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۶۷/۷، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶۷۹/۵، كتاب الوديعة، سعيد)

(۲) "إذا زاد الآجر والمستأجر في المعقود عليه أو في المعقود به، إن كانت الزيادة مجهولةً، لاتجوز ...... وإن كانت معلومةً من جانب الآجر تجوز، سواء كانت من جنس ماآجر أومن خلاف جنس ماآجر". =

جائے اور بالکل مزید ہی بن جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۴/۹۲ھ۔

سفیر کو سبکدوش کر دینا

سوال[۷۶۴۶]: ہمارے یہاں ایک سفیر صاحب عرصہ آٹھ ماہ سے تھے،ان کوایام کارکردگی کی تنخواہ پیشگی بھی دی جاتی رہی،حسبِ ضرورت ان کو قرض بھی دیا جاتا رہا،جس کا صاحبِ موصوف کواحساس بھی معلوم ہوتا ہے۔آج کل حالات اورگرانی کی وجہ سے مدرسہ کی مالی حالت کمزور ہوکر پیشگی رقم ایامِ کارکردگی دینے میں تاخیر ہوتی رہی جس کوموصوف تکلیف پرمحمول کرتے ہیں،حالانکہ جن حالات سے وہ دوچار ہورہے تھے-احقر بھی پانچ بچے والا ہے-مگر موصوف ان ناگزیر حالات میں تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے مدرسہ کے کام کو چلانے میں مددکرنے کے بجائے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ مالی حالت کمزور ہے اس لئے میں چلا جانا چاہتا ہوں،تو احقر نے زبانی جواب دیا کہ اچھی بات ہے۔

پھر ان کی احساس کمتری پرغصہ آیا کہ انہوں نے ان حالات میں ایسا کیوں کہا،حالانکہ ماہانہ سوروپے ان کودیئے جاتے ہیں۔غرض ان کوسمجھانے کے بجائے غصہ آکر پرچہ لکھ دیا کہ فلاں تاریخ تک آپ اپنی خواہش کے مطابق سبکدوش ہوسکتے ہیں۔ان تمام حالات کے پیشِ نظر جوغصہ کیا گیا برمحل ہے، یا ان کی عاجزی منت کرکے سمجھانا مناسب تھا یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قوتِ برداشت سب کی یکساں نہیں ہوتی، ہرایک کے ساتھ اس کی حیثیت کے موافق معاملہ کرنا

= (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الرابع عشر فی تجدید الإجارة بعد صحتها والزیادة فیها: ۴/۴۳۹، رشیدیه)

(وکذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الإجارة، مطلب: إذا زادت الأجرة فی أثناء المدة: ۱/۱۰۹، مکتبه میمنیه مصر)

چاہیے(۱)، نرمی سے سمجھا دینا قرینِ مصلحت تھا، مدرسہ کا بھی فائدہ تھا، کیونکہ دوسرا معاون آپ کے پاس موجود نہیں۔ اپنے احساس اور حسنِ کارکردگی کی بناء پر غصہ ہوکر ایسی کارروائی کرنا اپنے احسان کوختم کردینا ہے(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۹۳ھ۔

مستحق طلباء کی آمد کی امید پر چندہ لینا

سوال[۷۶۴۷]: ایک مولوی صاحب نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے جس میں خالص عربی فارسی کی تعلیم ہوتی ہے اور یہ علاقہ از روئے دینی تعلیم نابلد ہے۔ ہر قسم کا چندہ لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کچھ رقوم جمع ہوجائے تو یہاں پر کھانے کا انتظام کیا جائے گا۔ کیا اس امید پر ہر قسم کا چندہ لینا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر فی الحال غریب مستحق طلبہ کے لئے رقم ناکافی ہونے کی وجہ سے کھانے کا انتظام نہیں اور وہ اس کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اس کا انتظام کریں اور اس کی غالب توقع ہے تو وہ ایسی رقم بھی لے سکتے ہیں (۳)، مگر اس کا

---

(۱) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أن ننزل الناس منازلهم". (مقدمة الصحيح لمسلم: ۱/۴، قديمى)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وأحسن كما أحسن الله إليک﴾ (سورة القصص: ۷۷)

"أى أحسن إلى خلقه كما أحسن هو إليک". (تفسير ابن كثير، سورة القصص، ۳/۳۹۹، سهيل اكيڈمى لاهور)

"وينبغى للآمر والناهى أن يرفق، ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب، فقد قال الإمام الشافعى: من وعظ أخاه سراً فقد نصحه وزانه، ومن وعظه علانيةً، فقد فضحه وشانه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۳، رشيديه)

(۳) قال الله تبارک وتعالى: ﴿للفقراء الذين أحصروا فى سبيل الله، لايستطيعون ضرباً فى الأرض، يحسبهم الجاهل أغنياء من التعفف، تعرفهم بسيماهم، لايسئلون الناس إلحافاً، وماتنفقوا من خير، فإن الله به عليم﴾ (سورة البقرة: ۲۷۳) .... =

خیال رہے کہ جورقم جس مد کے لئے لی جائے اس مد میں اس کا خرچ کرنا ضروری ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۲۹/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند،۳۰/۶/۸۸ھ۔

جتنے طلبہ کے لئے سرکار سے وظیفہ ملے اور پھران کی تعداد کم رہ جائے تو کیا کرے؟

سوال[۷۶۴۸]: ۱......سرکاری طور پر ہر بچہ کو جواردو پڑھاتے ہیں دوروپیہ فی بچہ منظور ہوکرآتے ہیں کہ ان کو دیدیں۔اب ہر طالب علم کو دوروپیہ دینا ضروری ہے، یا اربابِ اختیار کتب وغیرہ خرید کردے سکتے ہیں یانہیں؟

۲......بعض طالب علم اب غیر حاضر ہیں ان کی رقم مدرسہ میں محفوظ ہے۔اب ان طلبہ کے گھر پہونچائے جائیں، یامدرسہ میں صرف کرلی جائے، یاکسی اَور طالب علم کو دیدی جائے؟

= ”﴿لایستطیعون﴾ لاشتغالهم بذلک ﴿ضرباً فی الأرض﴾: أی مشیاً فیها وذهاباً للتکسب والتجارة، وهم أهل الصفة –رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم– قاله ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما. وکانوا نحواً من ثلثمأة من فقراء المهاجرین یسکنون سقیفة المسجد یستغرقون أوقاتهم بالتعلم والجهاد“. (روح المعانی:۳/۴۶، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

”عن جریر رضی الله عنه قال: کنافی صدر النهار عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فجاء قوم عراة مجتابی النمار .... فتعمر وجه رسول الله لمارأی بهم من الفاقة، فدخل، ثم خرج، فأمر بلالاً، فأذن وأقام فصلی وخطب، فقال: ”یا أیها الناس! اتقواربکم .... اهـ“. (سنن ابن ماجة، باب الانتفاع بالعلم والعمل به، ص:۲۳، قدیمی)

”عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالی عنه: جاء رجل یوم الجمعة –والنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یخطب– بهیأة بذة، فقال له رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ”أصلیت“؟ قال: لا، قال: ”صل رکعتین“ وحثّ الناس علی الصدقة، فألقوا ثیابهم“. (سنن النسائی، کتاب الجمعة، باب حث الإمام علی الصدقة:۱/۲۰۸،قدیمی)

(۱) ”وهنا الوکیل إنما یستفید التصرف من المؤکل، وقد أمره بالدفع إلی فلان، فلایملک الدفع إلی غیره“. (ردالمحتار، کتاب الزکوة:۲/۲۶۹، سعید)

۳......مثال کے طور پر کسی مدرسہ میں ۲۰/ طلباء کی فہرست گئی، اب صرف ۱۵/ طالب علم باقی رہ گئے، رقم ۲۰/ کی آ گئی اب ۵/ طالب علم کسی اَور مدرسہ کے لکھ کر ۲۰/ کی تعداد پوری کردیں، بعض لڑکے کہتے ہیں کہ گورنمنٹ کی رقم کی زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......حسبِ ہدایتِ معطی ہر مستحق طالب علم کو دو روپیہ دے دیں، پھر چاہے اس کو توجہ دلا دیں کہ وہ اس کی فلاں کتاب خریدلے۔

۲......غیر حاضر کا نام آپ نے خارج تو نہیں کیا، اس کا حصہ محفوظ رکھیں، حاضر ہونے پر دے دیں، یہ بھی حق ہے کہ اس کو مکان پر ہی دے دیں (۱)۔

۳...... جب ۲۰/ طلباء کی فہرست گئی اور اب ۱۵/ رہ گئے تو جن غیر حاضر طلبہ کی رقم آئی ہے وہ واپس پہونچادیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع الى غيره (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة: ۲/۴۷۷، (رقم المادة: ۱۴۵۷)، كتاب الوكالة، الباب الثاني في بيان شروط الوكالة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "والمال الذى قبضه الوكيل بقبض العين بحسب وكالته هو في حكم الوديعة بيد الوكيل .... والمال الذى في يد الرسول من جهة الرسالة أيضاً في حكم الوديعة". (شرح المجلة لسليم رستم: ۲/۷۸۰، (رقم المادة: ۱۴۶۳)، كتاب الوكالة، الباب الثالث في أحكام الوكالة، مكتبه حنفيه كوئٹه).

"وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع، وصيرورة المال أمانةً في يده، ووجوب أدائه عند طلب مالكه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۳۳۸، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳/۲۷۱، كتاب الوديعة، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوديعة: ۵/۶۶۴، سعيد)

چندہ کے لئے معطی پر اصرار، تدریس کے ساتھ تجارت

سوال[۷۶۴۹]: ۱......کسی نیک کام کا چندہ وصول کرنے کے لئے چندہ دینے والوں کو پریشان کرنا مثلاً چندہ دینے والا پانچ یا دس روپیہ دیتا ہے اور وصول کرنے والے خوشامد کرکے یا خفگی کا اظہار کرکے اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ اور زیادہ دو، تو مجبوراً زیادہ دیتا ہے۔ تو کیا اس طرح چندہ کرنا جائز ہے؟ اور ایسے چندہ کو کارِ خیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ یہاں پر بعض عالم اس قسم کے چندہ کو بالکل ناجائز اور حرام بتاتے ہیں، حالانکہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ایسے چندہ کو کارِ خیر میں لگانا جائز لکھا ہے(۱)۔ یہاں کے علماء کہتے ہیں کہ مواعظِ اشرفیہ میں ایسے چندہ کو حرام لکھا ہے۔ اس کی تحقیق مقصود ہے۔

۲......ایک مولانا صاحب تجارت کرتے ہیں، بازار میں دوکانیں ہیں اور دینی خدمت مثلاً: بچوں کی تعلیم، کتابوں کی تصنیف اور فتاویٰ کے جوابات دیتے ہیں، یہ سب کام بلا اجرت کے جائز ہے یا نہیں؟ یہ عالم قابلِ تعریف ہیں یا قابلِ مذمت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... چندہ کا یہ طریقہ غلط اور ممنوع ہے(۲) جیسا کہ امداد الفتاویٰ جلد رابع میں حضرت تھانویؒ نے ممنوع لکھا ہے(۳)۔ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں بھی یہی ہے(۴)، لیکن اس قسم کے چندہ کا طریقہ ناجائز

---

(۱) (فتاوی دارالعلوم دیوبند، کتاب الوقف، عنوان "جو چندہ زبردستی وصول کیا ہو اس کا مصرف": ۱/۵۶۷، دار الاشاعت کراچی)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلابطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(والسنن الکبری للبیهقي، باب شعب الایمان: ۴/۳۸۷، (رقم الحدیث: ۵۴۹۲)، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) "**سوال**: اگر کسی محلّہ کی مسجد میں مؤذن کی خوراک وغیرہ کے لئے کچھ لوگ محلّہ کے چندہ دیتے ہیں اور کچھ مسلمانوں کو دینے سے انکار ہے تو ایسی حالت میں زمیندار مالک محلّہ اگر جبراً ان کو چندہ میں شریک کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نہیں"۔ (امداد الفتاوی، مسائل شتی عنوان: "حرمتِ جبر بر چندہ": ۴/۵۰۲، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۴) مفتی عزیز الرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ: "اصل یہ ہے کہ اس طرح تنگ کرکے لینا تو اچھا نہیں ہے، لیکن جب مالک نے کسی =

ہونے کے باوجود کارِ خیر میں لگانا جس طرح حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سے آپ نے نقل کیا ہے کہ درست ہے، اس طرح تھانویؒ نے جس جگہ ناجائز لکھا ہے اس کو بھی نقل کردیں تو غور کرلیا جائے۔

۲......حقوقِ واجبہ ادا کرنے کے لئے اور حلال روزی کمانے کے لئے تجارت کرنا شرعاً مذموم نہیں، بلکہ پوری اجازت ہے، حتی کہ بعض حالات میں واجب ہے (۱)۔ اس کے ساتھ دینی علمی خدمت میں لگے رہنا بڑی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے، اگر حق تعالیٰ کسی کو یہ توفیق دے تو بڑی نعمت ہے۔ مگر تجارت کے ساتھ دوکان پر بھی تدریس افتاء کی خدمات انجام دینے میں اقرب یہ ہے کہ تدریس، افتاء کا پورا احترام نہیں ہو سکے گا، نہ اس طرف پوری توجہ ہوگی جس کی وجہ سے غلطی بھی امکان ہے (۲)، اس لئے اگر اوقات تقسیم کردیئے جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ کچھ وقت تدریس افتاء کے لئے بھی مخصوص کرلیا جائے، کچھ وقت دوکان چلانے کے لئے، کچھ معمولی تدریس دوکان کے ساتھ بھی جاری رہے، جس میں زیادہ توجہ کی ضرورت نہ ہو، تو اس میں بھی مضائقہ نہیں کہ یہ بھی بعض

= طرح طوعاً و کرھاً دیدیا اور کارِ خیر میں لگا دیا، تو آئندہ کو اس مال میں حرمت نہیں رہی، کیوں کہ یہ چوری اور غصب کا مال نہیں ہے"۔ (فتاوی دارالعلوم، کتاب الوقف، عنوان: "جو چندہ زبردستی وصول کیا ہو اس کا مصرف": ۱/۵۶۷، دار الإشاعت کراچی)

(۱) "عن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة". رواه البيهقي". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثالث، ص: ۲۴۲، قديمي)

(۲) "ينبغي أن لا يفتي في حال تغير خُلقه وتشغل قلبه ويمنعه التأمل كغضب، وجوع، وعطش وحزن، وفرح غالب، ونعاس، أو ملل، أو حر مزعج، أو مرض مؤلم، أو مدافعة حدث، كل حال يشتغل فيه قلبه، ويخرج عن حد الاعتدال، فإن أفتى في بعض هذه الأحوال وهو يرىٰ أنه لم يخرج عن الصواب، جاز، وإن كان مخاطراً بها". (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتوىٰ والمفتي والمستفتي، فصل في أحكام المفتين وفيه تسع مسائل، الرابعة: ۱/۷۶، دار الفكر بيروت)

(وكذا في مقدمة شرح عقود رسم المفتي، ص: ۱۰، مير محمد كتب خانه كراچی)

"يشترط تيقظه وقوة ضبطه وأهلية اجتهاده". (البحر الرائق، كتاب القضاء، فصل في المفتي: ۶/۴۴۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب القضاء، الباب الأول: ۳/۳۰۸، رشيديه)

سلف سے منقول ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۹۴ھ۔

چندہ کر کے مدرسہ تعمیر کرنا اور اس کو اپنا مکان کہنا، بہشتی زیور کے بعض مسائل کو صحیح نہ جاننا

سوال[۷۶۵۰]: ایک مولوی صاحب کے پانچ بھائی موجود ہیں، انہوں نے اپنے باپ سے ڈیڑھ بیگہ زمین مدرسہ کے نام سے اپنے نام بیع نامہ کرالیا ہے، چکبندی کے محکمہ نے اس بیع نامہ کو مان لیا۔ باپ نے وہ زمین وقف للمدرسہ نہیں کی، اب چکبندی میں اس کا چک علیحدہ کٹے گا۔ مولوی صاحب موصوف سے لوگ وقف کرنے کے لئے کہتے ہیں، تو وہ اسے وقف نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر میں وقف کردوں تو مجھے یہاں سے نکال دیں گے۔

مدرسہ کے لئے چندہ خود ہی کرتے ہیں، کہنے پر بھی حساب نہیں دکھاتے۔ چندہ میں امداد، زکوٰۃ، صدقہ وغیرہ ہر قسم کا مال آتا ہے۔ اس رقم سے ایک مکان بصورت مدرسہ تعمیر ہورہا ہے۔ موصوف کا کہنا ہے کہ جب تک بچے یہاں پڑھیں گے، پڑھاؤں گا، ورنہ مکان میرا ہے، حال یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کو وہ مدرسہ میں نہیں رکھتے۔ یہ بھی خیال رہے کہ مدرسہ میں گاؤں کے ہی بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، بیرونی نہیں کہ جن کا مدرسہ کفیل ہو۔ موصوف کہتے ہیں کہ اس سے میرے باپ کو ثواب ملے گا۔

ایسے شخص کے بارے میں علماء کیا فرماتے ہیں؟ نیز اس کے باپ کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ اکثر بیشتر غلط مسئلے بتاتے ہیں، بہشتی زیور کے تمام مسئلوں کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز کا حکم کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ اور صدقہ کو نہ تعمیرِ مدرسہ میں خرچ کرنا جائز ہے، نہ تنخواہ میں صرف کرنا درست ہے، بلکہ وہ تو نادار

(۱) جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں منقول ہے: ”قدتواتر عنه أنه كان يتّجر في الخز مسعوداً ماهراً فيه، وله كان في الكوفة شركاء يسافرون له في شراء ذلك ويبيعه مستغنياً بنفسه“. (الخيرات الحسان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، الفصل الخامس والعشرون في أكله من كسبه، مطبعة المدني المؤسسة السعودية بمصر)

غریبوں کو دینا واجب ہے(۱)۔ چندہ کرکے مدرسہ تعمیر کرنا اور یہ کہنا کہ یہ تو مکان میرا ہے غلط طریقہ ہے(۲)، ان کو ان سب کی اصلاح لازم ہے۔ مسائل کیا غلط بتاتے ہیں، بغیر تفصیل سامنے آئے کیا کہا جائے۔ مولوی صاحب اگر اپنے حالات ٹھیک نہ کریں تو ان کو امام بنانا مکروہ ہوگا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۸/ ۹۴ھ۔

مدرسہ کے لئے چندہ کرکے جو عمارت بنائی جائے کیا وہ وقف ہے؟

سوال[۷۶۵۱]: ایک مدرسہ دینیہ ۳۸/ سال قبل یہاں قائم کیا گیا، درس تدریس کا کام کرایہ کی عمارت میں شروع ہوا، چندۂ خصوصی وعمومی سے مدرسہ کے مصارف پورے کئے جاتے ہیں۔ مدرسہ قائم ہونے

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"الزكاة: هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملّك من كل وجه لله تعالى". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲/ ۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الزكوة: ۲/ ۲۵۶، سعيد)

(۲) "(فإذا تم ولزم، لايملك ولايملّك ولايعار ولايرهن): أي لايكون مملوكاً لصاحبه. (ولايملّك): أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع وغيره، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۲۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/ ۲۸۵، رشيديه)

(۳) "ويكره إمامة عبد وأعرابي، وفاسق، وأعمى ونحوه .... أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/ ۸۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۰، رشيديه)

کے چندسال بعد والیٔ ریاست ٹونک نے ایک ہزار سالانہ رقم مقرر فرمادی، چونکہ یہ آمدنی رقم مدرسہ کے مصارف کی کفیل نہیں ہوسکتی تھی، اس لئے بذریعۂ سفیر بیرون جات سے چندہ بھی ہوتا رہا اوراب بھی ہورہا ہے۔ اور ریاست کے حکمران کی مقرر کردہ امداد بچند وجوہ اس دورِحکومت میں ملنا بند ہوگئی۔ منتظمین مدرسہ نے عرصہ ہوا ایک عمارت مع اس کے وسیع احاطہ کے خرید لی، جب سے اس مدرسہ کا کام اس عمارت میں ہورہا ہے، ساتھ ہی ساتھ احاطہ سے باہر چند دکانیں بھی تعمیر کردی گئیں، کرایہ کی آمدنی مدرسہ کی ضروریات میں صرف ہوتی ہے۔ چندہ کی وصولی کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

مسلم وقف بورڈ کا مطالبہ یہ ہے کہ مدرسہ کی عمارت اوردکانوں کا رجسٹریشن وقف بورڈ میں کرایا جائے اورشرح معینہ کے تحت سالانہ چندہ بھی داخل کیا جاتا رہے، منتظمین مدرسہ کا عذر یہ ہے کہ مدرسہ کی عمارت اوردکانیں کسی کی وقف کردہ نہیں ہیں، بلکہ چندہ عمومی سے جورقم پس انداز کی جاتی رہی اس سے یہ عمارت خریدی گئی اوردکانیں تعمیر کرائی گئی ہیں، اس لئے یہ جائیداد وقف کی تعمیر میں نہیں آتی اورموقوفہ نہیں کہی جاسکتی۔

چندہ نگرانی کی بابت یہ عذر ہے کہ دکانوں کے کرایہ کی اس حد تک آمدنی نہیں ہے کہ مدرسہ کے مصارف کی کفیل ہوسکے مزید مصارف چندہ سے پورے کئے جاتے ہیں، پھر چندہ نگرانی بورڈ کہاں سے ادا کیا جائے اورکس وجہ سے دیا جائے؟ وقف بورڈ اس کل جائیداد کوموقوفہ قرار دیتا ہے۔

استدلال: یہ ظاہر ہے اگرچہ عمارت ودکانات کسی کی وقف کردہ نہیں، لیکن عام مسلمانوں کی چندہ کی بھی رقم سے یہ جائیداد بنائی تواس پرموقوفہ کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔

بدلائلِ شرعیہ مطلع فرمایا جائے کہ فریقین ہذا کے استدلالات میں سے کسی کی دلیل قابلِ توجہ ہوسکتی ہے۔ اوربقولِ منتظمین مدرسہ یہ جائیداد موقوفہ نہیں کہی جاسکتی، یابقولِ وقف بورڈ موقوفہ تسلیم کی جائے۔ جوحکم شرعی اس جائیدادِ مدرسہ پرعائد ہوتا ہے اگر اس سے جلد مطلع فرمایا جائے توباعث تکریم ہوگا۔

سائل احقر محمد عبدالحی، سرونج، ایم، پی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جوعمارت چندہ کرکے بنائی گئی ہو یا خریدی گئی ہو، وہ ابھی وقف نہیں ہوئی جب تک اس کووقف نہ

کردیا جائے اور مصالح مدرسہ کا تقاضا ہے کہ اسے اب سے وقف کردیا جائے، قاضی خاں جلد چہارم ص۳۰، میں ہے:

"المتولی إذا اشتری من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً آخراً، جاز؛ لأن هذا من مصالح المسجد. إن أراد المتولی أن يبيع ما اشتری وباع، اختلف فيه، قال بعضهم: لايجوز هذا البيع؛ لأن هذا صار من أوقاف المسجد، وقال بعضهم: يجوز هذا البيع، وهو الصحيح؛ لأن المشتری يذكر شيئاً من شرائط الوقف، فلايكون مااشتری من جملة أوقاف المسجد"(۱)۔

اگر وقف کرنا مصالحِ مدرسہ کے خلاف ہے تو وقف نہ کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

رسمی رقموں کی وصولی اور خرچ

سوال[۷۶۵۲]: میں ایک سرکاری مکتب کا معلم ہوں، اس لئے سرکاری تنخواہ کے علاوہ مکتب کے طلباء وعوام سے متعلق رکھتے ہوئے چند آمدیوں کا جو قدیم رواج مدت سے ہے اور ابھی تک چلتا آرہا ہے علمائے دین سے فیصلہ لینا چاہتا ہوں کہ مندرجہ ذیل آمدنی میرے حق میں کیسی ہوگی؟

۱......کسی تقریب کا جیسے ۱۵/ اگست، ۲۶/ جنوری ٹیچرس ڈے، ششماہی وسالانہ امتحانات کے موقع پر بچوں سے تقریب کے خرچ کے تخمینہ سے زیادہ رقم وصول کرنا اور خرچ سے بچی ہوئی رقم کو اپنے مصرف میں صرف کرنا شریعت کی رو سے کیسا ہوگا؟

---

(۱) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۲۹۷، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، رشيديه)

"وفی العتابية، فإذا اجتمعت غلة فاشتری بها بيوتاً للغلة، جاز. وهل تصير وقفاً؟ اختلف المشايخ فيه، والمختار أنه يجوز بيعها إن احتاجوا إليه". (التاتارخانية: ۵/۷۵۶، كتاب الوقف، الفصل السابع فی تصرف القيم فی الأوقات، إدارة القرآن كراچی)

"اشتری المتولی بمال الوقف داراً للوقف، لاتلحق بالمنازل الموقوفة، ويجوز بيعها فی الأصح". (الدرالمختار: ۴/۴۱۶، ۴۱۷، كتاب الوقف، مطلب: اشتری بمال الوقف داراً للوقف، يجوز بيعها، سعيد)

۲......بچوں سے داخلہ کے وقت ایک روپیہ یا دو روپیہ کر کے وصول کرنا سند دیتے وقت فی لڑکا پانچ یا دو روپیہ جبراً رسم بنا کر وصول کرنا جبکہ سرکار کا کوئی قانون نہیں۔ ہفتہ وار، جمعراتی، عیدی، بقرعیدی شروع کرائی رسم بنا کر وصول کرنا، اس میں بھی جب کہ سرکار کا کوئی قانون نہیں۔ تو ان رقموں کو اپنی ذاتی مصرف میں خرچ کرنا شرعی اعتبار سے کیسا ہوگا؟ رسم نہیں، اگر نذرانہ کے طور پر دینے والا دے تو کیسا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......رقوم دینے والوں کو اگر علم ہو کہ خرچ سے زائد حصہ آپ رکھتے ہیں اور وہ اس پر رضامند ہوں تو جائز ہے(۱)۔

۲......جبراً جائز نہیں، زبردستی کی ہوئی رقم کا واپس کرنا ضروری ہے(۲)۔ "لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه". الحدیث(۳)۔ بخوشی دی ہوئی رقم کا استعمال کرنا درست ہے کہ یہ ہدیہ ہے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۹۳ھ۔

---

(۱) "لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۶۱/۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانیة فی القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹة)

(وکذا فی الدرالمختار: ۲۰۰/۶، کتاب الغصب، سعید)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة :۱۸۸)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلابطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، قدیمی)

"لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلاسبب شرعی". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۶۲/۱، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانیة فی القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹة)

(۳) (السنن الکبری للبیهقی: ۳۸۷/۴، (رقم الحدیث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإیمان، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(ومشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۴) "هی (أی الهبة) المال الذی یعطی لواحد أویرسل إلیه إکراماً له". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: =

نکاح کے موقعہ پر مدرسہ کیلئے روپیہ لینے کی رسم

سوال[۷۶۵۳]: نکاح کے موقعہ پر ناکح پر دعوی کر کے مسجد ومدرسہ کے لئے روپیہ لیتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟ یا رسم ہونے کی وجہ سے دیتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کے موقع پر ناکح پر دعوی کر کے زبردستی مدرسہ کے لئے روپیہ لینا جائز نہیں، وہ بخوشی دیں تو اجازت ہے، پابندیٔ رسم کی وجہ سے مجبوراً دیں تب بھی درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۵ھ۔

منتظمین کا تعلیم کے بجائے عمارت، بیل وغیرہ پر دھیان دینا

سوال[۷۶۵۴]: ایک ادارہ میں مالی وسعت کافی ہے، وہ ادارہ علمی اعتبار سے مرکزیت حاصل کرسکتا ہے، مگر افسوس کہ منتظمین کی کج اندیشی، خود غرضی اور مفاد پرستی پر کہ وہ ادارہ کو ترقی دینا نہیں چاہتے۔ اور جتنی تعلیم اس وقت ہے اس کی جائیداد موجود تعلیم وطلباء ومدرسین پر خرچ کرنے کے لئے کافی ہے، نیز اس جائیداد کا غلط مصرف ہے زمین کا خریدنا، مقصدِ اصلی تعلیم سے ہٹ کر بیلوں اور کاشت وعالیشان عمارت پر خرچ کرنا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ عندالشرع یہ سب باتیں درست ہیں یا نہیں؟ نیز اس کے لئے چندہ کرنا کیسا ہے؟

= ۱/۴۶۲، (رقم المادۃ: ۸۳۴)، الکتاب السابع فی الھبۃ، مکتبہ حنفیہ کوئٹۃ)

(وکذا فی قواعد الفقہ، القواعد الفقہیۃ، ص: ۱۵۵، باب الھاء، الصدف پبلیشرز کراچی)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۸)

"عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ألا! لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ مسلم إلابطیب نفس منہ". (سنن الکبری للبیھقی، کتاب الغصب، باب من أخذ لوحاً فأدخلہ فی سفینۃ أو بنی علیہ جداراً، (رقم الحدیث: ۱۱۵۴۵): ۶/۱۶۰، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(ومشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ، ص: ۲۵۵، قدیمی)

الجواب حامداًومصلیاً:

جب ادارہ کے پاس مالی وسعت اتنی ہے کہ بغیر چندہ اور بغیر زکوٰۃ لئے ہوئے اس کے مصارف پورے ہوسکتے ہیں تو اس کو چندہ نہ مانگنا چاہئے، نہ زکوٰۃ، معطی حضرات بھی ایسے ادارہ کو نہ دیں بلکہ جو مدرسہ غریب اور مستحق ہو اور دینی تعلیم وتربیتِ اخلاق میں زیادہ کوشاں ہو، وہاں دے (۱)۔ علمِ دین کے ادارہ کا اصلی مقصد دینی تعلیم وترتیب ہے۔ کھیت، زمین، بیل وغیرہ کی فراہمی اس مقصد کے استحکام وترقی کیلئے ہے۔ مقصدِ اصلی سے صَرفِ نظر کرکے محض مالی وسعت وترقی ہی میں منہمک رہنا تو تجارتی مقصد ہے جس سے ''آلہ'' اصل مقصد کی جگہ لے لیتا ہے اور ''مقصد'' تابع بن جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۹۱ھ۔

ادائے حقوقِ ملازمین میں کوتاہی کرنیوالے رئیس کی دینی ادارہ میں امداد

سوال[۷۶۷۵]: ایک رئیس جو کہ مسلمان ہیں اور نماز روزہ کے پابند ہیں، ساتھ ہی تبلیغی جماعت میں بغرضِ تبلیغ دور دور تک بڑے بڑے عالموں کے ساتھ جاتے رہتے ہیں۔ ان کے یہاں گورنمنٹ کے پراجکٹ کا کام ہوتا ہے اور وہ اپنے ملازمین کو پندرہ یوم پر تنخواہ دیتے تھے، لیکن اب سات سال سے وہ وقت مقررہ پر ملازمین کو تنخواہ نہیں دیتے ہیں اور ملازمین پریشان ہوکر ناامید ہوکر چلے جاتے ہیں۔ اور وہ رئیس ہر سال

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالی: ﴿للفقراء الذین أحصروا فی سبیل اللہ، لایستطیعون ضرباً فی الأرض، یحسبهم الجاهل أغنیاء من التعفف، تعرفهم بسیماهم، لایسئلون الناس إلحافاً، وماتنفقوا من خیر، فإن اللہ به علیم﴾. (سورة البقرہ: ۲۷۳)

قال اللہ تبارک وتعالی: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمولفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

''هی تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولامولاہ بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه للہ تعالی''. (البحرالرائق: ۲/۳۵۲، کتاب الزکوة، سعید)

''ولایحل أن یسأل شیئاً مَن له قوت یومه بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب .... ولوسأل للکسوة أو لاشتغاله عن الکسب بالجهاد أو طلب العلم، جاز لو محتاجاً''. (الدرالمختار: ۲/۳۵۵، کتاب الزکوٰة، باب المصرف، سعید)

ہندوستان کے ایک بہت بڑے دینی تعلیمی ادارہ کو زکوٰۃ دیتے ہیں اور اس دینی ادارہ کے ناظم بھی بہت بڑے عالم ہیں، ساتھ ہی وہ رئیس ان کے مرید بھی ہیں۔

نیز ان رئیس صاحب کے یہاں جو ماہانہ تنخواہ پر نوکر ہیں ان کو بھی کبھی پوری تنخواہ ہر ماہ نہیں دی، بلکہ جس نوکر کی تنخواہ چار سو روپے ہے اس کو دو سو روپے دے کر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگلے ماہ حساب کروں گا، لیکن وہ وقت کبھی نہیں آتا ہے کہ نوکر کو پورا حساب ملے۔ اس طرح کسی نوکر کی ۱۷/ ماہ کی تنخواہ روک لی اور کسی کی ایک سال کی۔ جب کہا گیا تو جواب ملا کہ کیا مجھ پر احسان کرتا ہے، جب ہوگی تب مل جائے گی، آخر کار نوکر عاجز ہو کر چھوڑ کر اپنے وطن چلے گئے اور آج تک ان کی مزدوری باقی ہے۔

کیا ایسے رئیس کی زکوٰۃ یا کسی قسم کا روپیہ لینا اس ناظم اعلیٰ کو جائز ہے اور دینی تعلیمی ادارہ میں لگانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعی اسی طرح ہے تو ان رئیس صاحب کی بڑی کوتاہی ہے جو ظلم کی حد میں داخل ہے، حقوق العباد کو ادا نہ کرنا اور مزدوروں کی تنخواہ کو ان کے پورے کام کے باوجود ضبط کر لینا جس سے وہ پریشان ہو کر چلے جائیں۔ معمولی چیز نہیں نہایت سخت چیز ہے (۱)۔ دو پیسے (پرانے) اگر کسی کے رکھ لئے اور نہیں دیئے تو قیامت کے دن سات سو فرض مقبول نمازیں اس کے عوض دلائی جائیں گی (۲)۔ جبکہ وہ صاحب تبلیغ میں بھی باہر جاتے ہیں تو ان کو سوچنا چاہیے کہ تبلیغ کا پہلا اور اعلیٰ مقصد اپنی اصلاح ہے، اس سے بے توجہی نہایت غلط طریقہ ہے۔ اس سب کے باوجود وہ جو کچھ زکوٰۃ دیتے ہیں وہ ادا ہو جاتی ہے اور جس کو بھی زکوٰۃ دیتے ہیں اس کو ان کے حالات

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: قال الله تعالىٰ: "ثلثة أنا خصمهم يوم القيامة: رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيراً، فاستوفى منه ولم يعطه أجره". (صحيح البخاري: ۱/۳۰۲، كتاب الإجارة، باب إثم من منع أجر الأجير، قديمي)

(۲) قال العلامة ابن نجيم: "جاء في بعض الكتب أنه يوخذ لدانق ثواب سبع مأة صلاة بالجماعة".

(الأشباه والنظائر: ۱/۱۴۰، الفن الأول في القواعد تحت القاعدة الأولى، إدارة القرآن كراچي)

معلوم ہونے کے باجود زکوۃ کا لینا اور صحیح مصرف میں خرچ کرنا درست ہے(۱)،لیکن اہل علم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اپنے مریدین اور متعلقین کی اصلاح وتربیت کا خاص فکر واہتمام رکھیں، ہرمناسب موقع پر ان کو غلطیوں سے بچنے کے لئے نصیحت کرتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

صغیر وکبیر کے مخلوط مال سے چندہ

سوال[۷۶۷۶] : ۱...... زید اور بکر دو بھائی ہیں، اپنے باپ کے مرنے کی وجہ سے دونوں مال متروکہ کے وارث ہوئے، بکر نابالغ یتیم ہے اور مال مشترک ہے اور زید بالغ ہے اور روزی کر کے مال متروکہ کو بڑھاتا ہے، جتنی جائیداد ہے اس کی حفاظت وغیرہ بھی کرتا ہے۔ زید اس مالِ مشترک سے قربانی ادا کرتا ہے، صدقات دیتا ہے، نیز لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے، مدرسہ وغیرہ دینی کاموں میں چندہ بھی دیتا ہے۔ زید کو مذکورہ کارِ خیر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یا یہ بھی مالِ مشترک شمار کیا جائے گا حالانکہ بکر کچھ روزی نہیں کماتا۔

۲...... ہمارے دیار میں اکثر لوگوں کا مال یتیموں کے مال کے ساتھ مختلط ہوتا ہے، مدارس دینیہ کے چندہ وصول کنندہ جب چندہ کے لئے ان کے پاس جاتے ہیں تو چندہ دیتے ہیں، لیکن قوی اندیشہ ہے کہ مال مختلط سے دیتے ہیں لیکن چندہ وصول کنندہ اس کی تفتیش کئے بغیر چندہ لیتا ہے۔

اب دریافت امر یہ ہے کہ اس قسم کا چندہ مشتبھات میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اگر مشتبہات میں شمار ہو تو دینی مدارس کیلئے اس میں شرعاً کچھ وسعت وگنجائش ہے یا نہیں؟ اگر گنجائش نہ ہووے تو مدارسِ دینیہ قائم رکھنا دنیا میں دشوار ومحال ہو جائے گا، حالانکہ دنیا بھر کے اکثر مدارسِ دینیہ قومیہ: دیوبند، سہارن پور، بنگال، آسام، ہندوستان کے اکثر شہروں کے مدارس چندہ ہی پر موقوف ہیں۔ جواب باصواب مفصل مدلل تحریر فرمائیں۔

محمد یونس سلہٹی۔

---

(۱) "وفي الفصل العاشر من التاتر خانية عن فتاویٰ الحجة: من ملک أموالاً غیر طیبة أو غصب أموالاً وخلطها ملکها بالخلط ویصیر ضامنا وإن لم یکن له سواها نصاب فلا زکاة علیه فیها، وإن بلغت نصاباً؛ لأنه مدیون ومال المدیون لاینعقد سبباً لوجوب الزکوة عندنا اهـ، فأفاد بقوله: (وإن لم یکن له سواها نصاب الخ) أن وجوب الزکوة مقید بما إذا کان له نصاب سواها". (ردالمحتار، کتاب الزکوة، باب زکوة الغنم: ۲/۲۹۱، سعید)

الجواب حامداًومصلیاً:

مالِ مشترک سے ایسے مواقع میں خرچ کرنا درست نہیں، کیونکہ ہر دو بھائی ایک دوسرے کے مال میں تصرف کا حق نہیں رکھتے، بلکہ بمنزلۂ اجنبی کے ہیں، کذافی العالمگیری(۱)۔ البتہ جوروزی وہ علیحدہ کماتا ہے اس میں تصرف کرسکتا ہے، مواقعِ مذکورہ میں بھی صرف کرسکتا ہے(۲)۔

۲...... جہاں ظنِ غالب ہوکہ یہ یتیموں کے مخلوط مال سے چندہ دیتا ہے وہاں تفتیش کرلی جائے، اگر یہ ظن صحیح ثابت ہوتو چندہ لینے سے انکارکردے۔ اور جہاں ظنِ غالب نہ ہو، یااس کے خلاف کاظن ہو، وہاں تفتیش کی ضرورت نہیں (۳)۔ جب اہلِ مدارس دیانت کے ساتھ اس کے حلال روپے سے مدرسے چلانے کا پختہ عزم کریں گےاور حرام روپے سے اجتناب کریں گے، تو اللہ تعالیٰ کی امداد بالیقین شامل حال رہے گی، لقوله تعالى:

---

(۱) "ولايجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره، وكل واحد منهما كالأجنبي في نصيب صاحبه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول، الفصل الأول منه: ۲/۳۰۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الشركة: ۴/۳۰۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۷۹، ۲۸۰، رشيديه)

(۲) "إلا إذا كان لها كسب على حدة، فهو لها". (ردالمحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة: ۴/۳۲۵، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، كتاب الشركة، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلابأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن الغالب هوالحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولايأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

"لأن من أصله أن الدراهم المغصوبة من أناس متى خلط البعض بالبعض، فقد ملكها الغاصب، ووجب عليه مثل ماغصب. وقالا: لايملك تلك الدارهم، وهي على ملك صاحبها، فلايحل له الأخذ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، المصدرالسابق)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في المال من الإهداء والميراث وغير ذلك: ۴/۳۴۸، رشيديه)

﴿ومن یتق اللّٰه یجعل له مخرجاً، ویرزقه من حیث لا یحتسب، ومن یتوکل علی اللّٰه، فهو حسبه﴾ الآیة(۱)۔

اللہ پاک کا وعدہ بالکل سچا ہے، وہ ضرور پورا ہوگا: "إن اللّٰه لا یخلف المیعاد"(۲)۔ دیگر دنیا دارالامتحان ہے، اس میں حسبِ حیثیت ہر ایک کی آزمائش ضرور ہوتی ہے، اس میں استقامت از حد ضروری ہے کہ یہ بہت بڑا کمال ہے جس کو نصیب ہوجائے۔ "اللّٰهم ارزقنا منه حظاً وافراً"۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۸/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۸/ ۶۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

نابالغ کا مدرسہ کے چندہ میں پیسے دینا

سوال[۷۶۷۷]: مدرسہ کے نابالغ بچے جو اپنے ناشتہ کے لئے پیسے اپنے گھر سے لاتے ہیں۔ اگر وہ مدرسہ میں بطورِ چندہ دے دیں تو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کے ولی نے مدرسہ میں دینے کے لئے پیسے دیئے ہیں تو جائز ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (سورة الطلاق: ۲، ۳)

(۲) (سورة ال عمران: ۹)

(۳) "قال: یجوز أن یقبل فی الهدیة والإذن قول العبد والجاریة والصبی؛ لأن الهدایا تبعث علی أیدی هؤلاء .... فلو لم یقبل قولهم، یؤدی إلی الحرج". (الهدایة، کتاب الکراهیة، فصل فی الأکل والشرب: ۴/۴۵۴، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۵، سعید)

"ویشترط أن یکون الوکیل عاقلاً ممیزاً، ولا یشترط أن یکون بالغاً، فیصح أن یکون الصبی الممیز وکیلاً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، (رقم المادة: ۱۴۵۸)، کتاب الوکالة، الباب الثانی فی شروط الوکالة: ۱/۷۷۵، مکتبه حنفیه کوئٹه)

جعلی سفیر سے زائد روپیہ وصول کرنا

سوال[۷۶۷۸]: زید کسی مدرسہ کی سفارت کرتا تھا، پھر وہ اس ذمہ داری سے معزول کر دیا گیا۔ سفارت سے برخاست ہونے کے بعد زید نے مدرسہ مذکور کی طرف سے جعلی رسید چھپوائی اور در پردہ ناجائز طور پر اس رسید کے ذریعہ چندہ وصول کرنے لگا، چند دنوں کے بعد پردہ فاش ہوگیا۔ اور اراکینِ مدرسہ کے پوچھ گچھ کے بعد اس نے بتلایا کہ اس نے کل دوسوتیئس ۲۲۳/ روپے وصول کئے ہیں جس وصولیابی کی یہ رسید شاہد ہے اور میں اس بات پر حلف بھی اٹھا سکتا ہوں۔

لیکن اراکینِ مدرسہ نے اس کی نہ مانی اور کہا کہ تو نے نوسواڑسٹھ روپے وصول کئے ہیں، لیکن اراکینِ مدرسہ کے پاس ۹۶۸/ روپے زید کے سر تھوپنے کی نہ تو کوئی دلیل ہے نہ برہان۔ لہٰذا زید سے دوسوتیئس ۲۲۳/ کے علاوہ جو زائد روپیہ کمیٹی وصول کرے گی وہ دیانۃً اور عند اللہ یقیناً وہ روپے ہوں گے جو زید اپنے گھر سے دے گا۔ چندہ سے ان زائد روپیوں کا قطعاً تعلق نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ دوسوتیئس یا نوسواڑسٹھ روپے جو زید کمیٹی کو دے گا ان روپیوں کا مدرسہ میں صرف کرنا جائز یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کمیٹی کے پاس نوسواڑسٹھ روپے کا ثبوت موجود ہے اور زید حلف کر کے انکار کرتا ہے تو کمیٹی کو اس روپیہ کے وصول کرنے کا حق نہیں۔ اگر وصول کرلیا ہو تو واپسی ضروری ہے(۱)، مدرسہ میں ہرگز خرچ نہ کیا جائے، ہاں! جتنے روپیوں کا ثبوت ہے وہ ضرور اس سے وصول کرلیا جائے اور مدرسہ میں خرچ کیا جائے۔ اگر وہ زکوٰۃ،

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

"لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلاسبب شرعي، وإن أخذه ولو علی ظن أنه ملکه، وجب علیه رده عیناً إن کان قائماً، وإلافیضمن قیمته". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، المقالة الثانیة في بیان قواعد الفقهیة: ۱/۶۲، مکتبه حنفیه کوئٹه)

صدقاتِ واجبہ کا مستحق ہوتو مستحقین پر تملیکاً صرف کیا جائے (۱) اوراس کا انتظام کیا جائے کہ زید پھرایسی حرکت کرکے قوم کودھوکہ نہ دے سکے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،۲۲/۵/۹۰ھ۔

جعلی رسید سے جمع کردہ چندہ کا مصرف

سوال[۷۶۷۹]: ایک شخص نے جعلی رسید لیکر مدرسہ کا چندہ کیا، حالانکہ مدرسہ بھی نہیں ہے، وہ شخص شبہ کی وجہ سے پکڑا گیا اوراس سے مدرسہ کی تصدیق طلب کی گئی جس کی وجہ سے وہ رات ہی میں فرار ہوگیا اور مبلغ ایک سو چالیس روپیہ ورسید چھوڑ کر بھاگا۔ اب اس کا مصرف کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دوسرے کسی دینی مدرسہ میں ایسی رقم کا خرچ کرنا درست ہے(۲)، اگر وہ مدرسہ موجود ہے جس کے نام پر چندہ کیا گیا ہے تو اسی میں دیدیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۸۹ھ۔

---

(۱) "الزكاة: هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولامولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملّک من كل وجه لله تعالى". (البحر الرائق، كتاب الزكوٰة: ۲/۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الزكوٰة: ۲/۲۵۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة: ۱/۱۷۰، رشيديه)

(۲) "حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر، وإذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أورباط أو بئر أو حوض إليه". (الدرالمختار). "في شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيمالو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها: ۲/۴۷۸، رشيديه)

محض دفتری خانہ پُری کر کے سرکار سے امداد لینا، گرانی الاؤنس سے زائد دکھلا کر زیادہ وصول کرنا

سوال[۷۶۸۰]: ایک مدرسہ میں چند مدرسین درسِ نظامی کی تعلیم پر مامور ہیں اوراس کی انہیں تنخواہ ملتی ہے اور ۳۰/ روپیہ ماہانہ گرانی الاؤنس بھی ملتا ہے۔ان اخراجات کی آمدنی کے لئے کوئی مستقل ذریعہ نہیں ہے، بلکہ اہتمام کی طرف سے مختلف ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں، ان ہی میں سے ذریعہ کے طور پر بعض دیگر ادارتی مصلحتوں کی بناء پر سرکار سے الحاق کرلیا گیا ہے، مگر سرکاری نصاب کی تعلیم نہیں ہوتی، صرف دفتری خانہ پُری کے ذریعہ تعلیم دکھلا دی جاتی ہے۔سرکار مختلف ناموں سے امداد دیتی رہتی ہے: لائبریری کے نام سے، کبھی تنخواہوں کے نام سے اور دیگر تعلیمی اخراجات کے نام سے۔اور مہتمم ان رقوم کو ادارتی مصلحتوں میں خرچ کرتا رہتا ہے اور مدرسین کو ان دفتری خانہ پری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب گورنمنٹ نے ۳۰/ روپیہ ماہانہ گرانی الاؤنس دیا ہے۔سوال یہ ہے کہ اس طریقہ سے گورنمنٹ سے رقم لینا اور اپنی حسبِ صوابدید ادارہ پر خرچ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر الحاق کی شرائط موجود نہیں، غلط بیانی کر کے شرائطِ الحاق موجود ہ ظاہر کر کے الحاق کیا گیا ہے اوراس کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا جاتا، صرف دفتری خانہ پری کر کے بتلا دیا جاتا ہے کہ تقاضوں کو پورا کر دیا گیا اوراس طور پر امداد حاصل کی جاتی ہے تو یہ زُور وخداع ہے(۱)، اس کا لینا دانشمندی کے بھی خلاف ہے، پھراس کی تقسیم کا

---

(۱) غلط طریقہ سے کسی کا مال کسی بھی درجے میں کھانا جائز نہیں:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح، فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من غشنا": ۱/۷۰، قديمي)

سوال بے محل ہے۔ کیا مدرسین حضرات ایسی رقم لینے کے لئے آمادہ ہوجائیں گے، امید تو یہ ہے کہ اگر ان کو دی جائے تب بھی وہ قبول نہیں کریں گے، ان کی دیانت اس کی اجازت نہیں دے گی بلکہ اس کو برداشت نہیں کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۰ھ۔

مدرسہ کے کاغذات، مہریں، رسیدیں لیکر چندہ کرنے کا حکم

سوال [۷۶۸۱]: مدرسہ اسلامیہ حنفیہ سعادت گنج بارہ بنکی کے ناظم وصدر صاحب کچھ عرصہ تک بخوبی اپنے فرائض انجام دیتے رہے ہیں، انہوں نے خفیہ پارٹی بنالی اور ایک دن موقع پاکر مدرسہ مذکورہ کا تمام ضروری سامان، کاغذات، رقم، رسیدیں، مہریں وغیرہ اٹھا کر چلے گئے اور پھر کسی طرح کارکنوں سے مصالحت نہ ہوسکی۔ سوالات یہ ہیں کہ:

۱...... مدرسہ مذکورہ کی رقم واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

۲...... مدرسہ کا سامان، مہریں وغیرہ واپس کرنا چاہیے یا نہیں؟

۳...... مدرسہ مذکورہ کی رسیدوں سے وصول کی ہوئی رقم مدرسہ ہی کی ہے یا نہیں؟

۴...... مدرسہ کی رسیدوں سے کچھ چندہ وصول کرکے انہوں نے علیحدگی کے بعد ایک نیا مدرسہ کھولا تھا، ان رسیدوں کی وصول شدہ رقم اپنے مدرسہ میں لگائی۔ کیا وہ رقم اس جدید مدرسہ میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مدرسہ کی رقم ذاتی مصارف میں خرچ کرنا جائز نہیں، اس کی واپسی ضروری ہے(۱)۔

---

(۱) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه. ثم رد بدلها، لايسعه أن يفعل ذلك............ وفي القضاء يكون ضامناً، فيكون ذلك ديناً عليه لصاحب المال". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۹/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها وصرف غلة الأوقاف: ۸۷۹/۵، ۸۸۰، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع: ۴۲۳/۴، رشيديه)

۲......اس سب کی بھی واپسی ضروری ہے۔

۳......وہ رقم بھی مدرسہ کی ہے(۱)۔

۴......سابق مدرسہ کے نام پر اس کی رسیدوں سے چندہ وصول کر کے اپنے قائم کردہ مدرسہ میں صرف کرنا درست نہیں، جبکہ سابق مدرسہ موجود ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۰ھ۔

مدرسہ کی رسید پر زکوٰۃ، فطرہ، قربانی کی کھالیں وصول کرنا

سوال[۷۶۸۲]: مدارسِ عربیہ کے اراکین اور اساتذہ کرام زکوٰۃ، صدقات، قربانی کی کھالیں مدرسہ کی رسید دیگر غریب بچوں کے نام پر وصول کرلیا کرتے ہیں۔ آپ ہمیں صرف یہ بتلادیں کہ سب سے پہلے کس شخص نے کس سن میں کس مدرسہ کی رسید پر زکوۃ یا فطرہ یا قربانی کی کھال وصول کی تھیں؟ یہ طریقہ کس کا ایجاد کردہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ پاک کا ارشاد ہے:﴿واتوا الزکوۃ﴾(۳)، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم فرمایا: ﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾ الآية(٤)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عاملین کو زکوۃ وصول

(۱) (راجع، ص: ۵۹۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً، لايجوز له ذلك: أى الصرف المذكور. قال الخير الرملی: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهی واقعة الفتوى".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعيد)

"وقد علم منه أنه لايجوز لمتولی الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر".

(البحرالرائق، كتاب الوقف: ۲/۳۶۲، رشيديه)

(۳) (سورة البقرة: ۴۳)

(۴) (سورة التوبة: ۱۰۳)

کرنے کے لئے بھیجا، وہ لیکر آئے، پھر اس کو مستحقین پر خرچ فرمایا(۱)۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اپنے عاملین کے ذریعہ زکوۃ وصول کی اور بیت المال میں جمع کر کے مستحقین کو دی (۲)۔

پھر جب بیت المال کا حال بعد کے لوگوں نے صحیح نہیں رکھا تو اربابِ اموال خود زکوۃ ادا کرنے لگے۔ اور دین کی اشاعت کے لئے جب مدراس قائم کئے گئے تو اول اول سلاطین نے ان کے اخراجات برداشت کئے (۳)۔ پھر اربابِ مدارس نے خود انتظام کیا اور زکوۃ، صدقات وصول کر کے طالبِ علم دین پر خرچ کرنے کا انتظام کیا۔ یہ سلسلہ بحمد اللہ بہت مفید ہے اور اسلاف سے منقول ہے، قرآن وسنت سے ماخوذ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعث معاذاً إلى اليمن، فقال: "إنك تأتي قوماً أهل كتاب، فادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله، فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله قد فرض عليهم صدقةً تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم، فإن هم أطاعوا لذلك فإياك و كرائم أموالهم .... اهـ". (مشكوة المصابيح، ص: ١٥٥، كتاب الزكاة، الفصل الاول، قديمي)

"وعن معاذ رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما وجّهه إلى اليمن، أمره أن يأخذ من البقرة من كل ثلثين تبيعاً تبيعةً". (مشكوة المصابيح، كتاب الزكاة، باب ما تجب فيه الزكوة، الفصل الثاني، ص: ١٥٦، ١٥٧، قديمي)

(٢) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما توفي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واستخلف أبوبكر بعده وكفر من كفر من العرب .... فقال أبو بكر: "والله! لأقاتلن من فرّق بين الصلوة والزكاة، فإن الزكاة حق المال. والله! لو منعوني عناقاً كانوا يؤدّونها إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لقاتلتُهم على منعها". (مشكوة المصابيح: ١/١٥٧، كتاب الزكاة، الباب الأول، قديمي)

(٣) "ومن ذلك مسئلة الاستيجار على تلاوة القرآن المجردة .... فإن المفتى به صحة الاستيجار على تعليم القرآن لا على تلاوته .... فقد اتفقت النقول عن أئمتنا الثلاثة: أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالىٰ أن الاستيجار على الطاعات باطل، لكن جاء مَن بعدهم من المجتهدين الذين =

مدرسہ کے چندہ سے دوکانیں بنانا

سوال[۷۲۸۳]: ایک مدرسہ کی تعمیر چندہ کے روپے سے کی گئی ہے، اب مہتمم صاحب کی یہ رائے ہے کہ اس مدرسہ کی چار دکانیں نکال دی جائیں اور اسی کے اوپر اس کے بجائے مدرسہ تعمیر کرالیا جائے تاکہ مدرسہ میں کرایہ کی آمدنی آتی رہے اور یہ سلسلہ چلتا رہے۔ شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

سائل: عبدالحکیم غفرلہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اہل محلّہ اور چندہ دہندگان کو اس پر اعتراض نہ ہو تو یہ درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

اگر مدرسہ بن چکا ہے تو اب اس میں دوکان بنانا جائز نہیں (۲)، اگر ابھی بنا نہیں اور چندہ دینے والے

= هم أهل التخريج والترجيح، فأفتوا بصحته على تعليم القرآن للضرورة، فإنه كان للمعلمين عطايا من بيت المال وانقطعت". (شرح عقود رسم المفتي للعلامة ابن عابدين، مطلب: لا بد من المراجعة إلى المأخذ الأصلي الخ، ص: ۴۷، الرشيد (الوقف)، كراچی)

(۱) "مسجدٌ له مستغلات وأوقافٌ، وأراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً أو جصاً .... قالوا: إن وسع الواقفُ ذلك للقيم وقال: تفعل ماترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ماشاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني: ۲/۴۶۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً: ۳/۲۹۷، رشيديه)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً و مدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً، لايجوز له ذلك". (الدرالمختار). "(قوله: لايجوز له ذلك): أي الصرف المذكور .... قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلايصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

راضی ہیں تو جائز ہے(۱)۔سعید احمد غفرلہ،۲۳/شوال/۶۶ھ۔

صحیح:عبداللطیف مظاہر علوم سہارنپور۔

چندہ کے پیسہ سے تنخواہ دینا

سوال[۷۶۸۴]: ایک مدرس رمضان شریف میں مدرسہ کی جانب سے چندہ وصول کرنے جاتا ہے جس میں وہ زکوٰۃ،فطرہ وغیرہ کے روپے لیکر آتا ہے۔تو گھر پر آجانے کے بعد قبل از تملیک اس پیسہ میں سے مدرس کی تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کے پیسہ سے تنخواہ دینا جائز نہیں(۲)،جب مستحق کے پاس بطورِ ملک پہونچ جائے گا تب زکوٰۃ ادا ہوگی، پھر وہ بغیر کسی دباؤ کے اپنی طرف سے بطیبِ خاطر مدرسہ میں دیدے تو تنخواہ میں دینا درست ہوگا(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۹/۶/۹۵ھ۔

---

(۱) "ویبدأ من غلته بعمارته بلاشرط؛ لأن قصد الواقف صرف الغلة مؤبداً، ولاتبقی دائماً إلابالعمارة .... وإنما تستحق العمارة علیه بقدر مایبقی الموقوف علی الصفة التی وقفه .... فأما الزیادة علی ذلک، فلیست بمستحقة............ فلایجوز صرفه إلی شیٔ آخر إلابرضاه". (البحرالرائق، کتاب الوقف:۵/۳۴۸، رشیدیه)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل﴾ (سورة التوبة : ۶۰)

"الزکوة: هی تملیک جزء مال من فقیر مسلم، غیر هاشمی ولامولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملّک من کل وجه للہ تعالیٰ". (البحرالرائق، کتاب الزکوة :۲/۲۵۸، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الزکاة: ۲/۳۵۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکبریة، کتاب الزکوة، الباب الأول: ۱/۱۷۰، رشیدیه)

(۳) "الحیلة فی الجواز .... أن یتصدق بمقدار زکاته علی فقیر، ثم یأمره بعد ذلک بالصرف إلی =

مدرسین کی پنشن کا علم چندہ دہندگان کو ہونا چاہئے

سوال[۷۶۸۵]: مدرسہ عربیہ کے ضعیف معذور مدرسین کو پنشن دی جاسکتی ہے یانہیں؟ کیا چندہ دینے والوں کواس کا علم ضروری ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرارباب مدرسہ نے قانون بنا کرشائع کردیا اور چندہ دینے والوں کوعلم ہوگیا کہ ہمارے دیئے ہوئے روپیہ سے معذور اور ضعیف العمر مدرسین کو پنشن بھی دی جاتی ہے، انہوں نے اس کومنظور کرلیا، اس پراعتراض نہیں کیا تو پنشن دینا درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۹۷ھ۔

چندہ کاروپیہ جلسہ انعامی میں خرچ کرنا

سوال[۷۶۸۶]: یہاں مدرسہ اسلامیہ کے لئے قصبہ سے سالانہ چندہ کیا جاتا ہے جس میں زیادہ تعداد صدقات واجبہ: زکوٰۃ، چرم قربانی کی ہوتی ہے اور مصارف مدرسہ تنخواہ مدرسین اورخرچ یتیم خانہ دو بڑی

= هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الزكوة، وللفقير ثواب هذه القربة". (البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/ ۴۲۴، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الزكوٰة، باب المصرف: ۲/ ۳۴۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/ ۱۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "مسجدٌ له مستغلاتٌ وأوقافٌ، وأراد المتولي أن يشترى من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً، أوجصاً لفرش المسجد أو حصى، قالوا: إن وسع الواقفُ ذلك للقيم وقال: تفعل ماترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشترى للمسجد ماشاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر، الفصل الثانى منه: ۲/ ۴۶۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً .... اهـ: ۳/ ۲۹۷، رشيديه)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل، كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۹۶) : ۱/ ۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹة)

مدیں ہیں، اس کے علاوہ روزمرہ کے کچھ متفرق خرچ ہوجاتا ہے۔ چندہ دہندگان کے ذہن میں اخراجاتِ مدرسہ کی تفصیل نہیں ہوتی ہے اور نہ ہروقت ان سے ہر ہر خرچ کی اجازت لی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دو تین سال میں جلسہ انعامی بھی ہوتا ہے، جس میں طلباء کو کتابیں انعام میں اور علماء کا خرچ آمد و رفت دیا جاتا ہے۔

آیا یہ خرچ جلسہ بھی مدرسہ کے چندہ کی رقم میں سے کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر بلا اجازت نہیں کیا جاسکتا تو اجازت زکوٰۃ دہندگان سے لی جایا کرے، یا تملیک کرنے والے جو زکوٰۃ کی رقم اپنی ملک میں لے کر مدرسہ میں داخل کردیتا ہے، یا قرض لے کر مدرسہ میں دے دیتا ہے، ان کو صدقات کی رقم اپنا قرض ادا کرنے کیلئے دیدی جاتی ہے۔ امید ہے کہ جواب سے مشرف فرمائیں گے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر چندہ دہندگان نے مصرف کی تعیین کردی ہے تو اسی مصرف پر چندہ صرف کیا جائے گا، اس کے خلاف نہ کیا جائے (۱)۔ اگر مصرف کی تعیین نہیں کی، بلکہ مہتمم کو مصالحِ مدرسہ میں صرف کرنے کا کلی اختیار دیدیا ہے تو پھر ہر مصلحت میں صَرف کرنا درست ہے (۲)۔ جن رقوم میں تملیک واجب ہے ان کو بغیر تملیک کے غیر محل یعنی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں (۳)۔ جب انعامی جلسہ ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ چندہ دہندگان بھی

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذالم تخالف الشرع، وهو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً. وله أن يخص صنفاً من الفقراء ولوكان الوضع فی كلهم قربةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة : ۴/۳۴۳، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ماهو صحيح معتبريعمل به". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(۲) "مسجدٌ له مستغلاتٌ وأوقافٌ، وأراد المتولی أن يشتری من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً، أوجصاً، قالوا: إن وسع الواقفُ ذلک للقيم وقال: تفعل ماتری من مصلحة المسجد، كان له أن يشتری للمسجد ماشاء". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً .... اهـ:۳/۲۹۷، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الثانی منه :۲/۴۶۱، رشيديه)

(۳) "هی تمليک المال من فقير مسلم، غير هاشمی ولامولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملّک من =

کثیر مقدار میں جمع ہوتے ہوں گے، ان کے سامنے مدرسہ کا پورا آمد و صرف کا حساب مدوار پیش کیا جاتا ہوگا، یہ ان کے لئے ذریعۂ علم ہے، پھر ہر شخص سے علیحدہ علیحدہ ہر ہر مد بتلا کر مصرف (یعنی جو رقم زکوٰۃ وصدقات کے علاوہ یکمشت مدرسہ میں آتی ہے، اس کے لئے تفصیل کی ضرورت نہیں اجمالی علم ان مدات کا ان کو ہوتا ہی ہے، وہ کافی ہے) کا دریافت کرنا ضروری نہیں۔

ہاں! اگر قرائن سے معلوم ہوجاوے کہ یہ صاحب اپنا روپیہ فلاں مد میں صرف کرنا پسند نہ کریں گے تو ان کا روپیہ اس مد میں بلا اجازت صرف نہیں کرنا چاہئے (۱)۔

اگر اب تک چندہ دہندگان کے سامنے جملہ مدات کو پیش نہیں کیا گیا تو بہتر یہ ہے کہ ان کو ضرور پیش کردیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہوجائے کہ ہمارا روپیہ کہاں کہاں صرف ہوتا ہے اور جس شخص کو اس طرح چندہ دینے سے گریز ہوتو وہ اس میں خرچ کرنے سے منع کردے۔ جلسہ انعامی بھی مصالح مدرسہ میں سے ہے، رقم واجب التملیک میں مستحقین کو انعام دینا درست ہے اور غیر مستحقین کو بلا تملیک درست نہیں۔ جب رقم واجب التملیک کی تملیک ہوگئی تو اصل دہندہ کی زکوٰۃ وغیرہ ادا ہوگئی (۲)۔ اب اگر کسی مد میں صرف کرنے کے لئے اجازت کی ضرورت ہوتو جو شخص مالک بننے کے بعد از خود مدرسہ میں دے گا اس سے اجازت لی جائے، سابق دہندہ سے اجازت کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، گنگوہی مظاہر علوم سہانپور، ۲۲/۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، صحیح: عبد اللطیف۔

= كل وجه لله تعالى". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۳۵۲/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكوة: ۲۵۶/۲، ۲۵۸، سعيد)

(۱) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلايملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكوٰة: ۲۶۹/۲، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الزكاة، المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة: ۲۸۴/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "الحيلة في الجواز أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الزكوة، وللفقير ثواب هذه القربة". (البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۴۲۴/۲، رشيديه) .... =

چندہ سے خوشحال بچوں کی تعلیم

سوال[۷۶۸۷]: کسی مدرسہ میں باہر کے دو چار بچے داخل کر کے پورے علاقہ سے چندہ جمع کرتے ہیں اور ان غریب بچوں کی آڑ میں خوشحال آدمیوں کے بچے بھی پڑھتے ہیں اور سال بھر میں زیادہ سے زیادہ دو چار روپیہ دیتے ہیں خوشحال بچے والے۔ اور مدرس کی تنخواہ پچاس روپیہ ہے اور ایک دو سفیر بھی رہتے ہیں تو سال بھر ان اشخاص کی تنخواہ اٹھارہ سو روپیہ ہوتی ہے جس میں پچاس ساٹھ طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

نوٹ: چندہ ایک بھیک ہے جس کو خیرات کہتے ہیں، اس سے خوشحال بچوں کی تعلیم ہوتی ہے، ملازمین اس سے تنخواہ حاصل کرتے ہیں۔ یہ کہاں تک جائز ہے؟ خوشحال بچوں کو اس پیسے سے پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اصل یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی اولاد کے لئے دینی تعلیم کا انتظام لازم ہے(۱)، لیکن جب مسلمانوں کو اس کا احساس نہ رہے، یا وہ مجبور ومعذور ہوں تو لامحالہ چندہ سے انتظام کیا جائے گا۔ جو حضرات تعلیم دیتے ہیں وہ اپنے اور متعلقین کے نفقاتِ واجبہ ادا کرنے کے لئے چندہ کے پیسے سے تنخواہ لیں گے اور یہ تنخواہ ان کی درست ہے(۲)، پھر ان کے ذریعہ غریبوں اور مالداروں کے جو بچے تعلیم حاصل کریں گے، وہ بھی درست ہے۔ مگر

= (وكذا في الدرالمختار، كتاب الزكوٰة، باب المصرف: ۳۴۵/۲، سعيد)

(۱) "عن أبي سعيد وابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهم قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه، فإذا بلغ فليزوّجه". (مشكوٰة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح، الفصل الثالث، ص: ۲۷۱، قديمي)

"فليحسن اسمه وأدبه": أى معرفة أدبه الشرعي". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح، (رقم الحديث: ۳۱۳۸)، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح: ۳۰۰/۶، رشيديه)

(۲) "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان". (الدرالمختار). "قال في الهداية: وبعض مشائخنا استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففى الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوى". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب في الاستيجار على الطاعات: ۵۵/۶، سعيد) .... =

مالداروں کے لئے غیرتمندی کے ساتھ خود غور کرنے کی بات ہے، ان کو چاہیے کہ اپنی حیثیت کی موافق زیادہ سے زیادہ مدرسہ میں چندہ دیں، بلکہ اہلِ وسعت ایک دو مدرس کی تنخواہ اپنے پاس سے دے دیں کہ چندہ کی ضرورت نہ رہے اور صرف اس کی دی ہوئی تنخواہ سے مدرس سب بچوں کو تعلیم دے تو یہ اس کی وسعتِ مالی اور عزتِ ایمانی کا تقاضا اور صدقۂ جاریہ ہے۔

تنبیہ: زکوۃ اور صدقۂ فطر کا پیسہ تنخواہ میں دینا درست نہیں (۱)۔ دینی خدمت کے لئے جو چندہ کیا جائے اس کو بھیک سمجھنا اور حقیر سمجھ کر دینا دین کی بڑی ناقدری اور دین سے بے تعلقی کی نشانی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

خیراتی مدرسہ میں مالدار بچوں کی تعلیم

سوال[۷۶۸۸]: جو مدرسے زکوۃ، چرمِ قربانی، فطرہ اور امداد کی رقم سے چلتے ہیں تو ایسے مدارس میں صاحبِ نصاب کے بچے تعلیم پا سکتے ہیں، یا صاحبِ نصاب کو کچھ فیس یا امداد ماہوار کچھ دینا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاحبِ نصاب کے بچے ایسے مدارس میں تعلیم تو پا سکتے ہیں، مگر ان بچوں کو مدرسہ سے سیپارہ، کھانا، کپڑا وغیرہ دوسری چیزیں لینا جائز نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۱، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسده: ۶/۱۱۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "ولو دفعها المعلم لخليفة إن كان بحيث يعمل له لولم يعطه صح، وإلا لا". (الدر المختار).

"(قوله: ولو دفعها المعلم لخليفة) أي: من هو نائب عنه، ونظيره: إذا دفعها المؤجر لمن استأجره أو الشيخ لمن يحضره، (قوله: صحّ)؛ لأنه تمحضّ تبرعاً فإذا نوى به الزكوة صح، (قوله: وإلا لا)؛ لأن المدفوع حينئذٍ بمنزلة العوض". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكوة، أخر باب المصرف: ۱/۴۳۲، دار المعرفة)

(۲) "الزكوة هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملك =

ہائی اسکول میں چندہ دینا

سوال [۷۶۸۹]: میرے علاقہ میں ہندو اور مسلمان دونوں مل کر ایک ہائی اسکول کھول رہے ہیں، جس میں دونوں چندہ دے رہے ہیں، مجھے بھی پانچ سو روپے دینے کو کہتے ہیں۔ تو مجھ کو اس میں کچھ ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جبکہ اپنے بچے بھی اس میں تعلیم حاصل کریں گے تو کچھ تو ثواب ضرور ہوگا، اگر چہ خالص اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا ثواب اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے (۱)، مگر اس کا خیال رہے کہ وہاں بددینی کی تعلیم نہ ہو جس سے عقائد واخلاق تباہ ہو جائیں، ورنہ سخت وبال ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۱۲ھ۔

= من كل وجه لله تعالىٰ". (البحر الرائق: ۳۵۲/۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲۵۶/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۰/۱، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۱) "عن أبي مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا أنفق المسلم نفقةً على أهله وهو يحتسبها، كانت له صدقةً". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب أفضل الصدقة، الفصل الأول: ۱۷۰/۱، قديمي)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿وقد نزل عليكم في الكتب أن إذا سمعتم ايات الله، يكفر بها ويستهزأ بها، فلا تقعدوا معهم﴾ (سورة النساء: ۱۴۰)

جن مجالس سے بددینی پھیلنے، اور عقائد کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو ایسی مجلسوں میں شرکت کی گنجائش نہیں ہے: "وعن الحسن: لاتجالس صاحب هوىٰ فيقذف في قلبك ماتتبعه عليه فتهلك، أو تخالفه فيمرض قلبك".

"وعن أبي قلابة: لاتجالسوا أهل الأهواء ولاتجادلوهم، فإني لاآمن أن يغمسوكم في ضلالتهم ويلبسوا عليكم ماكنتم تعرفون. وعنه أيضاً: أنه كان يقول: إن أهل الأهواء أهل ضلالة ولا أرىٰ مصيرهم إلا إلى النار". (الاعتصام للشاطبي، باب في ذم البدع وسوء منقلب أصحابها، ص: ۶۵، دارالمعرفة بيروت)

چندہ کا مخصوص طریقہ

سوال[۷۶۹۰]: مسجد یا مدرسہ کے چندہ کے لئے مجمع کے ساتھ مع جھنڈے کے لوگوں کے گھروں پر جانا اور چند اشخاص کا باہم آواز ملا کر اشعارِ نعتیہ و ترغیبیہ پڑھنا اور اس طرح نظم خوانی کے ساتھ چندہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس چندہ کی رقم کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

چندہ کا یہ طریقہ سلف صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے، اس سے پرہیز کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۹۶ھ۔

مدرسہ قدیم کی امداد بند کر کے مدرسہ جدید کی امداد کرنا

سوال[۷۶۹۱]: زید ایک مدرسہ اسلامیہ میں- جو بہت قدیم درسگاہ ہے اور اس کے آباواجداد نے قائم کی تھی- امداد برابر کرتا رہتا تھا، مگر اب کسی وجہ سے یہ کہتا ہے کہ اس مدرسہ میں امداد نہ دوں گا، دوسری جگہوں میں دوں گا۔ تو اس قدیم مدرسہ کی امداد بند کردینا کیسا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً مصلياً:

اگر دوسرے مدرسہ کو کوئی شرعی وجہِ ترجیح حاصل ہے تب تو مضائقہ نہیں، ورنہ ترجیح المرجوح لازم آتی ہے، اور "خير العمل ماديم عليه" کے بھی خلاف ہے(۱)۔ اگر دونوں مدرسہ تمام امور میں مساوی ہوں تب بھی قدیم افضل ہے، ونظیرہ: "وإن استوى المسجدانِ فأقدمهما أفضل". طحطاوي على

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يحتجر حصيراً بالليل فيصلي، و يبسطه بالنهار فيجلس عليه، فجعل الناس يثوبون إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فيصلون بصلاته حتى كثروا، فأقبل، فقال: "يا أيها الناس! خذوا من الأعمال ما تطيقون، فإن الله لا يملّ حتى تملّوا، وإن أحب الأعمال إلى الله ما دام وإن قلّ". (صحيح البخاري: ۲/ ۸۷۱، كتاب اللباس باب الجلوس على الحصير ونحوه، قديمي)

(وسنن ابن ماجة: ۲/ ۳۱۲، كتاب الزهد، باب المداومة على العمل، قديمي)

مراقی الفلاح، ص: ۱۵۶ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

دینی مدرسہ میں سرکاری امداد

سوال[۷۶۹۲]: جس گاؤں میں مدرسہ اسلامیہ قائم ہو، مگر گاؤں والے امداد نہیں کرتے، بلکہ لڑکے بھی بڑی مشکل سے اکھٹے ہوتے ہیں تو اگر ڈسٹرکٹ بورڈ سب ڈپٹی یا ڈپٹی انسپکٹر مدرسہ اسلامیہ سے امداد کی درخواست کی جائے اور وہ درخواست امداد منظور ہو جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گاؤں والوں کو مدرسہ اسلامیہ کی ضرور امداد کرنی چاہیے (۲)۔ ڈسٹرکٹ بورڈ سے امداد لینے میں اگر یہ خیال ہو کہ مدرسہ کو سرکار اپنے قبضہ میں کر کے اپنی تعلیم اس میں جاری کرے گی اور دینی تعلیم یا بالکل بند کر دے گی یا مختصر کر کے برائے نام جاری رکھے گی تو سرکار سے امداد نہیں لینی چاہیے۔ اور اگر یہ اطمینان ہو کہ دینی تعلیم بدستور رہے گی اور بھی کسی قسم کا شرعی نقصان نہیں تو درست ہے، اور اس کا کام میں لانا بھی درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۲/۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/ رجب المرجب/ ۵۲ھ۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۲۸۷، باب الإمامة، کتاب الصلوة، قدیمی)

"وقالوا: فی المسجدین یختار أقدمهما، فإن استویا فأقربهما". (النهر الفائق: ۱/ ۲۳۹، کتاب الصلوة، باب الإمامة، مکتبه امدادیه ملتان)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البرّ والتقوی، ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۳) "درأ المفاسد أولی من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدةٌ ومصلحةٌ، قُدّم دفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهیات أشدّ من اعتنائه بالمأمورات". (الأشباه والنظائر، الفصل الأول فی القواعد، القاعدة الخامسة: الضرر یزال: ۱/ ۲۹۰، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی شرح المجلة، (رقم المادة: ۲۰)، المقالة الثانیة فی القواعد: ۱/ ۳۲، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی قواعد الفقه، ص: ۸۱ (رقم القاعدة: ۱۳۳) الصدف پبلشرز کراچی)

پراویڈنٹ فنڈ دینی مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۷۶۹۳]: آج کل دنیوی فیکٹریوں اور کالجوں کے علاوہ بھی بعض مدرسہ دینیہ میں جو حضرات کہ مدرس یا ملازم ہیں ان لوگوں کی تنخواہ سے ہر ماہ کچھ رقم روک لی جاتی ہے (اور یہ روکنا ان کی مرضی سے ہوتا ہے) مثلاً ہر ماہ دس روپیہ روک لیا جاتا ہے۔ تو منجانبِ مدرسہ بھی اتنی ہی رقم ملا کر فنڈ میں جمع کر دیتے ہیں اور اس فنڈ کو پرائیویٹ فنڈ کہا جاتا ہے۔ اب جب اس ملازم یا مدرس کا انتقال ہو جائے، یا بعذرِ معقول وہاں سے منتقل ہونے لگے تو اس کی جمع شدہ رقم کے ساتھ ساتھ وہ رقوم جو بمقدارِ جمع منجانب مدرسہ ملایا گیا ہے تمام ان کے ورثاء یا ان کو دیا جاتا ہے۔

شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں علمائے دین سے سوال ہے کہ اس طرح کچھ رقم تنخواہ سے لے کر اسی مقدار میں منجانبِ مدرسہ ملا کر جمع کر دینا اور بروقت ان کو یا ان کے ورثاء کو دیا جانا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو وہ مزید رقم (جسے منجانب مدرسہ ملایا گیا ہے) کس حکم میں داخل کیا جائے گا؟ کیا مدرس یا ملازم کی تنخواہ میں شمار کریں گے یا کوئی اَور وجہِ جواز نکل سکتی ہے؟ مفصل مدلل جواب مرحمت فرما کر احسانِ عظیم فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مدرس یا ملازم کی رضامندی سے جزءِ تنخواہ جمع کرنا پھر اختتامِ ملازمت پر جمع شدہ مع اضافہ دینا درست ہے(۱)، یہ اضافہ حسنِ خدمات کی وجہ سے انعام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "یعتبر ویراعی کل ما اشترط العاقدانِ فی تعجیل الأجرة وتأجیلها". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۲۶۴، (رقم المادة: ۴۷۳)، کتاب الإجارة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"یشترط فی صحة الإجارة رضی المتعاقدین". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۲۵۴ (رقم المادة: ۴۴۸)، کتاب الإجارة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشیدیه)

الفصل السابع فی صرف المال الحرام ومال الکافر فی المدارس

(مدارس میں مالِ حرام اور مالِ کافر کے صَرف کرنے کا بیان)

مدارس کے لئے ناجائز مال سے چندہ

سوال[۷۲۹۴]: ہندوستان کے طول وعرض میں چھوٹے بڑے دینی مدارس برسہابرس سے بڑی خاموشی کے ساتھ دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، مجھے بیشتر مدارسِ دینیہ کی زیارت کا شرف حاصل ہے اور ہر چھوٹی بڑی درسگاہ کے سفراء سے بھی ہرسال واسطہ پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان درسگاہوں کا قیام اہلِ خیر حضرات پر ہی ہے اور بصورتِ چندہ وصولی رقم جمع کی جاتی ہے، بلاکم وکاست ہر مدرسہ کا دارومدار اسی چندہ کی صورت پر منحصر ہے۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی عوام کمزور وخستہ حال ہے، جیسے کچھ انہیں دینی مدارس کا تعاون کرنا چاہیے، اس کے کرنے سے وہ معذور ہیں۔ جو طبقہ درمیانی پوزیشن رکھتا ہے، زکوۃ وصدقات کی ادائیگی میں وہ قرابتداروں کو اولین حیثیت دیتا ہے، باقی بچا کھچا، ایک ایک، دودو روپیہ کی صورت میں مدارس کا تعاون کرتا ہے۔

اب رہا وہ مالدار طبقہ جو ہر حیثیت سے مضبوط پوزیشن رکھتا ہے، الا ماشاء اللہ کو چھوڑ کر اکثر کی کمائی مشکوک ہے، بلکہ یقینی حد تک ناجائز کہی جاسکتی ہے، کوئی شراب کا (جو آج کل انگریزی نام دے کر اس کی حرمت وقباحت کو کم کرنے یا ختم کرنے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے) بیوپاری ہے، کوئی سودی لین دین کا ایجنٹ ہے، کوئی سٹہ، جوئے کا خوگر ہے، کوئی اسمگلر ہے، کوئی اسمگلنگ میں اپنا جواب نہیں رکھتا، کوئی سینماؤں کا مالک یا ایکٹرس وکلاکار ہے، بلاشبہ اَور بھی بڑے بڑے مرچنٹیں ہیں (۱)۔ بس ایسے ہی لوگ ہمارے سفراء کو چندہ زیادہ دیتے ہیں۔ اور ہر سفیر پہلی ملاقات میں نہ سہی، دوسری تیسری بار تو جان ہی جاتا ہے کہ اس کا فلاں دھندہ ہے، اس کے باوجود بلا روک وٹوک رمضان میں سُفراء ان داتاؤں کی چوکھٹ پر صف بستہ آس لگائے بیٹھے رہتے ہیں (۲)۔

---

(۱) ''مرچنٹ: بیوپاری، تاجر، بڑا سوداگر''۔ (انگلش ٹو انگلش اینڈ اردو ڈکشنری، ص: ۵۵۲، فیروز سنز، لاھور)

(۲) ''آس لگانا: اُمید لگانا، خواہش، آرزو، بھروسہ، سہارا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸، فیروز سنز، لاھور)

اب سوال یہ ہے کہ کیا معلوم ہوتے ہوئے بھی ایسے حضرات کا پیسہ لینا جائز ہے؟ اگر درست ہے تو یہ شکل بھی درست ہونی چاہیے کہ بعض ایکٹرس وکلا کارشو دکھلا کر اور سرکس کا مالک ایک شو کی آمدنی بطورِ عطیہ کہہ کر دے دیتے ہیں؟ چونکہ بعض سفرائے کرام کی جواز کی دلیل یہ ہے کہ صاحب کیا کیا جائے جب کہ اس کے سوا بقائے نسل کی سبیل دکھائی نہیں دیتی، ہاں بعض غیر مسلم حضرات سے بھی چندہ لیا جاتا ہے۔ کیا یہ صورت درست ہے؟

ایم اے شیخ جی، شیر جی روڈ کو پر گاؤں احمد نگر (ایم ایس)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

گردشِ روزگار کا حال آج کل ایسا ہو رہا ہے کہ نہ مال کمانے والوں میں عموماً یہ فکر ہے کہ حلال راستہ سے کمائیں، نہ چندہ وصول کرنے والے اربابِ مدارس میں قناعت وتوکل ہے کہ مالِ حرام سے بچ کر قلیل حلال پر گزارہ کرلیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینی تعلیم کے زیادہ اچھے اثرات مرتب نہیں ہوتے (۱)۔ چندہ لینے والے کہیں کچھ حیلۂ تملیک وغیرہ کرلیتے ہیں، کہیں تحقیق سے چشم پوشی کرتے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لینے سے صاف انکار کردیتے ہیں، مگر یہ بہت کم ہے۔

وہ خود کچھ ایسی پریشانی میں مبتلا ہیں کہ قلیل پر قناعت کرنے والے نہ ان کو مدرس وملازم ملتے ہیں، نہ طلبہ ملتے ہیں، نہ وہ مدرسین وملازمین طلبہ کی قلیل مقدار پر کفایت کرتے ہیں، کیوں کہ ایسی صورت میں ان کو چندہ ہی ملنا مشکل ہوجائے گا اور جو حیثیت مدرسہ کی قائم کر رکھی ہے وہ باقی نہیں رہے گی۔ تاہم موجودہ صورت میں بھی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله طيبٌ لا يقبل إلّا طيّباً، وإنّ الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: ﴿يأيُّهَا الرُّسُل كلوا من الطيبات واعملوا صالحاً﴾ وقال تعالىٰ: ﴿يا أيّها الّذين اٰمنوا كلوا من طيّبات مارزقنكم﴾. ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعثُ اغبرّ يمدّ يديه إلى السمآء يارتّ يارتّ! ومطعمه حرامٌ ومشربه حرامٌ وملبسه حرامٌ وغُذِي بالحرام، فأنّى يُستجاب لذلك". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قديمي)

"وعنه أيضاً: قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يأتي على الناس زمانٌ لايبالي المرء ما أخذ منه، أمِنَ الحلالِ أم من الحرام". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

علومِ دینیہ کی حفاظت بڑی حد تک ہورہی ہے اور ان میں ہی سے کچھ اچھے بھی نکل آتے ہیں۔ اس کے باوجود اس صورتِ حال سے بہت گھٹن اور کڑھن ہے۔ فإلی اللّٰہ المشتکی۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۵ھ۔

شراب کی آمدنی سے زمین خرید کر مدرسہ میں وقف کرنا

سوال[۷۶۹۵]: شراب کی تجارت کی آمدنی سے خریدی ہوئی زمین کسی مدرسہ میں یا کسی مسجد میں وقف کی جاسکتی ہے یا نہیں (☆)؟

مالِ حرام سے دینی خدمت

سوال[۷۶۹۶]: بعض لوگوں کی کمائی سینما یا سٹہ یا جوا یا شراب کی ہوتی ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم دینی مدرسہ یا مسجد میں دیں تو کیا طریقہ اختیار کریں۔ بعض اہلِ یہ کہتے ہیں کہ کسی شخص سے روپیہ بطورِ قرض لے کر دینی مدرسہ یا تعمیرِ مسجد میں دے دیں اور اپنی اس کمائی کی رقم سے اس قرض کو ادا کریں تو کیا یہ طریقہ جائز ہے؟ اس طریقہ سے وہ رقم دینی مدرسہ یا مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں؟ سارے جواب حدیث وفقہ کی روشنی میں دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کے پاس ناجائز کمائی کا روپیہ ہے وہ اگر کسی سے جائز روپیہ قرض لے کر مدرسہ یا مسجد کے لئے دیں تو یہ درست ہے۔ ناجائز دیں تو مدرسہ یا مسجد کی تعمیر کے واسطے نہ لیا جائے۔

"ولا بأس بنقشه علی محرابه بجصٍ وماء ذهب لو بماله الحلال، اه". درمختار۔ "قال: تاج الشریعة: أما لوا أنفق فی ذلك مالاً خبیثاً أو مالاً سببه الخبیث والطیب، فیکره؛ لأن اللّٰه تعالیٰ لایقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بمالا یقبله، اه. شرنبلالیة". شامی: ۱/۴۲۲(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۱ھ۔

(☆)(اس کا جواب مع تخریج باب الحظر والاباحۃ، باب المال الحرام میں موجود ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں)

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، مطلب: کلمة "لابأس" دلیل، اھ: ۱/۶۵۸، سعید)

سنیما کی آمدنی مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۷۶۹۷]: مسجد یا مدرسہ میں سنیما کی آمدنی خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص سنیما ہاؤس، مسجد یا مدرسہ کو ہبہ کرنا چاہے تو اس کو کرایہ پر دینا یا فروخت کر کے اس کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لگانا درست ہوگا یا نہیں؟ اور حرام اور سود سے کمائی ہوئی رقم پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سنیما یا کوئی بھی ناجائز آمدنی کا مسجد یا مدرسہ میں خرچ کرنا درست نہیں، ایسی آمدنی کا تصدق ضروری ہے(۱)۔ غریب مسکین طلبہ ہی اس کے مَصرف ہیں، تنخواہ وتعمیر وغیرہ میں خرچ نہ کریں۔ اگر سنیما ہاؤس جو کہ جائز آمدنی سے بنایا گیا تھا اس کو مسجد یا مدرسہ میں دے تو اس کو خالی کرا کے جائز محل میں صَرف کیا جائے (کرایہ پر دیا جائے، یا فروخت کیا جائے)۔ جس رقم (حرام کی ملک) پر مِلک ثابت نہیں اس پر زکوۃ نہیں (۲)، بلکہ اس کو واپس کرنا یا صدقہ کرنا ضروری ہے، کسی کام میں لانا بھی درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وفي المنتقى: امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمر اكتسبت مالاً، ردّته على أربابه إن علموا، وإلا يتصدق به". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: الاستيجار على المعاصي: ۵۵/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۶۹/۸، رشيديه)

(۲) "هذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه، وإلا فلا زكاة، كما لو كان الكل خبيثاً، كما في النهر". (الدرالمختار). "في القنية: لو كان الخبيث نصاباً، لا يلزمه الزكوة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲۹۱/۲، سعيد)

(۳) "سئلت فيمن يملك نصاباً من حرام: هل تجب عليه فيه الزكوة؟ الجواب: لا تجب عليه فيه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجمعيه على الفقراء لا بنية الثواب". (الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الزكوة، ص: ۱۵، حقانيه پشاور)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الزكوة: ۴۱۴/۱، إمداديه ملتان)

مدرسہ کے کرایہ داروں کا پیشہ باجہ بنانا ہے تو اس آمدنی سے اخراجاتِ مدرسہ

سوال[۷۶۹۸]: مدرسہ کی جائیداد کے کرایہ دار اکثر ایسے ہیں جن کا کام باجہ بنانے یا بنوانے، یا باجہ فروخت کرنے کا ہے، دو یا تین کرایہ دار ایسے بھی ہیں جن کی تجارت دوسری ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں جائیداد کا جو کرایہ آتا ہے اس سے مدرسہ کے اخراجات، تنخواہِ مدرسین وتعمیرات وغیرہ میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو جواز کی کیا شکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باجہ بنانا، فروخت کرنا مکروہ ہے، اس کی آمدنی حرام کے درجہ میں نہیں، مکروہ کے درجہ میں ہے، مجموعی کرایہ کی آمدنی کو ضروریاتِ مدرسہ میں صَرف کر سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۲/۲۵ھ۔

فلم ایکٹر کی آمدنی مسجد ومدرسہ میں

سوال[۷۶۹۹]: ۱...... فلمی ایکٹر جو کہ صوم وصلوۃ کا پابند ہے، بخوشی کارِ خیر میں چندہ دیتا ہے۔ مسجد اور مدرسہ کے لئے اس سے چندہ لینا کیسا ہے؟

ایضاً

سوال[۷۷۰۰]: ۲...... ایسے شخص کے پاس اراکینِ مدرسہ کو چندہ کے لئے جانا چاہیے یا نہیں؟

---

(۱) امداد الفتاویٰ میں ہے: "الجواب عن الأربعة: في العالمكيرية ويجوز بيع البربط والطبل والمزمار والدف والنرد وأشباه ذلك في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وعنده لايجوز بيع هذه الأشياء قبل الكسر (أي إذا باعها ممن يستعملها أو يبيعها هذا المشتري ممن يستعملها كما فيها عن السير الكبير) فلا يجوز الانتفاع به كذا في المحيط". (۶۸/۴)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ان اشیاء کی خرید وفروخت امام صاحب کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز، پس خرید وفروخت نہ کرنا احتیاط ہے اور خرید وفروخت کرنے کی بھی گنجائش رکھتا ہے"۔ (إمداد الفتاویٰ، للشيخ أشرف علي التهانوي رحمه الله تعالیٰ، كتاب الحظر والإباحة، غنا ومزامیر اور لہو ولعب وتصاویر کے احکام، بچوں کے کھیل کھلونے فروخت کرنے کا حکم: ۲۵۶/۴، دار العلوم)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... ناجائز آمدنی کا پیسہ نہ مسجد کے لئے قبول کیا جائے اور نہ مدرسہ کے لئے، اس کا غرباء پر صدقہ کرنا ضروری ہے، جو غریب بالغ لڑکے یا غریب آدمی کے نابالغ لڑکے مدرسہ میں پڑھتے ہیں، وہ اس کا مصرف ہیں (۱)۔

۲...... بالکل نہ جائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۸۸ھ۔

مدرسہ چلانے کے لئے سینما اور عُرس

سوال [۷۷۰۱]: اردو اسکول کی مالی حالت کمزور ہے، اس لئے خیرات کے نام پر سینما کا شو چلانا اور قوالی کرانا اور اس سے جو آمدنی ہو اس کو اردو اسکول یا مدرسہ میں لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ چلانے کے لئے سینما یا اس قسم کی کوئی چیز کرنا اور اس سے رقم حاصل کرنا جائز نہیں، ہرگز ہرگز

---

(۱) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله لايقبل إلا الطيّب". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلبٌ: كلمة "لابأس" دليلٌ على أن المستحب غيره: ۱/ ٦۵۸، سعيد)

"امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمرٍ اكتسبت مالاً، ردته على أربابه إن علموا، وإلا تتصدق به".

(ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: الاستيجار على المعاصي: ٦/ ۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/ ۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية: ۸/ ۳٦۹، رشيديه)

(۲) "آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه، وغالب ماله حرام، لايقبل ولايأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلالٌ ورثه أو استقرضه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: ۵/ ۳۴۳، رشيديه)

ایسا نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

مزار کا پیسہ مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال [۷۷۰۲]: خراسان سے آنے والے جناب سید ابوالقاسم خراسانی نقشبندی طریقہ کے ایک ولیٔ کامل تھے، پچھتر سال سے ان کے مزارِ مبارک کی لوگ زیارت کرتے ہیں۔ ان کے صاحبزادہ اور صاحبزادی اور نواسے وغیرہ اسی مزار کی خدمت، جھاڑو دینا وغیرہ خاندانی طور پر پچھتر سال سے کرتے آرہے ہیں۔ زائرین حضرات پیسہ بھی عطیہ دیتے ہیں، فی الحال مذکور سید صاحب مرحوم کے نواسے بحیثیت خدّام مزار مذکور کا پیسہ مزار کے کام میں خرچ کرتے ہیں اور پیسہ فاضل رہنے سے اپنے کھانے پینے میں صَرف کرتے ہیں۔ فی الحال ایک گروہ مذکور مزار کے پیسہ کو مدرسہ کے کام میں خرچ کرنا چاہتا ہے اور اس کا مدعی بھی ہے یعنی مدرسہ میں بھی خرچ کرنا پڑے گا، حتی کہ زبردستی سے روپیہ پیسہ کو لینے کے لئے کوشاں ہے، جس سے مسلمانوں میں ایک بھاری پریشانی کا باعث بنا ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ خراسانی سید صاحب مرحوم کے عطیہ کا زبردستی دوسرے کاموں میں صَرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور خراسانی سید صاحب مرحوم کے نواسے کا مزار کی خدمت کرکے اپنا وقت صَرف کرنے کی وجہ سے مذکورہ عطیہ کا پیسہ اگر فاضل رہ جائے تو اپنے کھانے پینے میں صَرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟ ازروئے

---

(۱) "وفي المنتقى: امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمرٍ اكتسبت مالاً، ردّته على أربابه إن علموا، وإلا تصدق به. وإن من غير شرط فهو لها. قال الإمام الأستاذ: لا يطيب، والمعروف كالمشروط. قلت: وهذا مما يتعين الأخذ به في زماننا لعلمهم أنهم لا يذهبون إلا بأجر ألبتّة". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: الاستيجار على المعاصي: ۶/ ۵۵، سعيد)

"لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرّد". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/ ۳۶۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/ ۳۴۹، رشيديه)

شرع اس کا کیا حکم ہے؟ دلائل اور معتبر کتب کے حوالہ سے جواب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زائرین جو پیسہ خادمِ مزار کو بسلسلۂ خدمت وتعلقِ صاحبِ مزار دیتے ہیں وہ خدامِ مزار کا ہے، اس کو جبراً مدرسہ کے واسطے لینے کا کسی کو حق نہیں، حدیث پاک میں ہے:"لا یحل مال امرئ مسلم إلّا بطیب نفس منه. اھ"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۹۲ھ۔

کبڈی کا مقابلہ شرط کے ساتھ اور اس کا انعام مدرسہ میں

سوال[۷۷۰۳]: اس شہر میں کبڈی کھیلنے کا بہت شوق ہے، ہر محلّہ میں کبڈی کی ٹیمیں ہیں، جو آپس میں مقابلہ کرتی ہیں، جس میں ہر ٹیم فیس ادا کرتی ہے اور پھر وہ روپیہ کسی دینی مدرسہ میں دے دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کبڈی کے کھیل میں ہار جیت بھی ہوتی ہے۔ تو اس قسم کی رقم مدرسہ میں خرچ کرنا درست ہے، کبڈی میں لوگ ستر کھول کر کھیلتے ہیں تو کیا از روئے شریعت درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہار جیت کی رقم کا معاملہ اگر دونوں طرف سے ہو تو ناجائز ہے، ایسی رقم کی واپسی ضروری ہے، جس سے لی ہے اسی کو واپس کردیں، کسی مدرسہ وغیرہ میں نہ دیں۔ اگر ہار جیت کی رقم کا معاملہ ایک طرف سے، مثلاً اس طرح کہ اگر فلاں ٹیم جیت گئی تو دوسری ٹیم اس کو اتنی رقم دے گی، اگر ہار گئی تو کچھ نہیں، یا کوئی تیسرا شخص انعام کا وعدہ کرے کہ جو ٹیم جیت جائے گی اس کو انعام دیا جائے گا، یہ جائز ہے، ایسی رقم مدرسہ کو دی جائے تو وہاں صرف کرنا بھی جائز ہے، یہ حکم تو رقم کا ہے۔

کبڈی اگر ورزش اور جہاد کی مشق کے لئے ہو، اس میں ستر نہ کھلے، نیز اس کی وجہ سے نماز میں تاخیر نہ

---

(۱) (السنن الکبری للبیهقی: ۳۸۷/۴، (رقم الحدیث: ۵۴۹۲)، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(ومشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

"لیس لأحدٍ أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعی". (شرح المجلة لسلیم رستم، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانیة فی القواعد: ۶۲/۱، مکتبه حنفیه کوئٹه)

ہو، اور بھی کوئی چیز خلافِ شرع نہ ہوتو درست ہے، ورنہ جیسی جیسی چیز اس میں خلافِ شرع ہوگی، اسی کی نسبت سے ممانعت ہوگی:

"حل الجعل إن شرط المَال من جانب واحد، وحرم لو شرط من الجانبين، إلّا إذا أدخلا ثالثاً بينهما". درمختار: ۲۵۸/۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۴ھ۔

---

(۱) العبارة بتمامها: "ولا بأس بالمسابقة في الرمي والفرس والإبل، وعلى الأقدام؛ لأنه من أسباب الجهاد، فكان مندوباً .... حل الجعل إن شرط المال من جانب واحد، وحرم لوشرط من الجانبين؛ لأنه يصير قماراً، إلا إذا أدخلا ثالثاً بينهما". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۲/۶، ۴۰۳، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۲۱۶/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في السابقه: ۳۲/۶، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس في المسابقة: ۳۲۴/۵، رشيديه)

"و حرم شرط الجعل من الجانبين، لا من أحد الجانبين ...... و هو قمار، فلا يجوز". (تبيين الحقائق: ۴۶۶/۷، مسائل شتى، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإن شرط فيها جعل من إحدى الجانبين أو من ثالث لأسبقهما، جاز، ومن كلا الجانبين يحرم، إلا أن يكون بينهما محلل". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲۱۶/۴، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، غفاريه كوئٹه)

"ومنها أن يكون الخطر فيه من أحد الجانبين، إلا إذا وجد فيه محللاً، حتى لو كان الخطر من الجانبين جميعاً ولم يدخلا فيه محللاً، لا يجوز؛ لأنه في معنى القمار .... و لو قال أحدهما لصاحبه: إن سبقتني فلك عليّ كذا، وإن سبقتُك فلا شيء عليك، فهو جائز؛ لأن الخطر إذا كان من أحد الجانبين، لا يحتمل القمار". (بدائع الصنائع: ۳۴۹/۸، ۳۵۰، كتاب السباق، دارالكتب العلمية بيروت)

"كل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة: ملاعبته أهله و تأديبه لفرسه و مناضلته بقوسه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۳۹۵/۶، سعيد) .... =

ہندواور پیشہ ورعورت کا مال مدرسہ میں لگانا

سوال[۷۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسائل ذیل کے بارے میں؟

۱...... پاکستان کے باشندے اہل ہنود اپنی حلال کمائی سے بطیبِ خاطر بلا جبر واکراہ مقامی ایک اسلامی مدرسہ میں جس میں علاوہ دینیات کے بنگلہ، انگریزی وحساب وغیرہ کی تعلیم بھی ہوتی ہے، کچھ امداد کرنا چاہتے ہیں۔ واضح رہے کہ مدرسے میں مختلف قسم کے کام بھی ہورہے ہیں جیسے بیت الخلاء کا پختہ کرنا، تالاب کے گھاٹ ودرسگاہ اوراس کے صحن وغیرہ پختہ کرنا، گھروں کا بندوبست کرنا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ اہلِ ہنود کی امداد کو مدرسہ کے ان کاموں میں لگانا درست ہے یانہیں؟

۲...... مدرسہ میں غرباء کی تحویل بھی ہے جس میں سے غریب طلباء کی کپڑے وکتابیں ودیگر ضروریات میں امداد کی جاتی ہے۔ کیااس میں بھی شرعاً اہل ہنود سے امداد لینا جائز ہوگا یانہیں؟

۳...... ایک مسجد بھی ہے اسی مدرسہ کی، آیا تعمیری کاموں میں ان اہل ہنود کی امداد لینا درست ہے یانہیں؟

۴...... ایک کتب خانہ بھی ہے جس کی کتابیں طلبہ کو پڑھنے کے واسطے دی جاتی ہیں، مثلاً کتبِ حدیث وکتبِ تفسیر اور دیگر فنون کی کتابیں، ان اہل ہنود کی امداد سے خریدنا جائز ہے یانہیں؟

۵...... پیشہ کار یعنی بازاری عورت کا مال حلال ہے یانہیں؟ اگر حرام ہے تو اس کے حلال کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا بالدلائل مع حوالہ کتب۔

عبدالصمد، ۷/ جمادی الاولی/ ۶۹ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب وہ ثواب سمجھ کر بلا جبر واکراہ اپنی رغبت سے دیں اورکوئی مفسدہ بھی نہ ہو، لینا شرعاً درست ہے، فقہاء نے وصایائے ذمی کے متعلق ایسا ہی لکھا ہے، خاص کر جب کہ مدرسہ ومسجد کے مہتمم ومتولی کو دے دے

= "قال القاسم بن محمد: كل ما ألهى عن ذكر الله و عن الصلوة، فهو من الميسر". (تفسير ابن كثير: ۹۱/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(و كذا فی فتح القدير: ۶۵/۱۰، مسائل متفرقة، مصطفىٰ البابی الحلبی مصر)

تو اس کو ان تمام مواقع میں صرف کرنا شرعاً درست ہے۔

۲......اس کا جواب بھی مثل جوب نمبر:۱، کے ہے۔

۳......اس کا بھی یہی حکم ہے۔

۴......یہ بھی اس کی نظیر ہے:

"اعلم أن وصايا الذمی ثلثة أقسام: الأول جائز بالاتفاق، وهو: ما إذا أوصىٰ بما هو قربةٌ عندنا وعنده، كما إذا أوصى بأن يسرج فی بيت المقدس .... سواء كان لقوم معينين، أولا. والثانی باطل بالاتفاق، وهو: ماإذا أوصى بما ليس قربة عندنا وعندهم، كما إذا أوصى للمغنيات والنائحات، أو بما هو قربة عندنا فقط كالحج وبناء المسجد للمسلمين، إلا أن يكون لقوم بأعيانهم، فيصح تمليكاً.

والثالث مختلف فيه، وهو: ما إذا أوصى بما هو قربة عندهم كبناء الكنيسة لغير معيّنين، فيجوز عنده لاعندهما، وإن لمعيّنين، جاز إجماعاً. وحاصله أن وصيته لمعيّنين يجوز فی الكل على أنه تمليك له. وماذكره من الجُنة من إسراج المساجد ونحوه على الطريقة المشهورة بالالتزام، فيفعلون به ماشاء وا؛ لأنه ملكهم، والوصية إنما صحت باعتبار التمليك. زيلعی ملخصاً". شامی: ٥/٤٤٥(١)۔

۵......جو مال بازاری عورت کو حرام کاری کے عوض میں ملا ہے، وہ حلال نہیں، اس کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں، اس کے ذمہ واجب ہے کہ واپس کردے۔ اگر معطی مرگیا تو اس کے ورثہ کو دے دے، اگر ورثہ بھی موجود نہ ہو تو صدقہ کردے اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ اس کے وبال سے مجھ کو بچالے اور اس صدقہ سے ثواب کی نیت نہ کرے:

"وفی المنتقی: امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمرٍ اكتسبت مالاً، ردّت على أربابه إن

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل فی وصايا الذمی وغيره: ٦/٦٩٢، سعيد)

(وكذا فی الهداية، كتاب الوصايا، باب وصية الذمی: ٤/٦٨٥، إمداديه ملتان)

(وكذا فی مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، باب وصية الذمی: ٤/٤٥١، مكتبه غفاريه كوئٹه)

علم، وإلا تتصدق به. وإن من غير شرط، فهو لها. قال الإمام الأستاذ: لايطيب، والمعروف كالمشروط. قلت: وهذا مما يتعين الأخذ به في زماننا؛ لعلمهم أنهم لا يذهبون إلا بأجر ألبتة، اهـ". شامی: ٥/٣٤(١)۔

"مات رجل ويعلم الوارث أن أباه كان يكسب من حيث لايحل، ولكن لا يعلم الطالبَ بعينه ليردّ عليه، حل له الإرث، والأفضل أن يتورع ويتصدق بنية خصماء أبيه، اهـ. وكذا لايحل إذا علم عين الغصب مثلاً، وإن لم يعلم مالكه؛ لِمَا في البزازية: أخذ مورثه رشوةً أو ظلماً إن علم ذلك بعينه، لايحل له أخذه حكماً، أما في الديانة فيتصدق به بنية إرضاء الخصماء، اهـ". شامی: ٤/١٣٠(٢)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ١٨/ جمادی الأولی/ ٦٩ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد۔

طوائف کے بنائے ہوئے مکان کو مدرسہ کے لئے کرایہ پر لینا

سوال [٧٧٠٥]: ایک طوائف نے اپنی کسی حرام آمدنی سے ایک مکان تعمیر کیا، آیا اس مکان کو بغرضِ مدرسہ اسلامیہ کہ جس میں قرآن شریف وحدیث وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے، کرایہ پر لینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز مکان مذکورہ میں نماز جماعۃً اور منفرداً ادا کرنا کیسا ہے؟ بینوا بالكتاب توجروا يوم الحساب۔

المستفتی: محمد شعیب، بقلم خود، ١٧/ ذی الحجہ/ ٥٥ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ امر ظاہر ہے کہ زنا کی اجرت حرام ہے، رنڈی اس کی مالک نہیں ہوتی، اصل مالک کو اور اس کی عدم

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستيجار على المعاصي: ٦/٥٥، سعيد)

(٢) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ٥/٩٩، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ٨/٣٦٩، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ٥/٣٤٩، رشيديه)

موجودگی کے وقت اس کے ورثہ کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو، یا علم نہ ہو تو تصدق بہ نیتِ گلو خلاصی واجب ہے۔ اگر رنڈی کے پاس حلال مال بھی تھا اور حرام بھی اور ان دونوں کے مجموعہ سے مکان کو تعمیر کیا ہے تو حرام کو حلال کے ساتھ خلط کر دینے سے ملک متحقق ہوگئی (اگرچہ حرام کا ضمان بطریقِ مذکور واجب ہے):

"وفي الفصل العاشر من التاتر خانية عن فتاوىٰ الحجة: من ملك أموالاً غير طيبةٍ، أو غصب أموالاً وخلطها، ملكها بالخلط، ويصير ضامناً". ردالمحتار: ٣٤/٢(١)۔

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب ردّه عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه .... لو اختلط بحيث لايتميز، يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لايحل له التصرف فيه مالم يؤدّ بدله". ردالمحتار: ١٨١/٤(٢)۔

لہٰذا اس مکان کو کرایہ پر لینا اور اس میں دینی تعلیم دینا اور نماز پڑھنا منفرداً و جماعۃً درست ہے۔

اگر رنڈی کے پاس حلال مال بالکل نہ تھا، بلکہ محض حرام مال سے زمین خریدی اور مکان تعمیر کرایا تھا تو اس میں تفصیل ہے: وہ یہ کہ اگر قیمت پہلے دے دی اور حرام مال سے دی ہے اور پھر اس کے عوض میں زمین خریدی ہے تب تو اس کا کرایہ لینا ناجائز ہے اور اگر قیمت پہلے تو نہیں دی، لیکن اس حرام مال کو متعین کر کے مخصوص طور پر اس کے عوض میں زمین خریدی ہے اور وہی متعین کردہ حرام مال قیمت میں دے دیا تب بھی اس کا کرایہ پر لینا ناجائز ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں اس میں نماز پڑھنا بھی صلوۃ فی الأرض المغصوبة کے حکم میں ہے۔

اور اگر زمین خریدی ہے، حرام کو متعین کر کے اور قیمت ادا کر دی غیر حرام سے، یا زمین خریدی بلا تعیینِ حرام وحلال اور قیمت ادا کی حرام سے تو ان تینوں صورتوں میں اس کا کرایہ پر لینا اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے:

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب زكاة الغنم، مطلب فيما لو صادر السلطان جائراً، فنوى بذلك أداء الزكوة إليه: ٢٩١/٢، سعيد)

(٢) (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ٩٩/٥، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ٣٦٩/٨، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ٣٤٩/٥، رشيديه)

"توضیح المسئلة مافی التاتر خانیة حیث قال: رجلٌ اکتسب مالاً من حرام، ثم اشتری، فهذا علی خمسة أوجه: إن دفع تلك الدراهم إلی البائع أولاً، ثم اشتری منه بها، أو اشتریٰ قبل الدفع بها ودفعها، أو اشتری قبل الدفع بها ودفع غیرها، أو اشتریٰ مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشتری بدارهم أخَرَ ودفع تلك الدراهم، قال أبو نصر: یطیب له، ولا یجب علیه أن یتصدق إلا فی الوجه الأول، وإلیه ذهب الفقیه أبو اللیث، لکن هذا خلاف ظاهر الراویة، فإنه نص فی الجامع الصغیر: إذا غصب ألفاً فاشتری بها جاریةً وباعها بألفین، تصدق بالربح۔

قال الکرخی فی الوجه الأول والثانی: لایطیب، وفی الثلثة الأخیرة: یطیب. وقال أبوبکر: لایطیب فی الکل، لکن الفتویٰ الاٰن علی قول الکرخی دفعاً للحرج عن الناس، اھ. وفی الولوالجیة: وقال بعضهم: لایطیب فی الوجوه کلها، وهو المختار، ولکن الفتویٰ الیوم علی قول الکرخی دفعاً للحرج، لکثرة الحرام، اھ". ردالمحتار: ٤/٣٠٤(١)۔

تاہم ایسے مکان کوکرایہ پرلینے سے خصوصاً تعلیمِ دین کے لئے اوراس میں نماز پڑھنے سے احتیاط اور اجتناب بہرحال انسب وافضل ہے، ترجیحاً للمختار ولاسیما فی زماننا دفعاً لطعن العوام(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی، معین المفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۲۱/۱۲/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف عفااللہ عنہ، مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۲۷/ ذی الحجہ/۵۴ھ۔

---

(١) (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب المتفرقات، فصل: إذا اکتسب حراماً ثم اشتری، فهو علی خمسة أوجه: ۵/۲۳۵، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الغصب: ۳/۳۷۳، ۳۷۴، شرکت علمیہ ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الغصب: ٨/٢٠٦، رشیدیه)

(٢) "اتقوا مواضع التهم". ذکره فی الإحیاء، قال العراقی فی تخریج أحادیثه: لم أجد له أصلاً، لکنه بمعنی قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه: "من سلک مسالک الظنّ اتُّهِمَ". ورواه الخرائطی فی مکارم الأخلاق مرفوعاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التُّهَم فلا یلومنّ مَن أساء الظنّ به". وری الخطیب فی المتفق والمتفرق عن سعید بن المسیب قال: وضع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه ثمانی عشرة کلمةً =

مدارسِ اسلامیہ کے لئے عیسائیوں سے امداد لینا

سوال[۷۷۰۶]: ہمارے یہاں ایک دینی مدرسہ ہے جس کی نہ کوئی ذاتی عمارت ہے اور نہ ہی حکومت سے کوئی امداد ملتی ہے، مدرسہ کے ذمہ داروں کے سامنے اس وقت مسائل درپیش ہیں۔ امید ہے کہ جناب والا شرعی حیثیت سے اس کا جواب مرحمت فرمائیں گے۔

مدرسہ کی بدحالی کو دیکھ کر بعض غیر ملکی عیسائیوں نے تمام اخراجات برداشت کرنے کا ذمہ لیا، اور ایک مدت سے وقفہ وقفہ سے کچھ رقم برابر ادا کرتے رہے ہیں، جس سے مدرسہ کی عمارت، اساتذہ کی تنخواہ اور طلباء کی کفالت وغیرہ کا کام لیا جاتا ہے۔ کیا فقہی نقطۂ نظر سے عیسائیوں کی اس رقم کو ایک دینی واسلامی مدرسہ کے لئے خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی بھی غیر مذہب کا آدمی اہلِ اسلام کے دینی کام کے لئے کارِ ثواب سمجھ کر روپیہ دے تو فی نفسہ اس کا لینا اور وہاں صَرف کرنا شرعاً درست ہے، جب کہ اس میں کوئی مفسدہ نہ ہو(۱)۔ عیسائی لوگ جو رقم دینِ اسلام کے مدرسہ کے لئے دیتے رہتے ہیں اس سے ان کی بھی کچھ غرض ہوتی ہے، وہ اہلِ اسلام کو زیرِ احسان رکھتے ہیں، اپنے اخلاق کا اثر ڈالتے ہیں، بچوں کے اخراجات دے کر ان کو اپنے سے قریب کرتے ہیں، اپنے اسکولوں میں ان کو داخل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، اپنے نظریات کو دماغوں میں اتارتے ہیں، اپنے بچوں کو دینی مدرسہ میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی کتابیں وہاں پڑھانے کے لئے کہتے ہیں، اپنا مدرس وہاں رکھنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔

یہ سب کام بہت آہستہ آہستہ غیر محسوس طریقہ پر کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دینی تعلیم وتربیت کم ہو کر

= .... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلا يلومنّ مَن أسآء به الظنّ". (كشف الخفاء، الهمزة مع التاء المثناة، (رقم الحديث: ٨٨): ١/٤٥، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(١) "اعلم أن وصايا الذمي ثلثة أقسام: الأول جائز بالاتفاق، وهو: ما إذا أوصى بما هو قربةٌ عندنا وعنده، كما إذا أوصى بأن يُسرج في بيت المقدس .... سواء كان لقوم معينين أولا". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ٦/٦٩٦، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ٤/٦٨٥، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ٤/٤٥١، مكتبه غفاريه كوئٹه)

عیسائی تعلیم وتربیت اس کی جگہ فروغ پاتی ہے، پھر وہ اول مخلوط مدرسہ یا اسکول بنتا ہے، پھر کالج بن جاتا ہے، اسی قسم کی خرابیوں کی وجہ سے ہمارے اکابر نے انگریز سے امداد قبول نہیں کی، اَور بھی مفسدہ ہے۔

ناواقف لوگوں نے امداد قبول کی، ان کے مدرسہ کا بگڑتا ہوا حال ہم نے خود دیکھا، جہاں پہلے حدیث شریف کی تعلیم ہوتی تھی اس امداد کی نحوست سے اب دینی تعلیم کچھ نہیں رہی، اس کی جگہ انگریزی اور دوسری تعلیم نے لے لی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۲/۱۳ھ۔

غیر مسلم کی امداد دینی مدرسہ میں

سوال [۷۷۰۷]: ایک کافر، دین کے مدرسہ میں کچھ کپڑے اناج یا روپیہ کی امداد کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ امداد غریب طلبہ ومسکینوں پر خرچ کردی جائے۔ اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ثواب سمجھ کر دیتا ہے اور غالب خیال یہ ہے کہ اہلِ مدرسہ طلبہ وغیرہ یا دیگر اہل اسلام پر اپنے احسان کا اظہار نہیں کرے گا، نہ کسی اَور مضرت کا اندیشہ ہے تو لینا جائز ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/ رمضان/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "مصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم .... مصالحنا كسدّ الثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء". (الدرالمختار). "وكذا النفقة على المساجد كما في زكاة الخانية، فيدخل فيه الصرف على إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان ونحوهما". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، فصل في الجزية، مطلب في مصارف بيت المال: ۲۱۷/۴، سعيد)

"واعلم أن وصايا الذمي ثلثة أقسام: الأول جائز بالاتفاق، وهو ماإذا أوصى بماهو قربةٌ عندنا وعنده، كما إذا أوصى بأن يُسرَج في بيت المقدس .... سواء كان لقوم معينين أولا". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ۶۹۶/۶، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۶۸۵/۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۴۵۱/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

باب المتفرقات

کیا دستار بندی ضروری ہے؟

سوال[۷۷۰۸]: ادارۂ شریعت کے اندر مولوی اور مولانا اور عہدۂ قضاء، مسندِ افتاء پر مفتی باضابطہ ادارۂ تعلیماتِ اسلامیہ سے ہونا ضروری ہے، یا خود ساختہ بن سکتا ہے۔ مروج دستار بندیٔ فضیلت ان امورِ شرعیہ میں ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

اہلیت وصلاحیت ضروری ہے، مروجہ دستار بندی ضروری نہیں، نااہل کو عہدہ سپرد کرنا اس منصب کو ذلیل وبرباد کرنا ہے جو کہ بروئے حدیث شریف قیامت کی علامت ہے(۱)۔ جو شخص خود عہدہ کا طالب وساعی

---

(۱) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''بعض مدرس کی رسم ہے کہ جب طالب علم نے کتابیں پڑھ لیں خواہ اس کی استعداد ہو یا نہ ہو، اس کو فضیلت کی سند دے دیتے ہیں، اور دستار بندی کر دیتے ہیں (لیکن) غور کرنا چاہیے کہ دستار بندی کی رسم واقع میں اساتذہ ومشائخ کی طرف سے عوام کے روبرو اس امر کا اظہار اور شہادت ہے کہ یہ شخص ہمارے نزدیک اس قابل ہے کہ دین میں اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اس سے مسائل پوچھ کر عمل کیا جائے، خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص آج سے مقتدائے دین ہے۔ جب اس کی حقیقت یہ ہے تو جو شرائط شہادت کے ہیں وہ اس میں بھی ہونا واجب ہے اور شہادت کی بڑی شرط یہ ہے کہ شاہد کو اس امر کا پورا علم اور یقین ہو جس کی شہادت دے رہا ہے کہ وہ صحیح ہے تاکہ اس کو جھوٹ کا گناہ اور دوسروں کو دھوکہ دینے کا گناہ نہ ہو اور کسی کو اس سے ضرر نہ پہنچے۔ اسی طرح یہاں بھی اس شخص کی نسبت پوری تحقیق ہونی چاہیے کہ (یہ شخص جس کو سند دی جارہی ہے) مقتدائی الدین بننے کے قابل ہے یا نہیں، اگر علمائے حاضرین کو اس پر پورا اطمینان ہو اور اس کی علمی وعملی حالت قابل قناعت ہو تو دستار بندی بہت خوب (اچھی) رسم ہے کہ اس میں ناواقفوں کے روبرو اظہار ہو جاتا ہے بشرطیکہ تکلفات زائد جس میں کہ ریا واسراف لازم نہ کئے جائیں۔ اور بدون اہلیت کے ہرگز ہرگز دستار بندی نہ کی جائے، نہ سند دی جائے کہ بجز اضلال خلق (مخلوق کو گمراہ کرنے کے) اس کا دور کیا ثمر ہے''۔ (تحفۃ العلماء، سند اور دستار بندی کی شرعی وفقہی حقیقت: ۱/۴۱۴، ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان) .... =

ہو وہ مستحقِ عہدہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۲۶ھ۔

جو شخص علمائے حق کو برا کہے اس کو معلّم بنانا

سوال [۷۷۰۹]: زید لوگوں کو بھی ورغلاتا ہے، جس سے مسلمانوں کے درمیان فساد ہو چکا ہے اور اس کی طرف سے اب بھی فساد ہونے کا اندیشہ ہے، زید اس سے پہلے اسی جامع مسجد کا امام بھی رہا ہے، مدرسہ دار العلوم کے متعلقین کو اپنی تقریروں میں وہابی اور کافر کہتا ہے، بڑا جوش واشتعال پھیلا چکا ہے، جس کی وجہ سے مسجد سے علیحدہ کیا گیا تھا۔ صرف مدرسہ میں برائے تعلیم بعض لوگوں کی گٹ (ضد) پر اس کو اپنے لوگوں نے مدرسہ میں رکھ لیا ہے جس کی وجہ سے اس کو موقع ورغلانے کا ملتا رہتا ہے۔ نیز بعض لوگ بھی عمداً اس کو یہ موقع دیتے رہتے ہیں جس سے ہر وقت فساد کا خطرہ رہتا ہے۔ ایسے اشخاص کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور زید مُفسد کا کیا حکم ہے؟ ایسے آدمی سے تعلیم دلانا، اس کے پیچھے اقتدا کرنا، یا امام بنانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

ابن سیرینؒ کی حدیث ابوداؤد شریف میں ہے کہ "یہ علم دین ہے، دیکھ لو، غور کرلو! کس سے اپنا دین

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينما النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مجلس يحدّث القوم، جاء ه أعرابيٌّ فقال: متى الساعة؟ فمضى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يحدّث. فقال: بعض القوم: سمع ما قال، فكره ما قال. وقال بعضهم: لم يسمع، حتى إذا قضى حديثه، قال: "أين". أراه السائل عن الساعة. قال: ها أنا يا رسول الله! قال: "إذا ضيّعت الأمانة فانتظر الساعة". فقال: كيف إضاعتها؟ قال: "إذا وُسّد الأمر إلىٰ غير أهله، فانتظر الساعة". (صحيح البخاري: ۱/۱۴، كتاب العلم، باب من سئل علماً و هو مشتغل في حديثه، قديمي)

(۱) "عن أبي موسى رضي الله تعالىٰ عنه قال: دخلت على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنا و رجلان من بني عمّي، فقال: أحدهما: يا رسول الله! أمّرنا علىٰ بعض ما ولّاک الله، و قال الآخر: مثل ذلک. فقال: "إنا والله! لا نولّي علىٰ هذا العمل أحداً سأله، ولا أحداً حرص عليه". (مشكوة المصابيح: ۲/۳۲۰، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول، قديمي)

حاصل کرتے ہو''(۱)، جیسا علمِ دین کی تعلیم دینے والا ہوگا ویسا ہی پڑھنے والوں پر اثر پڑے گا، کیونکہ بچے اپنے استاذ کے اثر کو قبول کرتے اور اس کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں، لہذا غلط آدمی جو جماعت کا تارک ہو، جمعہ کا تارک ہو، علمائے حق کو بُرا کہتا ہو، وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو استاذ اور معلم بنا کر بچوں کو ان کے سپرد کردیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۲۷ھ۔

مہتمم کا اساتذہ وطلباء کے خطوط بلا اجازت پڑھنا

سوال[۱۰۱۷۷]: اگر کوئی مہتمم مدرسہ، اساتذہ وطلباء کے آمدہ خطوط پڑھتا ہے بغیر اجازت اور کہتا ہے کہ یہ انتظام مدرسہ کے لئے ضروری ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مہتمم اور ذمہ دار کو انتظام برقرار رکھنے کے لئے اس کی ضرورت ہے تو بطورِ ضابطہ وقانون اس کو شائع کردے، خواہ فارم داخلہ میں درج کردے تاکہ سب اس پر مطلع ہوجائیں، جس کا دل چاہے اس کو تسلیم کرکے داخلہ لے، نہ دل چاہے داخلہ نہ لے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۹/۱۲ھ۔

---

(۱) لم أجده في أبي داؤد وقد رواه مسلم في مقدمة صحيحه فقال: "عن هشام عن محمد بن سيرين قال: "إن هذا العلم دينٌ، فانظروا عن من تأخذون دينكم". (والصحيح لمسلم: ۱/۱۱ باب بيان أن الإسناد من الدين، قديمي)

"قال: "إن هذا العلم دين": اللامُ للعهد، وهوما جاء به النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لتعليم الخلق من الكتاب والسنة وهما أصول الدين. "فانظروا عمن تأخذون دينكم" المراد الأخذ من العدول والثقات. "وعن" متعلقُ "تأخذون" على تضمين معنى تَرْوُون". (مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، الفصل الثالث: ۱/۵۲۸، رشيديه)

(۲) مصالحِ مدرسہ کے لئے ایسے قوانین جو خلافِ شرع نہ ہو وضع کرنا جائز ہے، لہذا ایسے قوانین کی پابندی کا وعدہ جب طلباء واساتذہ سے لیا جائے تو حسبِ وعدہ ان کے لئے اس وعدہ کو پورا کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا:

قال الله تبارك و تعالىٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ (سورة الإسراء: ۳۴) =

کامیاب ہونے پر طلبہ سے انعام وصول کرنا

سوال[۷۷۱۱]: اکثر مدرسین جب بچے اسکول میں پاس ہوجاتے ہیں تو بچوں سے انعام وصول کرتے ہیں اور کبھی کبھی پہلے ہی وصول کر لیتے ہیں، اس انعام کا لینا کسی صورت سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

اگر طلبہ بطورِ خوشی کے بطورِ شکرانہ کے انعام دیں تو لینا درست ہے، انعام ہوتا ہی وہ ہے جو خوش ہوکر دیا جائے، مدرس کا حق نہیں، زبردستی کرنا درست نہیں (۱)۔ اگر کوئی انعام نہ دے تو اس پر طعن وغیرہ کرنا اور آئندہ اس کو حقیر سمجھنا، ذلیل کرنا، اس کے ساتھ محنت میں کمی کرنا ہرگز جائز نہیں: "لا یحل مال امریٔ مسلم إلا بطیب نفس منه". الحدیث (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

مہتمم اگر زکوٰۃ صحیح مصرف میں خرچ نہ کرے تو کیا ملازم اپنے طور پر صرف کرسکتا ہے؟

سوال[۷۷۱۲]: زید اور بکر دونوں دیوبند کے فارغ ہیں، زید ایک عربی مدرسہ کا ناظم ہے، اس مدرسہ میں بظاہر صدر مہتمم ممبران سب کچھ ہیں، لیکن مدرسہ کا سارا کام لوگوں نے زید کے سپرد کردیا ہے اور وہی سیاہ وسفید کا مالک ہے۔ مدرسہ میں زکوٰۃ، صدقات، امداد، نیز مسجد کے نام پر بھی مدرسہ کی مسجد میں رقم آتی ہے۔ زید ان تمام رقومات کو مدرسہ کے صدر اور مہتمم اور بعض ممبران کے پاس رقم دیتا ہے۔ یہ سب لوگ تاجر ہیں، مدرسہ

= "عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه قال: قلما خطبنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إلا قال: "لا إیمان لمن لا أمانة له، ولا دین لمن لا عهد له". رواه البیهقی". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الإیمان، الفصل الثانی، ص: ۱۵، قدیمی)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۲) (السنن الکبری للبیهقی: ۳۸۷/۴، (رقم الحدیث: ۵۴۹۲)، دار الکتب العلمیة بیروت)

(ومشکوٰة المصابیح: ۲۵۵/۱، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، قدیمی)

"لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعیّ". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۶۲/۱، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانیة فی القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

کی رقم کو تجارت میں لگا دیتے ہیں، ضرورت کے مطابق زید ان لوگوں سے رقم لے کر مدرسہ میں صرف کرتا ہے، زید اس بات کا بالکل خیال نہیں رکھتا ہے اور نہ ہی حساب رکھتا ہے کہ مسجد کی رقم مسجد میں استعمال ہو، زکوٰۃ کی رقم مدِ زکوٰۃ میں استعمال ہو، بلکہ جس میں جتنی رقم درکار ہوئی لیکر صرف کر دیا، اور شعبان میں فرضی روئیداد چھاپ کر لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتا ہے۔

بکر عرصہ تین سال سے مدرسہ کے صدر مہتمم، ناظم، ممبران سے کوشش کرتا ہے کہ کسی صورت سے مدرسہ کی آمدنی جائز طور پر استعمال ہو، لیکن اس کی کوشش بے کار جاتی ہے، بکر نے عاجز آ کر یہ کہہ دیا کہ میرے ذریعہ سے جو آمدنی مدرسہ کو ہوگی اس کو میں خود خرچ کروں گا، کسی کو نہیں دوں گا، بکر کے ذمہ مدرسہ میں مطبخ کا کام سپرد ہے۔ چنانچہ اس سال بکر نے تقریباً چار ہزار روپے وصول کئے اور اپنی مرضی سے خرچ کر رہا ہے، اب بھی اس بات کی کوشش کر رہا ہے کہ حساب وکتاب درست ہو جائے۔

زید نے حساب وکتاب یہاں تک گڑبڑ کر رکھا ہے کہ رسیدات تک کا حساب نہیں کہ کتنی چھپ کر آئیں اور کتنی ختم ہوئیں اور کتنی باقی ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ بکر کا یہ فعل شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

بکر ملازم ہے جتنا اختیار اس کو دیا گیا ہے اس سے زائد تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا (۱)، خواہ کتنا ہی نیک نیت ہو، بکر کی طرح اگر ہر ملازم اس طرح کرنے لگے تو کسی کو کیسے روکا جائے گا، اور ہر شخص پر کیسے اعتماد کیا جائے گا، اس لئے بکر کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، البتہ زید کی روش میں اصلاح کی ضرورت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۱۵ھ۔

---

(۱) "وقفٌ له متولٍ ومشرفٌ، لا يكون للمشرف أن يتصرف في مال الوقف؛ لأن ذلك مفوّض إلى المتولي، والمشرف مأمور بالحفظ والأمانة لا غير". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۹۷/۳، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أوخاناً، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۴۵۸/۴، كتاب الوقف، مطلب: ليس للمشرف التصرف، سعيد)

(۲) "عن طارق بن شهاب .... سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من رأى منكم =

فاضل وقت میں عالم سے مدرسہ کا کوئی دوسرا کام لینا

سوال[۷۷۱۳]: خطۂ گجرات میں جب کسی عالم کی ضرورت ہوتی ہے کچھ شرائط لگا کر طلب کرتے ہیں، دو یا پانچ سال بعد حیلہ کر کے اسے نکالنا چاہتے ہیں، حالانکہ شرائط قبول کرنے کے بعد تاوقت............ کے لئے آتا ہے، مگر اس پر طرح طرح کا کام ڈال دیتے ہیں، مثلاً: فتویٰ دینے کے لئے اگر کسی کو رکھا ہے تو اگر اتفاق سے کبھی نہیں آیا تو مدرسہ کی دوسری ذمہ داری ڈال دیتے ہیں۔ تو اگر وہ عالم انکار کردے تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

جو معاملہ صاف صاف طے کیا جائے اس کی پابندی کے باوجود ملازم کو علاحدہ کرنے کے لئے حیلہ بہانا کرنا اور اس پر زیادہ بار ڈالنا جائز نہیں۔ اور جب کہ اس سے ایک سال کا معاہدہ ہے تو بلا وجہ اس کو الگ بھی نہیں کرنا چاہئے (۱)، اس سے ملازم بھی بددل ہوتا ہے اور آئندہ کو کام کا آدمی بھی سہولت سے نہیں ملتا، ادارہ بھی بدنام ہوتا ہے، ادارہ میں ہمیشہ نئے نئے آدمی آنے سے خیر و برکت بھی نہیں ہوتی، ملازمین کو ادارہ کے ساتھ محبت اور ہمدردی کا تعلق بھی پیدا نہیں ہوتا۔

جس کو فتویٰ کے لئے ملازم رکھا جائے اور اس کے پاس فتوے کا کام کم ہو، وقتِ فاضل بچتا ہو اور مدرسہ کو ضرورت ہو تو اسباق پڑھانے سے انکار نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اصل مقصد خدمتِ دین ہے، خواہ تدریس کی شکل میں ہو یا فتوے کی شکل میں، میل ملازم کی طرح علماء کو کام نہیں کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۱ھ۔

= منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان" (الصحيح لمسلم: ۱/۱ ۵، كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قلما خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلا قال: "لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له". رواه البيهقي". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الثاني، ص: ۱۵، قديمي)

"واستفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة".

(ردالمحتار: ۴/۳۷۲، كتاب الوقف، مطلب: لايصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة، سعيد) =

مدرسہ کے وقت میں چائے وغیرہ

سوال[۷۷۱۴]: مدرسہ کے اوقات میں چائے وغیرہ بنانا اور ناشتہ پانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

سبق پڑھا کر طلبہ کا پورا حق ادا کر دینے کے بعد اگر وقت مل جائے تو گنجائش ہے کہ اتفاقیہ کبھی چائے بنالی جائے یا ناشتہ کرلیا جائے (۱)، طلبہ کو سبق نہ پڑھا کر ان کا پورا حق ادا نہ کر کے وقت بچانا اور اس میں اپنا کام کرنا (چائے ناشتہ وغیرہ) جائز نہیں (۲)، یہ خیانت ہے۔ مدارس کا معاملہ بہت سخت ہے، ان میں قوم کا پیسہ آتا ہے، اگر وہ برمحل خرچ نہ ہو تو سب کے حقوق ذمہ میں باقی رہتے ہیں، سب سے معاف کرانا بھی دشوار ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۹۴، كتاب الوقف، رشيديه)

(۱) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه في الرساتيق أسبوعاً أو نحوه أو لمصيبة أو لاستراحة، لابأس به، ومثله عفوٌ في العادة والشرع". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق: ۵/۳۸۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر ۱/۲۷۳، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: العادة محكمة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۴/۴۱۹، كتاب الوقف، مطلب فيما إذا قبض المعلوم وغاب قبل تمام السنة، سعيد)

(۲) "وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل، نقص من أجرته بقدر ما عمل". (الدر المختار: ۶/۷۰، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳/۳۰۸، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مكتبه إمداديه ملتان)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۳۷، (رقم المادة: ۴۲۲)، كتاب الإجارة، الباب الأول، مكتبه حنفيه كوئٹه)

مدرسہ میں جعلی رجسٹر کی کاروائی

سوال[۷۷۱۵]: (الف) بہار میں اکثر مدارس بہار اگزامینیشن بورڈ سے ملحق ہیں، مدرسین کو مدرسہ کے علاوہ بورڈ بھی کچھ رقم دیتا ہے، لیکن اگر گرانی کے باعث منجانب مدرسہ تنخواہ میں اضافہ ہوتا ہے تو معلوم ہوجانے کی صورت میں بورڈ اضافہ شدہ رقم کے مطابق تنخواہ کم کردیتا ہے، اب مدرسین حضرات اس کٹوتی کے ڈر سے کم ہی تنخواہ کابل بورڈ کو پیش کرتے ہیں، تاکہ تنخواہ میں کٹوتی نہ ہو، حالانکہ تنخواہ زیادہ ہوتی ہے۔

(ب) ملحق مدرسہ کی کل کاروائی حکومت کے سامنے بوقت طلبی پیش کی جاتی ہے، جس میں اصل میٹنگ کی بات نہیں دی جاتی ہے، بلکہ جوعوامی فیصلہ ہوتا ہے وہ پرائیویٹ رجسٹر میں درج ہوکر الگ رہتا ہے اور مدرسہ کے مفاد کے پیشِ نظر حکومت کو فرضی میٹنگ اور کاروائی حقیقت کی شکل میں بنا کر پیش کی جاتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) جتنی تنخواہ کا اظہار کیا جاتا ہے وہ بطورِ حصر کے نہیں ہے، اس کو اصل تنخواہ قرار دے لیا جائے اور جو اضافہ ہے، اس کو خدمتِ زائدہ، مثلاً: طلبہ کی نگرانی، مسجد کی امامت وغیرہ کا معاوضہ تجویز کرلیا جائے تو بات صحیح رہے گی (۱)۔

(ب) جو کاروائی میٹنگ میں ہوئی وہ پیش کی جاتی ہے تو وہ کذب نہیں، اگر چہ مدرسہ میں اس پر عمل نہ ہوا ہو، وہاں تو بتایا جاتا ہے کہ میٹنگ نے یہ پاس کیا اور یہ صحیح ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۹۳ھ۔

(۱، ۲) واضح رہے کہ اصل تنخواہ سے کم بتا کر زیادہ وصول کرنا درحقیقت دھوکہ ہے، اس لئے کہ حکومت کی طرف سے تنخواہ پڑھانے کی ملتی ہے، نگرانی وغیرہ کی نہیں، تاہم اس طرح حیلہ بنا کر جواز کی حد تک تو گنجائش ہے، لیکن درحقیقت یہ دھوکہ ہی ہے جس کا ترک کرنا اَولیٰ وافضل ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من غشّنا فليس منا". (الصحيح لمسلم: ۱/۷۰، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: من غشنا، قديمي)

مدرسہ کے پڑوسی کی دیوار میں نزاع

سوال[۷۷۱۶]: ایک اسلامی مدرسہ کی تعمیر ہورہی ہے، اس وقت ذمہ دارانِ مدرسہ نے برابر کے مکان والے سے کہا کہ تم اپنی کچی دیوار کو پختہ بنالو، کیونکہ ہم کو اس طرف غسل خانہ وغیرہ بنانے ہیں، ایسا نہ ہو کہ دیوار وغیرہ کو نقصان پہنچ جائے۔ اس نے جواب دیا کہ میں دیوار کو تو پختہ نہیں بناتا، مگر دیوار کی جگہ آپ کو دے سکتا ہوں آپ اس کو پختہ بنالیں، مدرسہ کے ذمہ دار اس پر راضی ہوگئے، مگر انہوں نے کہا اس دیوار سے تم کو فائدہ ہوگا، کیوں کہ اس طرف تمہارا مکان ہے، اس دیوار کی نصف اینٹوں کا خرچہ تم کو دینا ہوگا، مگر صاحبِ مکان نے انکار کردیا۔

پھر ذمہ دارانِ مدرسہ نے کہا کہ اچھا مزدوری میں جو پچاس روپیہ خرچ ہوگا، اس کا نصف ۲۵/ روپیہ تو آپ کو ضرور دینا ہوگا، اس پر صاحب مکان راضی ہوگیا۔ پھر مکان کی جگہ میں دیوار فریقین کے اتفاق سے تیار ہوگئی، مزدوری کا نصف نصف روپیہ بھی لینا دینا ہوگیا، اور معاملہ صاف ہوگیا۔

تعمیر کے وقت دیوار میں صاحبِ مکان کی جانب انگیٹھی الماریاں بھی فریقین کی رضامندی اور موجودگی میں تیار کرادی گئی۔ اس کے بعد فریقین میں کسی بات پر تنازع ہوگیا، اور ایک دوسری کی مخالفت شروع ہوگئی۔ چونکہ مدرسہ کے اراکین میں بھی تبدیلی ہوگئی، یہ بھی تنازع کا سبب بن گیا۔ اب مدرسہ کے ذمہ دار کہتے ہیں کہ دیوار مدرسہ کی ہے، آپ کا اس میں کوئی حق نہیں، لیکن صاحبِ مکان نے دیوار میں سابقہ معاملہ اور معاہدہ کی بنا پر اپنا حق سمجھتے ہوئے دیوار سے متصل اپنا کوٹھا بنالیا ہے اور اس کے اوپر اپنے مکان کے لینٹر کی اینٹیں رکھ دیں اور الماری وانگیٹھی سے فائدہ اٹھانا شروع کردیا، تقریباً چار سال سے تنازعہ ہورہا ہے، جس وقت سے کہ مدرسہ کا عملہ بدلا ہے۔

دریافت کرنا یہ ہے کہ آیا صاحبِ مکان کے لئے مدرسہ کی دیوار پر لینٹر کی اینٹیں رکھنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس کے تصفیہ کی شرعی صورت کیا ہوگی؟ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اگر کوٹھے کو گرادیا جائے یا ہٹادیا جائے تو اس میں صاحبِ مکان کا بے حد نقصان ہے، تصفیہ کی شرعی شکل سے مطلع فرمائیں تاکہ فریقین کے لئے باعثِ اطمینان ہو اور عمل درآمد ہوسکے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مکان والے نے دیوار کے لئے مدرسہ کو جگہ دیدی تو وہ جگہ مدرسہ کی ہوگئی (۱)، پھر اہلِ مدرسہ کا اس سے اینٹوں کی قیمت یا مزدوری کا مطالبہ کرنا غلط تھا (۲)، کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دیوار کو مشترک قرار دینا چاہتے تھے جو ہمیشہ کے لئے نزاع کی جڑ ہے۔ اب بہتر صورت یہ ہے کہ جس قدر مزدوری اس سے لی تھی یعنی (پچیس) روپیہ وہ اس کو واپس کردیں اور اپنی دیوار بنا کر، یا پائے اٹھا کر لینٹر اس پر رکھ دے، تاکہ مدرسہ اگر وہاں سے اپنی دیوار کسی وقت ہٹانا چاہے تو اس کے لینٹر اور تعمیر کو نقصان نہ پہونچے اور مدرسہ کی دیوار پر اس کا کوئی حق وتصرف نہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

پانی کے نل کی درستگی کے لئے دوسروں سے پیسہ لینا

سوال [۷۷۱۷]: ہمارے یہاں اسکول میں ایک نل ہے، اس کا پانی پینے کے لئے عالم صاحب نے اپنے ہاتھ سے نل کھولا، بعد اس کے ٹھیک نہیں کرسکا اور مستری لاکر اس کو ٹھیک کیا اور مستری کو پیسہ دینے کے لئے

---

(۱) "فإذا تم ولزم، لا یملک و لا یملک و لا یعار و لا یرهن". (الدرالمختار). "أی لا یکون مملوکاً لصاحبه ...... و لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه".

(ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعید)

(وکذا فی الهدایة: ۲/۶۴۰، کتاب الوقف، شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۳۵۰، کتاب الوقف، الباب الأول، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۵۵، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، قدیمی)

"لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعی، وإن أخذه و لو علی ظن أنه ملکه، وجب علیه رده". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانیة فی القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

ہر طالب علم سے دس پیسہ زبردستی لیا۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس نے نل خراب کیا، درست کرانا بھی اسی کے ذمہ ہے(۱)، دوسروں سے جبراً پیسہ لینا درست نہیں (۲)۔ ہاں! اگر دوسرے لوگ اس کو درست کرانے کی اجرت خوشی سے دے دیں تو دوسری بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۹ھ۔

مدرسۃ البنات کا قیام ودیگر سوالات

سوال[۸۷۷۱]: ۱...... کیا سلف نے دینی مدرسہ عورتوں اور بچوں کے متعلق قائم کیا ہے؟

۲...... اس دَور میں جب کہ طلباء وطالبات اسکولوں وکالجوں میں داخل ہوئے دینی مدارس کا قیام درست ہے؟

۳...... ایسے مدرسہ میں بغیر محرم کے قیام شرعاً کیسا ہے؟

۴...... اس وقت کوئی مدرسہ ایسا قائم کریں جہاں بچیاں قیام کرکے تعلیم حاصل کرسکیں، نیز دین کی حفاظت لڑکیوں میں کس طرح ممکن ہے؟

---

(۱) "إذا اجتمع المباشر والمتسبب، يضاف الحكم إلى المباشر". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۵۹، (رقم المادة: ۹۰)، المقالة الثانية فی القواعد، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی قواعد الفقه، ص: ۵۶، الصدف پبلشرز)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانی، قديمی)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه ولو علی ظن أنه ملكه، وجب عليه ردّه". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية فی القواعد، مكتبه حنفيه كوئٹه)

۵......لڑکیوں کا وعظ کرنا بذریعۂ لاؤڈ اسپیکر کیسا ہے؟

۶......عورتوں کی اصلاح کا بہترین طریقہ اس زمانہ میں کون سا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......سلف صالحین میں بچوں کو دینی تعلیم دینے کا عام رواج تھا کہ ماں باپ یا دیگر اعزہ خود تعلیم دیا کرتے تھے، ان کے لئے مستقل مدارس یا ادارے نہیں تھے۔

۲......غلط تعلیم اور اس کے اثرات سے بچوں کو روکنے اور محفوظ رکھنے کے لئے اب بھی یہی صورت اختیار کی جائے کہ جب تک سیانی نہ ہوں، ان کی تعلیم کے لئے مستقل ادارہ بھی کھولا جا سکتا ہے جس میں ان کی تعلیم بھی ہو اور تربیت بھی ہو، غیر دینی تعلیم ہر حال میں مضر ہے (۱)۔

---

(۱) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ "کفایت المفتی" میں بنات کی تعلیم سے متعلق رقمطراز ہیں کہ: "باپ کے اوپر اولاد کی تربیت کی ذمہ داریاں جو غذا، لباس اور تادیب وتعلیم سے تعلق رکھتی ہیں چند درجات پر منقسم ہیں: فرائض وواجبات شرعیہ کی تعلیم فرض ہے اور حسن اخلاق ومعاشرہ اور روزگار اور پیشہ وہنر وغیرہ کی تعلیم شرعی وطبعی درجات کے مطابق مستحب ومباح ہے"۔

اس سے چند سطر پہلے تحریر فرماتے ہیں کہ: "اجمالاً یہ کہ لڑکیوں کے اسکول صرف لڑکیوں کے لئے مخصوص ہونے چاہئیں اور ان کے لئے اسکولوں میں جمع ہونے اور آمد ورفت کے ایسے طریقے اختیار کئے جائیں کہ فتنہ کا احتمال باقی نہ رہے، نیک کردار، پاکدامن عورتوں کو تعلیم وتربیت کی خدمت کے لئے مقرر کیا جائے۔ اگر معلمات نہ مل سکیں تو مجبوراً نیک اور صالح قابلِ اعتماد مردوں کو معین کیا جائے اور ان کی کڑی نگرانی کی جائے۔ قریب البلوغ لڑکیاں عورتوں کے حکم میں ہیں، جس طرح بالغ عورت کی آواز پردہ ہے تو اسی طرح ان کی آواز بھی پردہ ہے"۔

نیز فرماتے ہیں کہ: "سن بلوغ کی عمر کم سے کم نو سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال ہے یعنی نو سال کی لڑکی کا بالغ اور مکلف ہو جانا ممکن ہے......لڑکیوں کے لئے سترِ عورت کا حکم یہ ہے کہ ستر واجب ہو جاتا ہے اور دس سال کی لڑکی کے لئے ستر کی حد مثل بالغہ عورت کے ہے، درمختار میں ہے: "ثم کبالغ" صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: "أي عورته تكون بعد العشرة كعورة البالغين".

اور صاحب ردالمحتار نے درجہ مشتہاۃ کو اس طرح بیان کیا ہے:

"واختلفوا في حد المشتهاة، وصحح الزيلعي أنه لااعتبار بالسن عن السبع على ماقيل أو التسع، وإنما المعتبر أن تصلح للجماع بأن تكون عبلةً ضخمةً، والعبلة المرأةُ التامة الخلق". (كفايت=

۳......چھوٹی اور ناسمجھ بچیاں بغیر محرم کے بھی پڑھنے کے لئے آسکتی ہیں، جب کہ کوئی خطرہ نہ ہو(۱)۔

۴...... ہمارے اطراف میں بیشتر مستورات اپنے اپنے مکانات میں بچوں کو تعلیم دیتی ہیں، مگر جس طرح بیرونی لڑکوں کے لئے قیام وطعام اور وظائف کا انتظام ہے کہ وہ دور دراز سے آکر رہتے ہیں اور کئی کئی سال قیام کر کے پورا درس پڑھ کر عالم وفاضل ہو کر جاتے ہیں، یہ صورت لڑکیوں کے لئے نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

۵......لڑکی جب بالغہ ہو جائے یا قریبُ البلوغ ہو تو اس کو مستورات میں اس طرح وعظ کہنا کہ اس کی آواز نامحرم مرد بھی سنتے ہوں نہیں چاہیئے (۲)۔

= المفتی، کتاب العلم، تیسرا باب: تعلیم زناں: ۲/۶۷، دارالاشاعت کراچی)

"وفی الخلاصة الفتاویٰ: امرأة تتعلم القرآن من الأعمی، إن تعلمت من المرأة أحب".

(خلاصة الفتاویٰ، کتاب الصلوة، جنس اٰخر: ۱/۱۰۳، امجد اکیڈمی لاهور)

"وإذا کان الشرع أذن للمرأة أن تتعلم ماینفعها فی أمر دینها ودنیاها، فیجب أن یکون هذا التعلیم بمعزل عن الذکور، وبمنأی عنهم، حتی یسلم للبنت عرضها وشرفها، وحتی تکون دائماً حَسَنَة السمعة، کریمة الخلق، کثیرة الاحترام". (تربیة الأولاد فی الإسلام، مسؤولیة الواجب التعلیمی: ۱/۳۷۷، دارالاسلام للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت)

(۱) شریعت مطہرہ نے پردہ بالغہ عورتوں پر فرض کیا ہے، کیونکہ وہاں پر اغلب یہ ہے کہ فتنہ پیدا ہو، جب کہ چھوٹی بچیوں کے لئے پردہ شرعاً لازم نہیں، لیکن اگر یہاں بھی خوفِ فتنہ ہو تو بھی احتیاط ضروری ہے:

"(وتمنع) المرأة الشابة (من کشف الوجه بین رجال) لا لأنه عورة بل (لخوف الفتنة) .... فحل النظر منوط بعدم خشیة الشهوة مع عدم العورة". (الدرالمختار). قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(لاعورة للصغیر جداً) وکذا الصغیرة کما فی السراج، فیباح النظر والمس کما فی المعراج".

(ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مطلب فی ستر العورة: ۱/۴۰۶، ۴۰۷، سعید)

(۲) "نغمة المرأة عورة، وتعلمها القرآن من المرأة أحب. قال علیه الصلوة والسلام: "التسبیح للرجال، والتصفیق للنساء" فلا یحسن أن بیسمعها الرجل، اهـ. وفی الکافی: ولا تلبی جهراً؛ لأن صوتها عورة، ومشی علیه فی المحیط فی باب الأذان، بحر. قال فی الفتح: وعلی هذا لو قیل: إذا جهر بالقراءة فی الصلوة فسدت، کان متجهاً، ولهذا منعها علیه الصلوة والسلام من التسبیح بالصوت لإعلام الإمام =

۶......عورتوں کے شوہر، والد، چچا، بھائی ماموں سب ہی فکر کرکے ان کی تعلیم وتربیت کے لئے کوشش کریں، اپنے طور پر ان کو پڑھائیں، انشاء اللہ تعالیٰ بہت ہی فائدہ ہوگا۔ مگر یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب ان کے مردوں میں بھی علم واخلاق کی روشنی موجود ہو اوران کو فکر بھی ہو، اگر وہ خود ہی بے بہرہ ہوں تو کیا فکر کریں گے اور کیا تعلیم وتربیت کرسکیں گے، وہ تو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھیج کر تباہ ہی کریں گے، اس لئے مردوں میں دینی اخلاق وفکر پیدا ہونا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۲/۵ھ۔

مدرسہ کے طلباء وطالبات کی امداد اوران کو بُرے الفاظ کہنا

سوال[۷۷۱۹]: زید ایک ہمدرد قوم ہے، بہت سے طلباء وطالبات کی خود بھی امداد کرتا ہے اور دوسروں سے بھی کراتا ہے۔ کیا زید کا یہ عمل قابلِ طعن ہے؟ کیا ان لڑکے اورلڑکیوں کو زید کا غلام، لونڈی، بیوی، معشوق اور محبوب بولنا صحیح ہے، یہ الزام اور بہتان ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص محض اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے علمِ دین حاصل کرنے والے طلباء اور طالبات کی اعانت کرتا ہے، ذاتی ونفسانی خواہش ومفاد پیشِ نظر نہیں، تو اللہ کے نزدیک اس کا رتبہ بہت بلند ہے اور بہت بڑے اجر وثواب کا مستحق ہے(۱)۔ اس کے لئے طعن وملامت کا لفظ بولنا جائز نہیں، بے بنیاد الزام اور تہمت لگانا حرام

= بسهوه إلى التصفيق، اهـ. وأقره البرهان الحلبي في شرح المنية الكبير، وكذا في الإمداد، ثم نقل عن خط العلامة المقدسي: ذكر الإمام أبو العباس القرطبي في كتابه في السماع: ولايظن من لافطنة عنده أنا إذا قلنا صوت المرأة عورة أنا لا نريد بذلك كلامها؛ لأن ذلك ليس بصحيح، فإنا نجيز الكلام مع النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك؛ لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم، ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مطلب في ستر العورة: ۱/۴۰۶، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله، ثم لا يتبعون ما أنفقوا مناً ولا أذىً، لهم أجرهم عند ربهم، ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون﴾. (سورة البقرة: ۲۶۲)

اور کبیرہ گناہ ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

سفیرِ مدرسہ کے ورثاء کو بطورِ امداد کچھ رقم دینا

سوال[۷۷۲۰]: زید ایک دینی درسگاہ میں سفیر کی حیثیت سے تھے، موصوف نہایت ہی مستعدی کے ساتھ کارِ سفارت (چندہ وغیرہ) انجام دیتے تھے، لیکن بقضائے الٰہی کچھ دنوں بیمار رہ کر اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔ اراکینِ مدرسہ نے زید موصوف کے ورثہ کو ایامِ علالت کی تنخواہ کے علاوہ اس بات کا فیصلہ کیا کہ منجانبِ مدرسہ کچھ رقم ورثائے زید کو دے دی جائے، تاکہ ان لوگوں کو فی الوقت پریشانی سے دوچار ہونا نہ پڑے۔

اب دریں مسئلہ علمائے دین سے سوال یہ ہے کہ آیا زید کے ایامِ مرض کی تنخواہ کے علاوہ جو اُن کے ورثاء کو اراکینِ مدرسہ نے دینے کا فیصلہ کیا ہے وہ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

الف: اگر فیصلہ شدہ رقم ورثائے زید کو دینا جائز ہے تو اُسے تنخواہ میں شمار کیا جائے گا یا علی سبیل الامداد ہوگا؟

ب: اور کیا اراکینِ مدرسہ یا مہتمم کو اس بات کا حق ہے کہ متعلقینِ مدرسہ کی وفات کے بعد ان کے ورثاء کو علاوہ ان کی تنخواہ کے کچھ امداد کے طور پر دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کی رقم ملازم مدرسہ کی ملازمت ختم ہونے پر اس کے ورثاء کو بطورِ امداد دینے کا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن یکسب خطیئةً أو إثماً، ثم یرم به بریئًا، فقد احتمل بهتاناً وإثماً مبیناً﴾ (سورة النسآء: ۱۱۲)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿یأیها الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن إن بعض الظن إثم، ولا تجسسوا، ولا یغتب بعضکم بعضاً﴾ (سورة الحجرات: ۱۲)

"عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: "اللعانین لا یکونون شهداء و لا شفعآء یوم القیامة". رواه مسلم". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۴۱۱، کتاب الأدب، باب حفظ السان، الفصل الأول، قدیمی)

حق نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

امام ومدرس کی بدچلنی کا علم ہوتے ہوئے لوگوں کو واقف نہ کرنا

سوال[۷۷۲۱]: ایک آدمی کسی مسجد کے امام اور مدرسہ کے مدرس کے متعلق بدچلنی جانتا ہے، اس کی چال چلن کے بارے میں موضع والوں کو آگاہ نہ کرے، جب کہ تمام آدمی اس کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں اور موضع کے لڑکے لڑکیاں مدرسہ میں پڑھنے جاتے ہیں جب کہ وہ آدمی اس امام کو بدچلن جانتا ہے۔ ایسے آدمی پر کیا فتویٰ عائد ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ امام کا عیب ظاہر نہ ہو اور لوگوں کی نظروں میں وہ ذلیل نہ ہو، بلکہ تنہائی میں اس کو نصیحت کردے اور امام بدچلنی سے باز آجائے، توبہ کرے تو اس شخص کا یہ طریقہ درست اور بہتر ہے(۲)۔

---

(۱) یہ رقم وقف نہیں، البتہ متعین مدرسہ کے طلبہ کے لئے ہے، جب مصرف متعین ہو کسی اور مصرف میں صرف کرنا درست نہیں:

"وقف مصحفاً على أهل مسجد للقراءة إن يحصون، جاز، وإن وقف على المسجد جاز، ويقرأ فيه". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: إن يحصون، جاز) هذا الشرط مبني على ماذكره شمس الأئمة من الضابط وهو أنه إذا ذكر للوقف مصرفاً، لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة حقيقةً كالفقراء، أو استعمالاً بين الناس كاليتامى والزمنى". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: متى ذكر للوقف مصرفاً لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة: ۴/۳۶۵، سعيد)

کیونکہ یہ وقف کا مال ہے اور وقف کا مال کسی کو تملیکاً دینے کا حق نہیں:

"فإذا تم ولزم، لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لايملك): أي لايكون مملوكاً لصاحبه. (ولايملك): أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه، عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۳۶، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، قديمي) =

اور اگر کوئی دوسرا مقصد ہے تو اس کو ظاہر کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۱/۲۹ھ۔

عربی پڑھ کر سرکاری مدرسہ میں ملازمت

سوال [۷۷۲۲]: دارالعلوم اور مظاہر علوم کے فارغین امتحانِ فاضل دے کر سرکاری مدرسہ یا اسکول میں داخل ہورہے ہیں، پبلک مدرسہ چھوڑ کر تنخواہ کم ہونے کی وجہ سے۔ اس بارے میں حضرت والا کی رائے مبارک کیا ہے، جب کہ تنخواہ اتنی کم ہے جس سے گزارہ نہیں ہوتا، حقوق ادا کرنا مشکل ہورہے ہیں؟

ابوبکر، ۲۴، پرگنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علمِ دین تو دین درست کرنے، دین کی خدمت کرنے اور خدا کو راضی کرنے کے لئے حاصل کیا جاتا ہے، اس کی تحصیل کے بعد اگر فاضل وغیرہ کا امتحان دیکر سرکاری اسکول میں ملازمت کریں اور تنخواہ زیادہ کمائیں تو اصل مقصد تو حاصل نہ ہوگا، جس کے لئے مدرسہ میں قیام کیا، وظیفہ لیا، پڑھا، لیکن اس تنخواہ کو ناجائز نہیں کہا جائے گا جب کہ تعلیم میں خلافِ شرع چیزیں نہ ہوں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۵ھ۔

= "وينبغي للآمر والناهي أن يرفق، ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب، فقد قال الإمام الشافعي: من وعظ أخاه سراً فقد نصحه وزانه، و من وعظ علانيةً فقد فضحه و شانه". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح : ۸۶۰/۸، ۸۶۳، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، رشيديه)

(وكذا في حاشية النووي على صحيح مسلم: ۵۱/۱، كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان، قديمي)

(۱) تنخواہ چونکہ اس کے عمل کی اجرت ہے، اس لئے نفسِ تنخواہ میں کوئی قبح نہیں: "والإجارة لاتخلو : إما أن تقع على وقتٍ معلومٍ أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل معلوم .... إن كان يصلح أوّله دون آخره فتجب الأجرة بمقدار ما عمل، و إذا وقعت على وقت معلوم، فتجب الأجرة بمضي الوقت". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، سعيد)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية : ۴۱۳/۴، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة، رشيديه) =

مدرسین کے لئے مسجد کی جماعت سے پہلے نماز پڑھنے کا فیصلہ

سوال [۷۷۲۳]: مدرسہ مچنگ باڑی نے یہ فیصلہ کیا کہ مدرسین نماز ظہر علیحدہ جماعت سے پہلے پڑھ لیں اور پھر تعلیم شروع کردیں، حالانکہ مدرسین وقفہ میں جماعت سے پہلے نماز پڑھتے تھے، وقفہ ایک بجے سے دو بجے تک رہتا تھا، اب ساڑھے بارہ بجے سوا بجے تک کردیا۔ ایسے حضرات کے لئے کیا حکم ہے؟ اسکول میں جہاں سنتِ مؤکدہ حکماً ترک کردی جائے، چرمِ قربانی زکوۃ وغیرہ دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی جماعت میں مدرسین کو شرکت کی اجازت دی جائے (۱)، جتنا وقت اس میں صرف ہو اس کی تلافی شروع یا آخر میں ہوسکتی ہے۔ ترکِ جماعت کا جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ قابلِ تنفیذ نہیں، اس کو واپس لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۹۰ھ۔

= (وكذا في الدر المختار: ٦/١٠، كتاب الإجارة، سعيد)

(۱) فرض نماز کا مسجد میں پڑھنا الگ سنت ہے اور اس کا جماعت کے ساتھ پڑھنا الگ سنت ہے، لہٰذا صورتِ مذکورہ میں ایک سنت کا ترک لازم آتا ہے، اسی طرح صورتِ مذکورہ میں ترکِ مسجد کی بناء پر مسجد کے ثواب سے بھی محروم ہوگا:

"عن أبي الأحوص قال: قال عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه: لقد رأيتنا وما يختلف عن الصلوة إلا منافق قد علم نفاقه، أو مريض، إن كان المريض ليمشي بين رجلين، حتى يأتي الصلوة. وقال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علّمنا سنن الهدى، وإن من سنن الهدى، الصلوة في المسجد الذي يؤذن فيه". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب فضل جماعة المسجد: ١/٢٣٢، قديمي)

"(والجماعة سنة مؤكدة للرجال) ………… (وقيل: واجبة، وعليه العامة) ………… (على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة من غير حرج)". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٥٥٦، سعيد)

"وسئل الحلواني عمن يجمع بأهله أحياناً: هل ينال ثواب الجماعة؟ فقال: لا، ويكون بدعةً ومكروهاً بلا عذر". (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٣٤٥، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن النواس بن سمعان رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاطاعة =

یومِ عاشورہ کی تعطیل مدارس میں

سوال[۷۷۲۴]: ۹،۱۰/محرم کو اس اطراف کے مدارس میں اکثر بہتیرے چھوٹے لڑکے پڑھنے نہیں آتے اور بڑے لڑکے عربی خواں طلبہ میں سے بھی بعض طلبہ پڑھنے سے گریز کرتے ہیں اور بعض طوعاً وکرہاً شریکِ درس ہوتے ہیں۔ پس اس صورت میں ان تاریخوں میں تعطیل کرنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ ان دنوں میں روزہ مسنون ومستحب ہے، پس ان دنوں میں روزہ رکھا جائے اور اسی کے ضمن میں تعطیل کردی جائے جیسا کہ رمضان میں تعطیل ہوتی ہے۔ اور عمر کہتا ہے کہ درست نہیں، تعطیل میں اہلِ تشیع واہلِ بدعت کا تشبہ لازم آتا ہے، کہ وہ ان دنوں میں کاروبار چھوڑ کر ماتم، مرثیہ وغیرہ میں مشغول ہوجاتے ہیں اور کاروبار کو معیوب سمجھتے ہیں۔ ان میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ بہرکیف شریعت کی روشنی میں جو حکم ہو صاف صاف مدلل بیان فرمایا جاوے۔

نیز قطعِ نظر لڑکوں کے آنے نہ آنے اور قطعِ نظر روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے تعطیل کرنا کیسا ہے؟ جواب مدلل مع حوالہ عنایت ہو۔

محمد یاسین، مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ۔

= لملخوق فی معصیة الخالق''. (مشكوة المصابيح، ص: ۳۲۱، كتاب الإمارة والقضاء، قديمی)

''وعن علی رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: ''لا طاعة لمخلوق فی معصية الله عزوجل''. (مسند أحمد: ۲۱۲/۱، (رقم الحديث: ۱۰۹۸)، دارإحياء التراث العربی بيروت)

''وذكر الجزری فی أسنی المناقب بسنده عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال: دعانی رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فقال: ''ياعلی! إن فيک من عيسیٰ مثلاً أبغضه اليهود حتی بهتوا أمه، وأحبته النصاری حتی أنزلته بالمنزلة التی ليس بها''. فقال علی كرم الله وجهه: إنه يهلک فی محب مطرلی يقرظنی بما ليس فیّ، ومبغض مفتر يحمله علی أن بهتنی، ألا! وإنی لست بنبیٍّ ولا يوحی إلیّ، ولكنی أعمل بكتاب الله وسنة رسوله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم مااستطعت له، فما أمرتكم من طاعة الله فحق عليكم طاعتی فيما أحببتم أوكرهتم، وما أمرتكم بمعصية الله أنا أو غيری، فلا طاعة لأحد فی معصية الله، إنما الطاعة فی المعروف. حديث حسن رواه الحاكم فی صحيحه، وقال: صحيح الإسناد ولم يخرجاه، اهـ''.
(مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثانی: ۲۷۴/۷، رشيديه)

الجواب حامداًومصلياً:

دس محرم کو روزہ کی فضیلت حدیث شریف سے ثابت ہے(۱)، اَور بھی متعدد خصوصیات اس دن کی وارد ہوئی ہیں (۲)، لیکن اس دن میں تعطیل کرنا اور کاروبار یا مدارس کو بند رکھنا روافض کا شعار ہے جس سے

---

(۱) ”عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: مارأيت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتحرّى صيام يوم فضّله على غيره إلا هذا اليوم: يوم عاشورا، وهذا الشهر، يعنى رمضان“. (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب صيام التطوع، الفصل الأول، ص: ۱۷۸، قديمى)

”عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قدم المدينة فوجد اليهود صياماً يوم عاشوراء، فقال لهم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”ماهذا اليوم الذى تصومونه“؟ قالوا: هذا يوم عظيم أنجى الله فيه موسىٰ وقومه، وغرق فرعون وقومه، فصامه موسىٰ شكراً، فنحن نصومه. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”فنحن أحق وأولىٰ بموسىٰ منكم“. فصامه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأمر بصيامه“. (الصحيح لمسلم، كتاب الصوم، باب صوم يوم عاشوراء: ۱/۳۵۹، قديمى)

(۲) چند فضائل یہ ہیں: قال الفقيه أبو الليث السمرقندى رحمه الله تعالىٰ: ”ثنا الحاكم أبو الحسن على بن الحسين السردرى، حدثنا أبو جعفر أحمد بن حاتم، حدثنا يعقوب بن جندب عن حامد عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ”من صام يوم عاشوراء من المحرم، أعطاه الله تعالىٰ ثواب عشرة آلاف ملک. ومن صام يوم عاشوراء من المحرم، أعطى ثواب عشرة آلاف حاج ومعتمر وعشرة آلاف شهيد. ومن مسح يده على رأس يتيم يوم عاشوراء، رفع الله تعالىٰ له بكل شعرة درجة. ومن فطر مؤمناً ليلة عاشوراء، فكأنما أفطر عنده جميع أمة محمد عليه الصلوة والسلام وأشبع بطونهم“. قالوا: يارسول الله لقد فضل الله يوم عاشوراء على سائر الأيام؟ قال: ”نعم! خلق الله تعالىٰ السمٰوٰت والأرضين يوم عاشوراء، وخلق الجبال يوم عاشوراء، وخلق البحر يوم عاشوراء، وخلق اللوح والقلم يوم عاشوراء، وخلق آدم يوم عاشوراء، وخلق حواء يوم عاشوراء، وخلق الجنة، وأدخله الجنة يوم عاشوراء، وولد إبراهيم يوم عاشوراء، ونجاه الله من النار يوم عاشوراء، وقد أمِرَ بالذبح يوم عاشوراء، وفدى ولده من الذبح يوم عاشوراء، وأغرق فرعون يوم عاشوراء، وكشف البلاء عن أيوب يوم عاشوراء، وتاب الله على آدم يوم عاشوراء، وغفر ذنب داود يوم عاشوراء، ورد =

....

= ملک سليمان يوم عاشوراء، وولد عيسى في يوم عاشوراء، ورفع الله إدريس وعيسى يوم عاشوراء، وولد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في يوم عاشوراء، ويوم القيامة في يوم عاشوراء.

"حدثنا محمد بن الفضل، حدثنا محمد بن جعفر، حد ثنا إبراهيم بن يوسف، حدثنا السبب بن أبي بكر عن عكرمة رضي الله تعالىٰ عنه قال: يوم عاشوراء هو اليوم الذى تيب فيه على آدم، وهو اليوم الذى أهبط فيه نوح من السفينة فصامه شكراً، وهو اليوم الذى أغرق فيه فرعون وفلق البحر لبني إسرائيل فصاموه، فإن استطعت أن لايفوتک صومه فافعل.

قال: حدثنا محمد بن الفضل، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا إبراهيم بن يوسف، حدثنا سفيان عن إبراهيم عن محمد بن ميسرة قال: بلغنا أن: "من وسّع على عياله يوم عاشوراء وسّع الله عليه سائر السنة". قال سفيان: جرّبناه فوجد ناه كذلک.

وروى سعيد بن جبير عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قدم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المدينة فوجد اليهود يصومون يوم عاشوراء، فسألهم عن ذلک فقالوا: إن هذا اليوم أظهر الله فيه موسىٰ وبني إسرائيل على قوم فرعون، فنحن نصومه تعظيماً له، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "نحن أولى بموسى منكم" فأمر بصومه.

قد اختلفوا في تفسير هذا اليوم، قال بعضهم: إنما سمي عاشوراء؛ لأنه عاشر يوم من المحرم. وقال بعضهم: لأن الله تعالىٰ أكرم فيه عشرةً من الأنبياء بعشر كرامات: تاب الله على آدم يوم عاشوراء، وولد إبراهيم عليه السلام في يوم عاشوراء، واتخذه خليلاً وأنجاه من النار كذلک، وتاب الله على داود يوم عاشوراء، ورفع الله عيسىٰ يوم عاشوراء، وأنجى الله موسىٰ من البحر وأغرق فرعون يوم عاشوراء، وأخرج يونس من بطن الحوت يوم عاشوراء، ورد ملک سليمان يوم عاشوراء، وولد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم عاشوراء.

قال بعضهم: إنما سمي عاشوراء؛ لأنه عاشر عشر كرامات أكرم الله بها هذه لأمة: أولها: شهر رجب وهو شهر الله الأصم، وإنما جعله كرامةً لهذه الأمة، وفضله على سائر الشهور كفضل هذه الأمة على سائر الأمم. والثاني: شهر شعبان وفضله على سائر الشهور كفضل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على سائر الأنبياء عليهم الصلوة والسلام. والثالث: شهر رمضان وفضله على سائر الشهور كفضل الله تعالىٰ على خلقه. والرابع: ليلة القدر، وهي خير من ألف شهر. والخامس: يوم الفطر، وهو يوم الجزاء. =

اجتناب لازم ہے: "من تشبه بقوم، فهو منهم" (۱) اور "من كثّر سواد قوم، فهو منهم". الحديث (۲)۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "ماثبت بالسنة" میں اس تاریخ کی خصوصیات اور بدعات کو جمع فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ فلاں بات اصل ہے اور فلاں بات بے اصل ہے۔ جیسے کہ فی نفسہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا ذکر مباح ہے ممنوع نہیں، لیکن یومِ عاشورہ میں خصوصیت سے ذکر کرنا تشبہ روافض کی وجہ سے ممنوع ہے:

"سئل عن ذكر مقتل الحسين رضي الله تعالىٰ عنه في يوم عاشوراء: يجوز أم لا؟ قال: لا؛ لأن ذلك من شعار الروافض"۔

عامۂ اسلامی اداروں میں جمعہ کے روز تعطیل ہوتی ہے، اتوار کی تعطیل سے اسی لئے منع کیا جاتا ہے کہ اس روز غیر مسلم تعطیل کرتے ہیں۔

رہا ۹، ۱۰/ روزہ رکھ کر تعطیل کرنا اور اس کا سبب روزہ کو قرار دینا محض حیلہ ہے، ذی الحجہ کے نو دن میں بھی روزہ کا ثبوت ہے (۳)، ۱۵/ شعبان میں بھی روزہ کا ثبوت ہے (۴)، شوال میں چھ روزوں کا ثبوت ہے (۵)،

= والسادس: أيام العشر، وهي أيام ذكر الله تعالىٰ. والسابع: يوم عرفة، وصومه كفارة ستين. والثامن: يوم النحر، وهو يوم القربان. والتاسع: يوم الجمعة، وهو سيد الأيام. والعاشر: يوم عاشوراء، وصومه كفارة سنة، فلكل وقت من هذه الأوقات كراماتٌ جعلها الله تعالىٰ لهذه الأمة لتكفير ذنوبهم وتطهير خطاياهم". (تنبيه الغافلين، باب فضل يوم عاشوراء، ص: ۱۸۲، ۱۸۳، رشيديه)

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۳۷۵، كتاب اللباس، الفصل الثاني، قديمي)

(۲) والحديث بتمامه: "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من كثر سواد قوم فهو منهم، ومن رضي عمل قوم، كان شريكاً لمن عمله". (المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية: ۲/۴۲، مكة المكرمة)

(۳) "عن هنيدة بن خالد عن امرأته عن بعض أزواج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصوم تسع ذي الحجة، و يوم عاشوراء، وثلاثة أيام من كل شهر، أول اثنين من الشهر والخميس". (سنن أبي داؤد: ۱/۳۳۸، كتاب الصوم، باب في صوم العشر، إمداديه ملتان) =

ہر ماہ میں ایامِ بیض کے روزوں کا ثبوت ہے (۱)، پیر اور جمعرات کے روزوں کا ثبوت ہے (۲)، کہاں تک رمضان کی حرص کر کے تعطیل کی جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الثانی / ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/ ربیع الثانی / ۶۷ھ۔

یوم عاشورہ کی تعطیل

سوال [۷۷۲۵]: یوم عاشورہ کی تعطیل اسلامی مدارس میں کرنی چاہئے کہ نہیں؟ دارالعلوم دیوبند میں چھٹی عشرہ محرم کی چھٹی ہوتی ہے یا نہیں؟

ڈاکٹر سجاد خان میگل گنج کھیری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عاشورہ محرم کی تعطیل دار العلوم میں نہیں ہوتی، اسلامی مدارس و مکاتب میں اس کی تعطیل نہ

= (۴) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصوم حتى نقول: لا يفطر، و يفطر حتى نقول: لا يصوم. و ما رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم استكمل صيام شهر إلا رمضان، و ما رأيته أكثر صياماً منه في شعبان". (صحيح البخاري: ۱/ ۲۶۴، كتاب الصوم، باب صوم شعبان، قديمي)

(۵) "عن أبي أيوب صاحب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من صام رمضان، ثم أتبعه بست من شوال، فكأنما صام الدهر". (سنن أبي داود: ۱/ ۳۳۰، كتاب الصوم، باب في صوم ستة أيام من شوال، إمداديه)

(۱) "عن أنس أخي محمد عن أبي ملحان القيسي عن أبيه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يأمرنا أن نصوم البيض: ثلث عشرة وأربع عشرة و خمس عشرة. قال: قال: "هن كهيأة الدهر". (سنن أبي داؤد: ۱/ ۳۳۲، كتاب الصوم، باب في صوم الثلث من كل شهر، إمداديه)

(۲) "عن حفصة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: "كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصوم ثلثة أيام من الشهر، الإثنين والخميس والإثنين من الجمعة الأخرى". (سنن أبي داؤد: ۱/ ۳۳۲، كتاب الصوم، باب من قال: الإثنين والخميس، إمداديه)

کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۲۵ھ۔

تعلیم کی غرض سے بچوں سے نعت پڑھوانا

سوال [۷۷۲۶]: تعلیم کی غرض سے چھوٹے چھوٹے بچوں کو صبح کے وقت نعت حضور پُرنور پڑھوایا جاتا ہے تاکہ بچوں کو شوق ہو اور دوسرے بچے تعلیم کے لئے آئیں۔ یہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام مستقل قربت وسعادت ہے۔ بچے اور بڑے سب ہی پڑھا کریں۔ مگر ادب واحترام کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک جداگانہ تنہائی میں بیٹھ کر پڑھے۔ آواز ملا کر جس میں گانے اور قوالی کا طرز پیدا ہو جائے نہ پڑھیں۔ نعت کا بھی یہی حال ہے۔ ترانے کے طور پڑھنے سے اس میں لہو لعب کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے پوری احتیاط چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۱/۷ھ۔

مدرسہ ہے یا چوپال

سوال [۷۷۲۷]: ۱...... ایک چوپال (۲) موضع شورم پٹی میر بخش میں مسجد سے ملحق ہے جس میں ہمیشہ سے دینی تعلیم ہوتی چلی آرہی ہے، اس کی مرمت مسجد کے پیسوں سے ہوتی ہے۔ جائز یا ناجائز؟

۲...... وقتاً فوقتاً مسلمانوں کی بارات آتی ہے تو بچوں کی چھٹی ایک دوروز کی کردی جاتی ہے۔

۳...... تمام مسلمان ہمیشہ خوش رہے ہیں اور امداد دیتے ہیں، کسی نے سر نہیں اٹھایا۔

۴...... اس پٹی میں تقریباً ۵/ ہزار مسلمان جو مدرسہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس مدرسہ کا نام

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''یوم عاشورہ کی تعطیل مدارس میں'')

(۲) ''چوپال: بیٹھک، نشست گاہ، گاؤں کا وہ پنچائتی مکان جس میں لوگ مل کر بیٹھتے ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص:۵۳۹، فیروز سنز، لاہور)

بدر العلوم ہے۔

چند پارٹی اور شر پسند جن کی تعداد ۱۰، ۱۵/ ہوگی، اقتدار کی خواہش میں مدرسہ میں دخل انداز ہو گئے۔ اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ چوپال سانگ (۱) تماشے کے لئے ہوتی ہے، اس میں مدرسہ کا کیا کام ہے؟ فی الحال اس مدرسہ میں دوسو سے زیادہ بچے اور چار مدرس ہیں۔ اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ عمارت کی دیواریں جن پر مدرسہ کا نام لکھا ہوا ہے اس کو مٹادیں۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ عدالتی کارروائی کریں۔ انہوں نے درخواست دی ہے اور پولیس تحقیقات کے لئے آئی اور پولیس افسر نے تمام محلے والوں سے تصدیق کی ہے، سب مسلمانوں نے کہا کہ اس میں ہمیشہ سے تعلیم ہوتی چلی آرہی ہے۔

وہ بھی یہ کہہ کر گئے ہیں کہ اس میں سے مدرسہ نہیں ہٹایا جائے گا، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ مدرسہ رہے گا۔ تو اس جگہ کے بارے میں آپ کا خیال کیا ہے، مدرسہ رہے یا چوپال؟ مفصل جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقیقتِ حال تو خدا ہی کو معلوم ہے، لیکن ظاہر صورت اور طرزِ عمل سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ جگہ مدرسہ ہے، اس میں دینی تعلیم ہوتی ہے، اور مسجد کے پیسے سے اس کی مرمت کی جاتی ہے، کسی تقریب کے موقع پر اس کو مدرسہ سے عاریت پر لے کر مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا ہے اور تعلیم کی چھٹی کردی جاتی ہے، یہ تعلقات کی رواداری کی بات ہے اس سے یہ سمجھنا کہ یہ چوپال ہے، مدرسہ نہیں بظاہر درست نہیں۔ بلکہ ظاہر تو یہ ہے کہ مسجد سے متعلق مدرسہ ہے اس وجہ سے مسجد کے پیسے سے مرمت کی جاتی ہے، دینی تعلیم کو وہاں سے ختم نہ کیا جائے گا اور مدرسہ کا نام جو دیوار پر لکھا ہوا ہے اس کو نہ مٹایا جائے گا۔ اور شر کو حسنِ تدبیر سے ختم کیا جائے گا (۲)۔

---

(۱) ''سانگ: نقل، اداکاری، کھیل تماشا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۶۹، فیروز سنز، لاہور)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ادفع بالتی هی أحسن﴾ (سورة حم السجدة: ۳۴)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ تحت هذه الأیة: "أی ادفع السیئة حیث اعترضتک من بعض أعادیک بالتی هی أحسن منها وهی الحسنة". (تفسیر روح المعانی، (سورة حم السجدة: ۳۴): ۱۲۳/۲۴، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

آپسی نزاع کے اندر بہت خرابی ہے، اس کے نتائج بھی نہایت خراب ہوتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تنازعوا، فتفشلوا وتذهب ريحكم، واصبروا، إن الله مع الصٰبرين﴾ (سورة الأنفال: ٤٦)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إياكم وسوء ذات البين، فإنها الحالقة". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر، الفصل الثاني، ص: ٤٢٨، قديمي)

قال الملا علي القاري تحت حديث آخر: "وقال بعض المحققين: أي لاتشغلوا بأسباب العداوة؛ إذ العداوة مما لااختيار فيه، فإن البغض من نفار النفس عما مايرغب عنه، وأوّله الكراهةُ، وأوسطه النفرة، وآخره العداوة". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ٥٠٢٨): ٨/٧٢١، رشيديه)